علم و فضل، اخلاص و تقویٰ، محبت و ایثار اور سخاوت کے حیرت انگیز مستند واقعات
جو حالاتِ حاضرہ میں اُمت کیلئے مشعلِ راہ ہیں



اہلِ بیت علیہم الرضوان

سیرت... فضائل و مناقب... باہمی محبت و اُلفت
نیز اہلِ بیت کی گستاخی کرنے والوں کے عبرت ناک واقعات

مجموعہ افادات
شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی
مفتی اعظم حضرت مفتی محمد شفیع صاحب
حضرت مولانا محمد اِدریس کاندھلوی
حضرت مولانا محمد نافع صاحب
و دیگر اکابر رحمهم الله

اِدارہ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ مُلتان 0322-6180738

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ

الْاُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِيمًا

ھدیۂ مُحبّت

بخدمت جناب..

....

....

....

نوٹ:۔ دوست احباب کو ہدیہ کر کے اپنے لئے صدقہ جاریہ بنایئے

علم وفضل، اخلاص وتقویٰ، محبت وایثار اور سخاوت کے حیرت انگیز مستند واقعات
جو حالات حاضرہ میں اُمت کیلئے مشعل راہ ہیں

اہلِ بیت علیہم الرضوان

سیرت... فضائل ومناقب... باہمی محبت واُلفت
نیز اہلِ بیت کی گستاخی کرنے والوں کے عبرت ناک واقعات

مجموعہ افادات
شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی
مفتی اعظم حضرت مفتی محمد شفیع صاحب
حضرت مولانا محمد اِدریس کاندھلوی
حضرت مولانا محمد نافع صاحب
و دیگر اکابر رحمھم اللہ

جمع و ترتیب
محمد اسحٰق مُلتانی
مدیر ماہنامہ ''محاسن اسلام'' ملتان

اِدارۂ تالیفاتِ اَشرفیہ
چوک فوارہ مُلتان 0322-6180738

اہلِ بیت علیہم الرضوان

تاریخ اشاعت.............صفر المظفر ۱۴۴۲ھ
ناشر.............ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
طباعت.............ساؤتھ پنجاب پرنٹنگ پریس، ملتان
بائنڈنگ.............اشرفیہ بک بائنڈنگ....ملتان

انتباہ

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔
الحمدللہ اس کا کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔
پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں
تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان پاکستان

ادارہ اسلامیات.........انارکلی.........لاہور
مکتبہ سید احمد شہید.........اردو بازار......لاہور
مکتبہ رحمانیہ.........اُردو بازار .... لاہور
اسلامی کتاب گھر......خیابان سرسید......راولپنڈی
اسلامک بک کمپنی......امین پور بازار......فیصل آباد
مکتبہ رشیدیہ......سرکی روڈ......کوئٹہ
مکتبۃ الشیخ......بہادر آباد......کراچی
والی کتاب گھر...گوجرانوالہ...مکتبہ علمیہ...اکوڑہ خٹک

دارالاشاعت.......اُردو بازار..........کراچی
قرآن محل......کمیٹی چوک......راولپنڈی
مکتبہ دارالاخلاص....قصہ خوانی بازار......پشاور
مکتبہ اسلامیہ......امین پور بازار......فیصل آباد
ممتاز کتب خانہ......قصہ خوانی بازار......پشاور
مکتبہ ماجدیہ......سرکی روڈ......کوئٹہ
مکتبہ عمر فاروق......شاہ فیصل کالونی......کراچی
مکتبہ نعمانیہ...گوجرانوالہ...اسلامی کتاب گھر...ایبٹ آباد

الامام محمد قاسم النانوتوی ریسرچ لائبریری مردان: 0341-9164891

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTERE

119-121- HALLIWELL ROAD
BOLTON BLI 3NE. (U.K.)

عرض مرتب وناشر

پہلے مجھے پڑھیے!

الحمدلله رب العالمين، والعاقبة للمتقين والصلوٰة والسلام على اشرف الانبياء والمرسلين وعلىٰ اٰله واهل بيته واصحابه اجمعين و من تبعهم باحسان الى يوم الدين

امابعد! اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہدایت قرآن کریم معجزہ ہی نہیں بلکہ معجزہ گر ہے کہ اس کتاب مقدس کے ساتھ جو بھی جس حیثیت سے بھی جڑ گیا وہ خود زندہ جاوید بن گیا۔ محسن انسانیت جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمت کے دوش پر احسان عظیم ہے کہ آپ کی بدولت ہمیں قرآن کریم جیسی زندہ جاوید کتاب کے خطاب کا شرف بخشا کہ قرآن کریم میں جہاں بھی اہل ایمان کو خطاب ہے اس اُمت محمدیہ کے ہم افراد ہی مراد ہیں۔ اگرچہ ہم ایمان کے جس کمزور سے کمزور درجہ پر بھی ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا کس قدر فضل واحسان ہے کہ آسمانی کتب میں سے افضل ترین کتاب قرآن کریم سے نوازا تو حضرات انبیاء علیہم السلام میں سے افضل واشرف پیغمبر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نوازا اور ہمیں اُمت محمدیہ کے افراد میں سے بنایا۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسلام پر دو چیزوں کا بڑا احسان ہے۔ ایک قرآن کریم اور دوسرا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجہ منیر۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم اپنے اعجاز اور محکم تعلیمات کے ذریعے بڑے بڑے طاغی و باغی کو بھی مغلوب کر دیتا ہے اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مسعود بھی بڑے سے بڑے جابر اور سرکش کے دل کی دُنیا بدل دیتا تھا۔

اللہ تعالیٰ کے آخری نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور آپ کی اُمت نے قیامت تک چلنا اور باقی رہنا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کا آفاقی و ہمہ گیر انتظام فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق کی دعوت دی تو عرب کے منتخب اور برگزیدہ حضرات نے آپ کی دعوت پر لبیک کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک مقدس جماعت آپ کی شاگردی میں آ گئی۔ یہ لوگ بڑے نصیب والے تھے۔ 25 برس کی عمر میں آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔ حدیث شریف میں ہے کہ میں نے خود اپنا نکاح اور اپنی بیٹیوں کا نکاح اللہ کی طرف سے وحی کے بغیر نہیں

گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کا وہ حصہ جو سفر وحضر میں گزرا۔ مسجد کے محراب میں گزرا، میدانِ جہاد میں بسر ہوا یا مدینہ کے مبارک راستوں پر چلتے ہوا اس کا مشاہدہ کرنے والے ایک سے بڑھ کر ایک صحابہ جو دل وجان سے آپ پر جانثار تھے وہ بکثرت موجود تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا وہ مبارک حصہ جو گھر کی چار دیواری میں شوہر، والد اور نانا کی حیثیت سے گزرا، اس کا مشاہدہ کرنے والے حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم تھے جنہوں نے بصدق واطاعت آپ کی گھریلو ازدواجی زندگی کا مشاہدہ کیا اور تا قیامت اُمت مسلمہ کیلئے اُسوۂ حسنہ کی تکمیل فرمائی۔

قرآن کریم جس طرح معجزہ گر ہے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مطہر بھی برکتوں، رحمتوں اور عنایات کے حوالے سے ایسی زرخیز ثابت ہوئی کہ جو بھی آپ کی مبارک ذات سے وابستہ ہوا وہ انمول ہوگیا۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم "وکلاً وعد الله الحسنی" کے تحت اصحاب جنت میں سے ہیں۔ ان میں سے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی فضیلت اپنی جگہ مسلم ہے جو فضیلت و برتری جناب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دامن میں آئی وہ صرف انہی کا حصہ تھا۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے وہ حضرات جو فتح مکہ سے پہلے ہجرت فرما چکے تھے، ان کی فضیلت اپنی جگہ برقرار رہی۔ اسی طرح جماعت صحابہ میں سے اصحاب بدریین کی اپنی ایک شان اور فضیلت ہے۔ اصحاب صفہ کی جماعت کی اپنی فضیلت وانفرادیت ہے۔ صحابیات رضی اللہ عنہن تو دیکھیں تو ماشاء اللہ ایک سے بڑھ کر ایک امتیازی شان کی خواتین سامنے آتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو ازدواجی زندگی کیلئے بھی عرب میں سے منتخب خواتین کو آپ کی زوجیت کے شرف سے نوازا۔ "ہر گلے رابوئے دیگر است"۔ اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہن ماشاء اللہ ایمان وتقویٰ میں ایک دوسرے سے بڑھ کر تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاندان، خاندان سے باہر، مال میں اپنے سے زیادہ، اپنے سے کم اور اپنے برابر۔ عمر میں بڑی، اپنے سے کم اور ہم عمر۔ گویا ہر لحاظ سے خواتین کی جو حالت ہوسکتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ فرق کے ساتھ متعدد نکاح فرمائے اور خلق عظیم اور حُسنِ سلوک کے اعلیٰ مقام کے ساتھ بخیر وخوبی نباہ کر کے ہر کسی کیلئے "اُسوۂ حسنہ" پیش فرما دیا۔ کیا خوش نصیب تھے وہ لوگ جو "اہل بیت" کے مبارک لقب سے سرفراز فرمائے گئے۔

خلفائے راشدین، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب دل وجان سے "اہل بیت" کا احترام فرماتے تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ، سیدنا حسن وحسین رضی اللہ عنہما کو اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ پر ترجیح دیتے اور حُسنِ سلوک کا معاملہ فرماتے۔ پھر تابعین تبع تابعین حضرات، فقہاء محدثین، مفسرین اور جملہ مشاہیر اُمت نے ہر دور میں "اہل بیت" کے فضائل ومناقب اور ان کے ایمان افروز حالات وواقعات کو مشعل راہ بنایا ہے۔ ہر دور کے ارباب قلم نے "اہل بیت" سے اپنی محبت کے اظہار میں چھوٹی بڑی کتب تالیف کیں اور یوں نسلاً بعد نسل "اہل بیت" کے مبارک حالات واقعات

نقل ہوتے ہوئے ہم تک پہنچے۔

موجودہ دور میں اہل بیت کے مبارک ومقدس عنوان پر چھوٹی بڑی بے شمار کتب ہر زبان میں موجود ہیں۔ آج سے تقریباً 15 برس قبل جب بندہ نے سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس عنوان پر اپنے اکابر کی معتبر ومستند ضخیم کتب سے عوام الناس کیلئے مکمل سیرت طیبہ ''جدید سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کے نام سے ترتیب دی تو اندازہ ہوا کہ ہمارے اکابر مشائخ واہل قلم رحمہم اللہ نے حضرات اہل بیت علیہم الرضوان کے متعلق جو علمی، تاریخی اور ادبی کام کیا ہے اس تک ارباب علم اور خواص اُمت کی رسائی تو ہے لیکن عامۃ المسلمین اس معطر ذخیرہ سے دور ہیں تو اس وقت دل میں داعیہ تھا کہ حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم پر اکابر علماء حق نے جو کام کیا ہے اسے عام فہم انداز میں مرتب کر دیا جائے تا کہ عوام الناس بھی اپنے ایمان کو ان بابرکت نفوس کے مبارک تذکرہ سے گرمائیں اور حالات حاضرہ میں سے ان مبارک حضرات کے اُسوہ سے روشنی حاصل کریں۔

''کل امر موھون باوقاتہ''..... کے تحت یہ مبارک جذبہ صرف جذبہ ہی رہا۔ اور یوں ایک عرصہ بیت گیا کچھ عرصہ قبل عمرہ کی سعادت نصیب ہوئی تو روضۂ اطہر پر حاضری اور سلام کے دوران خوب تقاضا ہوا کہ یہ مبارک ومقدس کام اب تاخیر کی نذر نہیں کرنا۔ چنانچہ دورانِ عمرہ ہی اس مبارک کتاب کی ترتیب وتالیف کا کام شروع کر دیا۔ حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کی کرامت کہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قدم پر دستگیری فرمائی اور تقریباً 550 صفحات پر اکابر کی خوشہ چینی سے ''اہل بیت'' کا معطر ومبارک تذکرہ مرتب ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ نے انسانی فطرت ہے کہ وہ واقعات سے اثر قبول کرتی ہے۔ اسی انسانی فطرت کے پیش نظر اس مبارک کتاب میں کوشش کی ہے کہ حضرات اہل بیت کے ایمان افروز واقعات جس قدر ہو سکیں دیئے جائیں اور طویل تاریخی مباحث سے صَرفِ نظر کرتے ہوئے مختصر سوانح کے ساتھ مثالی واقعات کو اُجاگر کیا جائے تا کہ حضرات اہل بیت علیہم الرضوان کی عبادت وتقویٰ، اَخلاص وللّٰہیت، محبت وایثار اور سخاوت وفیاضی کے انمول جواہرات ہمارے لیے بھی مشعل راہ بنیں اور ہم ان قدسی صفات سے خود کو آراستہ کرنے کی فکر کریں۔

ہمارا ایمان ہے کہ حضرات اہل بیت کی محبت وعقیدت، عزت واحترام اور اتباع سب دین ہی کا حصہ ہے۔ اس لیے تاریخ کا سہارا لے کر ان حضرات کے درجات متعین کرنا صاحب ایمان کیلئے ہرگز ہرگز مناسب نہیں۔ اس لیے احتیاط لازم ہے۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ ایسا ہے کہ فکری آزادی اور تاریخی روایات آدمی کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہیں۔ اس سلسلہ میں مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا تحریر کردہ رسالہ ''اُسوۂ حسینی''، گویا ہمارے لیے حرفِ آخر ہے جو ہمارے اکابر کے مسلک اعتدال کا آئینہ دار ہے۔ بر بنائے احتیاط بندہ نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں ''واقعۂ کربلا'' کے تحت مفتی اعظم رحمہ اللہ کا مذکورہ رسالہ مکمل دیدیا ہے۔

''اہل'' بیت کے مبارک عنوان پر اکثر کتب حضرت علی، حسنین اور حضرت فاطمہ علیہم الرضوان کے تذکرہ پر ہی مشتمل ہوتی ہیں۔ راقم الحروف نے اس کتاب میں ''اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہن، حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم، حضرت عباس وابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ، سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے تذکرہ کے علاوہ سیدنا حسنین رضی اللہ عنہما کی اولاد میں سے ائمہ صاحبزادگان حضرات کا بھی تذکرہ دے دیا ہے کہ ان حضرات کا مبارک تذکرہ اہل بیت کے مبارک عنوان کے تحت ضروری ہے۔

یہ مبارک کتاب ہمارے اکابر میں سے درج ذیل حضرات کے افادات سے مرتب ومعطر کی گئی ہے۔ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ، مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ اور دیگر حضرات اکابر۔

احقر مرتب نے کوشش کی ہے کہ اس کتاب میں درج تمام معلومات، واقعات وحالات کا مآ خذ مستند ہو اور ہر بات با حوالہ ہو، تاہم ارباب علم وتحقیق سے گزارش ہے کہ اگر کوئی بات اکابر علماء حق کے مسلک اعتدال کے خلاف پائیں یا کوئی اور معنوی یا صوری غلطی پر مطلع ہوں تو فی الفور بندہ کو مطلع فرمادیں تا کہ اس کی درستگی کر دی جائے۔

قارئین کرام! دوران مطالعہ یہ بھی ملحوظ خاطر رکھیں کہ یہ اپنے اکابر کے افادات سے منتخب پھولوں کا گلدستہ تیار کیا گیا ہے۔ انداز ترتیب میں قارئین کی سہولت مدنظر رکھی گئی ہے۔ جن اکابر حضرات کے افادات سے یہ مجموعہ ترتیب دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کی طرف سے انہیں اپنی شایانِ شان جزا عطا فرمائیں اور اس کتاب کو ان کے حق میں صدقات جاریہ بنادیں۔ آمین

اس وقت اُمت مسلمہ اجتماعی وانفرادی اعتبار سے جن نامساعد حالات سے گزر رہی ہے ان حالات میں ہم میں سے ہر مسلمان کیلئے اپنے اسلاف کے تابناک واقعات سے روشنی حاصل کرنے کی ضرورت ہے اور ہمارے اَسلاف میں حضرات ''اہل بیت علیہم الرضوان'' سے بڑھ کر کون ہوسکتا ہے؟

آیئے! عقیدت ومحبت کے جذبات سے سرشار ہو کر ان مقدس حضرات کی زندگی کا مطالعہ کریں اور حُسنِ نیت کے ساتھ حُسنِ عمل کی توفیق کی دُعا کے ساتھ کتاب کو شروع کریں۔

اللہ پاک اس جدید کتاب کو اپنے مبارک عنوان کی برکت سے اپنی شایانِ شان قبولیت تامہ وعامہ نصیب فرمائے اور ہم سب کو آخری سانس تک حضرات اہل بیت کی محبت وعقیدت اور اطاعت سے سرشار رکھے۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو راقم الحروف جملہ رُفقاء کار اور جمیع مستفیدین کیلئے دین ودُنیا کی اِصلاح وفلاح کا ذریعہ بنائے آمین

والسلام محمد اسحٰق غفرلہ

۲۲ جمادی الاوّل ۱۴۴۰ھ بمطابق ۲۹ جنوری ۲۰۱۹ء

اجمالی فہرست

بسم الله الرحمن الرحيم

اللّٰهُمَّ

صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ

اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اللّٰهُمَّ

بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ

اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

فہرست عنوانات

اُسوۂ حسینی.... سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ

❁❁❁

اہلِ بیت علیہم الرضوان

فضائل ومناقب



فضائلِ اہلِ بیت علیہم الرضوان

حضرت مسور رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاطمہ رضی اللہ عنہا میرا ٹکڑا ہے جس نے ان کو غصہ دلایا مجھے غصہ دلایا اور جو بات انہیں بری معلوم ہوگی وہی بات مجھے بھی بری معلوم ہوگی۔ (بخاری ومسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فاطمہ! کیا تم جنتی عورتوں کی سرداری سے خوش نہیں ہو۔ (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ کو فاطمہ رضی اللہ عنہا سے سب سے زیادہ محبت تھی۔ (ترمذی)

حضرت براء رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو کندھے پر اٹھائے ہوئے دیکھا اور آپ یہ دعا فرما رہے تھے کہ اے اللہ! مجھے اس سے محبت ہے تو بھی اس سے محبت فرما۔ (بخاری ومسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تھوڑا سا دن تھا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے خیمے کے پاس آ کر فرمایا کیا یہاں بچہ ہے۔ کیا یہاں بچہ ہے؟ یعنی حسن رضی اللہ عنہ۔ ابھی آپ فرما ہی رہے تھے کہ حسن رضی اللہ عنہ دوڑتے ہوئے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ مجھے اس سے محبت ہے تو بھی اس سے اور اس کے محبت سے محبت رکھ۔ (بخاری ومسلم)

حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما

حضرت ابو بکرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منبر پر دیکھا۔ حسنؓ آپ کے پاس تھے۔ کبھی آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور کبھی حسن کی طرف دیکھ کر فرماتے میرا یہ بیٹا سردار ہے امید ہے کہ اللہ پاک اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرا دے گا۔ (بخاری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسن بن علیؓ کو اپنے کندھے پر سوار کئے ہوئے تھے۔ ایک شخص نے کہا اے بچے جس پر تو سوار ہے کتنی بہترین سواری ہے۔ فرمایا اور کتنا بہترین سوار بھی تو ہے۔ (ترمذی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوپہر کے وقت خواب میں دیکھا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال بکھرے ہوئے ہیں۔ چہرہ غبار آلود ہے۔ آپ کے ہاتھ میں ایک شیشی ہے جس میں خون بھرا ہوا ہے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار ہوں یہ کیا ہے۔ فرمایا یہ حسینؓ کا اور ان کے ساتھیوں کا خون ہے۔ جس کو آج دن نکلتے ہی میں نے اٹھایا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ میں اس وقت کے خیال میں تھا کہ اسے پالوں۔ (مسند احمد)

حضرت اسامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنؓ اور حسینؓ کے بارے میں فرمایا کہ یہ دونوں میرے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں۔ اے اللہ! میں ان سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان سے محبت رکھ۔ اور ان کو بھی دوست رکھ جو ان دونوں سے محبت کریں۔ (ترمذی)

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ فرشتہ اس رات سے پہلے کبھی زمین پر نہیں اترا۔ اس نے اپنے رب سے اجازت مانگی کہ مجھے آ کر سلام کرے۔ اور یہ خوشخبری سنائے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تمام جنتی عورتوں کی سردار ہیں۔ اور حسنؓ حسینؓ بہشت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔ (ترمذی)

حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ، فاطمہؓ، حسنؓ، حسینؓ کے بارے میں فرمایا کہ میں ان سے لڑوں گا جو ان سے لڑتا ہوگا اور اس سے صلح کروں گا جو ان سے صلح کرے گا۔ (ترمذی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ایک روز صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سیاہ کمبل اوڑھ کر جس پر کجاووں کے نقش تھے۔ باہر تشریف لائے۔ پھر حسنؓ آئے آپ نے ان کو بھی گود میں لے لیا۔ پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں۔ ان کو بھی اپنے پاس بٹھا لیا۔ پھر حضرت علیؓ آئے آپ نے انہیں بھی بٹھا لیا اور سب کو کمبل کے اندر لیکر فرمایا۔ اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ اے اہل بیت تم سے گندگی دور کر دے اور تم کو اچھی طرح سے پاک کر دے۔ (مسلم)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا بیان ہے کہ جب آیت نَدْعُ اَبْنَاءَ نَا وَاَبْنَاءَ كُمْ الخ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ہم زید بن حارثہؓ کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام

تھے۔ زید بن محمد کہا کرتے تھے۔ آخرکار یہ آیت ادعو ھم لا بائھم (انہیں ان کے باپوں کے نام سے پکارو) اتری۔
زید کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹا بنالیا تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم ان کو زید بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ جب آیت سے یہ معلوم ہوا کہ جس کا بیٹا ہو اسی کا بیٹا کہو تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے زید بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہنا موقوف کر دیا۔ معلوم ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم زید رضی اللہ عنہ کو اہل بیت میں شمار کرتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسامہ رضی اللہ عنہ کی ناک پونچھنے کا ارادہ فرمایا۔ میں نے کہا مجھے پونچھنے دیجئے۔ فرمایا عائشہ رضی اللہ عنہا تم بھی اس سے محبت رکھو کیونکہ مجھے اس سے محبت ہے۔ (ترمذی)

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ عباس رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ یارسول اللہ! ہم اس لئے حاضر خدمت ہوئے ہیں کہ آپ سے پوچھیں کہ آپ کے گھر والوں میں آپ کو کس سے زیادہ محبت ہے۔ فرمایا مجھے گھر والوں میں سب سے زیادہ محبت اس سے ہے جس پر اللہ نے اپنا فضل فرمایا اور میں نے احسان کیا یعنی اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے۔ پوچھا ان کے بعد فرمایا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے۔ (ترمذی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے کہ اس امت میں سب عورتوں سے افضل مریم بنت عمران ہیں اور اس امت میں سب سے افضل خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شبیہ کو سبز ریشمی رومال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے اور فرمایا یہ دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں آپ کی زوجہ ہیں۔ (ترمذی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والے دن اپنے اپنے تحفے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجنے کا قصد کرتے تھے تاکہ آپ خوش ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے درخواست کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے فرمادیں کہ جو آپ کے پاس ہدیہ بھیجنا چاہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں کہیں بھی ہوں ہدیہ بھیج دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ مجھے عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں نہ ستاؤ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ سے اس وجہ سے محبت کرو کہ وہ تمہیں اپنی نعمتیں کھلاتا پلاتا ہے اور اللہ کی محبت کی وجہ سے مجھ سے محبت کرو۔ اور میری محبت کی وجہ سے میرے گھر والوں سے محبت کرو۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے دیکھو تمہارے اندر میرے گھر والوں کی مثال نوح علیہ السلام کی کشتی کی سی ہے۔ جو کشتی پر سوار ہو گیا طوفان سے بچ گیا اور جو سوار نہ ہوا وہ ڈوب کر ختم ہو گیا۔ (مسند احمد)

خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کی اہل بیت سے محبت

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

❶ ...حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اُن کے اہل بیت کے سلسلہ میں خیال رکھو۔ (صحیح البخاری)

ف: یعنی ان کے اہل بیت کا ادب واحترام کرواور اُن (اہل بیت) کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ دو۔ (مستفاد من فتح الباری)

❷ ...حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! مجھے اپنی رشتہ داری جوڑنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ داری کو جوڑنا زیادہ محبوب ہے۔ (صحیح البخاری)

❸ ...حضرت عُقبہ بن حارث بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عصر کی نماز پڑھی، پھر پیدل چلتے ہوئے باہر نکلے۔ دیکھا کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں تو ان کو اپنے کندھے پر اٹھالیا اور فرمایا: ''میرا باپ اس پر قربان ہو۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہے، علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشابہ نہیں ہے'' اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سن کر مسکرا رہے تھے۔ (صحیح البخاری)

❹ ...حضرت عبدالرحمٰن بن قاسم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب کوئی ایسا معاملہ پیش آتا جس میں ان کو صاحب رائے اور صاحب فہم لوگوں کے مشورہ کی ضرورت ہوتی تو وہ مہاجرین و انصار اور بالخصوص حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر ان سے مشورہ کرتے۔ (الطبقات الکبریٰ)

❺ ...حضرت عبداللہ بن جعفر (جو کہ اہلِ بیت میں سے ہیں) فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مہربانی والا معاملہ فرمائے کہ وہ ہمارے خلیفہ تھے اور بہترین خلیفہ تھے، ہم نے ان سے زیادہ بہتر کسی شخص کو نہیں دیکھا جو ہمارا اس طرح خیال رکھتا ہو (جس طرح وہ خیال رکھتے تھے)۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ہم ان کے پاس گھر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس دوران حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ چند صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ تشریف لائے وہ حضرات آکر دروازہ پر ٹھہر گئے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ ایک مرتبہ اجازت مانگی تو نہیں ملی دوسری دفعہ مانگی تو پھر نہیں ملی، پھر جب تیسری دفعہ اجازت طلب کی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا آجائیں۔

اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان صحابہ کرامؓ کے ساتھ اندر تشریف لائے اور آکر کہا: اے خلیفۂ رسول! آپ نے ہمیں دروازے کے پاس روکے رکھا۔ ہم نے دو مرتبہ اجازت مانگی تو آپ نے نہیں دی اور اب یہ تیسری مرتبہ ہے (جس میں ہمیں اندر آنے کی اجازت ملی ہے)۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: بات یہ ہے کہ حضرت جعفر کے صاحبزادوں کے آگے کھانا رکھا ہوا تھا، وہ کھانا کھا رہے تھے۔ مجھے اندیشہ ہوا کہ آپ حضرات اندر آکر ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہوجائیں گے۔ (فضائل الصحابۃ للدارقطنی)

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اہل بیت اور ان کی اولاد کا بہت ہی خیال رکھتے تھے۔

❻ ...حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ''حیرہ'' مقام سے کچھ مال وسامان بھیجا جس میں ایک قیمتی چادر اور ایک ہزار درہم بھی تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ قیمتی چادر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہبہ کردی۔ (فتوح البلدان)

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

❶ ...ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے اور کہا: اے فاطمہ! میں نے آپ سے زیادہ کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب نہیں دیکھا۔ اور اللہ کی قسم! مجھے بھی سب لوگوں میں آپ کے والد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں ہے۔ (اخرجہ الحاکم فی المستدرک)

❷ ...حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں سے) حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلہ سے اللہ تعالیٰ سے بارش طلب کرتے اور یہ دعا کرتے: ''اے اللہ! پہلے ہم آپ کی بارگاہ میں اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پیش کیا کرتے تھے تو آپ ہمیں سیراب کردیا کرتے۔ اور اب ہم آپ کے پاس اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا جان کا وسیلہ پیش کرتے ہیں، آپ ہمیں سیراب کردیجئے، چناں چہ اس دعا پر بارش ہوجاتی۔ (صحیح البخاری)

ف: اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اہل بیت رضی اللہ عنہم سے کس قدر عقیدت رکھتے تھے!! کیونکہ آدمی مشکل وقت میں اسی ہستی کے وسیلہ سے ہی دعا کرتا ہے جو اس کے نزدیک برگزیدہ ترین ہو۔

❸ ...حضرت عروہ بن زبیر سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موجودگی میں ایک شخص نے حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں کوئی نامناسب بات کہی تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شخص سے کہا: تم اس قبر والے کو جانتے ہو؟ یہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہیں، اور وہ علی ابن ابی طالب بن

عبدالمطلب ہیں (یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے ہیں اور آپ کے اہل بیت میں سے ہیں) لہٰذا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ خیر کے سوا نہ کرنا، اگر تم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بغض رکھو گے تو تم اس قبر والے کو تکلیف دو گے۔ (فضائل الصحابۃ الاحمد بن حنبل)

❹... ایک دفعہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: اللہ کی قسم! جس دن آپ اسلام لائے تو اس دن اگر میرے والد خطاب بھی اسلام لاتے تو ان کے اسلام لانے سے آپ کا اسلام لانا مجھے زیادہ محبوب تھا۔ اور یہ اس لئے کہ مجھے معلوم تھا کہ آپ کا اسلام لانا خطاب کے اسلام لانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب تھا۔ (البدایۃ والنہایۃ)

❺.... حضرت محمد بن ابراہیم تیمی سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب رجسٹر مرتب کر کے وظائف مقرر کئے تو حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرابت اور رشتہ داری تھی اس وجہ سے ان کے لئے ان کے والد (حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اور اہل بدر کے برابر وظیفہ مقرر کر دیا، چنانچہ ان میں سے ہر ایک کیلئے پانچ پانچ ہزار مقرر کئے۔ (تاریخ دمشق لابن عساکر)

❻... امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (اپنے زمانہ خلافت میں) صحابہ کے بچوں کو کپڑے دیئے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر میں ان کپڑوں کے اندر حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کی شان کے موافق کپڑے نہیں تھے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یمن کی طرف قاصد بھیج کر ان حضرات کے لئے (عمدہ) کپڑے منگوائے۔ پھر جب ان کے لئے وہ کپڑے لائے گئے تو فرمایا: اب میرا دل خوش ہوا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء الرسالۃ)

ف: اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو باقی لوگوں سے الگ اور خصوصی اعزاز دیا کرتے تھے اور ان کی بہت قدر کرتے تھے۔

❼... ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: پیارے بیٹے! کیا ہی اچھا ہو اگر آپ ہمارے پاس آتے جاتے رہا کریں۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: چناں چہ ایک دن میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور وہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تنہائی میں بیٹھے تھے۔ (اس وقت اندر جانے کیلئے) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی دروازے پر موجود تھے چناں چہ (اجازت نہ ملنے کی وجہ سے) وہ واپس چلے گئے اور ان کو دیکھ کر میں بھی واپس چلا گیا۔

پھر بعد میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے فرمایا: میں نے کب سے آپ کو دیکھا ہی نہیں (یعنی آپ ہمارے پاس آتے ہی نہیں)۔ میں نے کہا: امیر المؤمنین میں آیا تھا، آپ اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تنہائی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ کے صاحبزادے بھی دروازے پر موجود تھے چنانچہ (اجازت نہ ملنے کی وجہ سے) وہ واپس چلے گئے اور ان کو دیکھ کر میں بھی واپس چلا گیا تھا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: انت احق بالاذن من ابن عمر فانما انبت ماتری فی رؤوسنا اللہ ثم انتم "آپ تو

ابن عمرؓ سے اجازت کے زیادہ حق دار ہیں۔ اور ہمارے سروں پر جو عزت آپ دیکھ رہے ہیں، اول تو یہ اللہ نے ہمیں عطا کی ہے اور پھر یہ عزت آپ حضرات کے سبب سے ہے۔'' (تاریخ دمشق لابن عساکر)

ف: یہاں قابلِ غور مقام یہ ہے کہ اس واقعہ کے وقت سن وعمر کے لحاظ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (امیر المومنین ہونے کے ساتھ ساتھ) لوگوں میں ایک عمر رسیدہ، بزرگ شخصیت کے حامل ہیں جبکہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کم عمر بچے یا زیادہ سے زیادہ ایک نوعمر لڑکے ہیں (کیونکہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیدائش سن ۴ ہجری کی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سن ۱۳ ہجری میں خلافت کی ذمہ داری سنبھالی اور سن ۲۴ ہجری میں شہادت پائی) لیکن اس سب کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اتنا مقام دیا کرتے تھے کہ ان سے ملاقات کی خواہش رکھتے، ان کو اپنے پاس آنے کی دعوت دیتے، ان کو بڑے حضرات جیسا مقام دیتے اور ان کے برابر ان کا احترام کرتے نیز اپنے بیٹے پر بھی ان کو ترجیح دیتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرات اہلِ بیت سے کس قدر والہانہ محبت تھی۔

❽ ... حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تقسیم عطایا میں بھی حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دوسرے لوگوں پر ترجیح دیتے تھے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں جب کسریٰ کے خزانے آئے تو ان کی تقسیم کے وقت بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب سے پہلے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر دیا پھر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلا کر اسی طرح دیا، ان حضرات کو دینے کے بعد پھر دوسرے لوگوں کو بلا بلا کر دینا شروع کیا۔ (مصنف عبدالرزاق)

❾ ... حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہم میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے ہیں۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الأصحاب)

❿ ... حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: مجھے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بدر کے شیوخ کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے۔ ان میں سے بعض حضرات کو یہ بات کسی قدر ناگوار گزری۔ ایک دن ان میں سے ایک صاحب نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: یہ ہمارے لڑکوں کے برابر ہے، آپ اس کو کیوں ہمارے ساتھ بٹھاتے ہیں؟ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے فرمایا: اس بات کو تو تم جانتے ہی ہو کہ یہ کون ہستی ہے؟ (صحیح البخاری)

⓫ ... تعدد کتب تواریخ واحادیث میں یہ واقعہ موجود ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف ان کی صاحبزادی ''ام کلثوم بنت فاطمة الزهراء'' کے ساتھ نکاح کا پیغام بھیجا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: وہ تو ابھی چھوٹی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: (میں ان سے نکاح اس لئے کرنا چاہتا ہوں تاکہ آپ کے عالی خاندان اہل بیت کے ساتھ میرا تعلق و رشتہ داری قائم ہو جائے کیونکہ) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ''قیامت والے دن میرے تعلق اور نسب کے علاوہ ہر تعلق ونسب ختم ہو جائے گا، لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ میرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق اور نسب قائم ہو جائے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے بھائیوں حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ وحسین رضی اللہ تعالیٰ

عنہ سے فرمیا: اس کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کردو۔ انہوں نے کہا: یہ بھی دیگر عورتوں کی طرح ایک عورت ہیں یہ خود فیصلہ کرلیں۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ناراض ہوکر اٹھ کے جانے لگے تو حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کا دامن پکڑلیا اور عرض کی: لا صبر علی ھجر انک یا ابتاہ (اے ابا جان! آپ کی یہ جدائی ہمارے لئے ناقابل برداشت ہے)، چنانچہ انہوں نے پھر حضرت سیدہ ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کردیا۔ اور ان کے بطن سے ''زید'' اور ''رقیہ'' پیدا ہوئے۔ (مختصر التحفۃ الاثنی عشریۃ)

⑫... حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاجزادے ''ابن حنفیہ'' فرماتے ہیں:

ایک دفعہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے، میں اس وقت اپنی ہمشیرہ ''ام کلثوم'' کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میرے پاس تشریف لائے اور مجھے محبت سے اپنے ساتھ چمٹالیا اور ''ام کلثوم'' سے فرمایا: ''مٹھائی کے ساتھ ان کا اکرام کرنا۔'' (سیر اعلام النبلاء الرسالۃ)

سیدنا حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ

❶... حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس سے گزرتے اور یہ (یعنی حضرت عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سوار ہوتے تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ادب واحترام میں سواری سے نیچے اتر کر پیدل چلنے لگتے۔ (البدایۃ والنہایۃ ط ہجر)

❷... ایک آدمی کا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کچھ تنازعہ ہوگیا، جس میں اس نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شان میں کچھ ہلکے الفاظ استعمال کئے۔ اس پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شخص کو تنبیہ کے طور پر مارا۔ کسی نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کو مارنے کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے چچا جان کی عزت و تعظیم کریں اور میں ان کی شان میں خفت آمیز کلمات کہنے کی اجازت دے دوں (یہ کیسے ہوسکتا ہے)؟ پھر فرمایا: جو شخص یہ فعل کرے اور وہ شخص جو اس فعل پر راضی ہو یقیناً اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی۔ (تاریخ الطبری)

❸... حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی نہایت عزت اور ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ ''یوم الدار'' (یعنی جس دن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھر میں محصور تھے اور حملہ کیلئے باغیوں نے باہر سے گھر کا احاطہ کررکھا تھا) کے سنگین موقع پر حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تلوار لٹکائے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حفاظت کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باغیوں کی شدت بغاوت کو دیکھتے ہوئے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حفاظت جان کی خاطر ان کو قسم دے کر بھیج دیا کہ آپ اپنے گھر چلے جائیں ایسا نہ ہو کہ یہ باغی لوگ آپ کو بھی نقصان پہنچادیں۔ (البدایۃ والنہایۃ ط ہجر)

فقہاء کرام رحمہم اللہ کی اہل بیت سے محبت

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی اہل بیت سے محبت

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کی روایت ہے کہ جب امام صاحب رحمہ اللہ کی ملاقات حضرت امام محمد بن علی الباقر رحمہ اللہ سے ہوئی تو آپ نے تعظیماً فرمایا کہ پہلے آپ تشریف رکھیں کہ آپ کی شان کے یہی لائق ہے پھر ہم بیٹھیں گے، پھر فرمایا: ''واللہ! آپ کا احترام ہمارے لیے اسی طرح لازم ہے جس طرح آپ کے نانا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم پر لازم تھا اور وہ کرتے تھے۔''

شیخ الاسلام جوینی رحمہ اللہ ''فرائد السمطین'' میں امام صاحب کی اہل بیت کے ساتھ محبت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''بلاشبہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کے دوستداروں میں سے تھے اور اپنا مال اہل بیت کے خفیہ اور ظاہر ائمہ پر نچھاور کرنے والوں میں سے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ رحمہ اللہ نے اہل بیت کے ایک بزرگ کو جو کہ حکومت سے چھپے ہوئے تھے بارہ ہزار درہم یکمشت بطور اکرام پیشِ خدمت کیے۔ امام صاحب اپنے ساتھیوں کو اہل بیت کی رعایت احوال، ضروریات کی فراہمی اور ان کی اقتداء کا حکم فرماتے تھے۔''

امام شافعی رحمہ اللہ کی اہل بیت سے محبت

ایک مرتبہ امام شافعی رحمہ اللہ ایک مجلس میں تشریف لائے جہاں آل ابی طالب کے بعض اہل علم تھے۔ امام صاحب رحمہ اللہ نے کہا: ''ان حضرات کے ہوتے ہوئے میں کلام نہیں کروں گا، یہ حضرات اہل فضل وکمال ہیں۔''

آپ رحمہ اللہ آلِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت کا اظہار کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''تم میں سے کوئی اس وقت تک مؤمن کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔''

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ متقی لوگ میرے دوست اور قرابت دار ہیں اور متقی اور نیک رشتہ داروں سے محبت کا حکم ہے، اسی لیے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نیک رشتہ داروں سے محبت کرتا ہوں۔ پھر اپنے مشہور اشعار کہے:

یا راكِبًا قِفْ بِالْمُحَصَّبِ مِنْ مِنى　　وَاهتِفْ بِقَاعِدِ خَيْفِهَا وَالناهِضِ

سَحَراً اذ افاضَ الحَجيجُ اِلٰی مِنی فَيْضًا كَمُلتَطِمِ الفُرات الفائض
انی أحب بنی النبیّ المصطفٰی واعده من واجبات فرائضی
ان كان رفضًا حبّ آلِ محمّد فليشهَدِ الثقَلانِ أنّي رافِضِي

''اے سوار! منٰی کے مقام محصب پر کھڑے ہوکر میدانِ خیف میں بیٹھے اور کھڑے لوگوں کو آواز دو جب کہ حجاج سحر کے وقت مزدلفہ سے منٰی کی طرف ٹھاٹھیں مارتے ہوئے دریا کی طرح لوٹتے ہیں کہ میں نبی مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے محبت کرتا ہوں اور اس کو واجباتِ دین میں سے سمجھتا ہوں، اگر محبت اہل بیت رضی اللہ عنہم کا نام رافضیت ہے تو جن وانس گواہ رہیں کہ میں بھی رافضی ہوں۔''

بعض کتب تواریخ میں یہ بھی منقول ہے کہ آپ رحمہ اللہ نے ہارون الرشید کے دور میں اہل بیت کی کسی تحریک میں ان کا ساتھ بھی دیا اور بیعت بھی کی۔ آپ کی شہرۂ آفاق تصنیف ''کتاب الام'' میں باغیوں کے بارے میں معاملات کے اسلامی فقہی مسائل آپ رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی لڑائیوں سے مستنبط کیے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے افعال واقوال کو دلیل بنایا ہے۔

نیز امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنے دیوان میں متعدد مقامات پر اہل بیت سے اپنی انتہاء درجہ کی محبت کا اظہار فرمایا ہے۔ چنانچہ ذیل میں ان کے دیوان میں سے چند مقامات ملاحظہ ہوں:

آل النبیّ ذريعتی وهمو اِلَيْهِ وَسِيْلَتِی
اَرْجُوْبِهِمْ اُعْطٰی غَدًا بِيَدَیَ اليَمِينِ صَحِيفَتی

''آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم (کی محبت) میرا ذریعۂ نجات ہے اور وہی حضرات حق تعالیٰ کے حضور میرا وسیلہ ہیں۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ کل قیامت کے دن انہی کے وسیلہ سے میرا نامۂ اعمال مجھے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔'' (دیوان الامام الشافعی)

تأوة قلبی والفؤاد كئيب و أرِق نومی فالسّهاد عجيب
فمن مبلّغ عنی الحسين رسالةً وان كرهتها انفس و قلوب
ذبيح بلا جرمٍ كان قميصه صبيغ بماء الارجوان خضيب
فللسيف اعوال وللرّمح رنة وللخيل من بعد الصّهيل نحيب
تزلزلتِ الدّنيا لآل محمّد وكادَتْ لهم صمّ الجبال تذوب
وغارت نجوم واقشعرّت كواكب وهتک اِستار وشقّ جيوب
يُصلّی علی المبعوث من آل هاشم ويغزیٰ بنوه! انّ ذا لعجيب
لئن كان ذنبی حبّ آلِ محمّد فذلک ذنب لستُ عنه أتوب

هم شفعائی یوم حشری وموقفی　　اذا ما بدت للناظرین خطوب

❶ ...میرا دل آہ آہ کررہا ہے اور میں کبیدہ خاطر ہوں، میری نیند اُڑ گئی ہے اور عجیب بے خوابی کا عالم ہے۔
❷ ...ہے کوئی جو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو میرا پیغام پہنچا دے؟ اگرچہ بعض قلوب اور جانیں اسے ناپسند کرتی ہیں۔
❷ ...آپ بلا جرم مظلوم شہید کر دیئے گئے۔ گویا آپ کی قمیص، اُرجوان (سرخ قسم کا ایک رنگ ہے) کے پانی سے رنگ دی گئی۔.... ❹ ...تلواریں غلط استعمال پر غم زدہ ہیں اور نیزے چیخ رہے ہیں اور گھوڑوں کی ہنہناہٹ کے بعد رونے کی آوازیں آرہی ہیں۔
❺ ...دُنیا آلِ محمد کے غم میں کانپ اُٹھی، قریب تھا کہ بے جان پہاڑ بھی پگھل جائیں۔
❻ ...ستارے چھپ گئے اور تاروں پر کپکپی طاری ہوگئی، پردے پھاڑ دیئے گئے اور گریبان تار تار کر دیئے گئے۔
❼ ...اس ہاشمی پیغمبر پر دُرود پڑھا جائے اور ان کی اولاد سے جنگ کی جائے!! کتنی تعجب کی بات ہے۔
❽ ...اگر آلِ محمد سے محبت کرنا ہی میرا گناہ ہے، تو یہ ایسا گناہ ہے جس سے میں توبہ نہیں کر سکتا۔
❾ ...یہی وہ لوگ ہیں جو میدانِ حشر میں میرے سفارشی ہوں گے جس وقت آنکھیں (عذاب وعقاب کے) ہولناک مناظر دیکھیں گی۔

یا آلِ بیت رسول اللّٰه حبّکم　　فرض من اللّٰه فی القرآن انزله
یکفیکم من عظیم الفخر انّکم　　من لم یُصلّ علیکم لا صلاة له

❶ ...اے اہل بیت! تم سے محبت رکھنا اللہ کی طرف سے ہم پر فرض ہے، یہ حکم اُس نے قرآن میں نازل فرمایا ہے۔
❷ ...تمہارے عظیم المرتبت ہونے کے لیے اتنا کافی ہے کہ جو تم پر دُرود نہ پڑھے اس کی نماز مکمل نہیں ہوتی۔

اذا فی مجلس نذکر علیًّا　　وسبطیه و فاطمة الزّکیّه
یقالُ تجاوزُاً یا قوم هذا　　فَهٰذَا من حدیث الرَّافِضِیّه
برئت الی المهیمن من اُنَاسٍ　　یَرَوْنَ الرَّفْضَ حُبَّ الفَاطِمِیَّه

❶ ...جب ہم کسی مجلس میں حضرت علی، حضرات حسنین اور حضرت فاطمہ طاہرہ رضی اللہ عنہم کا ذکر کرتے ہیں۔
❷ ...تو کہا جاتا ہے اے لوگو! اس کو چھوڑ دو کیوں کہ یہ روافض والی باتیں کر رہا ہے۔ ❸ ...میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایسے لوگوں سے برأت ظاہر کرتا ہوں جو اولادِ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے محبت کو رفض سمجھتے ہیں۔

اذا نحن فضّلنا علیًّا فانّنا　　روافض بالتفضیل عند ذوی الجهل
وفضل أبی بکرٍ اذا ما ذکرته　　رُمیت بنصبٍ عند ذکری للفضل
فلازلت ذَا رفضٍ ونصبٍ کلاهُمَا　　بِحُبّیهما حتّی اُوَسَّدَ فِی الرَّمل

❶ ...جب ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کرتے ہیں تو بے علم لوگوں کے ہاں ہم یہ فضائل بیان کرنے کی وجہ سے روافض شمار ہوتے ہیں۔ ❷ ...اور جب میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کرتا ہوں تو مجھے یہ فضائل بیان کرنے کی وجہ سے ''ناصبی'' ہونے کا طعنہ دیا جاتا ہے۔

❸ ...تو (سن لو!) میں قبر میں دفن ہونے تک ان حضرات کی محبت کی وجہ سے ایسا رافضی اور ناصبی ہی رہوں گا۔

امامِ مالک رحمہ اللہ کی اہل بیت سے محبت

امام دارالہجرۃ حضرت مالک بن انس رحمہ اللہ نے محبت اہل بیت رضی اللہ عنہم میں دردناک مصائب برداشت کیے ہیں۔ والیٔ مدینہ جعفر بن سلیمان عباسی جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے جب انہوں نے حضرت امام صاحب رحمہ اللہ کو زدوکوب کیا اور کوڑے مارے تو آپ رحمہ اللہ نے اس کی قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اسی وقت اس کو معاف کر دیا اور فرمایا: ''یعنی میرے جسم سے کوڑا اٹھنے سے پہلے ہی میں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ داری کی وجہ سے معاف کر چکا ہوتا تھا۔''

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی اہل بیت سے محبت

شیخ ابوزہرہ رحمہ اللہ اپنی کتاب ''ابن حنبل'' میں امام ابن جوزی رحمہ اللہ کی کتاب ''مناقب ابن حنبل'' کے حوالہ سے لکھتے ہیں: امام احمد رحمہ اللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دفاع بڑے شد ومد سے کرتے تھے۔ جب کوئی شخص آپ رضی اللہ عنہ کی شان میں طبع آزمائی کرتا کیونکہ وہ زمانہ متوکل عباسی کا تھا اور اس دور میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر شدید طعن وتشنیع کی جاتی تھی کیونکہ متوکل بھی ناصبی تھا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دشمنی کا علمبردار تھا اور آپ پر طعن کرتا تھا تو امام احمد رحمہ اللہ ان کی باتوں کا جواب دیتے اور آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب، اور آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت کی حقانیت بیان کرتے ہوئے فرماتے: ''یقین جانو! خلافت نے علی رضی اللہ عنہ کو زینت نہیں بخشی بلکہ علی رضی اللہ عنہ نے خلافت کو زینت بخشی اور فرماتے: ''علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اہل بیت رضی اللہ عنہم میں سے ہیں ان پر کسی کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔'' اور یہ بھی فرماتے: ''کسی بھی صحابی رضی اللہ عنہ کے بارے میں صحیح اسانید کے ساتھ اتنے فضائل منقول نہیں جتنے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہیں۔''

محدثین کرام رحمہم اللہ کی اہل بیت سے محبت

محدثین کرام رحمہم اللہ کے ہاں ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم سے سماعِ حدیث وروایت حدیث بہت ہی متبرک اور باعثِ فخر ہے۔ چنانچہ محدثین کے ہاں حدیث مسلسل کی وہ سند جس کے تمام راوی یا اکثر راوی اگر سادات کرام ہوں تو ایسی سند کو ''سلسلۃ الذہب'' قرار دیتے ہیں۔ یہ ان سادات کے تقویٰ، تدین اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت کے

باعث محدثین کی ان سے عقیدت کا اظہار ہے۔

نمونہ کے لیے ایک سند کا تذکرہ تبرکاً کیا جاتا ہے۔ محدث ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ نے ''الصواعق المحرقہ'' میں امام مناوی رحمہ نے ''شرح الجامع الکبیر'' میں حضرت مدنی رحمہ اللہ نے ''مکتوبات شیخ الاسلام'' میں مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ نے ''شوقِ حدیث'' میں اور مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ نے ''تذکرہ'' میں اور دیگر محدثین نے اپنی کتابوں میں یہ واقعہ درج کیا ہے۔

امام حاکم رحمہ اللہ تاریخ نیشاپور میں لکھتے ہیں: حضرت امام علی رضا بن موسیٰ کاظم رحمہ اللہ جب نیشاپور تشریف لائے تو لوگوں کے حد درجہ اژدھام سے نیشاپور کی عجیب صورت حال تھی۔ بیک وقت ہزاروں آدمیوں کے ہجوم ومرور سے تمام شہر گرد وغبار میں چھپ گیا تھا، راستوں میں راہ گیر ایک دوسرے کو سجھائی نہیں دیتے تھے۔ بیس ہزار آدمیوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے اپنے آباء کرام کی سند سے حدیث کی روایت کی التجاء کی تاکہ اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم کے عالی سلسلۂ سند سے مشرف ومفتخر ہوں۔

ان بیس ہزار آدمیوں میں دو عظیم المرتبت محدثین ''امام ابوزُرعہ'' اور ''محمد بن اسلم طوسی رحمہما اللہ'' بھی تھے۔ ان کی التجاء پر آپ نے خچر کو روکا اور اپنے نوجوان خدام کو سائبان ہٹانے کا حکم دیا اور مخلوقات نے آپ کے روئے مبارک کی دید سے آنکھوں کو ٹھنڈا کیا، آپ کے گیسوؤں کی دو لٹیں آپ کے کندھوں تک لٹکی ہوئی تھیں اور لوگوں کی حالت یہ تھی کہ کچھ چلا رہے تھے اور کچھ سسکیاں بھر کے رو رہے تھے۔ علماء محدثین چلا چلا کر کہہ رہے تھے کہ خاموش ہو جاؤ۔ لوگ خاموش ہوئے تو امام ابوزرعہ اور امام محمد بن اسلم رحمہما اللہ نے املاء حدیث کی خواہش کا اظہار کیا تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا:

حدثنی ابی سیدنا الامام موسٰی الکاظم عن ابیه سیدنا الامام جعفر الصادق عن ابیه سیدنا الامام محمد الباقر عن ابیه سیدنا الامام علی زین العابدین عن ابیه سیدنا الامام ابی عبداللّٰه الحسین ریحان رسول الثقلین عن ابیه سیدنا امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللّٰه عنهم قال حدثنی حبیبی و قرة عینی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلّم قال حدثنی جبرائیل علیه السلام قال قال ربّ العزةِ ذوالجلال والاکرام: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه حِصنی فَمَن قَالها دخل حِصْنِی وَمَن دَخَل حِصْنِی أَمِنَ عَذَابِی.

اس کے بعد پردہ گرایا اور چل پڑے۔ اصحاب قلم و دوات کے شمار کے مطابق حدیث لکھنے والوں کی تعداد بیس ہزار سے زیادہ تھی۔

اہلِ اسلام پر اہل بیت کے حقوق

اہل بیت سے محبت و عقیدت

اہل بیت سے محبت کرنا واجب ہے، اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا اور اُن سے بغض رکھنا حرام ہے۔(نزل الأبرار)

درج ذیل آیت شریفہ واحادیث مبارکہ ملاحظہ ہوں: ❶....اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"قُلْ لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى"(سورۃ الشوریٰ:۲۳)

ترجمہ: اے پیغمبر! کہہ دو کہ میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اُجرت نہیں مانگتا، سوائے رشتہ داری کی محبت کے۔

ف: حافظ سخاوی رحمہ اللہ اور امام دولابی رحمہ اللہ دونوں نے اہل بیت رضی اللہ عنہم ہی کی سند سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کیا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: بے شک ہم اہل بیت میں سے ہیں جن سے محبت اور مودت اللہ تعالیٰ نے ہر مسلم پر فرض کر دی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ط وَمَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ فِيْهَا حُسْنًا (الشوریٰ:۲۳)

ترجمہ: اے پیغمبر! کہہ دو کہ میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اُجرت نہیں مانگتا، سوائے رشتہ داری کی محبت کے اور جو شخص کوئی بھلائی کرے گا، ہم اس کی خاطر اس بھلائی میں مزید خوبی کا اضافہ کر دیں گے۔"

اور یہاں "اقتراف حسنہ" (بھلائی کرنے) سے مراد اہل بیت سے محبت کرنا ہے۔

اس کے علاوہ شارح عقیدہ واسطیہ لکھتے ہیں: "اہلسنّت والجماعت "کَثَّرَ اللّٰہ سوادھُم" اہل بیت عظام سے محبت کرتے ہیں اور ان کی تکریم بجالاتے ہیں کیونکہ ان سے محبت اور ان کا اکرام واعزاز اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت واکرام کی مانند ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں نے اس کا حکم دیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا پاک ارشاد ہے: قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ط (الشوریٰ:۲۳)

ترجمہ: اے پیغمبر! کہہ دو کہ میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اُجرت نہیں مانگتا، سوائے رشتہ داری کی محبت کے۔(امام اعظم ابوحنیفہ شہید اہل بیت، ص:۵۳)

❷...حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

اَدِّبوا اولادکم علی ثلاث خصال: حبّ نبیّکم وحبّ اھل بیته وقراءۃِ القرآن۔(الفتح الکبیر)

ترجمہ: اپنی اولاد کو تین چیزیں سکھلاؤ: اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کی محبت اور قرآن مجید پڑھنا۔

③ ...رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: احبّوا اللہ لما یغذو کم من نعمه و احبّونی بحبّ اللہ واحبّوا اهل بیتی لحبّی. (سنن الترمذی)

ترجمہ: اللہ تبارک وتعالیٰ سے محبت کرو کہ وہ تمہیں اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے اور اُس اللہ کی محبت کی وجہ سے مجھ سے محبت کرو اور میری محبت کی وجہ سے میرے اہل بیت سے محبت کرو۔"

④ ...ایک طویل حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَاللّٰهِ لَا يَدْخُلُ قَلْبَ رَجُلٍ الْاِيمَانُ حَتّٰى يُحِبَّهُمْ لِلّٰهِ وَلِقَرَابَتِهِمْ مِنِّيْ. (سنن ابن ماجہ: ۵۰/۱)

ترجمہ: "اللہ کی قسم! کسی آدمی کے دل میں اس وقت تک ایمان داخل نہیں ہوسکتا جب تک وہ میرے اہل بیت سے، اللہ کی خاطر اور میری ان سے رشتہ داری کی وجہ سے ان سے محبت نہ کرے۔"

اہل بیت کے بغض سے دلوں کو پاک رکھنا

① ...ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو عبدالمطلب سے مخاطب ہو کر فرمایا: "اگر کوئی شخص حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان کھڑے ہو کر نماز پڑھے اور روزے بھی رکھے، پھر وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملے کہ اس کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کا بغض ہو تو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔" (اخرجہ الحاکم فی المستدرک: ۱۶۱/۳)

② ...آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "جس نے علی رضی اللہ عنہ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھا تو اس نے مجھ سے بغض رکھا۔" (اخرجہ الحاکم فی المستدرک: ۱۴۱/۳)

③ ...حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس نے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا تو اس نے مجھ سے بغض رکھا۔" (سنن ابن ماجہ: ۵۱/۱)

اہل بیت کی اتباع

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقع پر خطبہ میں یہ فرمایا تھا: "اے لوگو! میں تمہارے اندر ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم اسے تھامے رہو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہوگے، اللہ کی کتاب اور میرے اہل بیت۔" (سنن الترمذی: ۶۶۲/۵)

اہل بیت کی خدمت میں درُود وسلام کا تحفہ

ان حضرات آل بیت کا ہمارے اوپر ایک حق یہ بھی ہے کہ ہم ان پر درُود بھیجیں اور خود اللہ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ان پر درُود بھیجنے کا حکم فرمایا ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی:

یارسول اللہ! ہم آپ پر کیسے دُرود بھیجا کریں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوں کہا کرو:

"اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ"

"اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى آلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ"

"اے اللہ! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کی آل پر رحمت نازل فرما جیسا کہ آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل پر رحمت نازل فرمائی۔ بلاشبہ آپ تعریف اور بزرگی والے ہیں۔

اے اللہ! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کی آل پر برکت نازل فرما جیسا کہ آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل پر برکت نازل فرمائی۔ بلاشبہ آپ تعریف اور بزرگی والے ہیں۔" (صحیح مسلم:۱/۳۰۵)

ابن القیم نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود بھیجنے کے فضائل میں ایک مستقل کتاب تالیف کی ہے جس کا نام ہے: "**جلاء الأفهام فی فضل الصلاة والسلام علی محمّد خیرِ الأنام**" اس میں انہوں نے بڑی وضاحت سے یہ بات لکھی ہے کہ ساری اُمت میں سے صرف اہل بیت کا یہ حق ہے کہ ان پر دُرود بھیجا جائے اور اس مسئلہ میں پوری اُمت متفق ہے، کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ (جلاء الافہام، ص:۲۲۴)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اہل بیت کے ان حقوق کی ادائیگی کی توفیق عطا فرمائیں آمین

اہل بیت علیہم الرضوان کی شان میں فرزدق شاعر کا قصیدہ

ہشام بن عبدالملک بن مروان اپنی خلافت کے زمانے میں ایک سال حج کے لئے آیا اور خانہ کعبہ کے طواف کے بعد حجر اسود کو بوسہ دینے کے لئے اس کی طرف بڑھا لیکن ہجوم کی وجہ سے حجر اسود تک نہ پہنچ سکا۔ جب وہ منبر پر کھڑا ہوا تو امام زین العابدین رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ آپ اجلے کپڑوں میں ملبوس اور عطر کی خوشبو سے مہک رہے تھے اور آپ کا چہرۂ مبارک چمک رہا تھا۔ طواف کے بعد جب آپ حجر اسود کی طرف بڑھے تو تمام لوگ پیچھے ہٹ گئے اور جب تک حجر اسود کے بوسے سے فارغ ہو کر خود پیچھے نہیں ہٹ گئے باقی لوگ پیچھے ہٹے رہے۔ ہشام کے ساتھ جو لوگ دمشق سے آئے ہوئے تھے انہیں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی اور ان میں سے ایک نے ہشام سے پوچھا کہ یہ بزرگ کون ہے؟ لوگوں نے آپ کی تو کوئی پرواہ نہیں کی حالانکہ آپ امیر المومنین ہیں اور اس کی اس قدر تعظیم کر رہے ہیں۔ ہشام نے اپنی سبکی پر پردہ ڈالنے کے لئے از راہ تجاہل عارفانہ جواب دیا کہ: میں تو اسے نہیں پہچانتا کہ یہ کون ہے؟ فرزدق جو اس کا درباری شاعر اور قصیدہ گو تھا اس کی غیرت ایمانی جو پڑی سو رہی تھی۔ ہشام کے منہ سے یہ اہانت آمیز کلمات سن کر فوراً جوش میں آ گئی اور اس نے کہا کہ اگر آپ کو نہیں معلوم کہ یہ کون ہے تو لو غور سے سنو میں بتاتا ہوں کہ یہ کون ہے؟ اور اس نے بعد فی البدیہہ حسب ذیل اشعار امام زین العابدین (رضی اللہ عنہ) کے تعارف میں کہے:

هٰذالذی تعرف البطحاء وطاته والبیت یعرفه' والحل والحرم

''یہ وہ ہے جس کے قدموں کے نشان تک وادی بطحا' یہ گھر اور حرم اور حرم سے باہر کے علاقے سب پہچانتے ہیں''۔

هٰذا ابن خیر عباد الله کلهم هٰذا التقی النقی الطاهر العلم

''یہ خدا کے بندوں میں سے بہترین بندے کا فرزند ہے' یہ سب سے پرہیزگار' سب سے پاکیزہ صفت اور سب سے زیادہ بے داغ نشان والا ہے''۔

هٰذا ابن فاطمة الزهرآء ان کنت جاهله بجده انبیاء الله قد ختم

''اگر تو اسے نہیں جانتا تو یہ فاطمۃ الزہراء (رضی اللہ عنہا) کا نور نظر ہے۔

یہ وہ ہے جس کے جدامجد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر خدا کے انبیاء کا سلسلہ ختم ہوا''۔

کالشمس ینجاب عن اشراقھا الظلم
یبین نور الدجیٰ عن نور طلعتہ

''یہ وہ ہے جس کی پیشانی کے نور سے ظلمت اسی طرح بھاگتی ہے جیسے سورج کے طلوع ہونے سے تمام اندھیرے چھٹ جاتے ہیں''۔

فمایکلم الاحین یبتسم
یغضی حیاءً و یغضیٰ من مھابۃ

''یہ وہ ہے جو حیا کی وجہ سے آنکھ ہمیشہ نیچی رکھتا ہے اور لوگ اس کی ہیبت کی وجہ سے اس کے روبرو آنکھ اونچی نہیں کر سکتے اور بات کرتا ہے تو منہ سے پھول جھڑتے ہیں''۔

اذارأتہ قریش قال قائلھا
الیٰ مکارھم ھٰذا ینتھی الکرمہ

''یہ وہ ہے جسے قریش (مکہ معظمہ کے لوگ) جب دیکھتے ہیں تو ہر ایک بول اٹھتا ہے کہ بخشش وعطا اور خصائل حمیدہ اس پر ختم ہیں''۔

ینمی الیٰ ذروۃ العزالتی قصرت
عن نیلھا عرب الاسلام والعجم

''یہ عزت وشوکت کی ان چوٹیوں پر چڑھا ہے جن پر عرب وعجم کے مسلمانوں میں سے کوئی دوسرا نہیں چڑھ سکا ہے''۔

من جدہ دان فضل الانبیاء لہ
و فضل امتہ دانت لہ الامم

''یہ وہ ہے جس کے جدامجد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمام انبیا علیہم السلام کے سردار اور جس کی امت تمام امتوں سے افضل ہے اور تو بھی انہی کی امت ہے''۔

کادیمسکہ عرفان و احتہ
رکن الحطیم اذاماجاء یمتلم

''یہ وہ ہے کہ بعید نہیں کہ جب وہ حجر اسود کو بوسہ دینے کے لئے آگے بڑھے تو حجر اسود بھی اس کی خوشبو کو پہچان کر اس کا ہاتھ تھام لے''۔

فی کفہ حیز وان ریحہ عبق
من کفہ ار و فی عرنینہ شمم

''اس کے ہاتھ میں بید مشک کی چھڑی ہے اور اس کی خوشبو خوب پھیل رہی ہے اس کی ناک بلند ہے اور اس کے ہاتھوں ظاہر ہونے والے کارنامے جرأت وجمال میں حیرت انگیز ہیں''۔

سلسل الخلیقۃ لایخفیٰ بوادرہ
یزینہ اثنان حسن الخلق والشمم

''وہ بہت نرم خو ہے اور اس کی خوبیاں کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں وہ حسن خلق اور بلندی کردار کی دونوں خوبیوں سے مزین ہے''۔

مشتقۃ عن رسول اللہ نبعتہ
طابت عناصرہ والخیم والشیم

''اس کی تمام عادات اور اسکے خصائل وعناصر جو سب کے سب اس نے رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پائے ہیں بہت ہی عمدہ ہیں''۔

فلیس قولک ؟ من ھٰذا یضائرہ
العرب تعرف من انکرت والعجم

''اس لئے تیرا یہ کہنا کہ (تو نہیں جانتا کہ) یہ کون ہے اسے کچھ نقصان نہیں دے سکتا جب کہ جس کا تو انکار کر رہا ہے اسے عرب و عجم سب جانتے ہیں''۔

کلتایدیه غیاث عم نفعهما تستوکفان ولایعروهما العدم

''اس کے دونوں ہاتھ ایسے ہیں جن کا فیض بارش کی طرح عام ہے ان کی بخشش ہر وقت جاری رہتی ہے حتیٰ کہ سخت بدحالی میں بھی ختم نہیں ہوتی''۔

عم البرية بالاحسان فالقشعت عنها الغباية والاملاق والظلم

''تمام مخلوقات پر ان کا احسان عام ہے اور ان کی بدولت جہالت و غفلت، تنگدستی اور ظلم و زیادتی سب دور ہو گئے''۔

لایستطیع جواد بعدغایتهم ولایدانیهم قوم و ان کرم

''کوئی بڑے سے بڑا سخی بھی ان کی برابری کی استطاعت نہیں رکھتا اور کوئی گروہ بھی خواہ وہ کتنا ہی بخشش کرنے والا ہو ان کے مرتبے کے قریب نہیں پھٹک سکتا''۔

هم الغيوث اذاما ازمة ازمت والاسد اسد الشرى والناس محتدم

''یہ وہ لوگ ہیں جو اس وقت بھی بارش کی طرح برستے ہیں جبکہ قحط سالی کے آثار رونما ہوتے ہیں اور جو اس وقت بھی شیر بیشہ ہوتے ہیں جب کہ لوگ لڑائی کے میدان میں آگ جلانے والے ہوں''۔

من معشرحبهم دين وبغضهم كفرو قربهم ينجي و معتصم

''یہ ان لوگوں میں سے ہے جن کی محبت دین ہے اور جن سے بغض کفر ہے اور جن کا قرب نجات اور پناہ دینے والا ہے''۔

ان عداهل التقىٰ كانوا ائمتهم و قيل من خيراهل الارض قيل هم

''اگر اہل تقویٰ اور خداترس لوگوں کو جمع کیا جائے تو یہی ان کے امام ہوں گے اور اگر یہ پوچھا جائے کہ دنیا میں افضل ترین لوگ کون ہیں تو بھی جواب ملے گا کہ یہی لوگ''۔

سیّاٰن ذالک ان اشرواوان عدموا لاینفض العسر بسطاًمن اکفهم

''ان کیلئے صاحب ثروت اور نادار ہونا دونوں برابر ہیں ان کے ہاتھوں کی فراخی کو ان کی تنگ دستی بھی کم نہیں کر سکتی''۔

الله فضله کرماً و شرفه جرىٰ بذالک فی لوح له القلم

''اللہ تعالیٰ نے اسے بزرگی اور شرف سے نوازا ہے اور لوح و قلم میں یہ حکم جاری ہو چکا ہے''۔

مقدم بعد ذکر الله ذکرهم فی کل بدو و مختوم به القلم

''ان کا ذکر اللہ کے ذکر کے بعد ہر جگہ مقدم ہے اور اس کے حکم کے بعد قلم نے ہر جگہ لکھنا بند کر دیا ہے''۔

من يعرف الله يعرف اوليته والدين من بيت هذا ناله الامم

"جو شخص اللہ کو جانتا ہوا سے اس شخص کو بدرجہ اولیٰ جاننا چاہیئے کیونکہ اس کا دین اسی شخص کے گھر سے امت تک پہنچا ہے"۔

ای القبائل لیست فی رقابھم لاولیۃ ھذا اولہ' لعم

"وہ کون سے قبیلے ہیں جن کی گردنوں پر اسکے بزرگوں کی یا اس کی نعمتیں اور بخششیں لدی ہوئی نہیں ہیں"۔

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے اس تعارف کے ساتھ فرزدق نے دوسرے اہل بیت میں سے بھی بعض کی شان بیان کی۔ظاہر ہے کہ ہشام کے تو پسینے چھوٹ گئے اس نے فوراً حکم دیا کہ اسے عسفان (مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک جگہ) میں قید کر دیا جائے۔

حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپ فرزدق کی اس جرأتِ ایمانی اور بے باکی سے خوش ہوئے اور اس ابتلاء میں اس کی مدد اور دل جمعی کے لئے بارہ ہزار درہم و دینار اس پیغام کے ساتھ بھجوائے کہ

اے ابوفراش! ہم معذور اور محتاج ہیں اگر اس سے زیادہ مال ہمارے پاس ہوتا تو وہ بھی ہم تجھے دیتے۔فرزدق نے وہ مال واپس کرتے ہوئے عرض کیا کہ میں نے یہ کام کسی دنیوی لالچ یا انعام و اکرام کے لئے نہیں کیا بلکہ میں بادشاہوں کے جھوٹے قصیدے اور ان کی جھوٹی مدح سرائیاں کر کر کے گناہوں کا پلڑا بہت بھاری کر چکا ہوں میں نے اسی کے کسی حد تک کفارے کے طور پر یہ کام کیا ہے اور خدا ہی سے اجر کے لئے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کی دوستی اور محبت کی طلب رکھتا ہوں۔

(کشف المحجوب حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ)

اُمَّهَاتُ الْمُؤْمِنِيْن
رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُنَّ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات جو کہ اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے عظیم منصب سے مشرف ہوئیں.... ان مقدس و برگزیدہ خواتین کا مبارک تذکرہ.... جن کے وجود سے ''اہل بیت'' کا مبارک سلسلہ شروع ہوا۔

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے حالات.... ایمان افروز واقعات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مثالی معاشرت جو کہ تاقیامت اُسوۂ حسنہ کی شکل میں اُمت کیلئے مینارۂ ہے.... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو و ازدواجی زندگی کا مشاہدہ کرنے والی برگزیدہ خواتین.... جن کے مثالی کردار کی بدولت اُمت کے سامنے ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ ''بحیثیت شوہر'' سامنے آیا۔

اُمت کو گھریلو ازدواجی زندگی کی تعلیم ہی کی غرض سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد نکاح فرمائے.... اور ہر مزاج اور ہر قسم کے حالات میں اَخلاق و مروت کے کامل درجہ کے ساتھ نباہ کر کے اُمت کی تعلیم و اِصلاح کا سامان فرما گئے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

ے خوشا وہ وقت کہ یثرب مقام تھا اس کا
خوشا وہ وقت کہ دیدارِ عام تھا اس کا

اَزواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن

مرتب شہادت حسین لکھتے ہیں جیسا کہ حدیث وسیرت کی مستند روایات سے معلوم ہوتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن جو منکوحہ بیوی کی حیثیت سے آپ کے ساتھ تھوڑی یا زیادہ مدت رہیں وہ کل گیارہ (۱۱) ہیں، ان کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

1. حضرت خدیجہ بنت خویلد
2. حضرت سودہ بنت زمعہ
3. حضرت عائشہ صدیقہ
4. حضرت حفصہ بنت عمر بن الخطاب
5. حضرت زینب بنت خزیمہ
6. حضرت اُم سلمہ
7. حضرت زینب بنت جحش
8. حضرت اُم حبیبہ
9. حضرت جویریہ بنت الحارث
10. حضرت صفیہ بنت حیی بن اخطب
11. حضرت میمونہ

(رضی اللہ عنہن وارضاھن)

ان میں سے حضرت خدیجہ اور حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہن نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں وفات پائی۔ ان گیارہ ۱۱ کے علاوہ بنوقریظہ میں سے ریحانہ شمعون کے متعلق بھی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود بنی قریظہ کی غداری کی وجہ سے ان کے خلاف کارروائی کی اور ان کی بقایا کو گرفتار کیا گیا تو ان میں یہ ریحانہ بھی تھیں، انہوں نے اسلام قبول کرلیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر کے اپنے نکاح میں لے لیا، لیکن بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو حضور کی منکوحہ بیوی بننے کا شرف حاصل نہیں ہوا، بلکہ یہ باندی کی حیثیت سے آپ کے ساتھ رہیں، یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے چند روز پہلے اور ایک روایت کے مطابق حجۃ الوداع سے واپس آنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں وفات پا گئیں۔

زوجیت کا شرف

مولانا منظور نعمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کا شرف بجائے خود یقیناً اعلیٰ درجہ کی فضیلت اور اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت ہے اور فرق مراتب کے باوجود یہ تمام ازواج مطہرات کو یکساں طور پر حاصل ہے اسی طرح ازواج مطہرات کو جو خصوصی احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیئے گئے ہیں، وہ بھی یکساں طور پر ان سبھی کے لئے ہیں، قرآن مجید میں ''وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ '' فرما کر ان کو تمام اہل ایمان کی مائیں قرار دیا گیا ہے۔ اسی بنیاد پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے ہر امتی اور ہر صاحب ایمان کے لئے ان میں سے کسی کے ساتھ نکاح کرنا ابد الآباد تک اسی طرح حرام قرار دے دیا گیا ہے جس طرح اپنی حقیقی ماں کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے۔ (معارف الحدیث)

نام: ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن	سنِ نکاح	عمر وقت نکاح	حضور کی عمر وقت نکاح	مدت خدمت	سن وفات	کل عمر	مدفن
۱-حضرۃ خدیجہؓ بنت خویلد	۲۵ میلادالنبی	۴۰سال	۲۵سال	تقریباً ۲۵ سال	۱۰ نبوت	۶۵سال	مکہ
۲-حضرۃ سودہؓ بنت زمعہ	۱۰ نبوت	۵۰سال	۵۰سال	۱۴سال	۱۹ ہجری	۷۲سال	مدینہ
۳-حضرۃ عائشہؓ بنت ابوبکرؓ	۱۱ نبوت رخصتی ۱ ہجری	۹سال	۵۴سال	۹سال	۱۷ رمضان ۵۷ ہجری	۶۳سال	مدینہ
۴-حضرۃ حفصہؓ بنت عمرؓ	شعبان ۳ ہجری	۲۲سال	۵۵سال	۸سال	جمادی الاول ۴۱ ہجری	۵۹سال	مدینہ
۵-حضرۃ زینبؓ بنت خزیمہ	۳ ہجری	تقریباً ۳۰سال	۵۵سال	۳ مہینے	۳ ہجری	تقریباً ۳۰سال	مدینہ
۶-حضرۃ ام سلمہؓ بنت ابوامیہ	۴ ہجری	۲۶سال	۵۶سال	۷سال	۶۰ ہجری	۸۰سال	مدینہ
۷-حضرۃ زینبؓ بنت جحش	۵ ہجری	۳۶سال	۵۷سال	۶سال	۲۰ ہجری	۵۱سال	مدینہ
۸-حضرۃ جویریہؓ بنت وارث	شعبان ۵ ہجری	۲۰سال	۵۷سال	۶سال	ربیع الاول ۵۶ ہجری	۷۱سال	مدینہ
۹-حضرۃ ام حبیبہؓ بنت ابوسفیانؓ	۶ ہجری	۳۶سال	۵۸سال	۶سال	۴۴ ہجری	۷۲سال	مدینہ
۱۰-حضرۃ صفیہ بنت حیی بنت اخطب	جمادی الاخریٰ ۷ھ	۱۷سال	۵۹سال	۳سال ۹ ماہ	رمضان ۵۰ ہجری	۵۰سال	مدینہ
۱۱-حضرۃ میمونہؓ بنت حارث	ذیقعدہ ۷ ہجری	۳۶سال	۵۹سال	۳سال ۳ ماہ	۵۱ ہجری	۸۰سال	سرف

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں وفات پا گئیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت سودہ (۱۹ھ) اور سب سے آخر میں حضرت ام سلمہ نے (۶۰ ھ) وفات پائی اور حضرت ماریہ قبطیہ مصر سے ۶ ھ میں آئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے ازواج کا سا سلوک فرماتے۔ ام ولد کی حیثیت حاصل تھی ۱۶ھ میں مدینہ میں وفات پائی۔ (شہادت حسین)

فضائل و مناقب

اُمہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن اجمعین

ازواج مطہرات مومنین کی مائیں ہیں

ارشادالٰہی ہے: اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نبی کو اہل ایمان کے ساتھ ان کی جانوں سے زیادہ تعلق اور لگاؤ ہے اور پیغمبر کی بیویاں مومنین کی محترم مائیں ہیں۔ مومن کا وجود ایمانی اور اس کی حیات روحانی پیغمبر کے تعلق اور اتصال سے ہے اس لئے پیغمبر مومنین کے حق میں بمنزلہ روحانی باپ کے ہے۔

امہات المومنین کا عظیم الشان لقب انہیں ازواج کے ساتھ مخصوص ہے کہ جو آپ کی زوجیت میں رہیں باقی جن عورتوں سے آپ نے نکاح تو فرمایا لیکن عروسی اور مقاربت سے پیشتر ہی ان کو طلاق دیدی ان کے لئے یہ لقب استعمال نہیں کیا جا سکتا اور اسی وجہ سے کہ ازواج مطہرات۔ مومنین کی محترم مائیں قرار دی گئی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کسی شخص کا ان سے نکاح کرنا ناجائز اور حرام قرار دیا گیا۔

جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے۔

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا. اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا

تمہارے لئے یہ ہرگز روا نہیں کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کی ایذاء اور تکلیف پہنچاؤ اور نہ یہ جائز ہے کہ کبھی بھی آپ کے بعد آپ کی بیبیوں سے نکاح کرو البتہ تحقیق اللہ کے نزدیک یہ بات بہت ہی بڑا گناہ ہے۔ اگر تم اس قسم کی کوئی شے ظاہر یا دل میں پوشیدہ رکھو تو جان لو کہ تحقیق اللہ تعالیٰ ہر شئے کو خوب جاننے والا ہے۔

ازواج مطہرات کا خصوصی مقام ومرتبہ

يٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا وَقَرْنَ فِیْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ. اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِیْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ. اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا

اے پیغمبر کی عورتو اتم مثل اور عورتوں کے نہیں۔ اگر تم تقویٰ پر قائم رہو۔ پس تمہارے تقویٰ کا مقتضی یہ ہے کہ تم بات کرتے وقت نرمی سے کام نہ لینا۔ مبادا کوئی دل کا روگی تمہاری نرمی سے طمع اور لالچ میں پڑ جائے اور کہو بات بات کے طریقے کے مطابق جس میں نہ نرمی ہو اور نہ سختی ہو اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں اور پہلی جاہلیت کی طرح اپنی زینت کا اظہار نہ کرو اور قائم رکھو نماز کو اور زکوٰۃ دیتی رہو۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں لگی رہو۔

اے پیغمبر کے گھر والو۔ اللہ تعالیٰ صرف یہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی کو دور کر دے اور تم کو خوب اچھی طرح سے پاک صاف کر دے اور جو اللہ کی آیتیں اور حکمت کی باتیں تمہارے گھروں میں تلاوت کی جاتی ہیں ان کو خوب یاد رکھو بیشک اللہ تعالیٰ بھیدوں کا جاننے والا اور خبردار ہے۔ آیت تطہیر دراصل ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی جیسا کہ آیت کا سیاق وسباق اس کے لئے شاہد عدل ہے جس کے لئے نہ کسی تاویل کی حاجت اور نہ کسی توجیہ کی ضرورت اول سے آخر تک خطاب ازواج مطہرات کو ہے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور امام حسن اور حسین اور حضرۃ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرہ کو بھی اس حکم میں داخل فرمایا اور ان کو جمع کر کے یہ دعا فرمائی **اللھم ھؤلاء اھل بیتی اذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیراً** اے اللہ یہ بھی میرے اہل بیت ہیں ان سے بھی تو گندگی کو دور فرما اور ان کو پاک کر جس طرح آیۃ لَمَسۡجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقۡوٰى مِنۡ اَوَّلِ يَوۡمٍ دراصل مسجد قبا کے بارے میں نازل ہوئی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کو بھی اس حکم میں داخل فرمایا کیونکہ وہ بدرجۂ اولیٰ اس کی مستحق ہے۔

اسی طرح آیۃ تطہیر دراصل ازواج مطہرات کے بارے میں نازل ہوئی مگر چونکہ آپ کی آل واولاد بدرجۂ اتم اس کی مستحق تھی۔ اس لئے آپ نے ان کو بھی اس میں شامل فرمایا باقی ازواج تو پہلے ہی سے اہل بیت میں داخل ہیں۔ ان کو عبا میں داخل کرنے کی ضرورت نہیں ان آیات کا نزول ہی ازواج مطہرات کے بارے میں ہوا آیات میں اول سے آخر تک تمام خطابات ازواج مطہرات ہی کو ہیں۔ بلکہ اصل مقتضائے لغت یہ ہے کہ ازواج اصالتاً داخل ہوں اور ذریت تبعا کیونکہ اہل بیت کے معنی لغت میں گھر والوں کے ہیں اور گھر والوں کے مفہوم میں بیوی سب سے پہلے داخل ہے اور لفظ آل اصل میں اہل تھا اس لئے اس کا اصل مصداق بھی بیوی ہے۔

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی تعداد

آپ کی ازواج مطہرات گیارہ تھیں جن میں سے دو نے آپ کی حیات ہی میں انتقال کیا۔ ایک حضرت خدیجہ دوسری حضرت زینب بنت خزیمہ اور نو بیبیاں حضور کی وفات کے وقت تھیں۔ حضرت ابوسعید حذری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے نہ اپنا نہ اپنی کسی بیٹی کا اس وقت تک نکاح نہیں کیا جب تک جبریل امین اللہ عزوجل کے پاس سے وحی لے کر میرے پاس نہیں آ گئے۔ (سیرت المصطفیٰ ج ۲)

متعدد نکاح کرنے سے آپ کا مقصد صرف دین کی تعلیم تھا۔ کہ جو مسائل اور احکام عورتوں سے متعلق ہیں وہ ازواج مطہرات کے توسط سے امت کی عورتوں تک پہنچ جائیں۔ ازواج مطہرات کیا تھیں حقیقت میں مدرسۃ النسواں

کی طالبات تھیں مسجد نبوی میں مردوں کو تعلیم دی جاتی تھی اور گھر میں ازواج مطہرات کو کیونکہ یہی ازواج مطہرات آئندہ چل کرامت کی عورتوں کی معلمات بننے والی ہیں۔ ہر بیوی نے اپنی اپنی استعداد کے موافق علم حاصل کیا۔

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کیلئے مبشرات

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو نکاح سے پہلے بشارت

اُمہات المؤمنین میں سے اکثر کو خواب میں یا کسی اور ذریعے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کی بشارتیں ملی ہیں... اُم المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل تورات وانجیل کے زبردست عالم تھے... ان کے ذریعے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے متعلق کافی کچھ جانتی تھیں... ایام جاہلیت میں ایک عید کے موقع پر مکہ کی عورتیں جمع تھیں... ان میں خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں... کیا دیکھتی ہیں کہ ایک شخص نمودار ہوا اور آواز بلند یہ ندادی... اے عورتو! تمہارے شہر میں عنقریب ایک نبی ظاہر ہوگا جس کا نام احمد ہوگا... جو عورت تم میں سے اس کی بیوی بن سکے تو وہ ضرور یہ کام کر گزرے... تمام عورتوں نے اس ندا دینے والے کو سنگ ریزے مارے مگر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کوئی سنگ ریزہ نہیں مارا بلکہ سن کر خاموش ہی رہیں... حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا دل پہلے ہی اس سعادت کے حصول کے لیے آرزوؤں کی جولان گاہ بنا ہوا تھا، اس آواز کو سن کر آتش شوق اور بھی بھڑک اُٹھی...

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بشارت

اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا معاملہ مختلف ہے کہ جب ان کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا تو انہیں کچھ معلوم نہ تھا بلکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک فرشتے کے ذریعے آپ کی شبیہ دکھائی گئی...

چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تمہیں میں نے تین رات مسلسل خواب میں دیکھا، تم کو فرشتہ ریشم کے ایک ٹکڑے میں لاتا اور مجھ سے کہتا یہ آپ کی بیوی ہیں... میں تمہارے چہرے سے کپڑا اٹھاتا اور تمہیں پاتا، پھر میں اپنے دل میں کہتا اگر یہ خواب اللہ کی طرف سے ہے تو وہ اسے پورا کرے گا... ☆ بعض روایات کے مطابق حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنے پہلے شوہر کی زندگی میں ایک خواب دیکھا تھا، اس کا ذکر اپنے شوہر سے کیا تو وہ بولے شاید میری موت کا زمانہ قریب ہے اور تمہارا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوگا اور یہ تعبیر حرف بحرف سچ ثابت ہوئی...

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کو بشارت

اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر ابوسلمہ کا انتقال ہوا تو بہت غمگین ہوئیں... فرماتی تھیں کہ "ہائے غربت میں کیسی موت ہوئی" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود تسلی دلاسے کے لیے تشریف لائے اور ایسا کہنے سے منع

فرماتے ہوئے کہا: "صبر کرو، ان کی مغفرت کی دُعا مانگو اور یہ کہو کہ یا اللہ! ان سے بہتر ان کا جانشین عطا فرما..." حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں یہ دُعا کرتی تھی لیکن سوچتی تھی کہ ابوسلمہ سے بہتر جانشین کون ہوسکتا ہے؟ لیکن پھر ابوسلمہ کے جانشین حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے...

حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کو بشارت

حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں پہلے شوہر (عبیداللہ بن جحش) کے انتقال کے چند روز بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص "یا اُم المؤمنین" کہہ کر پکار رہا ہے جس سے میں گھبرائی، عدت کا ختم ہونا تھا کہ یکا یک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام نکاح آ گیا...

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو بشارت

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آئیں تو آپ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ کے قریب ایک سبز نشان دیکھا، فرمایا یہ کیسی سبزی ہے؟ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ایک روز میں اپنے شوہر کی گود میں سر رکھے سو رہی تھی کہ یہ خواب دیکھا کہ میری گود میں چاند آ گرا ہے، یہ خواب میں نے اپنے شوہر سے بیان کیا تو اس نے زور سے میرے منہ پر ایک طمانچہ مارا اور کہا کہ تو یثرب کے بادشاہ کی تمنا کرتی ہے...

ازواجِ مطہرات کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حُسنِ سلوک

حدیث میں ہے: خیر کم خیر کم باھلہ و انا خیر کم باھلی .... سب لوگوں میں اچھا وہ ہے جو اپنی بیوی (کنبہ) کے ساتھ اچھا ہے اور میں تم سب سے بڑھ کر اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا ہوں۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر ایک شوہر کے لئے ضروری بتایا کرتے تھے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ خوش مذاق ہو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معمول یہ تھا کہ جب گھر میں داخل ہوتے تو السلام علیکم خود فرمایا کرتے۔ رات کے وقت سلام ایسی آہستگی سے فرماتے کہ بیوی جاگتی ہو تو سن لے اور سو گئی ہو تو جاگ نہ پڑے۔

کھانے' پہننے' مکان اور گزارہ اور ملاقات میں ہر ایک بیوی کے ساتھ برابر سلوک فرمایا کرتے۔ عموماً بعد عصر ہر ایک کے مکان پر تشریف لے جا کر ان کی ضروریات کو معلوم فرماتے اور بعد نماز مغرب سب بیویوں سے ایک مکان میں مختصر ملاقات فرماتے۔ شب کو نوبت بہ نوبت ہر ایک کے گھر میں استراحت فرمایا کرتے۔

بیویوں کی سہیلیوں کی عزت فرمایا کرتے اور ان کے عزیز و اقارب کو حسن سلوک سے خوش رکھتے۔ سفر میں روانہ ہونے کے وقت قرعہ اندازی کی جاتی۔ جس بیوی کا نام نکلتا اسی کو ساتھ لیتے۔ ہر ایک بیوی کے رہنے کا مکان الگ تھا اور یہ سب مکان جن کو اللہ پاک نے حجرات اور بیوت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور بیوتکن فرمایا ہے باہم پیوستہ تھے۔ مکان نہایت مختصر تھے۔ مثلاً عائشہ طیبہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ جس کا دریچہ مسجد نبوی کے اس حصہ پر کھلتا ہے جسے روضۃ من

ریاض الجنۃ خیابانان جنت میں سے ایک چمن فرمایا گیا ہے۔

اس قدر تھا کہ جب نماز جنازۂ مطہر کے لئے لوگ اندر داخل ہونے لگے تو دس آدمیوں سے زیادہ کی اس میں گنجائش نہ تھی۔ حجرات کے اندر سامان برائے نام ہوتا تھا۔ مثلاً حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام فرمانے کے لئے ایک ٹاٹ کا ٹکڑا تھا۔ جسے دوتہہ کر کے بچھا دیا گیا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر چمڑے کا تھا۔ جس کے اندر کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے۔

اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کو ام المومنین ہونے کے بعد ام المساکین زینب رضی اللہ عنہا کا گھر ملا تھا۔ ان کو اس گھر میں جو اثاث البیت نظر آیا وہ ایک چکی اور چند سیر جو تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بتایا ہے کہ ان کی خالہ ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں پانی ایک مشک میں ہوتا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک پیالہ چوبی کا ذکر کیا ہے۔ جسے مختلف اشربہ میں برتا جاتا تھا۔ فتح خیبر کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک بیوی کے لئے ۸۰ وسق کھجور کے اور ۲۰ وسق جو کے سالانہ مقرر کر دیئے تھے۔ دودھ کے واسطے عموماً ہر ایک بیوی کو ایک ایک دودھ والی اونٹنی ملا کرتی تھی۔ ازواج مطہرات بھی ہر ایک شے میں ضرورت کی مقدار رکھ کر باقی سب چیزوں کو بیواؤں اور یتیموں پر خیرات کر دیا کرتی تھیں۔

باوجود اس قدر دلداری اور اور مہربانی کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ گوارا نہ تھا کہ کسی بیوی کے منہ سے اپنی سوکن کی نسبت کوئی ایسا لفظ بھی نکلے جو ان کی شان بلند سے گرا ہوا ہو۔ اُم المومنین زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش نے ایک بار ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا کو یہودن کہہ دیا۔ کچھ شک نہیں کہ ان کا نسب یہود بن یعقوب تک منتہی ہوتا تھا۔ مگر کہنے کا انداز اور لہجہ حقارت آمیز تھا۔ اتنی بات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ عرصہ تک ام المؤمنین زینب رضی اللہ عنہا کے گھر نہ گئے۔ جب انہوں نے توبہ کی تو خطا بخشی ہوئی۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ چھوٹی سی بات یہودن کہنا بھی مرویات میں نقل کی گئی ہے تو ہم کو ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کا صحیح تصور بندھ جاتا ہے۔ کیونکہ اس سے زیادہ کوئی بات تلخ بھی کہی گئی ہوتی تو وہ بھی ضرور روایت میں آ جاتی۔ اللہ اکبر! یہ نتیجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان عالیہ کا تھا کہ زوجات کو تاثرات طبعی و جنسی سے ارفع و اعلیٰ بنا کر محبت صادقہ ایمانیہ میں متفق و متحد بنا دیا تھا۔

اس راز کے سمجھنے سے وہ افراد قاصر ہیں جو تعلقات زوجین کی حقیقت صرف خواہشات طبعی کے نفاذ کو سمجھا کرتے ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ عیسائیوں نے بہشت میں زن و شوہر کے زن و شوہر ہو کر رہنے سے انکار کیا ہے۔

اُمہات المومنین کے کام

● زنانِ اُمت کی خواتین کو تعلیم دینا۔ ● ان کے معروضات کو حضور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچانا۔
● پھر جواب سمجھانا۔ ● نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال واقوال وعبادات کو جو حجرات کے اندر کیا کرتے تھے۔
● حفظ واتقان کے ساتھ اُمت تک پہنچانا۔ ● مشکلات علمیہ میں فرزندان اُمت کی رہبری کرنا تھا۔

آیئے! آئندہ صفحات میں اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے ایمان افروز حالات پڑھتے ہیں۔

اُمُّ المومنین حضرۃ خدیجہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب

اُم المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا بالا جماع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی بیوی ہیں اور بالا جماع پہلی مسلمان ہیں کوئی مرد اور کوئی عورت اسلام لانے میں آپ سے مقدم نہیں۔ حضرت خدیجہ قبیلۂ قریش سے تھیں۔ والد کا نام خویلد اور ماں کا نام فاطمہ بنت زائدہ تھا۔ سلسلۂ نسب قریش تک اس طرح پہنچتا ہے۔ خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی۔ قصی پر پہنچ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سلسلۂ نسب مل جاتا ہے۔

لقب

چونکہ حضرت خدیجہ جاہلیت کے رسم ورواج سے پاک تھیں اس لئے بعثت نبوی سے پیشتر وہ طاہرہ کے نام سے مشہور تھیں۔

پہلا نکاح

آپ کا پہلا نکاح ابو ہالۃ بن زرارہ تمیمی سے ہوا جن سے ہند اور ہالہ دو بیٹے پیدا ہوئے۔ ہند اور ہالہ دونوں مشرف باسلام ہوئے دونوں صحابی ہیں۔ ہند بن ابی ہالہ نہایت فصیح و بلیغ تھے۔ حلیہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مفصل روایت انہی سے مروی ہے۔

دوسرا نکاح

ابو ہالہ کے انتقال کے بعد عتیق بن عائذ مخزومی کے نکاح میں آئیں جن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام ہند تھا۔ ہند بھی اسلام لائیں اور صحابیت کے شرف سے مشرف ہوئیں۔ مگر ان سے کوئی روایت منقول نہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد عتیق کا بھی انتقال ہوگیا اور حضرت خدیجہ پھر بیوہ کی بیوہ رہ گئیں۔

دوسری دفعہ کی بیوگی

نفیسہ بنت منیبہ سے روایت ہے کہ حضرت خدیجہ بڑی شریف اور مالدار عورت تھیں۔ جب بیوہ ہوگئیں تو قریش کا ہر شریف آدمی ان سے نکاح کا متمنی تھا لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خدیجہ کا مال تجارت لے کر سفر میں گئے اور عظیم نفع کے ساتھ واپس ہوئے تو حضرت خدیجہ آپ کی طرف راغب ہوئیں اور مجھے

آپ کا عندیہ معلوم کرنے کیلئے بھیجا۔

سب کو معلوم ہے کہ نبوت و رسالت کوئی بادشاہ ہی نہیں۔ دنیا کی عیش و عشرت سے اسے ذرہ برابر تعلق نہیں۔ درہم و دینار کی یہ مجال نہیں کہ پیغمبر کے گھر میں کوئی شب گزار سکے۔ الا یہ کہ کسی قرض خواہ کے انتظار میں ایک آدھی شب ٹھہر جائے۔ ہفتے اور مہینے گزر جائیں کہ دن میں چولہا نہ سلگے۔ اور راتیں گزر جائیں کہ گھر میں چراغ روشن نہ ہوا اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ مال و دولت عیش و عشرت زر اور زیور کی محبت عورتوں کی فطرت میں داخل ہے۔

مگر بایں ہمہ حضرت خدیجہ کا تمام اشراف اور روساء مکہ کو باوجود ان کی تمنا اور آرزو کے چھوڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مائل ہونا آپ کی طہارت اور نزاہت کی روشن دلیل ہے اور اسی سے حضرت خدیجہ کے فہم اور فراست کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ پیغمبر کی زوجیت کی خواہش اور تمنا کرنا معمولی عقل کا کام نہیں۔ انتہائی دور بین اور دور اندیش عقل اس تمنا پر آمادہ کر سکتی ہے۔

کیونکہ عقل بتلاتی ہے کہ پیغمبر کی زوجیت میں جانے کے لئے یہ شرط ہے کہ دنیا سے ہاتھ دھوئے اور فقر اور فاقہ کے لحاف اور بچھونے کو کمخواب اور زربفت کے لحاف بچھونے سے زیادہ بہتر سمجھے۔ پیغمبر کی زوجیت کی تمنا فقر و فاقہ کی تمنا ہے اور مصائب و آلام کو دعوت دینا ہے۔

حضرت خدیجہ کا نام طاہرہ رکھا نہیں گیا۔ بلکہ من جانب اللہ لوگوں سے ان کو طاہرہ کہلوایا گیا تھا تاکہ ان کی طہارت و نزاہت مشہور ہو جائے جس طرح کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو امین کہلوایا گیا۔ تاکہ آپ کی امانت اور دیانت مسلم ہو جائے اور کسی کو اس میں کلام کی گنجائش نہ رہے۔ ایسے ہی موقعہ کے لئے کہا گیا ہے کہ زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو۔

چونکہ حضرت خدیجہ اپنے زمانہ کی مریم تھیں اس لئے حضرت مریم کی طرح ان کو بھی وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ سے خاص حصہ ملا اور طاہرہ کے نام سے مشہور ہوئیں۔ اب ظاہر ہے کہ ایسی طاہرہ اور مطہرہ خاتون کا میلان کسی طاہر اور مطہر ہی کی طرف ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا اور اس سے بڑھ کر کون سچا ہوسکتا ہے۔ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ.

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا... مزید حالات واہم واقعات

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح

حضرت خدیجہ نے یہ سب جان بوجھ کر اور خوب سوچ سمجھ کر اپنی طرف سے پیام کی ابتداء کی۔ اور رؤساء مکہ کی آرزوؤں کو خاک میں ملا دیا۔ آپ نے اپنے شفیق چچا ابو طالب کے مشورہ سے اس پیام کو قبول کیا۔ حضرت خدیجہ کے والد خویلد کا پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا لیکن ان کے چچا عمر بن اسد نکاح کے وقت زندہ تھے وہ اس تقریب میں شریک ہوئے۔

تاریخ معین پر ابو طالب معہ اعیان خاندان کے جن میں حمزہ بھی تھے۔ حضرت خدیجہ کے مکان پر آئے اور شادی کی رسم ادا ہوئی۔ ابو طالب نے خطبۂ نکاح پڑھا اور پانچ سو درہم مہر مقرر رہا۔ نکاح کے وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کی عمر چالیس سال کی اور آنحضرت کی عمر ۲۵ سال تھی۔ مجلس عقد میں ورقہ بن نوفل بھی تھے۔ ابو طالب جب خطبۂ نکاح سے فارغ ہوئے تو ورقہ بن نوفل نے مختصر سی تقریر کی جو زرقانی میں مذکور ہے۔ بعض روایات میں مذکور ہے کہ ایجاب وقبول کے بعد حضرت خدیجہ نے ایک گائے ذبح کرائی اور کھانا پکوا کر مہمانوں کو کھلایا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی دانائی وحق پرستی

ایک روز کا واقعہ ہے کہ آپ حضرت خدیجہ کے پاس گئے۔ حضرت خدیجہ دیکھتے ہی آپ کو لپٹ گئیں اور سینہ سے لگا لیا۔ اور کہا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ اس فعل سے میری کوئی غرض نہیں مگر یہ کہ مجھ کو یہ امید ہے کہ شاید آپ ہی وہ نبی ہوں جو عنقریب مبعوث ہونے والے ہیں۔ پس اگر آپ ہی وہ نبی ہوئے تو بعثت کے بعد میرے حق کو یاد رکھیں اور جو خدا آپ کو نبوت سے سرفراز فرمائے اس سے میرے لئے دعا فرمائیں آپ نے جواب دیا اگر وہ نبی میں ہی ہوا تو جان لے کہ تو نے میرے ساتھ وہ احسان کیا ہے کہ جس کو میں کبھی نہیں بھول سکتا۔

اور اگر میرے سوا کوئی اور ہوا تو سمجھ لے کہ جس خدا کے لئے تو یہ عمل کر رہی ہے وہ کبھی تیرے عمل کو ضائع نہ کرے گا۔ حضرت خدیجہ بار بار ورقہ بن نوفل کے پاس جاتیں اور آپ کے متعلق دریافت کرتیں۔ ورقہ یہ جواب دیتے۔ میرا گمان یہ ہے کہ یہ وہی نبی ہیں کہ جن کی حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ نے بشارت دی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ جبریل امین آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور

کے لئے کھانا لئے آرہی ہیں۔
عرض کیا۔ یارسول اللہ یہ خدیجہ آپ کے لئے کھانا لئے آرہی ہیں۔ جب آپ کے پاس آئیں تو ان کے پروردگار کی طرف سے اور پھر میری طرف سے ان کو سلام کہہ دیجئے اور ان کو جنت کے ایک محل کی بشارت دید یجئے جو ایک ہی موتی کا بنا ہوا ہوگا۔ اور اس محل میں نہ کوئی شور وغل ہوگا اور نہ کسی قسم کی مشقت اور تکلیف ہوگی۔ حضرت خدیجہ نے سن کر یہ جواب دیا۔

تحقیق اللہ تعالیٰ تو خود ہی قدوس اور سلام ہیں۔ یعنی اللہ پر کیا سلام بھیجا جائے۔

البتہ اے جبریل آپ پر سلام ہو اور یارسول اللہ! آپ پر بھی اللہ کا سلام ہو اور اس کی رحمتیں اور برکتیں آپ پر نازل ہوں (کہ جن کے طفیل میں مجھ پر یہ رحمتیں اور برکتیں نازل ہو رہی ہیں۔ ابن سنی کی روایت میں اس قدر اور اضافہ ہے کہ اس پر بھی سلام ہو جو اس کو سن رہا ہو۔ سوائے شیطان کے۔

اولاد

انہیں کے بطن سے آپ کے چار صاحبزادیاں زینب ورقیہ وام کلثوم و فاطمہ اور دولڑکے پیدا ہوئے (جن کا مفصل بیان اولاد کے بیان میں آئندہ آئے گا) اولاد ذکور صغرسنی ہی میں انتقال کر گئی البتہ صاحبزادیاں بڑی ہوئیں اور بیاہی گئیں۔

محبت نبوی

اُم المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا دُنیا سے رُخصت ہو چکی تھیں... ان کی بہن ہالہ ایک بار خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لیے گھر تشریف لائیں... سلام کہہ کر اندر آنے کی اجازت چاہی، ہالہ رضی اللہ عنہا کی آواز حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بہت ملتی جلتی تھی، آپ کے کانوں میں یہ مانوس آواز آئی تو بے اختیار خدیجہ رضی اللہ عنہا یاد آ گئیں... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لمبی سانس لی اور مسکرا کر فرمایا ہالہ ہوں گی...

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یہ کیفیت بھانپ گئیں، انہیں انتہائی رشک ہوا اور بولیں:

یارسول اللہ! آپ ایک ایسی بوڑھی عورت کو یاد کر رہے ہیں جو مر چکی ہیں اور خدا نے آپ کو ان سے کہیں زیادہ اچھی اور جوان بیویاں عطا فرما دی ہیں... خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہ دیا، اس وقت آپ پر خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یاد میں کچھ اور ہی کیفیت طاری تھی...

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں سے کسی بیوی پر بھی مجھے اتنا رشک نہیں جتنا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پر آتا تھا... حالانکہ میں نے ان کو دیکھا بھی نہیں تھا اس رشک کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اکثر یاد فرمایا کرتے تھے اور اکثر یہ بھی ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بکری ذبح فرماتے تو اس میں سے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کو تلاش کر کے گوشت بھجواتے تھے...

ایسے موقع پر بعض مرتبہ میں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا کچھ ایسا خیال ہے جیسے دنیا و آخرت میں ان

کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور کوئی بیوی ہی نہیں یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا وہ ایسی ہی اچھی تھیں اور ان سے میری اولاد ہوئی...(بخاری ومسلم)

سبحان اللہ وفاداری اور یادگاری کی یہ مثال کہاں ملے گی کہ صاحب محبت کے وفات پا جانے پر اس کے دوستوں سے برتاؤ رکھا جائے جسے وہ خود زندگی میں اپنے دوستوں سے رکھتا اس پر خوش ہوتا...ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لا کر گھر سے باہر نہیں جایا کرتے تھے...جب تک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ نہ فرما لیتے تھے ایک مرتبہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ذکر فرمایا تو مجھے عورتوں والی غیرت سوار ہوئی میں نے عرض کیا کہ ایک بڑھیا کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یاد کرتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت ناراض ہوئے اس کے بعد میں نے عہد کر لیا کہ کبھی خدیجہ رضی اللہ عنہا کو برائی سے یاد نہ کروں گی...(الاصابہ)

جب تک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا زندہ رہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اور عورت سے نکاح نہیں کیا ان کی وفات کے بعد حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا...

پہلا نکاح

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا نکاح 25 سال کی عمر میں اس خاتون سے فرمایا، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں 15 سال بڑی تھیں، یعنی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا...شادی کے وقت ان کی عمر 40 برس تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے سے پہلے دو مرتبہ بیوہ ہو چکی تھیں...

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عمر مبارک کا 25 سالہ عرصہ ان ہی واحد خاتون کے ساتھ گزارا، 15 سال نبوت سے پہلے کا اور 10 سال نبوت کے بعد کا عرصہ...جس وقت حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا انتقال ہوا، اس وقت ان کی عمر 65 برس تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر 50 سال تھی....

گویا جب تک یہ معمر خاتون زندہ رہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرا نکاح نہیں فرمایا اور انہی کیساتھ بحسن خوبی گزارا فرمایا...اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا...وہ بھی ایک بیوہ اور معمر خاتون تھیں...آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات میں سے صرف حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کنواری تھیں اور باقی تمام ازواج مطلقہ یا بیوہ تھیں...آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف اوقات میں مجموعی طور پر گیارہ شادیاں فرمائیں، جن کی تفصیل آئندہ صفحات میں درج ہے...

جانبین سے محبت والفت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آتے ہی حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنا سارا مال واسباب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ڈھیر کر دیا...اس سے آپ کو فکرِ معیشت سے نجات مل گئی...

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور عبادتِ خداوندی تھی... حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے کے پہلے دن ہی سے آپ کی خدمت گزاری میں جان و مال سے ایسی مصروف ہو گئیں کہ گویا باندی ہیں... مرتے دم تک آپ سے کوئی ایسا امر ظہور پذیر نہیں ہوا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو رنج ہوا ہو بلکہ جب بھی کوئی ایسا واقعہ پیش آیا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشانی لاحق ہوئی ہوتو حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشفی اور دل جمعی کی... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد جب قریش مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استہزاء اور تمسخر اڑاتے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار گزرتا تو اکثر حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گرانی طبیعت کو اپنی تسلی آمیز باتوں سے ہلکا کرتی تھیں... ہر امر میں مطیع و فرمانبردار تھیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر بات میں آپ سے مشورہ لیتے تھے... (البیہقی)

نکاح کے بعد مثالی طرز معاشرت

حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پہلی ہستی تھیں جنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر و عظمت کو پہچانا اور اپنا تن، من، دھن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لئے وقف کر دیا... آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کے بعد 25 سال کی زندگی میں بے پناہ مشکلات آئیں، مگر ان تمام مشکلات میں آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا پورا طرح ساتھ دیا... قریش مکہ قدم قدم پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیفیں پہنچاتے تھے اور حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آرام و سکون پہنچاتی تھیں... آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکالیف کو دیکھ کر وہ کبھی مایوس نہ ہوتیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حوصلہ افزائی کرتیں اور تبلیغ کے کام میں ہر ممکن مدد کرتیں... آپ نے اپنی ہر خوشی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نچھاور کر دی... محرم الحرام، 7 نبوی میں قریش مکہ نے متفقہ طور پر ایک تحریری معاہدہ لکھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور بنو ہاشم اور ان کے حامیوں سے یک قلم تمام تعلقات منقطع کر لئے اور بنو ہاشم اور بنو عبد المطلب کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا گیا... یہ محاصرہ 3 سال تک رہا... جو سخت تکلیف دہ تھا... یہاں تک کہ بھوک سے بچوں کے بلبلانے کی آواز باہر سنائی دینے لگتی اور سنگ دل بلبلانے کی آواز سن کر خوش ہوتے... حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی شعب ابی طالب میں تمام بنو ہاشم کے ساتھ محصور تھیں اور ہر وہ تکلیف برداشت کر رہی تھیں جو دوسرے محصورین کو دی جاتی تھی... (تاریخ التواریخ 2\341، العقد الفرید 3\96)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ہار کا واقعہ

آپ رضی اللہ عنہا کی بیٹی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر ابو العاص جو کفر کی حالت میں جنگ بدر میں کفار مکہ کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف لڑے تھے... عبداللہ بن جبیر انصاری کے ہاتھوں

گرفتار ہوئے اور جب مدینہ شریف میں اسیروں کی رہائی کیلئے فدیہ کا اعلان ہوا تو سیدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جو اس وقت مکہ میں تھیں...اپنے شوہر کے بھائی عمرو کے ہاتھ مکہ سے ان کا فدیہ بھیجا تا کہ ان کی رہائی کی کوئی سبیل نکل سکے...اس فدیہ میں وہ ہار بھی شامل تھا جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے انہیں شادی کے موقع دیا تھا...فدیہ کا یہ مال جب مدینہ شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہار کو دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر رقت طاری ہوگئی اور جان نثار رفیقہ حیات کی یاد نے بے چین کر دیا...جب طبیعت سنبھلی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے فرمایا...یہ ہار خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یادگار ہے اگر تمہاری مرضی ہو تو یہ ہار زینب رضی اللہ عنہا کو واپس بھیج دو اور ابوالعاص کو رہا کر دو...

صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے بسر و چشم خوشی سے منظور کیا...اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہار سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو واپس بھجوا دیا اور ابوالعاص کو بھی چھوڑ دیا لیکن ان سے وعدہ لے لیا کہ مکہ جا کر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو مدینہ بھیج دیں گے...

چنانچہ ان کے ساتھ ہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ایک انصاری کو مکہ شریف بھیجا تا کہ وہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے ساتھ لے آئیں...

وفات

جب تک حضرت خدیجہ زندہ رہیں اس وقت تک آپ نے دوسرا عقد نہیں کیا۔ ۱۰ نبوی میں ہجرت سے تین سال پیشتر مکہ میں انتقال کیا اور حجون میں دفن ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود قبر میں اتارا۔ نماز جنازہ اس وقت تک مشروع نہیں ہوئی تھی۔ پچیس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں رہیں۔ پینسٹھ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

(سیرت المصطفیٰ ج ۲)

ام المومنین سودہ بنتِ زمعہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب

حضرت خدیجہ کے انتقال کے کچھ ہی روز بعد حضرت سودہ آپکے نکاح میں آئیں۔ یہ بھی اشراف قریش میں سے تھیں ان کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لوئی۔ لوئی بن غالب پر پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سلسلہ نسب مل جاتا ہے والدکا نام شموس بنت قیس بن عمرو بن زید انصاریہ ہے۔ انصار میں سے قبیلہ بنی النجار کی تھیں۔ ابتداء نبوت میں مشرف باسلام ہوئیں۔

حلیہ ومزاج

حضرت سودہ کا قد لمبا اور بدن بھاری تھا۔ مزاج میں ظرافت تھی کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنساتیں۔

پہلا نکاح اور بیوگی

پہلا نکاح ان کے چچازاد بھائی سکران بن عمرو سے ہوا۔ صحابہ نے جب دوسری بار حبشہ کی طرف ہجرت کی تو سودہ اور سکران بھی ان مہاجرین میں تھے۔ جب مکہ واپس ہوئے تو راستہ میں سکران کا انتقال ہو گیا۔ ایک بیٹا عبدالرحمٰن نامی یادگار چھوڑا۔ عبدالرحمٰن مشرف باسلام ہوئے اور جنگ جلولہ میں شہید ہوئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خدیجہ کے انتقال سے نہایت غمگین اور پریشان تھے۔ ایک دن خولہ بنت حکیم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یارسول اللہ آپ کو خدیجہ کے نہ ہونے سے پریشان دیکھتی ہوں۔

آپ نے فرمایا ہاں بال بچوں کی پرورش اور گھر کا انتظام سب اسی سے تھا۔

خولہ نے کہا کیا میں آپ کے لئے کہیں پیام نہ دوں۔ آپ نے فرمایا مناسب ہے اور عورتیں ہی اس کام کے لئے زیادہ موزوں ہیں۔ آپ نے فرمایا کس جگہ پیام دینے کا خیال ہے خولہ نے کہا اگر کنواری سے نکاح کرنا چاہیں تو آپ کے نزدیک تمام مخلوق میں جو سب سے زیادہ محبوب ہے اس کی بیٹی عائشہ سے نکاح فرمائیں اور اگر بیوہ سے چاہیں تو سودہ بنت زمعہ موجود ہے جو آپ پر ایمان لائی اور آپ کا اتباع کیا۔

آپ نے فرمایا دونوں جگہ پیام دیدو۔ خولہ اول سودہ کے پاس گئیں اور کہا مجھ کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہارا پیام دے کر بھیجا ہے۔

سودہ نے کہا مجھ کو کوئی عذر نہیں مگر میرے باپ سے اس کا تذکرہ کرلو اور جاہلیت کے طریقہ پر ان کو سلام کرنا خولہ کہتی ہیں کہ میں ان کے باپ کے پاس پہنچی اور جاہلیت کے طریقہ پر انعم صباحاً کہا پوچھا کون ہے۔ میں نے کہا خولہ ہوں۔ سودہ رضی اللہ عنہا کے والد نے مرحبا کہہ کر دریافت کیا کہ کیسے آنا ہوا۔ میں نے کہا محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب کا آپ کی بیٹی کیلئے پیام لے کر آئی ہوں۔ انہوں نے سن کر کہاہاں بیشک وہ شریف کفو ہیں۔ لیکن معلوم نہیں کہ سودہ کی کیا رائے ہے۔ میں نے کہا وہ بھی آمادہ ہے۔ چنانچہ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور نکاح پڑھا گیا۔

حضرت سودہ کے بھائی عبداللہ بن زمعہ کو جو اس وقت تک مشرف باسلام نہ ہوئے تھے۔ جب انکو اسکا علم ہوا تو سر پر خاک ڈال لی جب مشرف باسلام ہوئے تو اپنی اس حرکت پر بہت نادم ہوئے اور جب کبھی اس کا خیال آجاتا تو یہ کہتے کہ میں اس روز بڑا ہی نادان تھا کہ جس روز میں نے اپنے سر پر اس وجہ سے خاک ڈالی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری بہن سے نکاح فرمایا۔

اُم المؤمنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کی سخاوت

حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے پاس درہموں سے بھرا ہوا تھیلا بھیجا۔ حضرت سودہ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ لانے والوں نے بتایا یہ درہم ہیں تو (حیران ہو کر تعجب سے) فرمایا ارے کھجوروں کی طرح تھیلے میں درہم (یعنی اتنے بڑے تھیلے میں تو کھجوریں ڈالی جاتی ہیں درہم تو تھوڑے ہوا کرتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بہت زیادہ درہم بھیج دیئے ہیں) اور پھر انہوں نے وہ سارے درہم تقسیم کر دیئے۔

(اخرجہ ابن سعد بسند صحیح کذا فی الاصابۃ)

اُمّ المومنین عائشہ صدّیقہ رضی اللہ عنہا

جب کوئی قوم اپنے ماضی کی تابناک روایات کو فراموش کر دیتی ہے اور دوسری اقوام کی اندھا دھند تقلید کو اپنی زندگی کا شعار بنا لیتی ہے اس وقت اس قوم کا انحطاط شروع ہو جاتا ہے۔ آج مسلمانوں کے اس دور انحطاط میں ان کے انحطاط کا بحصہ رسد آدھا سبب ''عورت'' ہے۔

وہم پرستی، قبر پرستی جاہلانہ مراسم غم وشادی کے موقع پر مسرفانہ مصارف اور جاہلیت کے دوسرے آثار اس لئے ہمارے گھروں میں زندہ ہیں کہ آج مسلمان عورتوں کے قالب میں تعلیمات اسلامی کی روح مردار ہوگئی ہے۔ شاید اس کا سبب یہ ہو کہ ان کے سامنے ''مسلمان عورت'' کی زندگی کا کوئی مکمل نمونہ نہیں۔

آج ہم ان کے سامنے اس خاتون کا نمونہ پیش کرتے ہیں جو نبوت عظمٰی کی کئی سالہ مشارکت زندگی کی بنا پر خیر القرون کے حرم میں کم بیش 40 برس تک شمع ہدایت رہی۔ ایک مسلمان عورت کیلئے سیرۃ عائشہ میں اس کی زندگی کے ہر موقع اور ہر حالت کیلئے تقلید کے قابل نمونے موجود ہیں۔

سیرۃ عائشہ اس کیلئے ایک آئینہ خانہ ہے جس میں صاف طور پر نظر آئے گا کہ ایک مسلمان عورت کی زندگی کی حقیقی تصویر کیا ہے۔ ام المومنین کی سیرۃ مبارکہ نہ صرف اس لئے قابل مطالعہ ہے کہ وہ ایک حجلہ نشین حرم نبوت کی پاک زندگی کے واقعات کا مجموعہ ہے بلکہ اس لحاظ سے بھی اس کا مطالعہ ضروری ہے کہ دنیا کے بزرگ ترین انسان کی زندگی کا وہ نصف حصہ ہے جو کامل عورت کا بہترین مرقع ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔

اشرف النساء کا مختصر تعارف

عائشہ نام صدیقہ اور حمیرا لقب ہے۔ حمیرا کے معنی نہایت حسین اور صاحب جمال عورت کے ہیں۔ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے بنت الصدیق سے بھی خطاب فرمایا ہے۔ ام المومنین خطاب اور ام عبداللہ کنیت ہے جو آنحضرت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیر کے نام کی مناسبت سے رکھی تھی۔ آپ بعثت نبوی کے چار سال بعد ماہ شوال میں پیدا ہوئیں۔ حضرت عائشہ اس نامور باپ کی بیٹی تھیں جس کو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے سب سے پہلے خلیفہ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

والدہ کا نام ام رومان بنت عامر تھا اور وہ بھی جلیل القدر صحابیہ تھیں۔ رسول اللہ! صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم اور ام

المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نسب ساتویں آٹھویں پشت پر جا کر مل جاتا ہے۔آپ پیدائشی مسلمان تھیں۔ان سے روایت ہے کہ جب میں نے اپنے والدین کو پہچانا انہیں مسلمان پایا۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ پر روز اول سے کفر و شرک کا سایہ تک نہ پڑا۔حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا زمانہ طفولیت صدیق اکبر جیسے جلیل القدر باپ کے زیر سایہ بسر ہوا۔وہ بچپن ہی سے بے حد ذہین اور ہوشمند تھیں اور اپنے بچپن کی تمام باتیں انہیں یاد تھیں۔کہا جاتا ہے کہ کسی دوسرے صحابی یا صحابیہ کی یادداشت اتنی اچھی نہ تھی۔

جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ازدواجی زندگی کے نو برس گزر گئے تو آقائے دوجہاں مرض وفات میں مبتلا ہوئے۔حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تیرہ دن علیل رہے،ان تیرہ دنوں میں پانچ دن دیگر ازدواج کے ہاں قیام فرمایا اور آٹھ دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رہے۔۹ یا ۱۲ ربیع الاول کو سرورِ کونین کی روحِ اطہر نے عالم قدس کی طرف پرواز کی،اس وقت حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا سر مبارک حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سینہ پر رکھا ہوا تھا اور پھر انہیں کے حجرہ مبارک کو حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ابدی آرام گاہ بننے کا شرف حاصل ہوا۔رحلت نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر 18 سال کی تھی۔48 برس انہوں نے عالم بیوگی میں بسر کئے،اس تمام عرصہ میں وہ عالم اسلام کیلئے رشد و ہدایت علم و فضل اور خیر و برکت کا ایک عظیم مرکز بنی رہیں۔ان سے 2210 حدیثیں مروی ہیں۔بعض کا قول ہے کہ احکام شرعیہ کا ایک چوتھائی حصہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے۔باپ اور بیٹی کو تاریخ اسلام میں جو بلند مقام حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں،باپ اگر حضرت نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا رفیق غار تھا تو بیٹی رفیق زندگی تھی۔دونوں کی خوش قسمتی کی قسم کھانی چاہیئے۔

آخر وہ وقت آگیا جو ہر ذی روح کو ایک نہ ایک دن لازمی پیش آتا ہے اور رسول کریم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی یہ چہیتی بیوی امہات المومنین کی سرتاج تمام جلیل القدر صحابہ کی معلّمہ اور عظیم المرتبت خاتون ۱۷ رمضان المبارک ۵۸ھ مطابق ۱۳ جولائی ۶۷۸ء کو منگل کے دن رات کے وقت دنیا سے ہمیشہ کیلئے رخصت ہوگئی۔

رات کے وقت کسی جنازہ پر اتنا ہجوم نہ ہوا تھا جیسا آج تھا۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے مشہور صحابی ہیں اور حضرت معاویہ کی طرف سے اس وقت مدینہ کے حاکم تھے،حضرت صدیقہ کی نماز جنازہ پڑھائی۔مدینہ کا شاید ہی کوئی آدمی ایسا بچا ہو جو جنازہ کی نماز میں شریک نہ ہوا ہو۔ایک بدوی سے لوگوں نے پوچھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات کا غم اہل مدینہ نے کتنا کیا،جواب دیا جس جس کی وہ ماں تھیں یعنی (تمام مسلمان) اسی کو ان کا غم تھا۔اسکے بعد ہجوم کے درمیان آپ کا جنازہ جنت البقیع میں لے جایا گیا۔بھتیجوں اور بھانجوں نے آپ کو قبر میں اتارا اور سپرد خاک کر دیا۔حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ماتم سن کر فرمایا خدا ان پر رحمت کرے کہ اپنے باپ کے سوا وہ آپ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں۔

محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبوبہ

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نہایت محبت رکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو سب سے زیادہ محبت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے تھی۔
ایک مرتبہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے پوچھا یارسول اللہ! صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم آپ دنیا میں سب سے زیادہ کس کو محبوب رکھتے ہیں۔ ارشاد ہوا عائشہ کو عرض کی یارسول اللہ! صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم مردوں کی نسبت سوال ہے۔ فرمایا عائشہ کے باپ کو۔

فرمایا کرتے تھے کہ الٰہی جو چیز میرے امکان میں ہے یعنی بیویوں میں معاشرت اور لین دین کی برابری میں اس عدل سے باز نہیں آتا لیکن جو میرے امکان سے باہر ہے یعنی عائشہ کی قدر و محبت اس کو معاف کرنا۔

یہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معلوم تھا چنانچہ قصداً اسی روز ہدیے اور تحفے بھیجتے تھے جس روز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں قیام کی باری ہوتی۔ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ کو سمجھایا کہ عائشہ کی ریس نہ کیا کرو وہ تو حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو محبوب ہیں۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں امہات المومنین کے وظائف مقرر کیے تو سب کا دس دس ہزار درہم سالانہ مقرر فرمایا مگر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بارہ ہزار دیئے گئے۔ کسی نے اس فرق کی وجہ پوچھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سب سے چہیتی بیوی ہیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے محبت حسن و جمال کی بنا پر تھی حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے۔ ازواج مطہرات میں حضرت زینب حضرت جویریہ اور حضرت صفیہ بھی حسین تھیں، محبوبیت کا اصل سبب ان کی نیکی پرہیزگاری ان کی پاکیزگی وطہارت، مسائل دینیہ میں ان کی سمجھ بوجھ اور شریعت حقہ کے رموز ونکات اخذ کرنے میں ان کی عقل وفہم تھی۔ چنانچہ آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم خود ارشاد فرماتے ہیں کہ عائشہ کے سوا کسی دوسری بیوی کے لحاف میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوئی۔ نیز آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا شادی کیلئے عورت کا انتخاب چار اوصاف کی بنا پر ہوسکتا ہے۔ دولت، حسن و جمال، حسب ونسب اور دینداری۔ تم دیندار کی تلاش کرو اس لئے ازواج مطہرات میں وہی زیادہ منظور نظر ہوئیں جن سے دین کی خدمت سب سے زیادہ بن آسکتی تھی۔
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فہم مسائل اجتہاد فکر اور حفظ احکام میں تمام ازواج میں ممتاز تھیں۔ اس بنا پر شوہر کی نظر میں سب سے زیادہ محبوب تھیں۔ باطنی کمالات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بعد حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا درجہ تھا، اس لئے وہ بھی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو محبوب تھیں۔ حالانکہ عمر کے لحاظ سے وہ سن رسیدہ تھیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ساٹھ برس کی ہو کر فوت ہوئیں لیکن آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے دل میں ان کی محبت اس

شدت سے قائم رہی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی اس پر رشک آتا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ زندہ بیویوں میں جس قدر محبت آنحضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو ان سے تھی اتنی کسی اور بیوی سے نہ تھی۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ مرض الموت میں حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے یہی چاہا کہ میں عائشہ کے گھر میں رہوں چنانچہ بیماری کے ۱۳ دنوں میں سے حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ۸ دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں گزارے اور وہیں حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی وفات ہوئی۔

فضائل ومناقب

حضرت نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے مبارک عہد میں جس قدر مسلمان عورتیں گزری ہیں ان میں اپنے فضائل ومحاسن کے باعث ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نہایت نمایاں حیثیت کی مالک ہیں۔ امہات المومنین میں کوئی دوسری بیوی سوائے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ان کے درجے کو نہیں پہنچتی۔ اس حقیقت میں ذرا بھی مبالغہ نہیں کہ چودہ سو برس میں عائشہ رضی اللہ عنہا کا نظیر دنیا پیدا نہ کر سکی۔ خدا نے عجیب دل ودماغ اور عجیب فہم وذکا اس عورت کو عنایت کیا تھا کہ بڑے بڑے صحابہ اس کے سامنے اپنے آپ کو طفل مکتب کہتے تھے اور جب بھی جو بھی مسئلہ پیش آتا، بلا تامل اس کے حضور پہنچ جاتے اور وہ ایسی آسانی اور ایسی روانی اور ایسی خوبی کے ساتھ اس مسئلہ کو حل کر دیتی کہ ان کی پوری تسلی ہو جاتی اور وہ خوشی ومسرت کے ساتھ مطمئن ہو کر واپس آجاتے۔ ان کی فضیلت وبزرگی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ان کے متعلق فرمایا کہ مسلمانو! آدھا دین عائشہ سے سیکھو۔ علم وفضل اور فہم وفراست میں بھی یہ آنحضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی تمام بیویوں سے بڑھی ہوئی تھیں۔

بعض مخصوص فضائل میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تمام صحابیات میں امتیازی حیثیت رکھتی ہیں۔ بروایت قاسم بن محمد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خود فرماتی ہیں کہ دس اوصاف مجھ میں ایسے ہیں جن میں دوسری ازواج مطہرات میں سے کوئی میری شریک نہیں۔

1. ...صرف میں ہی کنوار پن میں حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے نکاح میں آئی۔
2. ...جبرئیل امین میری شکل میں حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے ملے اور کہا کہ عائشہ سے شادی کر لیجئے۔
3. ...اللہ تعالیٰ نے میرے لئے آیت برأت نازل فرمائی۔
4. ...میرے ماں باپ دونوں مہاجر ہیں۔
5. ...میں حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے سامنے ہوتی تھی اور حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نماز میں مصروف ہوتے تھے۔
6. ...میں اور رسول کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ایک ہی برتن سے غسل کرتے تھے
7. ...نزول وحی کے وقت صرف میں آپ کے پاس ہوتی تھی۔

❽...جس دن میری باری تھی اسی دن رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے رحلت فرمائی۔
❾...جب سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے رحلت فرمائی تو حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا سر مبارک میری گود میں تھا۔ ❿...میرے ہی حجرہ کو رحمۃ للعالمین کا مدفن بننے کی سعادت نصیب ہوئی۔

ایک مرتبہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے درجہ کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا تھا۔

❶...میری تصویر ریشمی کپڑے میں لپٹی ہوئی دو مرتبہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو دکھائی گئی اور یہ کہا گیا کہ تمہاری بیوی ہوگی دنیا اور آخرت میں۔ ایسا معاملہ کسی اور بیوی کے ساتھ نہیں ہوا۔

❷...سوائے میرے کوئی اور عورت دوشیزگی کی حالت میں حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے نکاح میں نہیں آئی۔

❸...یہ شرف میرے سوا کسی اور بیوی کو حاصل نہیں ہوا کہ آنحضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے رحلت فرمائی اس حالت میں کہ آپ میری گود میں تھے۔

❹...میرے متعلق خود آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا کہ جب میں کسی اور بیوی کے ہاں ہوتا ہوں تو مجھ پر وحی نازل نہیں ہوتی، مگر عائشہ کے ہاں مجھ پر جبرئیل نازل ہوتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر میری عزت افزائی اور کیا ہوگی میں نے اپنی آنکھوں سے دو مرتبہ جبرئیل کو دیکھا۔

❺...میں اس عظیم الشان انسان کی بیٹی ہوں جسے تمام مسلمانوں میں سے خدا نے اپنے رسول کے ساتھ ہجرت کے وقت غار میں رسول خدا کی خدمت کی سعادت بخشی۔ یہ فخر کسی اور مسلمان کو حاصل نہیں ہوا۔

❻...جب مجھ پر طوفان اور بہتان باندھا گیا تو خدا نے میری بریت اور صفائی قرآن میں نازل فرمائی اس سے بڑھ کر اعزاز دنیا جہاں کی عورتوں کے مقابلہ میں اور کیا ہوسکتا ہے۔

❼...تیمم کی آسانی اور اس کے متعلق خدا تعالیٰ کے حکم کا موجب میری ہی ذات ہوئی۔

❽...میرے سوا کسی اور بیوی کو یہ عزت حاصل نہیں ہوئی کہ اس کے حجرے میں حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم دفن ہوئے ہیں۔ اس اعزاز پر جو خدا کی طرف سے مجھے ملا ہے جس قدر بھی ناز اور فخر کروں بجا ہے۔

حضرت صدیقہ کے فضائل میں سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ ان کا حجرۂ مبارک حضور رحمۃ للعالمین افضل الرسل خیر البشر، خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آخری اور دائمی آرامگاہ بنا۔ اس عظیم الشان فضیلت پر حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا جتنا بھی فخر کریں کم ہے اور یہی اکیلا اعزاز ان کے لاکھ اعزازات سے بدرجہا زیادہ برتر و بہتر ہے۔ خوش نصیب عائشہ تجھ پر ہزاروں سلام۔

❾...تمام امہات المومنین میں دین کے اسرار و رموز بیان کرنے اور قرآنی معارف کا درس دینے میں جو خاص ملکہ خدا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مرحمت فرمایا تھا وہ کسی اور بیوی کے حصہ میں نہیں آیا۔ حاکم نے امام زہری سے

روایت کی ہے کہ اگر موجودہ مردوں کا علم وفضل ایک جگہ جمع کیا جائے اور پھر اس کے ساتھ تمام ازواج مطہرات کے علم کو بھی جمع کر دیا جائے تب بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا فضل وکمال ان کے مجموعی علم سے زیادہ نکلے گا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ اپنے دربار کے ایک معزز اور ذی علم شخص سے پوچھا کہ آج دنیا میں سب سے زیادہ عالم کون ہے؟ اس نے خوشامد میں آکر کہا امیر المومنین سے بڑا عالم آج کون ہے۔ حضرت معاویہ سمجھ گئے اور فرمانے لگے یہ تم نے خوشامد کی بات کہی میں تمہیں خدا کی قسم دلا کر کہتا ہوں کہ جو کچھ سچ بات ہو وہ کہو۔ یہ سن کر درباری نے کہا اگر آپ قسم دلا کر حق بات پوچھتے ہیں تو سچ یہ ہے کہ علم وفضل کے لحاظ سے اس وقت دنیائے اسلام میں عائشہ رضی اللہ عنہا کا جواب نہیں۔ مسلمان عورتوں کی تاریخ میں ازواج مطہرات اور بنات طاہرات کے سوا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زندگی کا کس سے مقابلہ کیا جاسکتا ہے؟ تمام علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ اسلام میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ، حضرت فاطمہ زہرا اور حضرت عائشہ صدیقہ عورتوں میں سب سے افضل ہیں۔

علامہ ابن حزم نے بڑے پرزور دلائل وبراہین کے ساتھ یہ بات ثابت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نہ صرف تمام عورتوں میں بلکہ اہل بیت نبوی میں بلکہ تمام صحابہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے افضل ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم نے لکھا ہے کہ فضیلت سے مقصود اگر درجۂ اخروی ہے تو اس کا حال خدا ہی کو معلوم ہے۔ لیکن دنیوی حیثیت سے حقیقت یہ ہے کہ ان کے فضائل مختلف الجہات ہیں۔ اگر نسبی شرافت کا اعتبار ہے تو حضرت فاطمہ زہرا سب سے افضل ہیں، اگر ایمان کی مسابقت اسلام کی ابتدائی مشکلات کے مقابلے اور اس زمانہ میں حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اعانت وتسکین خاطر کی حیثیت سے دیکھئے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زندگی سب پر مقدم ہے۔ لیکن اگر علمی کمالات، دینی خدمات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات و ارشادات کے نشر واشاعت کی فضیلت کا پہلو سامنے ہو تو ان میں صدیقہ کبریٰ کا کوئی حریف نہیں ہوسکتا۔ بہر حال وحی کی معصوم زبان نے جو فیصلہ کر دیا ہے اس سے زیادہ سچا فیصلہ اور کیا ہوسکتا ہے۔

وفضل عائشة على النساء كفضل الثريد على سائر الطعام.

اور عائشہ کو عورتوں پر اسی طرح فضیلت ہے جس طرح ثرید کو کھانوں کی دوسری اقسام پر۔ ثرید ایک عربی کھانا ہے جو روٹی کو شوربے میں بھگو کر تیار کیا جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں عربوں میں بہت اعلیٰ غذا سمجھی جاتی تھی۔

اُمت کی محسنہ

اگر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو محسنۂ امت کہا جائے تو اس میں مطلق کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ خاص طور پر جنس نسوانی پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے احسانات بہت ہیں۔

جنس نسوانی پر ان کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انہوں نے دنیا کو یہ بتا دیا کہ ایک مسلمان عورت پردہ میں رہ کر

کے کام بجالاسکتی ہے۔ غرض اسلام
بھی علمی، مذہبی، اجتماعی اور سیاسی اور پند وموعظت اور اصلاح وارشاد امت کی بھلائی نے عورتوں کو جو رتبہ بخشا ہے اور ان کی گذشتہ گری ہوئی حالت کو جتنا اونچا کیا ہے ام المومنین کی زندگی کی تاریخ اس کی عملی تفسیر ہے۔ صحابہ میں اگر ایسے لوگ گزرے ہیں جو مسیح اسلام کے خطاب کے مستحق (حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ مسیح اسلام تھے) اور عہد محمدی کے ہارون بننے کے سزاوار تھے (حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آپ نے فرمایا: انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ) تو الحمدللہ کہ صحابیات میں بھی ایک ایسی ذات تھی جو مریم اسلام کی حیثیت رکھتی تھی۔ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نسبت ہے کہ عورتوں میں صرف چار کاملہ گزری ہیں۔ مریم اور عائشہ کی بزرگی ایسی ہے جیسے کھانوں میں ثرید کی)۔

صحابیات اپنی عرضداشتیں حضور انور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تک ام المومنین کی وساطت سے پہنچاتی تھیں اور ان سے جہاں تک بن پڑتا تھا ان کی حمایت کرتی تھیں۔ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ایک پارسا صحابی تھے اور راہبانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ایک دن ان کی بیوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں، دیکھا کہ وہ ہر قسم کی زنانہ زیب وآرائش سے خالی ہیں۔ سبب دریافت کیا، کیا کہہ سکتی تھیں پردہ پردہ میں بولیں کہ میرے شوہر دن بھر روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر نمازیں پڑھا کرتے ہیں۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے باتوں باتوں میں اس کا تذکرہ کیا۔ حضرت عثمان کے پاس آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم گئے اور فرمایا کہ عثمان ہم کو رہبانیت کا حکم نہیں ہوا ہے۔ کیا میرا طرز زندگی پیروی کے لائق نہیں میں تم سب سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں اور اس کے احکام کی سب سے زیادہ نگہداشت کرتا ہوں۔ یعنی پھر بھی بیویوں کے فریضہ کو ادا کرتا ہوں۔

عورتوں کو جو لوگ ذلیل سمجھتے تھے، ام المومنین ان سے سخت برہم ہوتی تھیں۔ کسی مسئلہ سے اگر ان کی ذلت اور حقارت کا پہلو نکلتا تو وہ اس کو صاف کر دیتی تھیں۔ بعض صحابیوں نے روایت کی ہے کہ عورت کتا اور گدھا اگر نماز میں نمازی کے سامنے سے گزر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنا تو فرمایا: اِنَّ الْمرءةَ لَدَابّة سُوْءٍ تو عورت بھی ایک بد جانور ہے۔ بئس ما عَدلتمونا بالحمار والکلب تم نے کیسا برا کیا کہ ہم کو گدھے اور کتے کے برابر کر دیا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نماز پڑھا کرتے تھے اور میں آگے لیٹی رہتی تھی جب آپ سجدہ کرنا چاہتے تھے میرے پاؤں دبا دیتے ہیں، میں سمیٹ لیتی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا نحوست تین چیزوں میں ہے۔ گھوڑا، گھر اور عورت، یہ سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بہت غصہ آیا۔ بولیں قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر قرآن اتارا، آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ہرگز یہ نہیں فرمایا۔ یہ البتہ فرمایا ہے کہ اہل جاہلیت ان سے نحوست کی فال لیتے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ابوہریرہ نے آدھی بات سنی جب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آئے تو نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پہلا فقرہ فرما چکے تھے۔ وہ یہ کہ یہودی

کہتے ہیں نحوست تین چیزوں میں ہے، عورت، گھر، گھوڑا۔

بعض اولیاء لڑکی کی رضا مندی کے بغیر صرف اپنے اختیار سے نکاح کر دیتے ہیں۔ آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے زمانہ میں اس قسم کا ایک واقعہ پیش آیا، عورتوں کی عدالت عالیہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کا حجرہ تھا۔ لڑکی اس آستانہ پر حاضر ہوئی، آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تشریف فرما نہ تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کو بٹھا لیا، جب آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم تشریف لائے تو صورت واقعہ عرض کی، آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے لڑکی کے باپ کو بلایا اور لڑکی کو اپنا مختار آپ نے بنایا۔ یہ سن کر لڑکی نے عرض کی یا رسول اللہ! صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم میرے باپ نے جو کچھ کیا اسے اب میں جائز ٹھہراتی ہوں، میرا مقصد صرف یہ تھا کہ عورتوں کو اپنے حقوق معلوم ہو جائیں۔

جاہلیت میں عورتوں کی نازک گردنیں رسوم کی جن آہنی طوقوں سے گرانبار تھیں، ان میں ایک یہ بھی تھا کہ اس زمانہ میں نہ طلاق کی تعداد کی تعیین تھی اور نہ طلاق کے بعد زمانہ رجعت کی کوئی تحدید تھی۔ سنگ دل شوہر عورت کو طلاق دیدیتا اور جب رجعت کا زمانہ ختم ہونے لگتا پھر زوجیت میں لے لیتا۔ پھر طلاق دیدیتا۔ اگر چاہتا تو عورت کو عمر بھر اس جال سے نکلنے نہ دیتا۔ لیکن مسلمان عورتوں پر ام المومنین کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ انہوں نے ان کو جاہلیت کی اس گرفت سے ہمیشہ کیلئے آزاد کرا دیا۔ زمانہ اسلام میں اسی قسم کا ایک واقعہ پیش آیا، مظلوم بیوی چارہ گری کیلئے ام المومنین کے پاس دوڑتی آئی، انہوں نے یہ مقدمہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے سامنے پیش کیا۔ اس پر یہ آیت اتری:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ص فَاِمْسَاکٌ م بِمَعْرُوْفٍ اَوْتَسْرِیْحٌ م بِاِحْسَانٍ ط

وہ طلاق جس کے بعد رجعت جائز ہے دوبار ہے۔ اس کے بعد باحسن اسلوب اس کو زوجیت میں رکھ لینا ہے یا بخیر وخوبی اس کو رخصت کر دینا۔

رحمت دوعالم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی سیرت طیبہ کے بعد حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے صحابہ اور صحابیات کے سوانح حیات تقدیس فکر اور تزکیہ نفس کیلئے سب سے زیادہ مفید اور کارآمد ہیں۔ ان نفوس قدسیہ سے محبت ہمارے ایمان کی دلیل ہے اور ان سے بغض نفاق کی نشانی۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عموماً اور مسلمان خواتین کو خصوصاً اہل بیت نبوی کی محبت سے نوازے۔ ارشاد نبوی ہے: ارقبوا محمدًا فی اھل بیتہٖ "اہل بیت محمد صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے سلسلے میں محمد صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا خیال رکھو۔" فرمایا: اثبتکم علی الصراط اشدکم حبالا ھل بیتی واصحابی۔

"تم میں سے پل صراط پر سب سے زیادہ ثابت قدم وہ ہوگا جو سب سے زیادہ میرے اہل بیت اور میرے صحابہ سے محبت کرنے والے ہوں گے۔" ان کی محبت کا تقاضا ہے کہ مسلمان ان کا احترام کرے ان کے اسوہ کو اپنائے، ان کے ناموں پر اپنے بچوں کے نام رکھے۔ نسل نو کو ان کی مقدس زندگیوں سے آگاہی بخشے۔

میرے نزدیک یہی توشۂ عقبیٰ ہے نصیر　　حب اصحاب نبی الفت ازواج رسول

مزید حالات وواقعات

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر صدیق کی صاحب زادی ہیں۔ والدہ ماجدہ کا نام زینب اور اُم رومان کنیت تھی۔ حضرت عائشہ کے خود کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ لیکن اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیر کے نام سے ام عبداللہ اپنی کنیت رکھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح اور رخصتی

ماہ شوال ۱۰ نبوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح فرمایا۔ خولہ بنت حکیم نے آپ کی طرف سے جا کر پیام دیا۔ ابوبکر صدیق نے کہا کہ مطعم بن عدی نے اپنے بیٹے جبیر سے عائشہ کا پیام دیا تھا جس کو میں منظور کر چکا ہوں۔ اور خدا کی قسم ابوبکر نے کبھی کوئی وعدہ خلافی نہیں کی۔ ابوبکر صدیق یہ کہہ کر سیدھے مطعم کے گھر پہنچے اور مطعم سے مخاطب ہو کر کہا کہ نکاح کے متعلق کیا خیال ہے۔ مطعم کی بیوی بھی سامنے تھی مطعم نے بیوی سے مخاطب ہو کر کہا تمہاری کیا رائے ہے۔ مطعم کی بیوی نے ابوبکر سے مخاطب ہو کر کہا کہ تمہارے یہاں نکاح کرنے سے مجھ کو قوی اندیشہ ہے کہ کہیں میرا بچہ صابی یعنی بے دین نہ ہو جائے اور اپنا آبائی دین چھوڑ کر تمہارے دین میں نہ داخل ہو جائے۔ ابوبکر صدیق مطعم کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا اے مطعم تم کیا کہتے ہو۔ مطعم نے کہا میری بیوی نے جو کہا وہ آپ نے سن لیا۔ جس عنوان سے مطعم اور اس کی بیوی نے متفقہ طور پر انکار کیا۔ ابوبکر اس کو سمجھ گئے اور یہ محسوس کر لیا کہ وعدہ کی ذمہ داری اب مجھ پر باقی نہیں رہی۔ ابوبکر وہاں سے اٹھ کر گھر آئے اور خولہ سے کہہ دیا کہ مجھ کو منظور ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت چاہیں تشریف لے آئیں۔ چنانچہ آپ تشریف لائے اور نکاح پڑھا گیا۔ چار سو درہم مہر مقرر رہوا۔''

ہجرت سے تین سال قبل ماہ شوال ۱۰ نبوی میں نکاح ہوا۔ آپ کی عمر اس وقت چھ سال کی تھی۔ ہجرت کے سات آٹھ مہینہ بعد شوال ہی کے مہینہ میں رخصتی اور عروسی کی رسم ادا ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر نو سال اور کچھ ماہ کی تھی۔

بخاری شریف میں ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تم مجھ کو خواب میں دو مرتبہ دکھائی گئی تھی... میں نے دیکھا کہ ایک شخص تم کو ریشم کے بہترین کپڑے میں اٹھائے ہوئے ہے... میں نے کھول کر دیکھا تو تم نکلیں میں نے (دل میں) کہا کہ اگر یہ اللہ کی طرف سے دکھایا گیا ہے تو اللہ ضرور اس کی تعبیر پوری فرما دیں گے... دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتہ بصورت انسان ریشم میں لے کر آیا تھا... (بخاری شریف ص ۷۶۸ ج ۲)

رخصتی کی پوری کیفیت اس طرح ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کیا... یارسول اللہ! آپ اپنی بیوی کو گھر کیوں نہیں بلا لیتے... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت میرے پاس مہر ادا کرنے کی رقم نہیں ہے... حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں (بطور قرض) پیش کر دیتا ہوں... چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پیشکش قبول فرما لی اور بیوی کے باپ ہی سے قرض لے کر مہر ادا کر دیا... (ابن سعد)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جبریل میرے پاس آئے اور یہ کہا کہ اللہ عزوجل نے آپ کا نکاح ابوبکر کی بیٹی سے کر دیا اور جبریل کے ساتھ عائشہ کی ایک تصویر بھی تھی جو مجھ کو دکھائی اور کہا کہ یہ آپ کی بیوی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چھ سال کی عمر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ مکہ مکرمہ میں نکاح ہوا اور نویں (۹) سال کی عمر میں مدینہ طیبہ میں رخصتی ہوئی۔ اٹھارہ سال کی عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا۔ اٹھارہ سال کی عمر ہی کیا ہوتی ہے جس میں اس قدر دینی مسائل اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور افعال اُن سے نقل کئے جاتے ہیں کہ حد نہیں۔ مسروقؒ کہتے ہیں کہ بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم کو میں نے دیکھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے مسائل دریافت کرتے تھے۔ عطاء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مردوں سے زیادہ مسائل سے واقف اور عالم تھیں۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جو علمی مشکل ہمیں درپیش آتی تھی۔ حضرت عائشہ کے پاس اس کے متعلق تحقیق ملتی تھی (اصابہ) دو ہزار دو سو دس حدیثیں کتب حدیث میں ان کی ملتی ہیں۔ (تلقیح) خود فرماتی ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں بچپن میں کھیل رہی تھی اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۂ قمر کی آیت۔ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ نازل ہوئی۔ (بخاری)..... مکہ مکرمہ میں آٹھ برس کی عمر تک حضرت عائشہ رہی ہیں۔ اس کم عمری میں اس آیت کے نازل ہونے کی خبر ہونا اور پھر اس کا یاد بھی رکھنا دین کے ساتھ خاص ہی لگاؤ سے ہوسکتا ہے ورنہ آٹھ برس کی عمر ہی کیا ہوتی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا علم

زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر حضرت عائشہ کے علم کا تمام امہات المومنین اور تمام عورتوں کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو حضرت عائشہ کا علم سب سے بڑھا رہے گا۔ فصاحت و بلاغت کا یہ عالَم تھا کہ حضرت معاویہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی خطیب کو حضرت عائشہ سے زیادہ فصیح و بلیغ نہیں دیکھا۔

حضرت جبریل علیہ السلام کا سلام عرض کرنا

حضرت عائشہ راوی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ یہ جبریل ہیں تم کو سلام کہتے ہیں۔ میں نے کہا وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ دیکھتے ہیں اور میں نہیں دیکھتی۔

اُمت کی عورتوں پر فضیلت

حضرت ابوموسیٰ اشعری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مردوں میں سے بہت لوگ کمال کو پہنچے مگر عورتوں میں سے سوائے مریم بنت عمران' اور آسیہ زوجۂ فرعون کے کوئی عورت کمال کو نہیں پہنچی اور عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسا کہ ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر ان دونوں حدیثوں کو امام بخاری نے کتاب المناقب باب فضل عائشہ میں ذکر کیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیات

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ چند خصلتیں مجھ کو من جانب اللہ عطا کی گئیں۔ سوائے حضرت مریم کے اور کسی عورت کو نہیں عطا کی گئیں اور خدا کی قسم میں بطور فخر نہیں کہتی یعنی اللہ کی نعمت کو بیان اور ظاہر کرنا مقصود ہے وہ خصلتیں یہ ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے سوا کسی باکرہ سے نکاح نہیں فرمایا۔ نکاح سے پیشتر فرشتہ میری تصویر لے کر نازل ہوا اور آپ کو دکھا کر کہا کہ یہ آپ کی بیوی ہیں اللہ کا حکم ہے کہ آپ ان سے نکاح کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ مجھ سے محبت فرماتے تھے۔ اور جو شخص آپ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب تھا میں اس کی بیٹی ہوں۔ آسمان سے میری برأت میں متعدد آیتیں نازل ہوئیں اور میں طیبہ اور پاکیزہ پیدا کی گئی اور طیب اور پاکیزہ کے پاس ہوں اور اللہ نے مجھ سے مغفرت اور رزق کریم کا وعدہ فرمایا۔ میں نے جبریل کو دیکھا میرے سوا آپ کی ازواج میں سے کسی نے جبریل کو نہیں دیکھا۔ جبریل آپ پر وحی لے کر آتے تھے اور میں آپ کے پاس ایک لحاف میں ہوتی تھی۔ میرے سوا اور کہیں اس طرح وحی نازل نہیں ہوئی۔ میری باری کے دو دن اور دو رات تھے اور باقی ازواج کی باری ایک دن اور ایک رات تھی۔ ایک دن اور ایک رات تو خود حضرت عائشہ کی باری کا تھا ہی اور دوسرا دن حضرت سودہ کی باری کا تھا جو انہوں نے سن رسیدہ ہو جانے کی وجہ سے حضرت عائشہ کو ہبہ کر دیا تھا۔ انتقال کے وقت آپ کا سر مبارک میری گود میں تھا۔ وفات کے بعد میرے حجرے میں مدفون ہوئے۔

تلاوت قرآن پر گریہ ودعا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حضرت قاسم رحمہ اللہ فرماتے ہیں..... ایک دن علی الصبح میں نے حضرت عائشہ کے ہاں حاضری دی تو وہ کھڑی نماز میں مصروف تھیں اور یہ آیت تلاوت کر رہی تھیں..... فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ "سو اللہ نے ہم پر بڑا احسان کیا اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچالیا" وہ اس آیت کو بار بار دہراتی جاتی تھیں اور دعا اور گریہ بھی کر رہی تھیں میں انتظار میں کھڑا رہا اور کھڑے کھڑے اکتا گیا اس لئے اپنے کسی کام سے بازار روانہ ہو گیا..... لوٹ کر آیا تو وہ اسی حال میں کھڑے نماز پڑھ رہی تھیں اور رو رہی تھیں۔ (صفۃ الصفوۃ لابن جوزیؒ ج۲/۳۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین نصیحتیں

"يَا عَائِشَةُ! اِنْ اَرَدْتِ الْحُوْقَ بِيْ فَلْيَكْفِكِ مِنَ الدُّنْيَا كَزَادِ رَاكِبٍ وَاِيَّاكِ وَمُجَالَسَةَ الاَغْنِيَاءِ وَلَا تَسْتَخْلِقِي ثَوْبًا حَتّٰى تُرَقِّعِيْهِ" (ترمذی)

ترجمہ:... عائشہ! اگر وفات کے بعد مجھ سے ملاقات کرنا پسند کرتی ہو تو (تین نصیحتوں پر عمل کر لینا)

❶... مسافر کے توشہ کے بقدر دُنیا تمہیں کافی ہونی چاہیے... ❷... دولت مندوں کی صحبت سے بچ کر رہنا...

❸... اپنے کپڑے پر جب تک پیوند نہ لگالو اسے پرانا کہہ کر ریٹائر مت کرنا... یعنی خوراک و پوشاک دونوں میں زہد و سادگی اختیار کرنا اور خوش حال لوگوں سے دور رہنا تاکہ ان کی خوش حالی اور آرائش وزیبائش تمہاری سادگی کو متاثر نہ کرے...

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مثالی محبت و اُلفت کے واقعات

دلچسپ واقعہ

ایک دن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روٹھ گئیں، کسی گھریلو اور نجی بات پر شوہر سے اختلاف ہوگیا...جذبات ذرا تلخ ہوگئے...خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم صبر و تحمل سے کام لیتے رہے لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی آواز ذرا بلند ہوگئی...حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا مسکرا کر بات سمجھاتے رہے، لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اسی طرح زور زور سے بولتی رہیں، اتفاق دیکھئے اسی وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے والد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آ گئے...

میاں بیوی میں اختلاف دیکھ کر قدرتی طور پر بہت غمزدہ ہوئے، ایک طرف خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی خوشنودی خدا کی خوشنودی ہے اور دوسری طرف اپنی جگر گوشہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں، باپ کے سامنے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آواز اسی طرح اونچی رہی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ برداشت نہ کر سکے، ''ہائے! تم خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ منہ زوری کر رہی ہو، تمہاری جرأت اب اتنی بڑھ گئی، غصے میں اُٹھے، اور ہاتھ اُٹھا کر مارنا ہی چاہتے تھے کہ درمیان میں فخر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم آ گئے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سہم کر بیٹھ گئیں... حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غصہ میں باہر چلے گئے...

خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کب برداشت کر سکتے تھے کہ ان کی حبیبہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نازک دل کو ٹھیس لگے اور وہ ذرا دیر کے لیے بھی مضمحل ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قریب گئے اور پیار بھرے انداز میں کہا! کہو عائشہ کیسا بچایا، عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مسکرا پڑیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لپٹ گئیں، یا رسول اللہ! معاف کر دیجئے، مجھے نہ جانے کیا ہوگیا تھا، خدا معاف کرے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی...

کچھ دنوں کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ پھر بیٹی سے ملنے آئے تو دیکھا کہ مثالی شوہر اور معیاری بیوی کے گھریلو حالات میں مثالی خوشگواری ہے، کیوں نہ ہوتی، اُمت کے لیے یہی تو نمونے کا پیمانہ ہے...

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پیار و محبت کی یہ فضا دیکھ کر بہت ہی مسرور ہوئے اور خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا، یارسول اللہ! ایک دن میں آپ دونوں کی لڑائی میں شریک ہوا تھا، اس صلح و پیار و محبت میں مجھے شریک فرمایئے...داعیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا، ہاں ضرور...

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ناز برداری

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا صرف نو سال کی تھیں، سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھیں کہ ان کی ماں حضرت اُم رومان رضی اللہ عنہا نے ان کو بلا بھیجا...اب عائشہ رضی اللہ عنہا کی رُخصتی کا وقت تھا...دن چڑھے خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی پہنچ گئے اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایک نوعمر لڑکی رُخصت ہو کر کاشانۂ نبوت میں آ گئیں...ایک ذہین نوعمر لڑکی، لااُبالی کی نئی نئی عمر اور شریک حیات، وہ جن کے کندھوں پر پورے عالم کی قیادت کا بوجھ، انتہائی حلیم وثقہ، عمر بھی ڈھل گئی تھی، کس قدر فرق تھا دونوں کے مزاج، معیارِ فکر اور دلچسپیوں میں، مگر مثالی شوہر نے جس طرح ایک نوعمر لڑکی کے نازک جذبات و احساسات کا خیال رکھا جس طرح ناز و انداز برداشت کیے اور اپنی مثالی زندگی سے رہتی زندگی تک خوشگوار ازدواجی زندگی کیلئے نمونہ چھوڑا، وہ خدا کے رسول ہی کا حق تھا...

دل داری

عید کا دن تھا، حرم نبوی کے قریب ہی کچھ حبشی اپنے سپاہیانہ کرتب دکھا رہے تھے...عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا، ایک کمسن لڑکی کس طرح مطالبہ نہ کرتی کہ میں بھی دیکھوں گی، سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم اپنی آڑ میں اپنی حبیبہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو لے کر دروازے میں کھڑے ہو گئے اور اُمت کی ماں دوش مبارک پر ٹھوڑی رکھ کر حبشیوں کا تماشا دیکھنے لگیں، دیر تک دیکھتی رہیں...رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، عائشہ! کیا ابھی جی نہیں بھرا...ابھی نہیں...عائشہ رضی اللہ عنہا نے بے تکلف کہا اور خدا کے حبیب غیر معمولی ذمہ داریوں کے باوجود اپنی حبیبہ پاک کو اسی طرح کھڑے یہ تماشا دکھاتے رہے...یہاں تک کہ خود اُم المؤمنین ہی تھک کر ہٹ گئیں...

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ نئی دُلہن کے پاس کمسن بچیاں کھیلنے کے لیے جمع ہو جاتیں، گڑیوں کا کھیل ہوتا رہتا، ایک دن خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آئے، لڑکیاں گڑیوں سے کھیل رہی تھیں، گڑیوں میں ایک گھوڑا بھی تھا جس کے دائیں بائیں دو پَر لگے ہوئے تھے..."عائشہ! یہ کیا ہے؟" خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا...

"یہ گھوڑا ہے..." عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا..."گھوڑے کے پَر کہاں ہوتے ہیں؟" رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پوچھا: "حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کے تو پَر تھے..."

عائشہ حمیراء رضی اللہ عنہا نے برجستہ جواب دیا:

اور خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس بے ساختہ جواب پر بے اختیار مسکرا دیئے...

ایک مبارک معمول

حضرت عمرہ رحمۃ اللہ علیہا کہتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی بیویوں کے پاس تنہائی میں ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول کیا ہوتا تھا؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ تمہارے مردوں کی طرح ان کا معمول ہوتا تھا لیکن یہ بات ضرور ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ شریف، سب سے زیادہ نرم، بہت ہنسنے اور مسکرانے والے تھے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کے بغیر دعوت قبول نہیں

صحیح مسلم، کتاب الاشربہ میں ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ بتلاتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ہمسایہ تھا جو فارسی (ایرانی) تھا۔ وہ شوربا بڑا مزیدار بناتا تھا۔ اس نے ایک بار اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کرنے کے لئے بڑا شاندار شوربا تیار کیا۔ اب وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بلانے آ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: یہ دعوت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے بھی ہے؟ فارسی نے کہا! جی نہیں...... اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جواب دیا۔ تب تو میں بھی نہیں جاؤں گا۔ تھوڑی دیر گزری وہ دوبارہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلانے آ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: عائشہ رضی اللہ عنہا بھی چلے؟ ایرانی پھر بولا...... جی نہیں!

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا۔ پھر میں بھی نہیں جاؤں گا۔

وہ چلا گیا اور تیسری بار پھر حاضر خدمت ہو کر بلانے آ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی بات دہرائی کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی شوربے کی دعوت ہے کہ نہیں؟ اب کے ایرانی بولا: جی دعوت ہے۔ چنانچہ دونوں میاں بیوی اٹھ کھڑے ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگے چل رہے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پیچھے پیچھے چل رہی تھیں حتیٰ کہ وہ ایرانی کے گھر میں جا داخل ہوئے۔ اللہ اللہ! قربان جاؤں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انداز پر...... فارسی بار بار آ تا رہا مگر میرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے برا نہیں منایا کہ یوں کہہ دیتے۔ جا بابا ہم نہیں آتے۔ رہے ہم تیری دعوت سے۔ ایک بار جو کہہ دیا۔ جی ہاں! ہم ہوتے تو ایسا ہی کرتے مگر یہ تو میرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے کہتے؟

اور قربان جاؤں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کریمانہ اَخلاق پر بھی کہ انہوں نے یہ نہیں کہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ جائیے مجھے رہنے دیجئے۔ یا یہ کہ! فارسی نے میرا جانا مناسب نہیں سمجھا تو اب میں تو نہیں جاؤں گی...... اور پھر میرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فارسی کا بار بار آنا اور ایک ہی بات کہنے کا بالکل برا نہیں منایا...... اگر شوربہ کم بھی تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں کہ ایک آدمی کا کھانا دو کو کفایت کر جاتا ہے۔ دو آدمیوں کا کھانا چار کے لئے کافی ہو جاتا ہے...... بہر حال! میرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زوجہ محترمہ کے بغیر نہیں گئے، کہ میں تو وہاں بیٹھا شوربہ پیتا رہوں۔ اور عائشہ رضی اللہ عنہا گھر میں بیٹھی رہے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہیں۔ لہٰذا آخر کار فارسی کو ہی ہار ماننا

پڑی...... میرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ کو بھی دعوت دینا ہی پڑی...... جی ہاں! میرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی گھر والیوں کا یوں خیال فرمایا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کھاؤ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ناراض ہوگئیں۔ اس دوران حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کسی نے کچھ کھجوریں بھیجیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجوریں اٹھا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے آگے رکھ دیں اور ارشاد فرمایا اللہ کا نام لے کر کھاؤ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فوراً جلدی سے بولیں تو کیا میں اپنے والد کا نام لیکر کھاتی ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ جواب سن کر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کافی دیر تک ہنستے رہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مسکرانا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بقیع سے لوٹے تو میرے سر میں درد تھا، میں کہہ رہی تھی ہائے میرا سر، ہائے میرا سر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ! میرا سر (یعنی بطور مزاح فرمایا) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کوئی بات نہیں اگر تو اس سر درد میں مرگئی تو میں تجھ کو کفن دوں گا اور تیری نماز جنازہ پڑھا کر تجھے دفن کر دوں گا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ چاہتے ہیں کہ آپ میرے بعد میرے گھر میں اور بیوی لائیں گے؟ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے۔

کمال محبت

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف فرما تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا سے فرمایا ''حمیرا! تم مجھے مکھن اور چھوہارے ملا کر کھانے سے زیادہ محبوب ہو'' وہ مسکرا کر کہنے لگی ''اے اللہ کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے آپ مکھن اور شہد ملا کر کھانے سے زیادہ محبوب ہیں۔'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر فرمایا ''حمیرا! تیرا جواب میرے جواب سے زیادہ بہتر ہے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں جتنی خشیت الٰہی تھی اس کا تو ہم اندازہ ہی نہیں لگا سکتے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے اہل خانہ کی موانست، پیار اور محبت کا تعلق تھا۔ یہ چیز عین مطلوب ہے اور اللہ تعالیٰ بھی اس چیز کو پسند کرتے ہیں۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی گھر تشریف لاتے تھے تو ہمیشہ مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ تشریف لاتے تھے۔ (بکھرے موتی)

آپ کا صرف نام چھوڑتی ہوں

ہر گھر میں بعض اوقات شکر رنجیاں ہو جاتی ہیں۔ میاں بیوی میں بھی کبھی کبھار غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ بعض

اوقات بیوی خاوند سے ناراض اور بسا اوقات خاوند کو بیوی سے شکوہ۔ کائنات کے سب سے بہترین گھرانے میں بھی بعض اوقات ایسی شکررنجیاں پیدا ہو جاتی تھیں۔ ان کا اظہار کیسے ہوا؟

آیئے! ایک حدیث میں پڑھتے ہیں۔ اس کے مطالعے کے بعد بہت سے امور آپ کے علم میں آئیں گے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

"اِنِّیْ لَاَعْلَمُ اِذَا کُنْتِ عَنِّیْ رَاضِیَۃً وَّاِذَا کُنْتِ عَلَیَّ غَضْبٰی"

ترجمہ:...... "جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو مجھے معلوم ہو جاتا ہے اور جب ناراض ہو جاتی ہو تب بھی میں سمجھ جاتا ہوں۔" حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا:

"مِنْ اَیْنَ تَعْرِفُ ذٰلِکَ" ترجمہ:...... "آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے یہ سمجھ جاتے ہیں؟"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اَمَّا اِذَا کُنْتِ عَنِّیْ رَاضِیَۃً فَاِنَّکِ تَقُوْلِیْنَ"

"لَا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ، وَاِذَا کُنْتِ غَضْبٰی قُلْتِ: لَا وَرَبِّ اِبْرَاھِیْمَ"

ترجمہ:...... "جب تم مجھ سے خوش رہتی ہو تو کہتی ہو: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رب کی قسم اور جب مجھ سے ناخوش ہوتی ہو تو کہتی ہو: ابراہیم علیہ السلام کے رب کی قسم!"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا:

"اَجَلْ وَاللّٰہِ! یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، مَآ اَھْجُرُ اِلَّا اسْمَکَ." (بخاری، مسلم)

ترجمہ: "بالکل درست فرمایا آپ نے اے اللہ کے رسول! میں قسم کھاتے وقت صرف آپ کا نام چھوڑ دیتی ہوں۔" دیکھئے اظہارِ ناراضی کا کتنا لطیف انداز ہے اور بیوی کے مزاج کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر گہرائی میں جا کر سمجھ لیتے ہیں۔ حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ بڑے لوگوں کی شکررنجی کے انداز بھی نرالے اور باوقار ہوتے ہیں۔

ایک دل لگی کا واقعہ

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ عجیب کام کیا... جسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یوں بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر پر جاتے تو دلداری کیلئے قرعہ ڈالا کرتے تھے کہ کس بیوی کو ساتھ لے جائیں... ایک مرتبہ (دو عورتوں کو لے جانا چاہا اور) قرعہ ڈالا تو میرا اور حفصہ رضی اللہ عنہا کا نام نکل آیا...

لہٰذا ہم دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روانہ ہو گئیں... راستے میں رات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے اونٹ پر سوار ہو جاتے اور باتیں کرتے رہتے... ایک دن حفصہ رضی اللہ عنہا نے مجھ سے کہا آج تم میرے اونٹ پر سوار ہو جاؤ اور میں (تمہارے اونٹ کی رفتار) دیکھوں... میں نے منظور کر لیا اور دونوں ایک دوسرے کے اونٹ پر سوار ہو گئیں... جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوار ہونے کا ارادہ کیا تو اسی اونٹ پر سوار ہو گئے جس پر روزانہ میں سوار ہوتی تھی... اس وقت اس پر حفصہ رضی اللہ عنہا موجود تھیں... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے السلام علیکم فرمایا اور اسی اونٹ پر

سوار ہو کر روانہ ہو گئے اور ایک منزل پر جا کر اترے (دھوکہ کھانے کی وجہ سے مجھے اپنے اونٹ پر تنہا چلنا پڑا) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت سے محروم رہی... میں منزل پر پہنچ کر اونٹ سے اتری اور ایڑیاں گھاس میں رگڑنے لگی اور اپنے آپ کو کوسنے لگی کہ اے رب مجھ پر کوئی بچھو یا سانپ مسلط کر جو مجھے ڈس لے (میری نادانی کہ ایسی بات مانی جس میں اپنا نقصان ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتی ہوں)...(بخاری شریف)

محبت کی ادائیں

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آٹا دودھ یا گھی ملا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حریرہ پکایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے میں نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے کہا آپ بھی کھالیں انہوں نے انکار کیا میں نے کہا یا تو آپ کھائیں ورنہ میں آپ کے منہ پر مل دوں گی انہوں نے پھر بھی انکار کیا تو میں نے حریرہ میں ہاتھ ڈال کر ان کے چہرے پر لیپ دیا...

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ہاتھ حریرہ میں ڈال کر کہا تم عائشہ کے چہرے پر مل دو چنانچہ انہوں نے میرے چہرے پر مل دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر بھی ہنسے اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہاں سے گزرے وہ کسی کو پکارتے ہوئے اے عبداللہ! اے عبداللہ کہہ رہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سمجھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اندر آئیں گے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (عمر اندر آ رہے ہیں) تم دونوں اٹھو اور اپنے منہ دھو لو... چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اتنا خیال فرمایا اس وجہ سے میں ہمیشہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ڈرتی تھی...(اخرجہ ابو یعلی)

حُسنِ سلوک

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ کتنا حسن اخلاق اور خوش اسلوبی سے رہتے تھے اس کا اندازہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس بیان سے لگائیے آپؓ فرماتی ہیں: ”مجھے جس قدر حضرت خدیجہ پر رشک ہوتا تھا وہ آپ کی کسی اور بیوی پر نہیں حالانکہ میں نے ان کو دیکھا نہیں تھا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت کثرت سے ان کو یاد کرتے تھے، ان کے ساتھ انس و محبت کا یہ عالم تھا کہ گھر میں جب کبھی بکری ذبح ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا یاد آ جاتیں اور گوشت کا ایک حصہ ان کی سہیلیوں میں تقسیم فرما دیتے...

نقل اُتارنے پر اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کو تنبیہ

”حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے (ایک مرتبہ کسی موقع پر) رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کر دیا کہ صفیہ بس اتنی سی ہے (یعنی اس کے حسن وغیرہ کی کوئی مزید خامی بتانے کی ضرورت نہیں ہے پستہ قد ہونا ہی کافی ہے) یہ سن کر رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے ایسا کلمہ کہا ہے کہ اگر اسے

سمندر میں ملا دیا جائے تو سمندر کو بھی بگاڑ ڈالے... یہ واقعہ بتا کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان فرمایا کہ میں نے ایک مرتبہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے ایک آدمی کی نقل اتاری، اس پر سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ مجھے پسند نہیں ہے کہ کسی شخص کی نقل اتاروں اگر چہ مجھے ایسا کرنے پر (دنیا کی) اتنی اتنی دولت مل جائے..." (سنن ابوداؤد، ص ۳۱۲ ج ۲ باب فی الغیبۃ کتاب الادب)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی کے قد وقامت، ہاتھ پاؤں، ناک کان وغیرہ کو عیب دار بتانا (اگر چہ واقعۃً عیب دار ہو) اور کسی کی بات یا چال ڈھال کی نقل اُتارنا گناہ ہے، اور سخت ممنوع ہے، عام طور سے کسی کے ہکلانے یا لنگڑا کر چلنے یا تو تلانے یا نظر گھمانے کی نقل اتاری جاتی ہے اور اس میں کچھ حرج نہیں سمجھا جاتا جس کی وجہ سے سخت گنہگار ہوتے ہیں چونکہ یہ بات حقوق العباد سے ہے، اس لئے جب تک بندہ سے معافی نہ مانگی جائے توبہ سے بھی معاف نہ ہوگا...

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قد کی کوتاہی کو خاص انداز میں ذکر کیا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کلمہ ایسا خراب ہے کہ اگر اس کو جسم کی صورت دے کر سمندر میں گھول دیا جائے تو سمندر کو بھی گدلا کر کے رکھ دے اور اس کے موجودہ رنگ وبُو اور مزہ کو بدل ڈالے، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہمارے لئے کس قدر باعث عبرت ہے، ہر شخص غور کرے، کتنے انسانوں کے اعضاء جسم میں اب تک کیڑے ڈالے ہیں، اور کتنے لوگوں کی چال ڈھال کو عیب دار بتایا ہے...

گھریلو کام کاج

حضرت اسود رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں کیا کیا کام کرتے تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر والوں کی خدمت میں لگے رہتے... جب نماز کا وقت ہوتا تو نماز کیلئے تشریف لے جاتے... ایک دوسری جگہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جوتے اپنے ہاتھ سے سی لیتے... اپنے کپڑوں میں خود ہی پیوند لگاتے اور اپنے گھر کا سب کام کاج خود ہی کرتے...

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مزاج کی رعایت

ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف کا ارادہ فرمایا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میرا دل بھی چاہتا ہے کہ آپ کے ساتھ اعتکاف میں بیٹھوں... ویسے تو خواتین کے لیے مسجد میں اعتکاف کرنا کوئی اچھی بات نہیں ہے... خواتین کو اعتکاف کرنا ہو تو اپنے گھر میں کریں... لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا معاملہ اس لحاظ سے مختلف تھا کہ ان کے گھر کا دروازہ مسجد میں کھلتا تھا... اب اگر ان کے گھر کے دروازے کے ساتھ ہی ان کی اعتکاف کی جگہ بنا دی جاتی... اور اس کے ساتھ ہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے

اعتکاف کی جگہ ہوتی تو کسی بے پردگی کا احتمال نہ ہوتا... جب ضرورت ہوتی تو گھر میں چلی جاتیں اور پھر واپس آ کر اپنے اعتکاف میں بیٹھ جاتیں... اس لیے اگر وہ مسجد میں اعتکاف فرماتیں تو کوئی خرابی لازم نہ آتی... اسی وجہ سے جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ میں آپ کے ساتھ اعتکاف کرنا چاہتی ہوں تو آپ نے اجازت دے دی...

لیکن جب 20 رمضان المبارک کی تاریخ آئی تو اس دن آپ کہیں باہر تشریف لے گئے تھے... جب واپس تشریف لائے اور مسجد نبوی میں پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ مسجد نبوی میں بہت سارے خیمے لگے ہوئے ہیں... آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ خیمے کس کے ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ امہات المؤمنین کے خیمے ہیں... جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اعتکاف کرنے کی اجازت مل گئی تو دوسری ازواج مطہرات نے چاہا کہ ہم بھی یہ سعادت حاصل کر لیں... لہٰذا انہوں نے بھی اعتکاف کے لیے اپنے اپنے خیمے لگا دیئے اب اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ احساس ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا معاملہ تو مختلف تھا اس لیے کہ ان کا گھر تو مسجد نبوی سے بالکل متصل تھا اور دوسری ازواج مطہرات کے مکان تو مسجد نبوی سے دور ہیں... اگر انہوں نے بھی اعتکاف کیا تو ان کا بار بار آنا جانا رہے گا... اس میں بے پردگی کا احتمال ہے اور اس طرح خواتین کا مسجد کے اندر اعتکاف کرنا مناسب بھی نہیں ہے... اس لیے آپ نے ان کے خیمے دیکھ کر ارشاد فرمایا:

آلبر یر دن؟... کیا یہ خواتین کوئی نیکی کرنا چاہتی ہیں؟...

مطلب یہ تھا کہ اس طرح خواتین کا مسجد میں اعتکاف کرنا کوئی نیکی کی بات نہیں...

اس سال ہم بھی اعتکاف نہیں کریں گے

لیکن اب مشکل یہ تھی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو آپ اعتکاف کی اجازت دے چکے تھے... اگرچہ ان کو اجازت دینے کی وجہ واضح تھی اور دوسری امہات المؤمنین میں وہ وجہ موجود نہیں تھی... لیکن آپ نے سوچا کہ اگر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خیمہ باقی رکھوں گا اور دوسری امہات المؤمنین کو منع کر دوں گا تو ان کے مزاج پر بار ہوگا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تو اجازت دے دی اور ہمیں اجازت نہ ملی... لہٰذا جب آپ نے دوسری امہات المؤمنین کے خیمے اٹھوائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تم بھی اپنا خیمہ اٹھا لو... لیکن پھر خیال آیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو چونکہ پہلے صراحۃً اجازت دیدی گئی تھی اب اگر اچانک ان سے خیمہ اٹھانے کو کہا جائے گا تو ان کی طبیعت پر بار ہوگا... اس لیے ان کا خیال کرتے ہوئے آپ نے یہ اعلان فرما دیا کہ اس سال ہم بھی اعتکاف نہیں کریں گے... چنانچہ اس سال آپ نے اعتکاف ہی نہیں فرمایا...

اعتکاف کی تلافی

بہرحال امہات المؤمنین کے مزاجوں کی رعایت کے نتیجے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خیمہ اٹھوا دیا اور پھر

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مزاج کی رعایت کرتے ہوئے اپنے ساتھ یہ معاملہ فرمایا کہ وہ معمول جو ساری عمر کا چلا آ رہا تھا کہ ہر رمضان المبارک میں آپ اعتکاف کیا کرتے تھے... محض حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دل شکنی کے اندیشہ میں اس معمول کو توڑ دیا... پوری حیات طیبہ میں یہ سال ایسا تھا جس میں آپ نے اعتکاف نہیں فرمایا لیکن بعد میں اس کی تلافی اس طرح فرمائی کہ اس سے اگلے سال دس دن کے بجائے بیس دن کا اعتکاف فرمایا...

یہ بھی سنت ہے

اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی کیسی رعایتیں اپنے چھوٹوں کے ساتھ بھی فرمائیں اور ایک شرعی حکم کی وضاحت کے معاملے میں بھی ایسا طریقہ اختیار فرمایا جس سے دوسرے کی طبیعت پر بار نہ ہو... حکم کی وضاحت بھی فرمادی... اس پر عمل بھی کرلیا اور دوسروں کی دل شکنی سے بھی بچ گئے... اور ساتھ میں آپ نے اپنے عمل سے یہ تعلیم بھی دے دی کہ جو عمل فرض یا واجب نہیں ہے بلکہ مستحب ہے... اگر آدمی کسی کی دل شکنی سے بچنے کے لیے اس مستحب کام کو مؤخر کردے یا چھوڑ دے تو یہ عمل بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا حصہ ہے...

حساب کتاب برابر ہوگیا

بیویوں کے ساتھ حسن سلوک اور لطف وکرم کے ایسے ایسے واقعات حدیث کی کتابوں میں ذکر کیے جاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اگر ثابت نہ ہو تو لوگ شاید اپنی شانِ بزرگی کے خلاف سمجھیں... مثلاً حدیث کی کتابوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا ایک عجیب وغریب واقعہ مذکور ہے... ایک سفر میں آپ کے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے درمیان پیدل دوڑ کا مقابلہ ہوا... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جیت گئیں؛ پھر کبھی سفر میں دوبارہ ایسا ہی مقابلہ ہوا اور اب کی بار اُم المؤمنین ہار گئیں... آپ نے فرمایا: عائشہ! حساب کتاب برابر ہوگیا... بیویوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کا دل خوش کرنے کی یہ اعلیٰ مثالیں ہیں... ان کا اتباع بھی اتباعِ سنت ہی ہے اور اس میں ان لوگوں کے لیے خاص سبق ہے جن کے نزدیک یہ طرزِ عمل بزرگی اور بلند مقامی کے منافی ہے...

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں تمام ہر طرح کے تفکرات اور نبوت کی عظیم ذمہ داریوں کے باوجود وہ لطیف احساسات وجذبات جلوہ ریز تھے جو ایک معتدل انسانی فطرت کا تقاضا ہیں... آپ اپنے اعزہ واہل خانہ سے محبت وتعلق خاطر میں بھی ایک قابل تقلید نمونہ تھے... حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ کو بے انتہا محبت تھی؛ گھر میں کوئی جانور ذبح کرتے تو اس کا کچھ حصہ حضرت خدیجہ کی سہیلیوں کے پاس بھیجتے... آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے انتقال کے بعد بکثرت ان کو یاد کرتے' یہاں تک کہ دوسری ازواجِ مطہرات کو اُن پر رشک آتا... ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس طرح کا کچھ اظہار کردیا... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا نے مجھ کو ان کی محبت دی ہے... (مسلم' کتاب فضائل الصحابہ' باب فضائل خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا)

شوہر کی راحت کا خیال

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے انتہائی محبت فرماتیں اور زندگی کے ہر مرحلے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی راحت وچاہت کا خیال رکھتیں... آپ فرماتی ہیں: رمضان کے مہینے میں طبعی مجبوری کی وجہ سے جو روزے مجھ سے قضاء ہو جاتے تھے، میں عام طور پر ان روزوں کو آنے والے شعبان کے مہینے میں رکھا کرتی تھی، یعنی تقریباً گیارہ ماہ بعد... یہ میں اس لئے کرتی تھی کہ شعبان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کثرت سے روزے رکھتے تھے، لہٰذا اس زمانے میں اگر میں بھی روزے سے ہوں گی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی روزے سے ہوں گے تو یہ صورت زیادہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ میں روزے سے ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا روزہ نہ ہو... حالانکہ وہ نفلی روزے نہیں تھے بلکہ قضاء روزے تھے اور قضاء روزوں کے بارے میں حکم یہ ہے کہ جتنا جلدی ہو سکے ان کو ادا کر لینا چاہئے، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف کے خیال سے شعبان تک مؤخر فرماتی تھیں... (مسلم ح: 14466)

مقرب فرشتہ کی طرف سے سلام

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتنا قرب حاصل تھا کہ کئی مرتبہ آپ کی موجودگی میں حضرت جبریل علیہ السلام وحی لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے...

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں: ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! جبریل امین آئے ہیں اور تمہیں سلام کہتے ہیں، تو میں نے جواب دیا: وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ... (الطبرانی، الہیثمی 33\8)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان فرمودہ گیارہ عورتوں کا قصہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ قصہ بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ گیارہ عورتیں یہ معاہدہ کر کے بیٹھیں کہ اپنے اپنے شوہر کا پورا پورا حال سچ سچ بیان کر دیں... کچھ چھپائیں گی نہیں...

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ اپنی کتاب شمائل ترمذی میں لکھتے ہیں: ان گیارہ عورتوں کے نام صحیح روایات سے ثابت نہیں... اگرچہ بعض روایات میں بعض کا نام آتا ہے... یہ عورتیں یمنی یا حجازی تھیں ان کے ناموں میں بہت اختلاف ہے اس لئے نام حذف کر دیئے گئے... ان گیارہ عورتوں سے اپنے اپنے شوہروں کا جو حال بیان کیا پڑھئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کے ساتھ مثالی زندگی کو اپنے لئے مشعل راہ بنایئے...

❶ ...ایک عورت ان میں بولی کہ میرا شوہر ناکارہ دبلے اونٹ کے گوشت کی طرح ہے... (گویا بالکل گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جس میں زندگی باقی ہی نہیں رہی اور گوشت بھی اونٹ کا جو زیادہ مرغوب بھی نہیں ہوتا) اور گوشت بھی سخت دشوار گزار پہاڑ کی چوٹی پر رکھا ہو کہ نہ پہاڑ کا راستہ سہل ہے جس کی وجہ سے وہاں چڑھنا ممکن ہو اور نہ وہ گوشت ایسا ہے

کہ اس کی وجہ سے سو وقت اٹھا کر اس کے اتارنے کی کوشش کی ہی جائے اور اس کو اختیار کیا ہی جائے...

فائدہ: مطلب یہ کہ وہ ایک بے کار ہستی ہے جس سے کسی کو جانی یا مالی نفع نہیں ہے اور پھر اس کے باوجود متکبر اور بد خلق بھی اس درجہ کا ہے اس تک رسائی بھی مشکل ہے...نہ ملتے بن پڑے نہ چھوڑے بن پڑے کسی مصرف کی دوا نہیں ہے محض بے کار اور بد خلقی اور سخت مزاجی کی وجہ سے اس تک رسائی بھی مشکل ہے...

❷ ...دوسری بولی (کہ میں اپنے شوہر کی بات کہوں تو کیا کہوں؟ اس کے متعلق کچھ کہہ نہیں سکتی) مجھے یہ ڈر ہے کہ اگر اس کے عیوب شروع کروں تو پھر خاتمہ کا ذکر نہیں اگر کہوں تو ظاہری اور باطنی عیوب سب ہی کہوں)

فائدہ... مقصود یہ ہے کہ میں اس کے عیوب کو گنواؤں تو کہاں تک گنواؤں؟ سراپا عیب ہے... کسی میں دو چار عیب ہوں تو ان کو گنوا بھی دے اور جس میں عیوب ہی عیوب ہوں کہاں تک گنوائے... کس کس کو جتائے اتنی لمبی داستان ہے کہ سننے والے اکتا جائیں... بعض شراح نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس نے معاہدہ کے خلاف اپنے شوہر کی بات کہنے سے انکار کر دیا مگر صحیح یہ ہے کہ اس نے مختصر الفاظ میں سب ہی کچھ کہہ دیا کہ مجسمہ عیوب ہے اس کے عیوب شمار سے باہر ہیں)

❸ ...تیسری بولی کہ میرا شوہر لم ڈھینگ ہے یعنی بہت زیادہ لمبے قد کا آدمی ہے اگر میں کبھی کسی بات میں بول پڑوں تو فوراً طلاق، اگر چپ رہوں تو ادھر میں لٹکی رہوں...

فائدہ... اس کے زیادہ لمبے ہونے کو یا تو اس لئے ذکر کیا کہ مشہور قول کے موافق یہ بیوقوفی کی علامت ہوتی ہے اور اگر اگلا کلام اس کی بیوقوفی کا بیان ہے اس لئے ذکر کیا کہ بدصورت بھی ہے منارہ کی طرح لمبا جو بلا مناسب مٹاپے کے بدنما ہوتا ہے اور بد خلق بھی ہے کہ اگر کوئی بات بھی زبان سے نکالوں کوئی اپنی ضرورت ظاہر کروں فوراً طلاق دے دے اور چپ رہوں کوئی ضرورت اپنی اس پر ظاہر نہ کروں تو خود اسے کسی بات کی پرواہ نہیں ہے بس یوں ہی ادھر میں لٹکی رہتی ہوں نہ شوہر والیوں میں شمار کہ شوہروں والی کوئی بات ہی نہیں اور نہ بے شوہر والیوں میں کہ کوئی دوسری جگہ تلاش کروں... بعض روایات میں اس عورت کے بیان میں ایک جملہ اور بھی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ میں ہر وقت ایسی رہتی ہوں جیسے کوئی تیز تلوار کی دھار کے نیچے ہو کہ ہر وقت فکر سوار نہ معلوم کب کام تمام ہو جائے...

❹ ....چوتھی نے کہا کہ میرا شوہر تہامہ کی رات کی طرح معتدل مزاج ہے نہ گرم ہے نہ ٹھنڈا اس سے کسی قسم کا خوف ہے نہ ملال... **فائدہ**.. یعنی معتدل مزاج ہے نہ زیادہ چاپلوسی کرتا ہے نہ بیزار رہتا ہے... نہ اسکے پاس رہنے سے خوف ہوتا ہے نہ طبیعت اکتاتی ہے... اس عورت کا نام مہد بنت ابی ہردمہ بتلایا جاتا ہے... تہامہ مکہ مکرمہ اور اسکے گردونواح کو کہتے ہیں وہاں کی رات ہمیشہ معتدل رہتی ہے خواہ دن میں کتنی ہی گرمی ہو...

❺ ... پانچویں نے کہا کہ میرا شوہر جب گھر میں آتا ہے تو چیتا بن جاتا ہے اور جب باہر جاتا ہے تو شیر بن جاتا ہے اور جو کچھ گھر میں ہوتا ہے اس کی تحقیقات نہیں کرتا... **فائدہ**..اس عورت کا نام کبشہ بتلایا جاتا ہے اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ اس نے اپنے شوہر کی مذمت کی یا تعریف کی... اس کے کلام سے دونوں نکل سکتی ہیں لیکن ظاہر تعریف

ہی معلوم ہوتی ہے بالجملہ اگر اس کو مذمت قرار دیا جائے تو مطلب یہ ہے کہ گھر میں آ کر چیتے کی طرح بن جاتا ہے نہ بات کا کہنا نہ کام سے غرض، باہر جاتا ہے تو اچھا خاصہ شریفانہ برتاؤ کرتا ہے گھر میں کچھ مصیبت آ جائے اس سے کچھ مطلب نہیں... نہ پوچھنا نہ خبر لینا اور اگر تعریف ہے تو مطلب یہ ہے کہ گھر میں آ کر نہایت بے خبر ہو جاتا ہے کسی بات میں کر چیں نہیں نکالتا... خفا نہیں ہوتا... ایسا بے خبر رہتا ہے جیسے سونے والا ہوتا ہے، ہم جو چاہیں کھائیں پکائیں وہ کسی چیز میں دخل نہیں دیتا نہ ہم سے ہر بات کی تحقیق کرتا ہے کہ فلاں کام کیوں کیا؟ فلاں بات کیوں ہوئی؟ باہر جاتا ہے تو شیروں کی طرح سے ڈانٹ ڈپٹ خوب کرتا ہے گھر میں جو کھانے پینے وغیرہ کی اشیاء ہوں ان کا مطالبہ اور تحقیقات نہیں کرتا کہ کہاں خرچ کی اور کیوں خرچ کی... جو چیز گھر میں آ گئی گھر والے جس طرح چاہیں اس کو خرچ کریں...

❻... چھٹی بولی کہ میرا شوہر اگر کھاتا ہے تو سب نمٹا دیتا ہے اور جب پیتا ہے تو سب چڑھا جاتا ہے جب لیٹتا ہے تو اکیلا ہی کپڑے میں لپٹ جاتا ہے... میری طرف ہاتھ بھی نہیں بڑھاتا جس سے میری پراگندگی معلوم ہو سکے...

فائدہ... اس کے کلام میں بھی تعریف اور مذمت دونوں کہی جاتی ہیں لیکن جیسا کہ پانچویں کے کلام میں تعریف زیادہ ہے جیسا کہ ترجمہ سے معلوم ہو گیا ہوگا... اگر مدح ہے جیسا کہ بعض شراح نے کہا ہے تو مطلب یہ ہے کہ جب کھاتا ہے تو سب کچھ کھاتا ہے کہیں میوہ جات ہیں کہیں پھل ہیں مختلف انواع کے کھانے ہیں اور جب پینے کا نمبر آتا ہے تو کبھی دودھ ہے کبھی شراب ہے... کبھی شربت ہے، غرض سب کچھ پیتا ہے ہر قسم کی چیزیں اس کے دستر خوان پر ہوتی ہیں خرچ کرنے والا ہے... کنجوس بخیل نہیں ہے کہ دال ہے تو گوشت نہیں ہے پانی ہے تو دودھ نہیں، جھگڑوں سے علیحدہ رہتا ہے دوسروں کی پھٹن میں ہاتھ نہیں ڈالتا یعنی تفتیش نہیں کرتا، کوتاہیوں کو تلاش کرتا نہیں پھرتا اور اگر مذمت ہے جیسا کہ اکثر کی رائے ہے تو مطلب یہ ہے کہ جب کھانے کا نمبر آئے تو جو کچھ سامنے ہے سب نمٹا دے گھر والوں کو بچے نہ بچے بھینس کی طرح ساری کونڈ ختم کر دے... پینے کا نمبر آئے تو سارا کنواں چڑھا جائے... غیروں اور اجنبیوں کی طرح الگ اپنی چادر میں لپٹ کر سو جائے مجھ سے لپٹنا تو درکنار کبھی بدن کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا کہ میرے دکھ درد کی کوئی خبر لے یا میرے بدن کی گرمی سردی کا کچھ پتہ لے...

❼... ساتویں کہنے لگی کہ میرا شوہر محبت سے عاجز نامرد اور اتنا بے وقوف کہ بات بھی نہیں کر سکتا... دنیا میں جو کوئی بیماری کسی میں ہوگی وہ اس میں موجود ہے... اخلاق ایسے کہ میرا سر پھوڑ دے یا بدن زخمی کر دے یا دونوں ہی کر گزرے...

❽... آٹھویں نے کہا کہ میرا شوہر چھونے میں خرگوش کی طرح نرم اور خوشبو میں زعفران کی طرح مہکتا ہوا ہے...

فائدہ... اس عورت کا نام ناشرہ بنت اوس بتلایا جاتا ہے اس کی تعریف کا حاصل یہ ہے کہ وہ نرم مزاج ہے... سخت اور بدخو نہیں اس میں لذت جسمانی اور روحانی دونوں موجود ہیں کہ نازک بدن ہے لپٹنے کو دل چاہے یا نرم مزاج ہے کہ غصہ کا نام نہیں اس کے ساتھ خوشبو میں مہکتا رہتا ہے... بعض روایات میں اس کے بیان میں ایک جملہ اور بھی ہے جس کا ترجمہ ہے کہ میں اس پر غالب رہتی ہوں اور وہ لوگوں پر غالب رہتا ہے یعنی میرا غالب رہنا اس کے عاجز ناکارہ ہونے کیوجہ سے

نہیں ہے اس لئے کہ وہ سب پر غالب رہتا ہے بلکہ میری محبت یا اس کی شرافت کی وجہ سے میں غالب رہتی ہوں...

⑨..نویں نے کہا کہ میرا شوہر رفیع الشان بڑا مہمان نواز اور اونچے مکان والا بڑی راکھ والا ہے...دراز قد روالا ہے اس کا مکان مجلس اور دارالمشورہ کے قریب ہے... **فائدہ**..اس عورت نے اپنے اس کلام میں بہت سی تعریفیں کی ہیں... اول یہ کہ اس کا گھر اونچا ہے اس سے اگر حقیقت میں بڑی عمارت مراد ہے تب تو اس کی ریاست اور مالدار ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے...اس لئے کہ اونچا محل مالدار ہی تیار کرائے گا اور اگر اونچے محل سے مکان کا اونچائی پر ہونا مراد ہے جیسا کہ عرب کا دستور تھا کہ سخی اور کریم لوگ اپنا مکان بلندی پر بناتے تھے تا کہ پردیسی مسافر دور سے دیکھ کر چلا آئے تو اس صورت میں اس کے شریف کریم سخی ہونے کی تعریف ہے اور بعض حکماء نے لکھا ہے کہ اونچے مکان سے مراد شرافت اور حسب نسب کے اعتبار سے اونچائی مراد ہے تو مطلب یہ ہے کہ اونچے خاندان کا ہے...دوسری تعریف اس کی مہمان نوازی کی ہے...گھر میں راکھ کا بہت ہونا لازم ہے کثرت سے کھانا پکنے کو جو مہمان نوازی کیلئے لازم ہے...تیسری تعریف اس کے دراز قد کی ہے دراز قد ہونا بشرطیکہ اعتدال سے زیادہ نہ ہو مردوں میں ممدوح شمار ہوتا ہے...مجلس کے گھر کے قریب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ذی رائے اور سمجھدار ہے ہر شخص اس سے مشورہ لینے آتا ہے اس لئے گویا اس کا گھر ہر وقت دارالمشورہ رہتا ہے کہ ہر وقت کوئی نہ کوئی شخص مشورہ لینے آتا ہی رہتا ہے...بندہ کے نزدیک اسکا مطلب یہ بھی محتمل ہے کہ دارالمشورہ سے اپنا گھر قریب رکھتا ہے تا کہ مجتمع ہونے والوں کیلئے تواضع وغیرہ میں یہ کہنا نہ پڑے اگر میرا گھر تو دور ہے اس لئے گھر قریب رکھتا ہے تا کہ تواضعی سامان میں دیر نہ لگے اور اس کی وجہ سے عذر کرنے کی نوبت نہ آئے...

⑩...دسویں نے کہا کہ میرا شوہر مالک ہے مالک کا کیا حال بیان کروں؟ وہ ان سب سے جواب تک کسی نے تعریف کی ہے یا ان سب تعریفوں سے جو میں بیان کروں گا بہت ہی زیادہ قابل تعریف ہے اس کے اونٹ بکثرت ہیں جو اکثر مکان کے قریب بٹھائے جاتے ہیں... چراگاہ میں چرنے کیلئے کم جاتے ہیں...وہ اونٹ جب باجہ کی آواز سنتے ہیں تو سمجھ لیتے ہیں کہ اب ہلاکت کا وقت آگیا...

فائدہ...اس عورت کا نام کبشہ بنت مالک بتلایا جاتا ہے...اس نے اپنے شوہر کی سخاوت کی تعریف کی ہے جس کی توضیح یہ ہے کہ اونٹ اگر چراگاہ میں چرنے جائیں تو ضیافت اور مہمانی کے وقت ان کے واپس آنے کا انتظار کرنا پڑتا ہے اور اس کے یہاں ہر وقت مہمانداری رہتی ہے اس لئے اس کے اونٹ چرنے نہیں جاتے گھر ہی کھڑے کر کے کھلائے جاتے ہیں تا کہ مہمانوں کے آنے پر فوراً ذبح کر دیئے جائیں... باجے کی آواز کی بعض نے یہ تفسیر کی ہے کہ اس کی بات ہے کہ جب کوئی مہمان وغیرہ آتا ہے تو اس کی مسرت میں باجے سے اس کا استقبال کرتا ہے تو اس باجہ کی آواز سنتے ہی اونٹ سمجھ لیتے ہیں کہ اب ذبح کا وقت آگیا، کوئی مہمان آیا ہے لیکن عرب کے دستور کے موافق یہ مطلب زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی مہمان آتا ہے تو وہ شراب کباب' گانے بجانے سے اس کی فوری تواضع کرتا ہے...اس آواز سے اونٹ سمجھتے ہیں کہ اب عنقریب کھانے کا وقت آیا چاہتا ہے اس کی تیاری کیلئے ہمارے ذبح کا وقت آگیا ہے...

⑪... گیارہویں عورت ام زرعہ نے کہا میرا شوہر ابوزرع تھا... ابوزرع کی کیا تعریف کروں؟ زیوروں سے میرے کان جھکا دیئے... (اور کھلا کھلا) کر چربی سے میرے بازو پر کر دیئے مجھے ایسا خوش وخرم رکھتا تھا کہ میں خود پسندی اور عجب میں اپنے آپ کو بھلی لگنے لگی مجھے اس نے ایک ایسے غریب گھرانہ میں پایا تھا جو بڑی تنگی کے ساتھ چند بکریوں پر گزر کرتے تھے اور وہاں سے ایسے خوشحال خاندان میں لے آیا تھا جن کے یہاں گھوڑے اونٹ کھیتی کے بیل اور کسان تھے (یعنی ہر قسم کی ثروت موجود تھی اس سب کے علاوہ اس کی خوش خلقی کہ) میری کسی بات پر بھی مجھے برا نہیں کہتا تھا... میں دن چڑھے تک سوتی رہتی تو کوئی جگا نہیں سکتا تھا کھانے پینے میں ایسی ہی وسعت کہ میں سیر ہو کر چھوڑ دیتی تھی (اور ختم نہ ہوتا تھا) ابوزرع کی ماں (میری خوش دامن) بھلا اس کی کیا تعریف کروں اس کے بڑے بڑے برتن ہمیشہ بھرپور رہتے تھے... اس کا مکان نہایت وسیع تھا... (یعنی مالدار بھی تھی اور عورتوں کی عادت کے موافق بخیل بھی نہیں اس لئے مکان کی وسعت کی کثرت مراد لی جاتی ہے) ابوزرع کا بیٹا بھلا اس کا کیا کہنا وہ بھی نور علی نور ایسا پتلا دبلا چھریرے بدن کا کہ اس کے سونے کا حصہ (یعنی پسلی وغیرہ) ستی ہوئی ٹہنی یا ستی ہوئی تلوار کی طرح سے باریک' بکری کے بچہ کا ایک دست اس کے پیٹ بھرنے کیلئے کافی (یعنی بہادر کہ سونے کے لمبے چوڑے انتظامات کی ضرورت نہ تھی... سپاہیانہ زندگی ذرا سی جگہ میں تھوڑا بہت لیٹ لیا اسی طرح کھانے میں بھی مختصر مگر بہادری کے مناسب گوشت کے دو چار ٹکڑے اس کی غذا تھی... ابوزرع کی بیٹی بھلا اس کی کیا بات ماں کی تابعدار باپ کی فرمانبردار موٹی تازی سوکن کی جلن تھی (یعنی سوکن کو اس کے کمالات سے جلن پیدا ہو عرب میں مرد کیلئے چھریرا ہونا اور عورت کیلئے موٹی تازی ہونا ممدوح شمار کیا جاتا ہے) ابوزرع کی باندی کا بھی کیا کمال بتاؤں ہمارے گھر کی بات کبھی بھی باہر جا کر نہ کہتی تھی... کھانے تک کی چیز بھی بے اجازت خرچ نہیں کرتی تھی... گھر میں کوڑا کباڑ نہیں ہونے دیتی تھی... مکان کو صاف شفاف رکھتی تھی ہماری یہ حالت تھی لطف سے دن گزر رہے تھے کہ ایک دن صبح کے وقت جبکہ دودھ کے برتن بلوئے جا رہے تھے ابوزرع گھر سے نکلا... راستہ میں ایک عورت پڑی ہوئی ملی جس کی کمر کے نیچے چیتے جیسے دو بچے اناروں سے کھیل رہے تھے... (چیتے کے ساتھ تشبیہ کھیل کود میں ہے اور اناروں سے یا تو حقیقتہً انار مراد ہیں کہ ان کو لڑھکا کر کھیل رہے تھے یا دو اناروں سے اس عورت کے دونوں پستان مراد ہیں) پس وہ کچھ ایسی پسند آئی کہ مجھے طلاق دے دی اور اس سے نکاح کر لیا (طلاق اس لئے دی کہ سوکن ہونے کی وجہ سے اس کو رنج نہ ہو اور اس کی وجہ سے مجھے طلاق دے دینے پر اس کے دل میں ابوزرع کی وقعت اور زیادہ ہو جائے) ایک روایت میں ہے کہ اس سے نکاح کر لیا نکاح کے بعد وہ مجھے طلاق دینے پر اصرار کرتی رہی... آخر مجھے طلاق دے دی... اس کے بعد میں نے ایک اور سردار شریف آدمی سے نکاح کر لیا... جو شہسوار ہے اور سپہ گر ہے... اس نے مجھے بڑی نعمتیں دیں اور ہر قسم کے جانور اونٹ گائے بکری وغیرہ وغیرہ ہر چیز میں سے ایک ایک جوڑا مجھے دیا اور یہ بھی کہا کہ ام زرع خود بھی کھا اور اپنے میکہ

میں جو چاہے بھیج دے لیکن بات یہ ہے کہ اگر میں اس کی ساری عطاؤں کو جمع کروں تو تب بھی ابوزرع کی چھوٹی سے چھوٹی عطا کے برابر نہیں ہوسکتی... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ قصہ سنا کر مجھے یہ ارشاد فرمایا کہ میں بھی تیرے لئے ایسا ہی ہوں جیسا کہ ابوزرع ام زرع کے واسطے...

فائدہ...طبرانی کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس پر فرمایا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ابوزرع کی کیا حقیقت... میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے لئے اس سے بہت زیادہ بڑھ کر ہیں... حق تعالیٰ جل شانہ ہر مسلم زوجین کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع اس مضمون میں بھی نصیب فرمائے کہ یہ عفت کا باعث ہوتا ہے... آمین... بعض علماء نے اس قصہ میں یہ اشکال کیا ہے کہ جن عورتوں نے اپنے شوہروں کی برائیاں بیان کی ہیں وہ غیبت ہے... جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں ہوئی اور اگر خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس قصہ کو ارشاد فرمایا تو اشکال اور بھی قوی ہوجاتا ہے... مگر صحیح یہ ہے کہ غیبت کی حدود میں داخل نہیں ہے... کسی غیر معروف شخص کا حال بیان کرنا جس کو لوگ نہ جانتے ہوں غیبت نہیں ہے...(از شمائل ترمذی)

کمال محبت اور عدل

حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے زانو سے ٹیک بھی لگا لیتے اور اسی حالت میں قرآن کی تلاوت بھی فرماتے... ایسا بھی ہوتا کہ روزہ کی حالت میں تقبیل (بوسہ) فرمالیتے... یہ سب اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ حسن سلوک اور لطف وکرم کا نتیجہ تھا... جب آپ سفر کا ارادہ فرماتے تو ازواج مطہرات کے درمیان قرعہ ڈالتے... جس کے نام کا قرعہ نکل آتا وہی ساتھ جاتیں....

اہل خانہ کی دلداری

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انصار کی لڑکیوں کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس کھیلنے کو بلایا کرتے تھے ...اور جائز اُمور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ ہوجاتے... جب عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پانی پیتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاتھ سے پیالہ لے کر وہیں اپنے لب مبارک لگالیتے.... جہاں سے انہوں نے پیا تھا اور جب وہ ہڈی پر سے گوشت کھاتیں تو آپ وہ ہڈی جس پر گوشت ہوتا لے کر وہاں لب مبارک لگاتے جہاں سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کھایا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں اس طرح ہنستے بولتے بیٹھے رہتے تھے کہ معلوم ہی نہ ہوتا تھا کہ کوئی اولوالعزم نبی ہیں...

لیکن جب کوئی دینی بات ہوتی یا نماز کا وقت آجاتا تو ایسا معلوم ہوتا کہ آپ وہ آدمی ہی نہیں ہیں... حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے اندر تشریف لاتے تو نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ مسکراتے ہوئے داخل ہوتے...(اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم)

بیوی کا محبت والا نام رکھنا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اہل خانہ کے ساتھ بہت ہی محبت کیساتھ پیش آتے تھے... چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں تم میں سے اپنے اہل خانہ کیلئے سب سے بہتر ہوں''...ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر تشریف لائے اس وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پیالے میں پانی پی رہی تھیں...

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دور سے فرمایا' حمیرا! میرے لئے بھی کچھ پانی بچا دینا...ان کا نام تو عائشہ تھا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو محبت کی وجہ سے حمیرا فرماتے تھے...اس حدیث مبارکہ سے پتہ چلتا ہے کہ ہر خاوند کو چاہئے کہ وہ اپنی بیوی کا محبت میں کوئی ایسا نام رکھے جو اسے بھی پسند ہو اور اسے بھی پسند ہو...ایسا نام محبت کی علامت ہوتا ہے اور جب اس نام سے بندہ اپنی بیوی کو پکارتا ہے تو بیوی قرب محسوس کرتی ہے یہ سنت ہے...

کمال محبت ولطف کا برتاؤ کرنا

حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ پیالہ ہاتھ میں لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پانی پینے لگے تو آپ رک گئے اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا ''حمیرا! تو نے کہاں سے لب لگا کر پانی پیا تھا؟ کس جگہ سے منہ لگا کر پانی پیا تھا؟'' انہوں نے نشاندہی کی کہ میں نے یہاں سے پانی پیا تھا...حدیث پاک میں آیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیالے کے رخ کو پھیرا اور اپنے مبارک لب اسی جگہ پر لگا کر پانی نوش فرمایا...خاوند اپنی بیوی کو ایسی محبت دے گا تو وہ کیوں کر گھر آباد نہیں کرے گی...

اب سوچئے کہ رحمۃ للعالمین تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ ہے...آپ سید الاولین والآخرین ہیں...اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اہلیہ کا بچا ہوا پانی پیا...ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بچا ہوا پانی وہ پیتیں...مگر یہ سب کچھ محبت کی وجہ سے تھا...

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فیاضی وسخاوت

صدقہ وخیرات

ام درہ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن زبیر نے دو بوریوں میں روپے بھر کر حضرت عائشہ کے پاس بھیجا جو تقریباً ایک لاکھ اسی ہزار درہم تھے۔ حضرت عائشہ اسی وقت ان کو تقسیم کرنے کے لئے بیٹھ گئیں۔ جب شام ہوئی تو ایک درہم بھی باقی نہ تھا۔ روزے سے تھیں۔ جب شام ہوئی تو خادمہ سے افطاری منگائی خادمہ نے روٹی اور زیتون کا تیل لا کر رکھ دیا۔ ام درہ نے کہا اگر آپ ایک درہم کا گوشت منگا لیتیں تو اچھا ہوتا۔ عائشہ صدیقہ نے فرمایا اگر یاد دلاتی تو منگا لیتی۔ عروہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا ہے کہ عائشہ صدیقہ ستر ستر ہزار درہم تقسیم کر دیتی تھیں اور اپنے لباس میں پیوند لگا ہوا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا صدقہ

حضرت عائشہؓ کی خدمت میں دو گونیں درہموں کی بھر کر پیش کی گئیں جن میں ایک لاکھ سے زیادہ درہم تھے۔ حضرت عائشہ نے طباق منگایا اور ان کو بھر بھر کر تقسیم فرمانا شروع کر دیا اور شام تک سب ختم کر دیئے۔ ایک درہم بھی باقی نہ چھوڑا۔ خود روزہ دار تھیں۔ افطار کے وقت باندی سے کہا کہ افطار کے لئے کچھ لے آؤ۔ وہ ایک روٹی اور زیتون کا تیل لے آئیں اور عرض کرنے لگیں۔ کیا اچھا ہوتا کہ ایک درہم کا گوشت ہی منگا لیتیں۔ آج ہم روزہ گوشت سے افطار کر لیتے۔ فرمانے لگیں اب طعن دینے سے کیا ہوتا ہے اس وقت یاد دلاتی تو میں منگا لیتی۔ (تذکرہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں اس نوع کے نذرانہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ' حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ حضرات کی طرف سے پیش کئے جاتے تھے۔

کیونکہ وہ زمانہ فتوحات کی کثرت کا تھا مکانوں میں غلہ کی طرح سے اشرفیوں کے انبار پڑے رہتے ہیں اس کے باوجود اپنی زندگی نہایت سادہ اور نہایت معمولی گزاری جاتی تھی حتیٰ کہ افطار کے واسطے بھی ماما کے یاد دلانے کی ضرورت تھی۔ پچیس ہزار روپے کے قریب تقسیم کر دیئے اور یہ بھی خیال نہ آیا کہ میرا روزہ ہے اور گوشت بھی منگانا ہے۔ آج کل اس قسم کے واقعات اتنے دور ہو گئے ہیں کہ خود واقعہ کے سچے ہونے میں تردد ہونے لگا لیکن اس زمانہ کی عام زندگی جن لوگوں کی نظر میں ہے۔ ان کے نزدیک یہ اور اس قسم کے سینکڑوں واقعات کچھ بھی تعجب کی چیز نہیں۔ خود

حضرت عائشہؓ کے بہت سے واقعات اس کے قریب قریب ہیں۔

افطاری کا سامان فقیر کو دیدینا: ایک دفعہ روزہ دار تھیں اور گھر میں روٹی کے سوا کچھ نہ تھا۔ ایک فقیر نے آکر سوال کیا۔ خادمہ سے فرمایا کہ وہ روٹی اس کو دیدو۔ اس نے عرض کیا کہ افطار کے لئے گھر میں کچھ بھی نہیں فرمایا۔ کیا مضائقہ ہے۔ وہ روٹی اس کو دیدو۔ اس نے دیدی۔ (مؤطا)

صدقہ سے روکنے پر بھانجے سے ناراضگی

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے اور وہ ان سے بہت محبت فرماتی تھیں انہوں نے ہی گویا بھانجے کو پالا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس فیاضی سے پریشان ہوکر کہ خود تکلیفیں اٹھائیں اور جو آئے وہ فوراً خرچ کردیں' ایک دفعہ کہہ دیا خالہ کا ہاتھ کسی طرح روکنا چاہیئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی یہ فقرہ پہنچ گیا۔ اس پر ناراض ہوگئیں کہ میرا ہاتھ روکنا چاہتا ہے اور ان سے نہ بولنے کی نذر کے طور پر قسم کھائی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو خالہ کی ناراضی کا بہت صدمہ ہوا۔ بہت سے لوگوں سے سفارش کرائی۔ مگر انہوں نے اپنی قسم کا عذر فرمادیا۔ آخر جب عبداللہ بن زبیرؓ بہت ہی پریشان ہوئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ننھیال کے دو حضرات کو سفارشی بنا کر ساتھ لے گئے۔

وہ دونوں حضرات اجازت لے کر اندر گئے۔ یہ بھی چھپ کر ساتھ ہو لئے۔ جب وہ دونوں پردہ کے پیچھے بیٹھے اور حضرت عائشہؓ پردہ کے اندر بیٹھ کر بات چیت فرمانے لگیں تو یہ جلدی سے پردہ میں چلے گئے اور جا کر خالہؓ سے لپٹ گئے اور بہت روئے اور خوشامد کی۔ وہ دونوں حضرات بھی سفارش کرتے رہے اور مسلمان سے بولنا چھوڑنے کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادت یاد دلاتے رہے اور احادیث میں جو ممانعت اس کی آئی ہے وہ سناتے رہے جس کی وجہ سے حضرت عائشہؓ ان احادیث میں جو ممانعت اور مسلمان سے بولنا چھوڑنے پر عتاب وارد ہوا۔ اس کی تاب نہ لا سکیں اور رونے لگیں۔ آخر معاف فرمادیا اور بولنے لگیں۔ (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اللہ کے خوف سے حالت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جتنی محبت تھی وہ کسی سے مخفی نہیں۔ حتیٰ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو سب سے زیادہ محبت کس سے ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہؓ سے۔ اس کے ساتھ ہی مسائل سے اتنی واقف تھیں کہ بڑے بڑے صحابہؓ مسائل کی تحقیق کے لئے آپؓ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام ان کو سلام کرتے تھے۔ جنت میں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہونے کی بشارت دی گئی ہے۔منافقوں نے آپ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تو قرآن شریف میں آپ رضی اللہ عنہا کی براُۃ نازل ہوئی۔خود حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ دس خصوصیات مجھ میں ایسی ہیں کہ کوئی دوسری بیوی ان میں شریک نہیں۔ابن سعدؒ نے ان کو مفصل نقل کیا ہے۔صدقہ کی کیفیت پہلے قصوں سے معلوم ہو چکی ہے۔

لیکن ان سب باتوں کے باوجود اللہ کے خوف کا یہ حال تھا۔فرمایا کرتی کاش میں درخت ہوتی تسبیح کرتی رہتی۔اور کوئی آخرت کا مطالبہ مجھ سے نہ ہوتا۔کاش میں پتھر ہوتی۔کاش میں مٹی کا ڈلا ہوتی۔کاش میں پیدا ہی نہ ہوتی۔کاش میں درخت کا پتہ ہوتی۔کاش میں کوئی گھاس ہوتی۔(بخاری)

وفات

۹ سال آنحضرت کی زوجیت میں رہیں۔جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت عائشہ کی عمر ۱۸ سال کی تھی۔اڑتالیس سال آپ کے بعد زندہ رہیں۔

اور ۵۷ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی اور وصیت کے مطابق دیگر ازواج مطہرات کے پہلو میں رات کے وقت بقیع میں دفن ہوئیں۔

وفات کے وقت ۶۶ سال کی عمر تھی۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

قاسم بن محمدؒ اور عبداللہ بن عبدالرحمٰن اور عبداللہ بن ابی عتیق اور حضرت زبیر کے دونوں صاحبزادے عروہ اور عبداللہ ان لوگوں نے آپ کو قبر میں اتارا۔

(سیرت المصطفیٰ ج۲)

اُمُّ المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا

پیدائش اور نام ونسب

حضرت حفصہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں۔ والدہ کا نام زینب بن مظعون رضی اللہ عنہا ہے۔ حضرت حفصہ بعثت سے پانچ سال قبل پیدا ہوئیں۔ جس وقت قریش خانہ کعبہ کی تعمیر میں مصروف تھے۔

پہلا نکاح اور بیوگی

پہلا نکاح خنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہما کے ساتھ ہوا اپنے شوہر خنیس کے ساتھ ہجرت کر کے مدینہ آئیں غزوۂ بدر کے بعد خنیس رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح

جب حضرت حفصہ بیوہ ہوگئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان غنی سے مل کر کہا کہ اگر آپ چاہیں تو حفصہ کا نکاح آپ سے کردوں۔ حضرت عثمان نے کہا سوچ کر جواب دوں گا۔ اس کے بعد پھر ملاقات ہوئی حضرت عثمان نے عذر کردیا کہ میرا ارادہ نہیں ہے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ پھر میں حضرت ابوبکر سے ملا اور کہا کہ اگر آپ چاہیں تو حفصہ کا نکاح آپ سے کردوں ابوبکر صدیق سن کر خاموش ہوگئے اور کوئی جواب نہیں دیا۔ جس سے مجھ کو ملال ہوا۔ تین چار ہی دن گزرے ہوں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے پیام دیا۔ میں نے حفصہ کا نکاح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کردیا۔ اس کے بعد ابوبکر صدیق سے ملنا ہوا حضرت ابوبکر نے کہا اے عمر شاید تم مجھ سے رنجیدہ ہو میں نے اس لئے جواب نہیں دیا تھا کہ مجھ کو یہ معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خود پیام دینے کا خیال ہے۔ اس لئے سکوت کیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راز کو ظاہر کرنا مناسب نہ ہوگا۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حفصہ سے نکاح نہ کرتے تو میں ضرور قبول کرلیتا۔ مشہور اور راجح قول یہ ہے کہ ۳ھ میں آپ نے حفصہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا۔

اللہ کے ہاں مقبولیت

ایک مرتبہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حفصہ کو طلاق دیدی جبریل علیہ السلام وحی لے کر نازل ہوئے۔ حفصہ سے رجوع کر لیجئے وہ بڑی روزہ رکھنے والی اور عبادت گزار عورت ہے اور جنت میں آپ کی بیوی ہے۔ آپ نے رجوع فرمالیا۔ (سیرت المصطفیٰ ج۲)

اُم المومنین زینب بنتِ خزیمہ رضی اللہ عنہا

نام اور لقب

زینب آپ کا نام تھا۔ چونکہ آپ بہت سخی اور فیاض تھیں اس لئے ایام جاہلیت ہی سے اُم المساکین کہہ کر پکاری جاتی تھیں۔ باپ کا نام خزیمۃ بن الحارث ہلالی تھا۔

پہلا نکاح و بیوگی

پہلا نکاح عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے ہوا۔

۳ھ میں عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح

عدت گزرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح فرمایا۔ پانچ سو درہم مہر مقرر ہوا۔

وفات

نکاح کے دو تین ہی مہینے گزرے تھے کہ انتقال ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ انتقال کے وقت ۳۰ سال کی عمر تھی۔ (سیرت المصطفیٰ ج۲)

اُم المومنین اُمِّ سلمہ بنتِ ابی اُمیّہ رضی اللہ عنہا

نام ونسب

اُم سلمہ آپ کی کنیت تھی۔ ہند آپ کا نام تھا ابوامیہ قریشی مخزومی کی بیٹی تھیں۔ ماں کا نام عاتکہ بنت عامر بن ربیعہ تھا۔

پہلا نکاح اور اسلام

پہلا نکاح اپنے چچازاد بھائی ابوسلمۃ بن عبدالاسد مخزومی سے ہوا۔ انہی کے ساتھ مشرف باسلام ہوئیں اور انہی کے ساتھ پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور پھر وہاں سے مکہ واپس آ کر مدینہ کی طرف ہجرت کی۔

بیوگی

ابوسلمہ غزوۂ بدر اور غزوۂ احد میں شریک ہوئے۔ غزوۂ احد میں بازو پر ایک زخم آیا ایک مہینہ تک اس کا علاج کرتے رہے زخم اچھا ہو گیا یکم محرم الحرام ۴ھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسلمہ کو ایک سریہ کا امیر بنا کر روانہ فرمایا۔ ۲۹ روز کے بعد واپس ہوئے واپسی کے بعد وہ زخم پھر جاری ہو گیا۔ اسی زخم سے ۸ جمادی الآخری ۴ھ میں انتقال کیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح

اُم سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک بار میرے شوہر ابوسلمہ گھر میں آئے اور کہا کہ آج میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سن کر آیا ہوں جو میرے نزدیک دنیا اور مافیہا سے زیادہ محبوب ہے وہ یہ کہ جس شخص کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ انا للہ پڑھے اور اس کے بعد یہ دُعا مانگے۔

اللّٰهم عندک احستب مصیبتی هٰذه اللّٰهم اخلفنی فیها بخیر منها

"اے اللہ! میں تجھ سے اپنی اس مصیبت میں اجر کی اُمید رکھتا ہوں۔ اے اللہ! تو مجھ کو اس کا نعم البدل عطا فرما۔"

تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کو اس سے بہتر عطا فرمائے گا۔

اُم سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ابوسلمہ کے انتقال کے بعد یہ حدیث مجھ کو یاد آئی جب دعا پڑھنے کا ارادہ کیا تو یہ خیال آیا کہ مجھ کو ابوسلمہ سے بہتر کون ملے گا۔ مگر چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تھا اس لئے پڑھ لیا۔ چنانچہ اس کا یہ ثمرہ ظاہر ہوا کہ عدت گزرنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح کا پیام دیا جن سے دنیا میں کوئی بھی

بہتر نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نکاح کا پیام دیا تو ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے چند عذر پیش کئے۔

میرا سن زیادہ ہے۔ میں عیالدار ہوں۔ یتیم بچے میرے ساتھ ہیں۔ میں بہت غیور ہوں۔ (مبادا آپ کو میری وجہ سے کوئی ناگواری پیش آئے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا میرا سن تم سے زیادہ ہے اور تمہاری عیال اللہ اور اس کے رسول کی عیال ہیں۔ اور میں اللہ سے دعا کروں گا کہ وہ غیرت (یعنی وہ نازک مزاجی اور رشک کا مادہ جس کا تم کو اندیشہ ہے) تم سے جاتی رہے گی۔ چنانچہ آپ نے دعا فرمائی اور ویسا ہی ہوا۔ ماہ شوال ۴ھ میں آپ سے نکاح ہوا تو شوال کا آخر تھا کچھ راتیں باقی تھیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر میں کچھ سامان بھی دیا جس کی قیمت دس درہم تھی۔ ابن اسحاق راوی ہیں کہ ایک بستر بھی دیا جس میں بجائے روئی کے کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور ایک رکابی اور ایک پیالہ اور ایک چکی دی۔

حسن و جمال

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو مجھ کو ان کے حسن و جمال کی وجہ سے بہت رشک ہوا۔

فہم وفراست

اُم المومنین اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کا فضل اور کمال حسن اور جمال فہم اور فراست عقل اور دانائی مسلم تھی۔ حدیبیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو ہدی ذبح کرنے اور حلق کرانے کا تین بار حکم دیا۔ مگر کسی نے نہ ہدی ذبح کی اور نہ سر منڈایا ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو جب خبر ہوئی تو فرمایا:

یارسول اللہ! صحابہ اس صلح سے بہت افسردہ دل ہیں آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیں۔ آپ اپنی ہدی ذبح کرلیں اور حلق کرالیں۔ چنانچہ آپ کا ہدی ذبح کرنا تھا کہ صحابہ نے فوراً اپنے اپنے جانوروں کو ذبح کر لیا اور حلق بھی کرالیا۔ یہ عقدہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے رائے اور مشورہ سے حل ہوا۔

مزید حالات واہم واقعات

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے خاوند کی دُعا اور ہجرت

اُم المؤمنین حضرت ام سلمہؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت ابو سلمہؓ صحابی کے نکاح میں تھیں دونوں میں بہت ہی زیادہ محبت اور تعلق تھا۔ جس کا اندازہ اس قصہ سے ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ اُم سلمہؓ نے ابو سلمہؓ سے کہا کہ میں نے یہ سنا ہے کہ اگر مرد اور عورت دونوں جنتی ہوں اور عورت مرد کے بعد کسی سے نکاح نہ کرے تو وہ عورت جنت میں اسی مرد کو ملے گی۔ اسی طرح اگر مرد دوسری عورت سے نکاح نہ کرے تو وہی عورت اس کو ملے گی۔ اس لئے لاؤ ہم تم عہد کرلیں کہ ہم میں سے جو پہلے مرجائے وہ دوسرا نکاح نہ کرے۔ ابو سلمہؓ نے کہ تم میرا کہنا مان لوگی۔ اُم سلمہؓ نے کہا کہ میں تو اسی واسطے مشورہ کر رہی ہوں کہ تمہارا کہنا مانوں۔ ابو سلمہؓ نے کہا تو میرے بعد تم نکاح کرلینا۔ پھر دعا کی کہ یا اللہ میرے بعد اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کو مجھ سے بہتر خاوند عطا فرما جو نہ اس کو رنج پہنچائے نہ تکلیف دے۔

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کا سفرِ ہجرت

ابتدائے اسلام میں دونوں میاں بیوی نے حبشہ کی ہجرت ساتھ ہی کی۔ اس کے بعد وہاں سے واپسی پر مدینہ طیبہ کی ہجرت کی۔ جس کا مفصل قصہ خود ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب ابو سلمہؓ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو اپنے اونٹ پر سامان لادا اور مجھے اور میرے بیٹے سلمہؓ کو سوار کرایا اور خود اونٹ کی نکیل ہاتھ میں لے کر چلے۔ میرے میکے کے لوگوں بنو مغیرہ نے دیکھ لیا۔ انہوں نے ابو سلمہؓ سے کہا کہ تم اپنی ذات کے بارے میں تو آزاد ہو سکتے ہو مگر ہم اپنی لڑکی کو تمہارے ساتھ کیوں جانے دیں کہ یہ شہر در شہر پھرے۔ یہ کہہ کر اونٹ کی نکیل ابو سلمہؓ کے ہاتھ سے چھین لی اور مجھے زبردستی واپس لے آئے۔ میرے سسرال کے لوگ بنو عبدالاسد کو جو ابو سلمہؓ کے رشتے دار تھے جب اس قصہ کی خبر ملی تو وہ میرے میکہ والوں بنو مغیرہ سے جھگڑنے لگے کہ تمہیں اپنی لڑکی کا تو اختیار ہے مگر ہم اپنے لڑکے سلمہؓ کو تمہارے پاس کیوں چھوڑ دیں جبکہ تم نے اپنی لڑکی کو اس کے خاوند کے پاس نہیں چھوڑا اور یہ کہہ کر میرے لڑکے سلمہؓ کو بھی مجھ سے چھین لیا۔ اب میں اور میرا لڑکا اور میرا شوہر تینوں جدا جدا ہوگئے۔ خاوند تو مدینہ چلے گئے۔ میں اپنے میکہ میں رہ گئی اور بیٹا اپنے ددھیال میں پہنچ گیا میں روز میدان میں نکل جاتی اور شام تک رویا کرتی۔ اسی طرح پورا ایک سال مجھے روتے گذر گیا۔ نہ میں خاوند کے پاس جاسکی نہ بچہ مجھے مل سکا۔ ایک دن میرے ایک چچازاد بھائی نے میرے حال پر ترس کھا کر اپنے لوگوں سے کہا کہ تمہیں اس مسکینہ پر ترس نہیں آتا کہ اس کو بچہ اور خاوند سے تم نے جدا کر رکھا ہے اس کو کیوں نہیں چھوڑ دیتے۔ غرض میرے چچازاد بھائی نے کہہ سن کر اس بات پر ان سب کو راضی کرلیا۔ انہوں نے مجھے اجازت

دیدی کہ تو اپنے خاوند کے پاس جانا چاہتی ہے تو چلی جا۔ یہ دیکھ کر بنوعبدالاسد نے بھی لڑکا دیدیا۔

میں نے ایک اونٹ تیار کیا اور بچہ کو گود میں لے کر اونٹ پر تنہا سوار ہو کر مدینہ کو چل دی تین چار میل چلی تھی کہ تنعیم میں عثمان بن طلحہ مجھے ملے۔ مجھ سے پوچھا کہ اکیلی کہاں جارہی ہو۔ میں نے کہا کہ اپنے خاوند کے پاس مدینہ جارہی ہوں۔ انہوں نے کہا کوئی تمہارے ساتھ نہیں۔ میں نے کہا کہ اللہ کی ذات کے سوا کوئی نہیں۔ انہوں نے میرے اونٹ کی نکیل پکڑی اور آگے آگے چل دیئے۔ خدا پاک کی قسم مجھے عثمان سے زیادہ شریف آدمی کوئی نہیں ملا۔ جب اترنے کا وقت ہوتا وہ میرے اونٹ کو بٹھا کر خود علیحدہ درخت کی آڑ میں ہو جاتے میں اتر جاتی اور جب سوار ہونے کا وقت ہوتا' اونٹ کو سامان وغیرہ لاد کر میرے قریب بٹھا دیتے ہیں اس پر سوار ہو جاتی اور وہ آ کر اس کی نکیل پکڑ کر آگے آگے چلنے لگتے۔ اسی طرح ہم مدینہ منورہ پہنچے۔ جب قبا میں پہنچے تو انہوں نے کہا۔ تمہارا خاوند یہیں ہے۔ اس وقت تک ابوسلمہؓ قبا ہی میں مقیم تھے۔ عثمان مجھے وہاں پہنچا کر خود مکہ مکرمہ واپس ہو گئے۔ پھر کہا کہ خدا کی قسم عثمان بن طلحہ سے زیادہ کریم اور شریف آدمی میں نے نہیں دیکھا اور اس سال میں جتنی مشقت اور تکلیف میں نے برداشت کی شاید ہی کسی نے کی ہو۔ (اسد الغابہ)

فائدہ: اللہ پر بھروسہ کی بات تھی کہ تنہا ہجرت کے ارادہ سے چل دیں۔ اللہ جل شانہٗ نے اپنے فضل سے ان کی مدد کا سامان مہیا کر دیا۔ جو اللہ پر بھروسہ کر لیتا ہے۔ اللہ جل شانہٗ اس کی مدد فرماتا ہے۔ بندوں کے دل اسی کے قبضہ میں ہیں۔ ہجرت کا سفر اگر کوئی محرم نہ ہو تو تنہا بھی جائز ہے۔ بشرطیکہ ہجرت فرض ہو اس لئے ان کے تنہا سفر پر شرعی اشکال نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے گھر والوں کے لئے دعائیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا اپنے خاوند اور دونوں بیٹوں کو میرے پاس لے آؤ چنانچہ وہ ان تینوں کو لے آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر والی چادر جو ہمیں خیبر میں ملی تھی اور میں اپنے نیچے بچھاتی تھی ان پر ڈالی اور پھر ان کے لئے یہ دعا فرمائی اے اللہ! یہ محمد (علیہ السلام) کی آل ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پر اپنی رحمتیں اور برکتیں ایسے نازل فرما جیسے تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آل پر نازل فرمائی تھیں۔ بیشک تو بہت تعریف والا اور بزرگی والا ہے۔ (اخرجہ ابویعلی)

وفات

سن وفات میں بہت اختلاف ہے امام بخاری تاریخ کبیر میں فرماتے ہیں کہ ۵۸ھ میں انتقال کیا۔ واقدی کہتے ہیں کہ ۵۹ھ میں انتقال کیا۔ ابن حبان کہتے ہیں کہ ۶۱ھ میں انتقال کیا جب امام حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر پہنچی ابونعیم کہتے ہیں ۶۲ھ میں انتقال کیا۔ حافظ عسقلانی نے اصابہ اور تقریب میں اسی قول کو راجح قرار دیا ہے ازواج مطہرات میں سب سے بعد میں حضرت ام سلمہ نے انتقال فرمایا۔ حضرت ابوہریرہ نے نماز جنازہ پڑھائی انتقال کے وقت ۸۴ سال کی عمر تھی۔ پہلے شوہر کے دونوں بیٹوں عمر اور سلمہ نے اور عبداللہ بن عبداللہ ابن ابی اُمیہ اور عبداللہ بن وہب بن زمعہ نے قبر میں اتارا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔ (سیرت المصطفیٰ ج ۲)

اُمُّ المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ داری

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں۔ یعنی آپ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔

پہلا نکاح اور طلاق

آپ کی زوجیت میں آنے سے پہلے آپ کے متبنّٰی اور آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کے عقد میں تھیں باہمی موافقت نہ ہونے کی وجہ سے زید نے ان کو طلاق دے دی۔ حضرت چونکہ موالی میں سے تھے۔ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا ایک نہایت شریف اور معزز خاندان سے تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں اور عرب کا یہ دستور تھا کہ موالی (آزاد کردہ غلاموں) سے مناکحت کو اپنے لئے باعث ننگ وعار سمجھتے تھے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حضرت زینب سے اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کا پیغام دیا تو حضرت زینب اور ان کے بھائی نے صاف انکار کر دیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ.
وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا

اس آیت میں مومن سے عبداللہ بن جحش یعنی حضرت زینب کے حقیقی بھائی مراد ہیں اور مومنہ سے خود حضرت زینب مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ کسی مومن اور مومنہ کے لئے یہ زیبا نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ کر دے تو اس پر راضی نہ ہوں۔ اس آیت کے نزول کے بعد یہ دونوں راضی ہو گئے اور خدا کے حکم کے موافق زینب کا نکاح زید کے ساتھ ہو گیا۔ نکاح تو ہو گیا مگر گھر میں باہم لڑائی ہوتی اور موافقت مزاجی نہ ہوئی اور زید ہمیشہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زینب کی بے اعتنائی کا شکوہ کیا کرتے اور عرض کرتے کہ میں زینب کو چھوڑ دیتا ہوں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زید کو طلاق دینے سے منع فرماتے۔

جب بار بار یہ جھگڑے پیش آتے رہے تو آپ کے دل میں یہ خیال گزرا کہ اگر زید نے زینب کو طلاق دیدی تو زینب کی دلجوئی بغیر اس کے ممکن نہیں کہ میں خود اس سے نکاح کروں۔ لیکن جاہلوں اور منافقوں کی بدگوئی سے اندیشہ

کیا کہ یہ لوگ یہ طعنہ دیں گے کہ اپنے بیٹے کی بیوی کو گھر میں رکھ لیا۔ یعنی اس سے نکاح کر لیا۔ حالانکہ لے پالک یعنی متبنٰی کسی طرح بیٹے کے حکم میں نہیں اور عرب میں مدت سے یہ ایک بڑا دستور چلا آ رہا تھا کہ جس کو منہ بولا بیٹا بنا لیں اس کی مطلقہ عورت سے نکاح کرنے کو غایت درجہ معیوب سمجھتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے چاہا کہ اس بری رسم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل اور عمل سے توڑ دیں اور آپ کو بذریعہ وحی آسمانی مطلع کر دیا گیا کہ زید کے طلاق دینے کے بعد زینب آپ کی زوجیت میں آئے گی تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ منہ بولے بیٹے کی بیوی کا وہ حکم نہیں کہ جو صلبی بیٹے کی بیوی کا حکم ہے۔ غرض یہ کہ آپ کو بذریعہ وحی کے مطلع کر دیا گیا کہ زینب تمہارے نکاح میں آئے گی۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بدباطنوں کے طعن و تشنیع کے خیال سے کہ یہ طعنہ دیں گے کہ اپنے متبنٰی کی مطلقہ سے نکاح کر لیا۔ شرم کے مارے اس پیشگوئی کو کسی پر ظاہر نہیں فرمایا بلکہ اس کو دل ہی میں پوشیدہ رکھا اور خیال کیا کہ خدا کی خبر بالکل حق اور صدق ہے۔ اپنے وقت آنے پر خود ظاہر ہو جائے گی۔ نیز خدا تعالیٰ کی طرف سے فی الحال اس پیشگوئی کے اظہار اور اعلان کا بھی کوئی حکم اور اشارہ نہ تھا اس لئے آپ نے اس امر تکوینی کو تو دل میں مخفی رکھا اور تشریعی طور پر زید کو یہ مشورہ دیتے رہے کہ زینب کو طلاق نہ دینا اس لئے کہ شریعت کا حکم یہی ہے کہ شوہر کو یہی مشورہ دیا جائے کہ اپنی بیوی کو طلاق نہ دو اور بیوی کی بے اعتنائی اور چیرہ دستی پر صبر کرو اگر کسی کو بذریعہ وحی اور الہام یہ معلوم ہو جائے کہ تکوینی طور پر آئندہ چل کر یہ ماجرا پیش آنے والا ہے اور قضاء وقدر میں یہ مقدر ہو چکا ہے تو فی الحال تشریعی حکم کا اتباع کرنا ہو گا۔ قضاء وقدر اپنے وقت پر خود ظاہر ہو جائے گی۔ آخر کار ایک دن زید نے آ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں تنگ آ گیا ہوں اور طلاق دیدی ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح

حضرت انس سے مروی ہے کہ جب زینب رضی اللہ عنہا کی عدت پوری ہو گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید ہی کو حکم دیا کہ تم خود جا کر زینب سے میرے نکاح کا پیغام دو (تاکہ یہ امر خوب واضح ہو جائے کہ یہ جو کچھ ہوا وہ زید کی رضامندی سے ہوا ہے) حضرت زید آپ کے نکاح کا پیغام لے کر زینب کے گھر گئے اور دروازہ کی طرف پشت کر کے کھڑے ہوئے۔ (حالانکہ حجاب اور پردہ کا حکم ابھی نازل نہ ہوا تھا مگر یہ ان کا کمال تقویٰ تھا) اور کہا اے زینب مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے اپنے نکاح کا پیغام دے کر بھیجا ہے۔ حضرت زینب نے فی البدیہہ جواب دیا کہ میں اس وقت تک کچھ نہیں کر سکتی جب تک میں اپنے پروردگار عزوجل سے مشورہ یعنی استخارہ نہ کر لوں۔ اسی وقت اٹھیں اور گھر میں جو ایک جگہ مسجد کے نام سے عبادت کے لئے مخصوص کر رکھی تھی وہاں جا کر مشغول استخارہ ہو گئیں۔ چونکہ حضرت زینب نے اس بارہ میں کسی مخلوق سے مشورہ نہیں کیا بلکہ خدائے عزوجل سے مشورہ چاہا اور اسی سے خیر طلب کی کیونکہ وہی اہل ایمان کا ولی ہے۔ اس لئے خدائے عزوجل نے اپنی خاص ولایت سے آسمان پر فرشتوں کی موجودگی

میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت زینب سے کر دیا۔ آسمانوں میں تو اعلان ہو ہی گیا۔ اب ضرورت ہوئی کہ زمین پر بھی اس کا اعلان ہو چنانچہ جبریل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا

پس جب زید زینب سے اپنی حاجت پوری کر چکے اور ان کو طلاق دیدی تو اے نبی کریم ہم نے زینب کا نکاح تم سے کر دیا۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینب کے گھر تشریف لے گئے اور بلا اذن داخل ہوئے۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تشریف فرما تھے کہ یہ آیتیں نازل ہوئیں جب وحی کا نزول ہو چکا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے ہوئے ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کون ہے کہ جو جا کر زینب کو بشارت سنائے۔ اور اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ اخیر تک یہ آیتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم پر تلاوت فرمائیں۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب یہ آیتیں تلاوت فرما چکے تو مجھ کو یہ خیال آیا کہ حضرت زینب میں جمال تو تھا ہی اب وہ اس بات پر بھی فخر کریں گی کہ ان کا نکاح اللہ تعالیٰ نے آسمان پر کیا۔

چونکہ حضرت زینب کو اس حکم ربانی اور وحی آسمانی کی خبر پہنچ چکی تھی اس لئے اس اطلاع کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مکان میں بغیر اذن کے داخل ہوئے کیونکہ زوجنا کہا۔ نکاح آسمانی کا یہ اعلان اور حضرت کا اطلاع کے بعد قولاً اور عملاً اس کو قبول کر لینا اور سجدۂ شکر بجالانا اور پیغام نکاح حضرت زید کے ذریعہ پہلے ہی جا چکا تھا یہ رسمی نکاح سے بڑھ کر نکاح ہے۔ گھر میں داخل ہونے کے بعد آپ نے دریافت کیا کہ تمہارا نام کیا ہے چونکہ حضرت زینب کا اصلی نام برہ تھا۔ تو یہی کہا کہ میرا نام برہ ہے۔ آپ نے بجائے برہ کے زینب نام تجویز کیا۔

نکاح کا سنہ اور عمر

حافظ ابن سید الناس فرماتے ہیں کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا ۴ھ میں آپ کی زوجیت میں آئیں اور بعض کہتے ہیں ۵ ہجری میں آپ سے نکاح ہوا۔ نکاح کے وقت حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی عمر ۳۵ سال کی تھی۔ مہر چار سو درہم مقرر رہا۔

ولیمہ

چونکہ یہ نکاح اللہ عزوجل نے اپنی خاص ولایت سے فرمایا اور پھر اس کے بارے میں قرآن کی آیتیں نازل فرمائیں اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس نکاح کے ولیمہ میں خاص اہتمام فرمایا۔

چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بیوی کے ولیمہ میں اس قدر اہتمام نہیں فرمایا۔ جس قدر کہ حضرت زینب بنت جحش کے ولیمہ میں فرمایا ایک بکری ذبح فرمائی اور لوگوں کو مدعو کیا اور پیٹ بھر کر لوگوں کو گوشت اور روٹی کھلائی۔

ولیمہ کے موقعہ پر نازل ہونے والی آیات

لوگ کھانا کھا کر چلے گئے مگر تین آدمی بیٹھے باتیں کررہے تھے۔ آپ نے شدۃ حیاء کی وجہ سے زبان سے تو کچھ نہیں فرمایا لیکن مجلس سے اٹھ کھڑے ہوئے تا کہ سمجھ جائیں اور حضرت عائشہ کے حجرے میں تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ نے آپ کو مبارکباد دی یکے بعد دیگرے تمام ازواج مطہرات کے حجروں میں تشریف لے گئے اور یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ. اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِى النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ. وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ. ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ

اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں مت داخل ہو مگر جبکہ تم کو اذن دیا جائے کھانا کھانے کے لئے درآنحالیکہ اس کے پکنے کا انتظار نہ کرو۔ لیکن تم کو بلایا جائے کہ اب کھانا تیار ہو گیا تو آ جاؤ اور جب کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو اٹھ کر چلے جاؤ اور باتوں میں مت لگ جاؤ اس سے خدا کے نبی کو تکلیف پہنچتی ہے اور وہ کہنے سے شرماتے ہیں اور اللہ کو حق بات کے کرنے سے کوئی حجاب نہیں اور اگر تم بیبیوں سے کوئی ضرورت کی چیز مانگو تو پردہ کے پیچھے سے مانگو۔ اس میں تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کی طہارت اور صفائی ہے۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی خصوصیات

حضرت زینب رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کرتی تھیں کہ یا رسول اللہ! میں تین وجہ سے آپ پر ناز کرتی ہوں۔

❶ ....میرے اور آپ کے جد امجد ایک ہی ہیں۔ یعنی عبد المطلب' ایک روایت میں ہے کہ میں آپ کی پھوپھی کی بیٹی ہوں۔ اس کا بھی مطلب وہی ہے۔

❷ ....اللہ تعالیٰ نے آپ کا نکاح مجھ سے آسمان پر فرمایا۔

❸ ....جبریل امین اس بارہ میں کوشش کرتے رہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ زینب بنت جحش مرتبہ میں میرا مقابلہ کرتی ہیں۔ رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک وہ میری ہم پلہ تھیں میں نے ان سے زیادہ کسی عورت کو دیندار اور خدا سے زیادہ ڈرنے والی اور سب سے زیادہ سچ بولنے والی اور سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والی اور سب سے زیادہ صدقہ اور خیرات کرنے والی نہیں دیکھی۔ اور نہ ان سے زیادہ محنت کر کے صدقہ کرنے والی اور اللہ عزوجل کا تقرب حاصل کرنے والی عورت کو دیکھا۔

عبادت کا خاص ذوق

عبادت کا خاص ذوق تھا۔ نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت کیا کرتی تھیں۔ چنانچہ جس وقت زید آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیام لے کر گئے فوراً نماز استخارہ میں مشغول ہو گئیں۔

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ مال فئے مہاجرین پر تقسیم فرما رہے تھے کہ درمیان میں حضرت زینب بول پڑیں۔ حضرت عمر نے جھڑک دیا۔ آنحضرت نے فرمایا اے عمر! تم ان کو رہنے دو۔ یعنی زینب سے کچھ تعرض مت کرو۔ انہا اواھۃ تحقیق یہ بڑی اواہ ہیں۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ اواہ کے کیا معنی آپ نے فرمایا کہ اواہ کے معنی خاشع اور متضرع کے ہیں۔ اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَاِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْب. تحقیق ابراہیم بڑے بردبار اور نرم دل اور خدا کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔

تقویٰ و زہد

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب پہلی مرتبہ حضرت زینب کا سالانہ نفقہ بھیجا تو یہ سمجھیں کہ یہ سب ازواج مطہرات کا ہے اور یہ فرمایا اللہ عمر کی مغفرت فرمائے۔ بہ نسبت میرے وہ زیادہ تقسیم کرنے پر قادر تھا۔ لوگوں نے کہا یہ سب آپ کا ہے حضرت زینب نے فرمایا۔ سبحان اللہ اور اپنے اور اس مال کے درمیان میں کپڑے کا ایک پردہ ڈال دیا ہے۔ تا کہ وہ مال نظر نہ آئے کیونکہ وہ اجنبی اور نامحرم ہے۔ اور برزہ بنت رافع کو حکم دیا کہ اس کو ایک طرف ڈال دو اور ایک کپڑا اس پر ڈھانک دو اور فرمایا کہ اس کپڑے کے نیچے سے مٹھی بھر کر فلاں یتیم کو دے آؤ اور پھر مٹھی بھر فلاں کو دے آؤ۔ جب اس طرح وہ مال تقسیم ہوتا رہا اور برائے نام کچھ باقی رہ گیا تو برزہ نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے آخر ہمارا بھی اس مال میں کچھ حق ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا جو اس کپڑے کے نیچے ہو وہ تم لے لو۔ برزہ کہتی ہیں جب میں نے کپڑا اٹھا کر دیکھا تو پچاسی درہم تھے جب مال سب تقسیم ہو چکا تو ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی۔

اے اللہ! اس سال کے بعد عمر کا وظیفہ مجھ کو نہ پائے۔ چنانچہ سال گزرنے نہ پایا تھا کہ انتقال ہو گیا۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت زینب کا سالانہ وظیفہ بارہ ہزار درہم تھے۔ جو صرف ایک سال کے لئے لیا۔ جب وہ بارہ ہزار درہم بیت المال سے آپ کے پاس آئے تو بار بار کہتی تھیں۔

اے اللہ! یہ مال سال آئندہ میرے پاس نہ آئے تحقیق یہ بڑا فتنہ ہے۔ اور یہ کہہ کر اسی وقت تمام مال اپنے اقارب اور حاجت مندوں میں تقسیم کر دیا۔ حضرت عمر کو جب اطلاع ہوئی تو یہ فرمایا کہ کچھ ایسا نظر آتا ہے کہ اللہ کی طرف سے ان کے لئے خیر اور بھلائی کا ارادہ کیا گیا ہے۔ فوراً ایک ہزار درہم اور روانہ کئے اور سلام کہلا کر یہ پیغام بھیجا کہ وہ آپ نے خیرات کر دیا۔ یہ ایک ہزار آپ اپنی ضرورتوں کے لئے رکھ لیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے وہ ایک ہزار بھی اسی وقت تقسیم کر دیئے۔

حق کی گواہی

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو اس بات پر بجا طور پر فخر تھا کہ سب بیبیوں کا نکاح اُن کے عزیز رشتہ داروں نے کیا مگر حضرت زینبؓ کا نکاح آسمان پر ہوا اور قرآن پاک میں نازل ہوا۔ اسی وجہ سے حضرت عائشہؓ سے مقابلہ کی نوبت بھی آجاتی تھی کہ ان کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ محبوبہ ہونے پر ناز تھا اور اُن کو آسمان کے نکاح پر ناز تھا۔ لیکن اس کے باوجود حضرت عائشہ پر تہمت کے قصہ میں جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے منجملہ اوروں کے اُن سے بھی دریافت کیا۔ تو اُنہوں نے عرض کیا کہ میں عائشہؓ میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں جانتی۔

یہ تھی سچی دینداری ورنہ یہ وقت سوکن کے الزام لگانے کا تھا۔ اور خاوند کی نگاہ سے گرانے کا۔ بالخصوص اس سوکن کے جو لاڈلی بھی تھی مگر اس کے باوجود حق بولا اور تعریف کی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دلداری کا اہتمام

ایک عورت کہتی ہیں کہ میں حضرت زینبؓ کے یہاں تھی اور ہم گیرو سے کپڑے رنگنے میں مشغول تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ ہم کو رنگتے ہوئے دیکھ کر واپس تشریف لے گئے۔ حضرت زینبؓ کو خیال ہوا کہ یہ چیز ناگوار ہوئی' سب کپڑوں کو جو رنگے تھے فوراً دھوڈالا۔ دوسرے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جب دیکھا کہ وہ رنگ کا منظر نہیں ہے تو اندر تشریف لائے۔ (ابوداؤد)

فائدہ: عورتوں کو بالخصوص مال سے جو محبت ہوتی ہے۔ وہ بھی مخفی نہیں اور رنگ وغیرہ سے جو اُنس ہوتا ہے۔ وہ بھی محتاج بیان نہیں لیکن وہ بھی آخر عورتیں تھیں جو مال کا رکھنا جانتی ہی نہ تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمولی سا اشارہ پا کر سارا رنگ دھوڈالا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی

صحیحین میں حضرت عائشہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز اپنی ازواج مطہرات سے یہ فرمایا کہ تم میں سب سے جلد مجھے وہ ملے گی جس کا ہاتھ تم میں سب سے زیادہ لمبا ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ سخاوت اور فیاضی کی طرف تھا لیکن ازواج مطہرات نے اس کو ظاہر پر محمول کیا چنانچہ آپ کی وفات کے بعد ازواج مطہرات جب جمع ہوتیں تو باہم اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتیں کہ کس کا ہاتھ لمبا ہے۔ حضرت زینب جو قد میں چھوٹی تھیں جب سب سے پہلے ان کا انتقال ہوا تب معلوم ہوا کہ حضرت زینب کا ہاتھ صدقہ اور خیرات میں سب سے لمبا تھا کیونکہ وہ اپنے دست و بازو سے کماتی تھیں چمڑا رنگنے کا کام جانتی تھیں اس سے جو آمدنی ہوتی تھی وہ سب خدا کی راہ میں خیرات کر دیتی تھیں۔

پہلے سے کفن کی تیاری

کفن بھی زندگی ہی میں تیار کر لیا تھا۔ قاسم بن محمد سے مروی ہے کہ جب حضرت زینب کی وفات کا وقت آیا تو فرمایا میں نے اپنا کفن تیار کر رکھا ہے۔ غالباً عمر رضی اللہ عنہ بھی میرے لئے کفن بھیجیں گے۔ ایک کفن کام میں لے آنا اور دوسرا صدقہ کر دینا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وفات کے بعد پانچ کپڑے خوشبو لگا کر کفن کے لئے بھیجے۔ حضرت عمر ہی کے بھیجے ہوئے کفن میں ان کو کفنایا گیا اور وہ کفن جو خود حضرت زینب نے تیار کر رکھا تھا ان کی بہن حمنہ نے صدقہ کر دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خراج تحسین

افسوس! آج ایسی عورت گزر گئی جو بڑی پسندیدہ اوصاف والی اور عبادت گزار اور یتیموں اور بیواؤں کا ٹھکانہ تھی۔ (سیرت المصطفیٰ ج ۲)

دُنیا سے بے رغبتی

حضرت برہ بنت رافعؓ کہتی ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں میں عطایا تقسیم کیں تو حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس ان کا حصہ بھیجا۔ جب وہ مال ان کے پاس پہنچا تو فرمانے لگیں اللہ تعالیٰ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مغفرت فرمائے۔ میری دوسری بہنیں اس مال کو مجھ سے زیادہ اچھے طریقے سے تقسیم کر سکتی ہیں (اس لئے ان کے پاس لے جاؤ) لانے والوں نے کہا یہ سارا مال آپ کا ہی ہے۔ (فرمانے لگیں سبحان اللہ! اور ایک کپڑے سے پردہ کر لیا اور فرمایا اچھا رکھ دو اور اس پر کپڑا ڈال دو۔ پھر مجھ سے فرمایا اس کپڑے میں ہاتھ ڈال کر ایک مٹھی بھر کر بنو فلاں کو اور بنو فلاں کو دے آؤ۔ یہ سب ان کے رشتہ دار تھے اور یتیم تھے، یوں یہ تقسیم فرماتی رہیں یہاں تک کہ کپڑے کے نیچے تھوڑے سے درہم بچ گئے تو میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا۔

اے اُم المؤمنین! اللہ آپ کی مغفرت فرمائے۔ اللہ کی قسم! اس مال میں ہمارا بھی تو حق ہے فرمایا اچھا کپڑے کے نیچے جتنے درہم ہیں وہ سب تمہارے۔ ہمیں کپڑے کے نیچے پچاسی درہم ملے۔ اس کے بعد آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے یہ دعا مانگی۔

اے اللہ! اس سال کے بعد مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی عطا نہ ملے۔

چنانچہ (ان کی دعا قبول ہو گئی اور) ان کا انتقال ہو گیا۔ (اخرجہ ابن سعد)

دستکاری سے پیسہ حاصل کر کے صدقہ کا معمول

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض بیویوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کی وفات کے بعد ہم میں سے کون سی بیوی سب سے پہلے آپ سے جا کر ملے گی (یعنی سب سے پہلے کس

کی وفات ہوگی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں جس کے ہاتھ سب سے زیادہ لمبے ہیں (وہ سب سے پہلے دار فانی سے رخصت ہوگی، دریافت کرنے والی بیویوں نے اس بات کا ظاہری مطلب سمجھا اور) ایک بانس لے کر سب کے ہاتھ ناپنے لگیں، نتیجۃً حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاتھ سب کے ہاتھوں سے زیادہ لمبے نکلے (اور یہی سمجھ لیا گیا کہ سب سے پہلے حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات ہوگی۔

لیکن ہوا یہ کہ سب سے پہلے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے وفات پائی لہٰذا) اب پتہ چلا کہ (سب سے پہلے وفات پانے والی کے ہاتھوں کے لمبے ہونے کا مطلب یہ نہ تھا کہ ناپنے میں ہاتھ لمبے ہوں گے بلکہ لمبے ہاتھوں کا مقصد زیادہ صدقہ کرنا تھا۔ سب سے پہلے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات ہوئی وہ صدقہ کرنے کو (بہ نسبت دوسری بیویوں کے زیادہ) پسند کرتی تھیں۔ (مشکوۃ المصابیح)

تشریح: حضرت سودہ اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہن بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں سے تھیں، حضرت سودہؓ سے مکہ ہی میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہوگیا تھا۔ دوسری بیویوں کی نسبت ان کے ہاتھ لمبے تھے۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ پہلے ان کا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا تھا، آپس میں نباہ نہ ہوا تو انہوں نے طلاق دے دی اُن کی طلاق اور عدت کے بعد اللہ پاک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نکاح کر دیا تھا۔

سورہ احزاب میں فرمایا۔ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا (پھر جب زید سے اس کا دل بھر گیا تو ہم نے آپؐ سے اس کا نکاح کر دیا) اسی وجہ سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا دوسری بیویوں کے مقابلے میں فخر کے طور پر فرمایا کرتی تھیں کہ تمہارا نکاح تمہارے اولیاء واقرباء نے کیا اور میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا، ان سے ۵ھ ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سب سے پہلے ۲۰ھ یا ۲۱ھ ہجری میں ان کی وفات ہوئی ان کی روایت کی ہوئی حدیثیں بھی حدیث شریف کی کتابوں میں ملتی ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان سے بعض روایتیں بیان کی ہیں۔ (حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے یہ سب حالات الاستیعاب اور الاصابہ سے لئے گئے)۔

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

ولم تكن امرئة منها خيرًا فى الدين واتقٰى لله واصدق حديثًا واوصل للرحم واعظم صدقة واشد تبذلا لنفسها فى العمل الذى تتصدق به وتتقرب الى الله عزوجل.

یعنی کوئی عورت دینداری اور پرہیزگاری اور خداترسی اور راست بازی اور صلہ رحمی اور صدقہ کرنے

میں زینبؓ سے بڑھ کر نہ تھی، صدقہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی نزدیکی حاصل کرنے کے لئے خوب محنت سے مال حاصل کرتی تھیں اوراس میں ان سے بڑھ کر کوئی عورت نہ تھی۔ (الاستیعاب)

اس عبارت کے ترجمہ کو غور سے پڑھواور دیکھو کہ یہ ایک سوتن کی گواہی ہے، اس سے جہاں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے دینی کمالات ظاہر ہوئے وہاں حضرت عائشہؓ کی سچائی اور بے نفسی بھی معلوم ہوئی، اپنی سوتن کے کمالات کا اقرار کرنا بہت بڑی بات ہے۔ آج کل کی عورتیں ذرا سینے پر ہاتھ رکھ کر سوچیں کہ ان میں حق گوئی اور بے نفسی کہاں تک ہے، خصوصاً اپنی سوتن کے حق میں، یا جس سے کینہ کپٹ ہو اس کے بارے میں کیا تعریف کا کوئی کلمہ کہہ سکتی ہیں۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو صدقہ کرنے کی حرص تھی اور اس حرص کو پورا کرنے کے لئے دستکاری (ان کو کھال رنگنے کا ہنر آتا تھا اس کے ذریعہ مال حاصل کرتی تھیں اور اس سے صدقہ دیا کرتی تھیں۔ آج کل کی عورتیں تو سینکڑوں ہزاروں کی مالیت میں سے بھی پھوٹی کوڑی دینے کو تیار نہیں۔ ایک وہ بھی عورت ہی تھی جس کے پاس پیسہ نہ ہوا تو دستکاری سے کما کر صدقہ کر دیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ (الاصابہ)

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دوسری سوتن حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گواہی بھی سن لو۔ وہ فرماتی ہیں کہ

كانت صالحة قوامة صوامة صناعا تصدق بذلک كله علي المساكين.

زینب رضی اللہ عنہا نیک عورت تھیں راتوں رات نماز میں کھڑی رہتی تھیں اور خوب کثرت سے روزے رکھتی تھیں اور دستکار بھی تھیں اس سے مال حاصل کر کے سب صدقہ کر دیتی تھیں۔

وفات

سن بیس ہجری میں مدینہ منورہ میں انتقال کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی انتقال کے وقت پچاس یا ترپن سال کی عمر تھی اور جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نکاح ہوا تھا اس وقت آپ کی عمر ۳۵ سال کی تھی۔

اُمّ المؤمنین جُویریہ بنتِ حارث بن ضَرّار رضی اللہ عنہا

خاندان

حضرت جویریہ بنت حارث بن ضرار سردار بنی المصطلق کی بیٹی تھیں۔ پہلا نکاح مسافح بن صفوان مصطلقی سے ہوا تھا۔ جو غزوہ مریسیع میں مارا گیا۔

گرفتاری

اس غزوہ میں جہاں اور بہت سے بچے اور عورتیں گرفتار ہوئے۔ ان میں جویریہ بھی تھیں۔

آزادی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا اور چار سو درہم مہر مقرر کیا۔ ۵ ہجری میں آپ کی زوجیت میں آئیں اس وقت آپ بیس سال کی تھیں۔

وفات

ربیع الاول ۵۰ ہجری میں انتقال کیا۔ اس وقت آپ کا سن ۶۵ سال تھا مروان بن حکم نے جو اس وقت امیر مدینہ تھے نماز جنازہ پڑھائی اور مدینہ منورہ کے مشہور قبرستان جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

عبادت کا خاص ذوق

عبادت کا خاص ذوق تھا۔ عبادت کے لئے مسجد کے نام سے گھر میں ایک جگہ مخصوص کر رکھی تھی۔ چنانچہ آپ فرماتی ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی الصبح تشریف لائے اور میں اپنی مسجد میں مشغول عبادت تھی۔ آپ واپس چلے گئے قریب نصف النہار کے پھر تشریف لائے اور مجھ کو اسی طرح مشغول عبادت دیکھا۔ فرمایا کیا تم اس وقت سے اس وقت تک اسی حالت میں ہو۔ میں نے کہا ہاں۔ آپ نے فرمایا میں تم کو کچھ کلمات بتلائے دیتا ہوں وہ پڑھا کرو۔ وہ کلمات یہ ہیں۔ **سبحان اللّٰہ عدد خلقہ ۳ بار سبحان اللّٰہ رضا نفسہ ۳ بار**

سبحان اللّٰہ وزنۃ عرشہ ۳ بار، سبحان اللّٰہ مداد کلماتہ ۳ بار

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے یہ فرمایا کہ میں نے تیرے بعد چار کلمے تین بار کہے ہیں۔ اگر ان کو تیری تمام تسبیحوں کے ساتھ تولا جائے جو تو نے صبح سے اس وقت تک پڑھی ہیں تو وہ چار کلمات وزن میں بڑھ جائیں گے۔ وہ کلمات یہ ہیں۔ **سبحان اللّٰہ وبحمدہ عدد خلقہ و رضا نفسہ وزنۃ عرشہ و مداد کلماتہ.** (سیرت المصطفیٰ ج ۲)

اُم المومنین اُمِّ حبیبہ بنتِ ابوسفیان رضی اللہ عنہا

پیدائش اور نام ونسب

رملہ آپ کا نام اور ام حبیبہ آپ کی کنیت تھی۔ ابوسفیان بن حرب اموی قریش کے مشہور سردار کی بیٹی تھیں والدہ کا نام صفیہ بنت ابی العاص تھا۔ جو حضرت عثمان کی پھوپھی تھیں۔ بعثت سے ۱۷ سال پہلے پیدا ہوئیں۔

نکاح، اسلام اور ہجرت حبشہ

پہلا نکاح عبیداللہ بن جحش سے ہوا۔ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا ابتداء ہی میں مسلمان ہوئیں اور ان کے شوہر بھی اسلام لے آئے اور دونوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی وہاں جا کر ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام حبیبہ رکھا اور اسی کے نام پر ام حبیبہ کنیت رکھی گئی اور پھر اسی کنیت سے مشہور ہوئیں۔ چندروز کے بعد عبیداللہ بن جحش تو اسلام سے مرتد ہو کر عیسائی بن گیا۔ مگر ام حبیبہ رضی اللہ عنہا برابر اسلام پر قائم رہیں۔

خواب اور بیوگی

اُم حبیبہ کہتی ہیں کہ عبیداللہ کے نصرانی ہونے سے پہلے اس کو نہایت بری اور بھیانک شکل میں خواب میں دیکھا بہت گھبرائی جب صبح ہوئی تو معلوم ہوا کہ عیسائی ہو چکا ہے۔ میں نے یہ خواب بیان کیا (کہ شاید متنبہ ہو جائے) مگر کچھ توجہ نہیں کی اور شراب وکباب میں برابر منہمک رہا۔ حتیٰ کہ اسی حالت میں انتقال ہو گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نجاشی کے نام پیغام

چندروز کے بعد خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص یا ام المومنین کہہ کر آواز دے رہا ہے جس سے میں گھبرائی عدت کا ختم ہونا تھا کہ یکا یک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام پہنچا۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی شاہ حبشہ کے پاس یہ کہلا کر بھیجا کہ اگر ام حبیبہ مجھ سے نکاح کرنا چاہیں تو تم بطور وکیل نکاح پڑھوا کر میرے پاس بھیج دو۔

نجاشی کا بطور وکیل آپکا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کرنا

نجاشی نے اپنی باندی ابرہ کو ام حبیبہ کے پاس یہ کہلا کر بھیجا کہ میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک والا نامہ اس مضمون کا یعنی پیام کا آیا ہے اگر تم کو منظور ہو تو اپنی طرف سے کسی کو وکیل بنا لو۔ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے

اس پیام کو منظور کیا۔ اور خالد بن سعید بن العاص اموی کو اپنا وکیل مقرر کیا اور اس بشارت اور خوشخبری کے انعام میں ہاتھوں کے دونوں کنگن اور پیروں کی پازیب اور انگلیوں کے چھلے جو سب نقرئی تھے ابرہ کو دے دیئے۔ جب شام ہوئی تو نجاشی نے حضرت جعفر اور تمام مسلمانوں کو جمع کر کے خود خطبۂ نکاح پڑھا۔ وہ خطبہ یہ ہے۔

الحمد للّٰہ الملک القدوس السلام المؤمن المھیمن العزیز الجبار اشھد ان لآالٰہ الا اللّٰہ و ان محمداً عبدہ و رسولہ‘ و انہ الذی بشربہ عیسیٰ بن مریم صلی اللّٰہ علیھما وسلم امابعد! فان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کتب الی ان ازوجہ ام حبیبۃ بنت ابی سفیان فاجبت الیٰ مادعا الیہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وقد اصدقتھا اربعمأتہ دینار

حمد ہے خداوند قدوس اور خدائے غالب اور عزیز اور جبار کی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے برگزیدہ بندہ اور رسول برحق ہیں۔ اور آپ وہی نبی ہیں جن کی عیسےٰ بن مریم صلے اللہ علیہما وسلم نے بشارت دی ہے۔

امابعد۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو یہ تحریر فرمایا ہے کہ میں آپ کا نکاح ام حبیبہ بنت ابی سفیان سے کردوں۔ میں نے آپ کے ارشاد کے مطابق آپ کا نکاح ام حبیبہ سے کردیا اور چارسو دینار مہر مقرر کیا ہے۔ اور اسی وقت وہ چارسو دینار خالد بن سعید اموی کے حوالے کردیئے اس کے بعد خالد بن سعید کھڑے ہوئے اور یہ تقریر فرمائی۔

الحمد للّٰہ احمدہ واستعینہ‘ واستغفرہ واشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ ‘ و اشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ ارسلہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون.

اما بعد! فقد اجبت الی مادعا الیہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم و زوجت ام حبیبہ بنت ابی سفیان فبارک اللّٰہ لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم.

الحمد للہ! میں اللہ کی حمد وثناء کرتا ہوں اور اس سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں اور رسول برحق ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور دین برحق دے کر بھیجا ہے تاکہ اس دین کو تمام دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرکین کو ناگوار ہو۔

امابعد! میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیام کو قبول کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ام حبیبہ کا نکاح کردیا۔ اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے۔

ولیمہ

لوگوں نے اٹھنے کا ارادہ کیا۔ نجاشی نے کہا کہ ابھی بیٹھئے۔ حضرات انبیاء کی سنت یہ ہے کہ نکاح کے بعد ولیمہ بھی ہونا چاہئے۔ چنانچہ کھانا آیا اور دعوت سے فارغ ہو کر سب رخصت ہوئے مہر کی رقم جب حضرت ام حبیبہ کے

پاس پہنچی تو ابرہ کو بلا کر پچاس دینار اور دیئے ابرہ نے یہ پچاس دینار اور وہ زیور جو پہلے دیا گیا تھا یہ کہہ کر سب واپس کر دیا کہ بادشاہ نے مجھ کو تاکید کر دی ہے کہ آپ سے کچھ نہ لوں۔ اور آپ یقین کیجئے کہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیرو ہو چکی ہوں اور اللہ عزوجل کے لئے دین اسلام کو قبول کر چکی ہوں اور آج بادشاہ نے اپنی تمام بیگمات کو حکم دیا کہ ان کے پاس جو خوشبو اور عطر ہو اس میں سے ضرور آپ کے پاس ہدیہ بھیجیں۔ چنانچہ دوسرے روز ابرہ بہت سا عود اور عنبر وغیرہ لے کر آپ کے پاس آئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آمد

اُم حبیبہ فرماتی ہیں کہ میں نے وہ عود اور عنبر سب رکھ لیا اور اپنے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لائی۔ اس کے بعد ابرہ نے کہا کہ میری ایک درخواست ہے وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میرا اسلام کہہ دینا اور یہ عرض کر دینا کہ میں آپ کے دین کی پیرو ہو گئی ہوں۔ میری روانگی تک ابرہ کا یہ حال رہا کہ جب آتی تو یہی کہتی کہ دیکھو میری درخواست کو بھول نہ جانا چنانچہ جب مدینہ پہنچی تو یہ تمام حالات اور واقعات آپ سے بیان کئے۔ آپ مسکراتے رہے اخیر میں ابرہ کا سلام پہنچایا آپ نے فرمایا وعلیہا السلام ورحمۃ اللہ برکاتہ

انتقال: ۴۴ ہجری میں مدینہ میں انتقال کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ دمشق میں انتقال ہوا۔ صحیح یہی ہے کہ مدینہ منورہ میں انتقال ہوا۔

کل عمر: چونکہ بعثت سے سترہ سال پہلے پیدا ہوئیں لہٰذا اس حساب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نکاح کے وقت آپ کی عمر ۳۷ سال تھی اور وفات کے وقت ۷۴ سال کی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آخری گفتگو

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ام حبیبہ نے انتقال کے وقت مجھ کو بلایا اور کہا کہ باہم سوکنوں میں جو کچھ پیش آتا ہے وہ تم کو معلوم ہے۔ جو کچھ ہوا ہو وہ معاف کرنا۔ اللہ تعالیٰ میری اور تمہاری مغفرت فرمائے۔ میں نے کہا سب معاف ہے۔ اللہ تعالیٰ میری اور تمہاری مغفرت فرمائے۔ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اے عائشہ! تم نے مجھ کو خوش کیا۔ اللہ تعالیٰ تم کو خوش رکھے اور پھر ام سلمہ کو بلایا اور ان سے بھی یہی گفتگو ہوئی۔ (سیرت المصطفیٰ ج ۲)

اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا سے اظہار محبت

ایک مرتبہ ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے ان کے بھائی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ملنے کیلئے آئے دونوں بہن بھائیوں میں بہت زیادہ محبت تھی اور آپس میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجہ (ام حبیبہ رضی اللہ عنہا) سے مخاطب ہو کر فرمایا "ام حبیبہ (رضی اللہ عنہا)! کیا معاویہ (رضی اللہ عنہ) تمہیں بہت پیارا ہے؟" ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا "ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنے بھائی سے بہت پیار ہے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اگر یہ تمہیں بہت پیارا ہے تو مجھے بھی بہت پیارا ہے"۔ (رہبر کامل)

بیوگی کا زمانہ.... والد سے معاملہ

ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عبداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں۔ دونوں خاوند بیوی ساتھ ہی مسلمان ہوئے اور حبشہ کی ہجرت بھی اکٹھے ہی کی۔ وہاں جا کر خاوند مرتد ہو گیا۔ اور اسی حالت ارتداد میں انتقال کیا۔ حضرت امّ حبیبہؓ نے یہ بیوگی کا زمانہ حبشہ ہی میں گذارا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں نکاح کا پیام بھیجا اور حبشہ کے بادشاہ کی معرفت نکاح ہوا۔

دینی غیرت کی نسبی تعلق پر برتری

نکاح کے بعد مدینہ طیبہ تشریف لائیں۔ صلح کے زمانہ میں اُن کے باپ ابوسفیان مدینہ طیبہ آئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کی مضبوطی کے لئے گفتگو کرنا تھی۔ بیٹی سے ملنے گئے وہاں بستر بچھا ہوا تھا اس پر بیٹھنے لگے تو حضرت اُم حبیبہ نے وہ بستر اُلٹ دیا۔ باپ کو تعجب ہوا کہ بجائے بستر بچھانے کے اس بچھے ہوئے کو بھی الٹ دیا پوچھا یہ بستر ہ میرے قابل نہیں تھا اس لئے لپیٹ دیا یا میں بستر ہ کے قابل نہیں تھا۔ حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ اللہ کے پاک اور پیارے رسول کا بستر ہے اور تم بوجہ مشرک ہونے کے ناپاک ہو۔ اس پر کیسے بٹھا سکتی ہوں۔ باپ کو اس بات سے بہت رنج ہوا اور کہا کہ تم مجھ سے جدا ہونے کے بعد بری عادتوں میں مبتلا ہو گئیں۔ مگر ام حبیبہؓ کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت تھی جو اس کے لحاظ سے وہ کب اس کو گوارا کر سکتی تھیں کہ کوئی ناپاک مشرک، باپ ہو یا غیر ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر بیٹھ سکے۔

عبادات کا اور معاملات کی صفائی کا اہتمام

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چاشت کی بارہ رکعتوں کی فضیلت سنی تو ہمیشہ ان کو پابندی سے نبھا دیا۔ ان کے والد جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ جب ان کا انتقال ہوا تو تیسرے دن خوشبو منگائی اور اس کو استعمال کیا اور فرمایا کہ مجھے نہ خوشبو کی ضرورت نہ رغبت، مگر میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ عورت کو جائز نہیں کہ خاوند کے علاوہ کسی پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے۔ ہاں خاوند کے لئے چار مہینہ دس دن ہیں۔ اس لئے خوشبو استعمال کرتی ہوں کہ سوگ نہ سمجھا جائے۔ جب خود اپنے انتقال کا وقت ہوا تو حضرت عائشہؓ کو بلایا اور اُن سے کہا کہ میرا تمہارا معاملہ سوکن کا تھا اور سوکنوں میں آپس میں کسی نہ کسی بات پر تھوڑی بہت رنجش ہو ہی جاتی ہے۔ اللہ مجھے بھی معاف فرماویں اور تمہیں بھی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا اللہ تمہیں سب معاف کرے اور درگذر فرمائیں۔ یہ سن کر کہنے لگیں کہ تم نے مجھے اسوقت بہت ہی خوشی پہنچائی۔ اللہ تمہیں بھی خوش وخرم رکھے۔ اس کے بعد اسی طرح ام سلمہؓ کے پاس بھی آدمی بھیجا۔ (طبقات)

فائدہ: سوکنوں کے جو تعلقات آپس میں ہوتے ہیں، وہ ایک دوسرے کی صورت بھی دیکھنا نہیں چاہا کرتیں۔ مگر ان کو یہ اہتمام تھا کہ دنیا کا جو معاملہ ہو وہ یہیں نمٹ جائے۔ آخرت کا بوجھ سر پر نہ رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عظمت کا اندازہ تو اس بستر کے معاملہ سے ہو ہی گیا۔

اُمُّ المومنین صَفیّہ بنتِ حُیَیّ بن اخطب رضی اللہ عنہا

خاندان

حضرت صفیہ حیی بن اخطب سردار بنی نضیر کی بیٹی تھیں۔ حیی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون بن عمران علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا۔ ماں کا نام ضرہ تھا۔

پہلا نکاح

پہلا نکاح سلام بن مشکم قرظی سے ہوا۔ سلام کے طلاق دے دینے کے بعد کنانۃ بن ابی الحقیق سے نکاح ہوا۔ کنانہ غزوہ خیبر میں مقتول ہوا۔

گرفتاری، آزادی اور حرم نبوی میں شمولیت

غزوۂ خیبر ہی میں ان کا خاوند قتل ہوا اور یہ گرفتار ہوئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا اور یہی ان کا مہر قرار پایا۔ خیبر سے چل کر آپ مقام صہبا میں اترے جو خیبر سے ایک منزل ہے وہاں پہنچ کر عروسی فرمائی اور یہیں ولیمہ فرمایا۔

عجیب شان کا ولیمہ

ولیمہ عجب شان سے ہوا۔ چمڑے کا ایک دستر خوان بچھا دیا گیا اور حضرت انس سے فرمایا کہ اعلان کردو کہ جس کے پاس جو کچھ سامان جمع ہو وہ لے آئے۔ کوئی کھجور لایا اور کوئی پنیر اور کوئی ستو لایا اور کوئی گھی لایا۔ جب اس طرح سامان جمع ہو گیا تو سب نے ایک جگہ بیٹھ کر کھا لیا اس ولیمہ میں گوشت اور روٹی کچھ نہ تھا۔

مقام صہبا میں تین روز آپ نے قیام کیا اور حضرت صفیہ پردہ میں رہیں۔ جب آپ وہاں سے روانہ ہوئے تو خود حضرت صفیہ کو اونٹ پر سوار کرایا اور اپنی عبا سے ان پر پردہ کیا کہ کوئی دیکھ نہ سکے گویا کہ یہ اعلان تھا کہ حضرت صفیہ ام المومنین ہیں ام ولد نہیں۔

خواب

حضرت صفیہ جب آپ کی زوجیت میں آئیں تو آپ نے حضرت صفیہ کی آنکھ پر ایک سبز نشان دیکھا۔ فرمایا یہ

کیسی سبزی ہے۔ حضرت صفیہ نے کہا ایک روز میں اپنے شوہر کی گود میں سر رکھے ہوئے سو رہی تھی کہ یہ خواب دیکھا کہ چاند میری گود میں آ کر گرا ہے۔ یہ خواب میں نے اپنے شوہر سے بیان کیا۔ اس نے زور سے میرے ایک طمانچہ مارا اور کہا تو یثرب کے بادشاہ کی تمنا کرتی ہے۔ اشارہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی طرف تھا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیت

ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صفیہ کے پاس تشریف لے گئے تو دیکھا کہ حضرت صفیہ رو رہی ہیں۔ فرمایا کیوں روتی ہو کہا کہ عائشہ اور حفصہ مجھ کو چھیڑتی ہیں اور کہتی ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں زیادہ مکرم اور محترم ہیں۔ ہم آپ کی زوجہ ہونے کے ساتھ آپ کے چچا کی بیٹیاں بھی ہیں۔

آپ نے فرمایا تم نے یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ تم مجھ سے کیسے بہتر ہو سکتی ہو باپ میرے ہارون ہیں اور چچا میرے موسیٰ ہیں اور شوہر میرے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جانثاری

ایک بار تمام ازواج مطہرات مرض الوفات میں آپ کے پاس جمع ہوئیں۔ حضرت صفیہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی میری یہ تمنا اور آرزو ہے کہ آپ کے بدلہ میں یہ تکلیف مجھ کو ہو جائے ازواج مطہرات نے آپس میں ایک دوسرے کی طرف اشارہ کیا۔ آپ نے دیکھ لیا اور فرمایا۔ خدا کی قسم البتہ تحقیق یہ سچی ہے۔

اپنے زیور کی تقسیم

سعید بن مسیب سے مرسلا مروی ہے کہ جب حضرت صفیہ مدینہ آئیں تو آپ کے کانوں میں سونے کا کچھ زیور تھا۔ اس میں سے کچھ تو حضرت فاطمہ کو دیا اور کچھ اور عورتوں کو۔ (اخرجہ ابن سعد بہ سند صحیح) ...سبحان اللہ۔ پیغمبر کی زوجیت میں آئیں اور دنیا کا قصہ ختم کیا۔ (سیرت المصطفیٰ ج ۲)

چند واقعات

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں ہیں، ازواجِ مطہرات بھی ہمراہ ہیں، خدا کا کرنا، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا اونٹ بیمار ہو گیا اور وہ سب سے پیچھے رہ گئیں... خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پاس پہنچے، دیکھا کہ زار و قطار رو رہی ہیں، وجہ معلوم کی اور تسلی دینے کی کوشش فرمانے لگے... مگر آپ جس قدر تسلی دیتے وہ اور زیادہ روتیں، دیر تک آپ چادر کے پلو سے ان کے آنسو پونچھتے رہے...

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی محبت تھی، ہرگز گوارا نہیں تھا کہ ان کے دل پر میل آئے اور ان کے نازک دل کو کوئی دُکھ پہنچے... ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے یہاں پہنچے تو دیکھا کہ رو رہی ہیں...

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر ان کا دل اور بھر آیا اور زار و قطار رونے لگیں...
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیار سے پوچھا، "صفیہ، کیوں کیا بات ہے؟
حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کچھ کہنے کے بجائے اور زیادہ رونے لگیں...
خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آخر بتاؤ تو سہی کیا بات ہے؟"
"عائشہ اور زینب نے ستا رکھا ہے، کیا بتاؤں، کہتی ہیں ہم دونوں ساری بیویوں سے افضل ہیں...ہم رشتہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہنیں بھی ہیں..." یہ کہہ کر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے ایک اور ہچکی لی...
"ارے یہ کونسی اہم بات ہے، تم نے یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ حضرت ہارون علیہ السلام میرے باپ، حضرت موسیٰ علیہ السلام میرے چچا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے شوہر ہیں...تم مجھ سے افضل کیسے ہوسکتی ہو؟" یہ سن کر حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کھل اُٹھیں اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا دل باغ باغ ہوگیا...

ایک بار خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہیں سفر پر جا رہے تھے، پاک بیویاں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں اور اونٹوں پر سوار قافلہ چلا جا رہا تھا، ساربانوں نے جوش میں اونٹ دوڑانا شروع کر دیئے...آپ کو فوراً عورتوں کا خیال آیا اور ساربانوں سے فرمایا...ذرا خیال رکھو، یہ آبگینے بھی ساتھ ہیں، عورتوں کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں کیا جذبات تھے، ان کے نازک جذبات کا کس قدر لحاظ تھا...اس کیفیت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس ادبی جملے میں ظاہر فرمایا، خدا گواہ ہے کہ آبگینوں کی نزاکت کا احساس ظاہر کرنے کے لیے اس سے بہتر انداز ممکن نہیں...

مزاج میں جلال

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے مزاج میں کسی قدر جلال تھا...غالباً یہ پدری اثر تھا...اس لئے آپ رضی اللہ عنہا کبھی کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی اسی فطرت سے مجبور ہو کر گفتگو کرتی تھیں...جب آپ رضی اللہ عنہا کے والد محترم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ کو سخت رنج ہوا اور آپ رضی اللہ عنہ ان کے گھر تشریف لائے...بیٹی نے باپ کی عزت و تکریم کی لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے پوچھا:
کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برابر کا جواب دیتی ہو؟
بیٹی نے کہا ہاں میں کبھی کبھی ایسا کرتی ہوں...آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا...
بیٹی خبردار! میں تمہیں خدا کے عذاب سے ڈراتا ہوں...تم ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی عائشہ رضی اللہ عنہا کی حرص نہ کرو اسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی وجہ سے اپنے حسن پر ناز ہے...صحیح بخاری کی روایت میں خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ بات منقول ہے کہ ہم لوگ جاہلیت میں عورتوں کو ذرہ برابر وقعت نہ دیتے تھے...
اسلام نے ان کو درجہ دیا اور قرآن میں ان کے متعلق آیتیں اتریں تو ان کی قدر و منزلت معلوم ہوئی...ایک دن

میری بیوی نے کسی معاملہ میں مجھ کو رائے دی... میں نے کہا تم کو رائے اور مشورہ سے کیا واسطہ... بولیں ابن خطاب تم کو ذرا سی بات کی بھی برداشت نہیں... حالانکہ تمہاری بیٹی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برابر کا جواب دیتی ہے... یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دن بھر رنجیدہ رہتے ہیں... (سیر الصحابیات ص ۵۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی ادائیں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بڑے کریم اور شفیق تھے... اپنی بیویوں کو بڑی اچھی طرح رکھتے تھے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر سے مدینہ کو روانہ ہوئیں اور راستہ میں کئی دن لگے... جب اونٹ پر سوار ہونے کا موقع آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ کو بٹھا کر خود اونٹ کے پاس بیٹھ جاتے تھے اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا آپ کے مبارک گھٹنے پر قدم رکھ کر خود اونٹ پر سوار ہو جاتی تھیں... (بخاری شریف)

خود حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اچھے اَخلاق والا کوئی نہیں دیکھا... جب خیبر سے مجھے لے کر روانہ ہوئے تو اونٹنی پر مجھے نیند آجاتی تھی اور میرا سر کجاوہ میں لگنے لگتا تھا... آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے میرا سر تھامتے اور فرماتے کہ اے حی کی بیٹی دھیان سے سوار رہ... مدینہ منورہ پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کے مکان میں قیام کرا دیا... مدینہ کی عورتوں میں ان کے حسن کی شہرت ہوگئی تو دیکھنے آئیں... حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی دیکھنے کو پہنچیں ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کہو صفیہ رضی اللہ عنہا کیسی ہے؟ بولیں ہاں میں یہودیہ کو دیکھ آئی... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہ کہو وہ یہودیہ نہیں ہے... اسلام لا چکی ہے وہ بہترین مسلمان ہے...

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بے انتہا محبت تھی... جس بیماری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس بیماری میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے کہا یا نبی اللہ! خدا کی قسم میرا دل چاہتا ہے کہ جو تکلیف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے مجھے ہو جاتی...

اس وقت وہاں دیگر امہات المومنین بیٹھی تھیں... انہوں نے اس بات کو مصنوعی بتانے کیلئے کنکھیوں سے ایک دوسرے کی طرف اشارہ کیا (اور بعض نے زبان سے بھی ایسی بات کہہ دی جس سے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی بات کو بناوٹی ظاہر کیا) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ محسوس ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمہات المومنین سے فرمایا کہ تم کلی کرو... دریافت کیا کیوں فرمایا اس لئے کہ تم نے (اس کی غیبت کی) کنکھیوں سے اس کی طرف اشارہ کیا... اللہ کی قسم یہ اپنی بات میں سچی ہے... (الاصابہ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی خوشنودی کا خیال فرماتے تھے دیگر امہات المومنین جب ان کو کچھ سن کر ستاتی تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی دلداری فرماتے تھے...

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے تو وہ رو رہی تھیں...

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رونے کا سبب دریافت فرمایا تو بولیں کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور حفصہ رضی اللہ عنہا مجھے برا کہتی ہیں اور یہ کہتی ہیں کہ ہم صفیہ رضی اللہ عنہا سے بہتر ہیں کیونکہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ دار بھی ہیں... اس وجہ سے کہ ہم قریش سے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی قریشی ہیں اور ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج بھی ہیں...

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے ان کو یہ جواب کیوں نہ دیا کہ میرے مورث اعلیٰ ہارون علیہ السلام اور چچا موسیٰ علیہ السلام اور شوہر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں... پھر تم مجھ سے (نسب میں) کیونکر بہتر ہو سکتی ہو...

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش دونوں تھیں... حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کو تکلیف ہو گئی... چونکہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس سواری ان کی ضرورت سے زیادہ تھی اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ کو تکلیف ہو گئی ہے... اس لئے تم ان کو ایک سواری دے دو... انہوں نے جواب دیا کہ کیا میں اس یہودیہ کو سواری دوں گی؟

یہ جواب سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت ناراض ہو گئے اور 2 سے 3 ماہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف نہ لے گئے حتیٰ کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اس سے ناامید ہو گئیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائیں گے... (الاصابہ بحوالہ فی المشکوٰۃ)

لیکن جب جدائی کی سزا دی تو بعد میں تشریف لے گئے... حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا قد پست تھا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا قد چھوٹا بیان کرتے ہوئے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ صفیہ رضی اللہ عنہا اتنی سی ہے... یہ سن کر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تو نے ایسا کلمہ کہا کہ اگر سمندر میں ملا دیا جائے تو اسے بھی خراب کر ڈالے...

وفات

ماہ رمضان المبارک ۵۰ ہجری میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

اُمّ المومنین میمونہ بنتِ حارث رضی اللہ عنہا

نام ونسب

میمونہ آپ کا نام ہے۔ باپ کا نام حارث اور ماں کا نام ہند تھا۔

نکاح

ماہ ذی قعدہ ۷ ہجری میں جب آپ عمرۂ حدیبیہ کی قضاء کرنے کے لئے مکہ تشریف لائے اس وقت آپ کی زوجیت میں آئیں۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ یہ آپ کی آخری بیوی تھیں۔ جن کے بعد آپ نے پھر کسی اور سے نکاح نہیں فرمایا۔ آپ سے پہلے ابورہم بن عبدالعزیٰ کے نکاح میں تھیں۔ ابورہم کے انتقال کے بعد آپ کی زوجیت میں آئیں۔ پانچ سو درہم مہر مقرر ہوا۔ ابن عباس سے مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت میمونہ سے پیام دیا تو حضرت میمونہ نے حضرت عباس کو اپنا وکیل مقرر کیا۔ چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت میمونہ سے آپ کا نکاح کر دیا۔ (رواہ احمد والنسائی)

روایات اس بارہ میں بہت مختلف ہیں کہ نکاح کے وقت آپ محرم تھے یا حلال تھے امام بخاری کے نزدیک یہی راجح ہے کہ نکاح کے وقت آپ محرم تھے۔ مکہ سے چل کر آپ مقام سرف میں ٹھہرے اور وہاں پہنچ کر عروسی فرمائی۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح اور عروسی دونوں مقام سرف ہی میں ہوئے۔

وفات

۵۱ ہجری میں مقام سرف میں اسی جگہ انتقال کیا جہاں عروسی ہوئی تھی۔ اور وہیں دفن ہوئیں۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ قبر میں عبداللہ بن عباس اور یزید بن اصم اور عبداللہ بن شداد اور عبیداللہ خولانی نے اتارا۔ تین اول الذکر آپ کے بھانجے تھے اور چوتھے آپ کے پروردہ یتیم تھے۔

یہ گیارہ ازواج مطہرات ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجیت میں رہیں اور امہات المومنین کے لقب سے مشہور ہوئیں اور چند عورتیں ایسی بھی ہیں کہ جن سے آپ نے نکاح تو فرمایا لیکن مقاربت سے پہلے ہی ان کو اپنی زوجیت سے جدا کر دیا۔ جیسے اسماء بنت نعمان جونیہ اور عمرہ بنت یزید کلابیہ۔ (سیرت المصطفیٰ ج ۲)

اہل خانہ کا خیال

ایک مرتبہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی باری تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت قضائے حاجت کیلئے باہر تشریف لے گئے اس دوران حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ کھل گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر پر نہ پایا تو ان کو نفس نے چکر دیدیا اور خیال آیا کہ شاید اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھے چھوڑ کر کسی اور بیوی کے پاس چلے گئے ہیں تو انہوں نے اندر سے کنڈی لگا دی... تھوڑی دیر بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے... دروازہ پر دستک دی اور فرمایا کہ دروازہ کھولو' کہا میں تو نہیں کھولوں گی... پوچھا: کیوں؟ کہا کہ مجھے چھوڑ کر دوسری بیوی کے پاس کیوں گئے؟ فرمایا اللہ کی بندی! مجھے بہت زیادہ حاجت کا تقاضہ تھا کہا نہیں... فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں' خیانت نہیں کر سکتا تو فوراً حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو جھٹکا لگا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف خاوند ہی نہیں بلکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں... تب انہوں نے دروازہ کھول دیا... اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے ہوئے آئے اور چارپائی پر لیٹ گئے کچھ نہیں فرمایا یہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق تھے... (سبحان اللہ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیزیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار کنیزیں تھیں۔

❶ ...ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا

یہ آپ کی ام ولد ہیں آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم انہی کے بطن سے ہیں۔ ماریہ قبطیہ کو مقوقس شاہ اسکندریہ نے بطور نذرانہ آپ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ ماریہ قبطیہ نے حضرت عمر کے زمانہ خلافت ۱۶ ہجری میں انتقال کیا اور بقیع میں دفن ہوئیں۔

❷ ...ریحانہ بنت شمعون رضی اللہ عنہا

ریحانہ۔ خاندان بنو قریظہ یا بنی نضیر سے تھیں۔ اسیر ہو کر آئیں اور بطور کنیز آپ کے حضور میں رہیں۔ حجۃ الوداع کے بعد ۱۰ ہجری میں انتقال کیا۔ اور بقیع میں دفن ہوئیں اور ایک قول یہ ہے کہ آپ نے ان کو آزاد کر کے نکاح فرمایا تھا۔ واللہ اعلم۔

❸ ...نفیسہ رضی اللہ عنہا

نفیسہ اصل میں ام المومنین زینب بنت جحش کی جاریہ تھیں۔ حضرت صفیہ کے تذکرہ میں گزر چکا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت صفیہ کے بارے میں حضرت زینب سے ناراض ہو گئے تھے۔ دو تین مہینہ تک آپ ناراض رہے۔ جب آپ راضی ہوئے تو حضرت زینب نے اس خوشی میں اپنی باندی نفیسہ آپ کو ہبہ کر دی تھی۔ ان کے علاوہ ایک اور کنیز تھیں جن کا نام معلوم نہیں ہو سکا۔ (سیرت المصطفیٰ ج ۳)

اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کو قرآنی خطاب

(سورۂ احزاب کی آیات تخییر (28 تا 34) اور دیگر آیات کی روشنی)

پس منظر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج نے دیکھا کہ لوگ آسودہ ہو گئے چاہا کہ ہم بھی آسودہ ہوں۔ اُن میں سے بعض نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی کہ ہم کو مزید نفقہ اور سامان دیا جائے جس سے عیش و ترفہ کی زندگی بسر کر سکیں حضرت کو یہ باتیں شاق گزریں۔ قسم کھائی کہ ایک مہینہ گھر میں نہ جائیں گے۔

مسجد کے قریب ایک بالا خانہ میں علیحدہ فروکش ہو گئے۔ صحابہ مضطرب تھے۔ ابوبکرؓ و عمرؓ اس فکر میں ہوئے کہ کسی طرح یہ گتھی سُلجھ جائے۔ انہیں زیادہ فکر اپنی اپنی صاحبزادیوں (عائشہؓ اور حفصہؓ) کی تھی کہ پیغمبر کو ملول کر کے اپنی عاقبت نہ خراب کر بیٹھیں۔ دونوں نے دونوں کو دھمکایا اور سمجھایا۔ پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ اُنس اور بے تکلفی کی باتیں کیں۔ آپ قدرے مُنشرح ہوئے ایک ماہ بعد یہ آیت تخییر اُتری۔ یعنی اپنی ازواج سے صاف صاف کہہ دو کہ دو راستوں میں سے ایک انتخاب کر لیں۔ اگر دنیا کی عیش و بہار اور امیرانہ ٹھاٹھ چاہتی ہیں تو کہہ دو کہ میرے ساتھ تمہارا نباہ نہیں ہو سکتا۔ آؤ کہ میں کچھ دے دلا کر (یعنی کپڑوں کا جوڑا جو مطلقہ کو دیا جاتا تھا) تم کو خوبصورتی کے ساتھ رخصت کر دوں (یعنی شرعی طریقہ سے طلاق دے دوں اور اگر اللہ و رسول کی خوشنودی اور آخرت کے اعلیٰ مراتب کی طلب ہے تو پیغمبر کے پاس رہنے میں اس کی کمی نہیں۔ جو آپ کی خدمت میں صلاحیت سے رہے گی اللہ کے یہاں اُس کے لئے بہت بڑا اجر تیار ہے۔ اس سے زیادہ کیا ہو گا کہ جنت کے سب سے اعلیٰ مقام میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ رہیں۔ نزول آیت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لائے اول سیدہ عائشہ کو خدا کا حکم سنایا۔ انہوں نے اللہ و رسول کی مرضی اختیار کی۔ پھر سب ازواج نے ایسا ہی کیا۔ دنیا کے عیش و عشرت کا تصور دلوں سے نکال ڈالا۔ حضرت کے ہاں ہمیشہ اختیاری فقر و فاقہ رہتا تھا جو آتا شتاب اُٹھا دیتے تھے۔

پھر قرض لینا پڑتا اسی زندگی پر ازواج مطہرات راضی تھیں۔ اور یہ جو فرمایا کہ جو نیکی پر رہیں اُن کو بڑا ثواب ہے۔ حضرت کی ازواج سب نیک ہی رہیں۔ الطیبات للطیبین مگر حق تعالیٰ قرآن میں صاف خوشخبری کسی کو نہیں دیتا تا نڈر نہ ہو جائے۔ خاتمہ کا ڈر لگا رہے یہی بہتر ہے آگے ان عورتوں کو خطاب ہے جو نبی کی معیت اختیار کر لیں کہ ان کا

درجہ اس نسبت کی وجہ سے بہت بلند ہی چاہیے کہ ان کی اخلاق اور روحانی زندگی اس معیار پر ہو جو اس مقام رفیع کے مناسب ہے کیونکہ علاوہ ان کی ذاتی بزرگی کے وہ امہات المؤمنین ہیں۔ مائیں اپنی اولاد کی بڑی حد تک ذمہ دار ہوتی ہیں۔ لازم ہے کہ اُن کے اعمال واخلاق اُمت کے لئے اُسوۂ حسنہ بنیں۔ (تفسیر عثمانی)

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو اختیار

اس آیت نے سب ازواج مطہرات کو اختیار دے دیا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودہ حالت یعنی معاشی عشرت وتنگی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں رہنا قبول کریں یا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے طلاق کے ساتھ آزاد ہو جائیں، پہلی صورت میں ان کو عام عورتوں کی نسبت سے بہت زیادہ اجر عظیم اور آخرت کے خاص درجات عالیہ عطا ہوں گے، اور دوسری صورت یعنی طلاق لینے میں بھی ان کو دنیا کے لوگوں کی طرح کسی تلخی وتکلیف کی نوبت نہیں آئے گی، بلکہ سنت کے مطابق کپڑوں کا جوڑا وغیرہ دے کر عزت کے ساتھ رخصت کیا جائے گا۔

فائدہ: اختیار طلاق کی دو صورتیں ہوتی ہیں، ایک یہ کہ طلاق کا اختیار عورت کے سپرد کر دیا جائے، اگر وہ چاہے تو خود اپنے نفس کو طلاق دے کر آزاد ہو جائے دوسرے یہ کہ طلاق شوہر ہی کے ہاتھ میں رہے کہ اگر عورت چاہے تو وہ طلاق دے دے۔ آیتِ مذکورہ میں بعض مفسرین نے پہلی صورت کو اور بعض نے دوسری کو اختیار کیا ہے، سیدی حکیم الامۃؒ نے بیان القرآن میں فرمایا کہ صحیح بات یہ ہے کہ آیت کے الفاظ میں دونوں احتمال ہیں، جب تک کسی صریح نص سے ایک کی تعیین نہ ہو جائے اپنی طرف سے کسی صورت کو متعین کرنے کی ضرورت نہیں۔

اختیار دینے کا سبب

شروع آیات میں جو ازواج مطہرات کو طلاق لینے کا اختیار دینا مذکور ہے، اس کا پس منظر ایک یا چند واقعات ہیں جو ازواج مطہرات کی طرف سے پیش آئے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منشاء کے خلاف تھے، جن سے بلاقصد و اختیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچی۔

ان واقعات میں سے ایک واقعہ وہ ہے جو صحیح مسلم وغیرہ میں حضرت جابرؓ کی روایت سے مفصل آیا ہے، اس میں مذکور ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے جمع ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا مطالبہ کیا کہ ان کا نان نفقہ بڑھایا جائے، تفسیر بحر محیط میں ابوحیان نے اس کی تشریح یہ بیان کی ہے کہ غزوۂ احزاب کے بعد بنونضیر پھر بنو قریظہ کی فتوحات اور اموالِ غنیمت کی تقسیم نے عام مسلمانوں میں ایک گونہ خوش حالی پیدا کر دی تھی، ازواج مطہراتؓ کو اس وقت یہ خیال ہوا کہ ان اموالِ غنیمت میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنا حصہ رکھا ہوگا۔ اس لئے انہوں نے جمع ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ کسریٰ وقیصر کی بیبیاں طرح طرح کے زیورات اور قیمتی لباسوں میں ملبوس ہیں، اور ان کی خدمت کے لئے کنیزیں ہیں، اور ہمارا حال فقر وفاقہ کا آپ دیکھتے ہیں، اس لئے اب کچھ توسع سے کام لیا جائے۔ (معارف مفتی اعظم)

بغوی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ اُمہات المؤمنین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ دنیوی ساز و سامان مانگا اور مصارف میں کچھ وسعت کی طلبگار ہوئیں۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ اذیت ہوئی اس لئے آپ سب بیویوں سے کنارہ کش ہو گئے اور قسم کھالی کہ ایک ماہ تک کسی کے پاس نہیں جائیں گے اور کاشانہ نبوت سے برآمد بھی نہیں ہوئے۔ صحابہ کو فکر ہوئی کہ جانے کیا بات ہے کچھ لوگ کہنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی۔ حضرت عمر نے کہا میں تم کو بتاؤں گا کہ اصل بات کیا ہے۔ حضرت عمر کا بیان ہے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! کیا حضور نے بیویوں کو طلاق دے دی۔ فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! مسجد میں مسلمان کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دے دی کیا میں اب جا کر ان سے کہہ دوں کہ حضور نے طلاق نہیں دی۔ فرمایا ہاں اگر تم چاہو تو..... میں جا کر مسجد کے دروازہ پر کھڑا ہو گیا اور انتہائی اونچی آواز سے پکار کر کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی ہے۔

اور یہ آیت نازل ہوئی وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ

اور اگر ان کے پاس خوف یا امن کی کوئی خبر آتی ہے تو (بلا تحقیق) اس کو پھیلاتے ہیں اور اگر اس خبر کو رسول کی جانب اور اپنے سمجھدار لوگوں کی جانب راجع کر دیتے تو اصل واقعہ کا استنباط کرنے والوں کو اس کا (صحیح) علم ہو جاتا۔ حضرت عمر نے فرمایا میں نے اس خبر کی حقیقت دریافت کی تھی۔

ازواجِ مطہرات کا اجر

فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا تو بلا شبہ اللہ نے تم میں سے نیکوکاروں کے لئے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے یعنی ان عورتوں کے لئے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے جو اللہ اس کے رسول اور دار آخرت کی طلبگار ہیں۔ ایسی ہی عورتیں مُحسِنہ ہیں احسان کا معنی ہی یہ ہے کہ رب کی عبادت اس حضورِ قلب سے کی جائے کہ گویا رب نظروں کے سامنے رہے۔

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی تعداد

بغوی نے لکھا ہے اس زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نو بیبیاں تھیں پانچ قریشی حضرت عائشہ بنت صدیق اکبر۔ حضرت حفصہ بنت عمر فاروق۔ حضرت اُم حبیبہ بنت ابوسفیان۔ حضرت امِ سلمہ بنت امیہ۔ حضرت سودہ بنت زمعہ۔ باقی چار قریشی نہیں تھیں۔ حضرت زینب بنت جحش اسدی۔ حضرت میمونہ بنت حارث ہلالی۔ حضرت صفیہ بنت حیی ابن اخطب خیبری اسرائیلی۔ حضرت جویریہ بنت حارث مصطلقی۔

حضرت عائشہ اور تمام ازواج نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کر لیا

جب سورۂ احزاب کی آیات تخییر نازل ہوئیں تو سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے دریافت کیا۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ چہیتی بی بی تھیں۔ حضور نے ان کے سامنے آیت پڑھی

اوران کو (طلاق حاصل کرنے یا ساتھ رہنے کا) اختیار دیا۔ حضرت عائشہ نے اللہ اس کے رسول اور دارآخرت کو اختیار کیا۔ اوراس بات سے حضور کے چہرہ پرخوشی محسوس کی۔ دوسری بیبیوں نے بھی حضرت عائشہ کی پیروی کی۔

ازواجِ مطہرات کی قدر افزائی

قتادہ کا بیان ہے جب امہات المؤمنین نے اللہ اس کے رسول اور دارآخرت کو اختیار کیا تو اللہ نے بھی ان کی قدر افزائی کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انہیں بیبیوں پر بس کرنے کا اور آئندہ نکاح نہ کرنے کا حکم دے دیا لَا یَحِلُّ لَکَ النِّسَآءُ اور فرمادیا ان کے بعد تمہارے لئے اور عورتوں سے نکاح جائز نہیں۔

اس واقعہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل

مسلم احمد اور نسائی نے بوساطت ابوالزبیر حضرت جابر کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر نے بارگاہِ نبوت میں داخلہ کی اجازت طلب کی لیکن آپ کو اجازت نہیں ملی پھر حضرت عمر آئے اور انہوں نے اجازت طلب کی ان کو بھی اجازت نہیں ملی۔ کچھ دیر کے بعد دونوں کو اجازت دے دی۔ دونوں حضرات اندر پہنچ گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت غمگین خاموش بیٹھے ہوئے تھے گرداگرد آپ کی بیبیاں موجود تھیں۔ حضرت عمر نے (اپنے دل میں) کہا مجھے ایسی بات کہنی چاہئے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے حضرت عمر کا بیان ہے (یہ خیال کرکے) میں نے عرض کیا دیکھئے اگر خارجہ کی بیٹی (یعنی میری بی بی) مجھ سے (زائد) خرچ مانگتی تو میں اُٹھ کراس کی گردن توڑ دیتا۔ یہ بات سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسی آگئی اور فرمایا تم دیکھ رہے ہو کہ میرے گرداگرد یہ عورتیں جمع ہیں اور مجھ سے زیادہ خرچ دینے کی خواستگار ہیں۔ یہ بات سنتے ہی حضرت ابوبکر عائشہ کی گردن پرضرب رسید کرنے اُٹھ کھڑے ہوئے اور حضرت عمر بھی حفصہ کی طرف گردن پر ضرب لگانے کے لئے بڑھے اور دونوں نے کہا رسول اللہ کے پاس جو چیز نہیں ہے اس کا سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہرگز کبھی نہ کرنا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب عورتوں سے ایک مہینہ یعنی انتیس روز کنارہ کش رہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دانائی

راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء حضرت عائشہ سے کی اور فرمایا عائشہ میں ایک بات تمہارے سامنے رکھنا چاہتا ہوں اور میری خواہش ہے کہ اپنے والدین سے مشورہ کئے بغیر تم جواب دینے میں جلدی نہ کرنا۔ حضرت عائشہ نے کہا اے اللہ کے رسول وہ کیا بات ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیات مذکورہ پڑھ کر سنا دیں حضرت عائشہ نے کہا یا رسول اللہ کیا آپ کے بارے میں میں اپنے ماں باپ سے مشورہ کروں (ایسا نہیں ہوسکتا) میں تو اللہ اس کے رسول اور دارِ آخرت کو اختیار کرتی ہوں لیکن آپ سے میری درخواست ہے کہ اپنی بیبیوں میں سے کسی کو

میرے اس فیصلہ کی اطلاع آپ نہ دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے تو جو عورت بھی پوچھے گی میں اس کو بتا دوں گا اللہ نے مجھے فتنہ انگیز بنا کر نہیں بلکہ بشارت دہندہ اور معلم بنا کر مبعوث کیا ہے۔

صحیح میں زہری کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک اپنی بیویوں کے پاس نہ جانے کی قسم کھائی تھی۔ مجھ سے عروہ نے حضرت عائشہ کا قول نقل کیا ہے کہ (۲۹ روز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سب سے پہلے میرے پاس تشریف لائے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے تو قسم کھائی تھی کہ ہمارے پاس ایک ماہ تک نہیں آئیں گے اور آج تو ۲۹ دن ہوئے ہیں گن رہی ہوں فرمایا مہینہ ۲۹ دن کا ہے۔

عورت کو اختیارِ طلاق کا مسئلہ

اگر شوہر نے بیوی سے کہا تجھے اپنا اختیار ہے اور اس جملہ سے اس کا مطلب تفویض طلاق ہو یعنی یہ مقصد ہو کہ عورت چاہے تو خود اپنے کو طلاق دے لے تو اس مجلس میں عورت جب تک رہے گی اس کو اختیار رہے گا کہ اگر چاہے تو اپنے آپ کو خود طلاق دے لے لیکن اگر اس جگہ سے اُٹھ جائے گی یا کسی اور کام میں مشغول ہو جائے گی تو طلاق کا اختیار ہاتھ سے نکل جائے گا کیوں کہ یہ تملیک فعل ہے اور تملیک فعل کا تقاضا ہے کہ اسی مجلس میں جواب دیا جائے جیسے بیع میں (قبول کا اختیار اسی مجلس عقد میں رہتا ہے) صاحب ہدایہ نے لکھا ہے عورت کو خیارِ مجلس با جماع صحابہ ثابت ہے۔ حضرت عمر حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابنِ مسعود اور حضرت جابر نے فرمایا جو شخص اپنی بیوی کو اس کے نفس کا اختیار دے دے تو عورت کو اختیار اس وقت تک رہتا ہے جب تک وہ اس مجلس میں رہے جب مجلس سے اُٹھ جائے گی تو اس کو اختیارِ نفس نہیں رہے گا۔ کسی دوسرے صحابی کا قول بھی اس کے خلاف منقول نہیں۔ لہٰذا اس پر اجماعِ سکوتی ہو گیا۔ رہی یہ بات کہ روایات کی اسنادوں میں کلام کیا گیا ہے تو اس سے اصل مسئلہ پر اثر نہیں پڑتا کیوں کہ امت اسلامیہ نے اس قول کو بالاتفاق قبول کر لیا ہے اس کے علاوہ عبدالرزاق نے جو حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت ابن مسعود کا قول جس سند سے نقل کیا ہے وہ کھری ہے (اس سند میں کوئی کلام نہیں رہا ابن منذر کا حدیث کے لفظ لاتستعجلی سے استدلال تو یہ بھی غلط ہے کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق کی تفویض نہیں کی تھی (طلب طلاق کا اختیار دیا تھا اور ہماری بحث اس مسئلہ میں ہے جب کہ شوہر نے تفویض طلاق کر دی اور خود اپنے آپ کو طلاق دے لینے کا اختیار دے دیا ہو) آیت فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا اس پر دلالت کر رہی ہے۔

مسئلہ: اگر شوہر نے بیوی سے کہا کہ تجھے اپنا اختیار ہے تو تفویض طلاق کی نیت ضرور اس وقت ہونی چاہئے کیونکہ ممکن ہے کہ شوہر بیوی کو کسی اور چیز کا اختیار دے رہا ہو (اور یہ مقصد ہو کہ تجھے خود اس کام کو کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے)

مسئلہ: اگر شوہر نے بیوی سے کہا تجھے اپنا اختیار ہے اور اس نے جواب میں کہا میں نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا تو حضرت عمر حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابنِ عباس کے نزدیک ایک رجعی طلاق ہو جائے گی کیونکہ شوہر کی

طرف سے تفویض اختیار کا معنی ہے تفویض طلاق اور جب عورت نے اختیارِ نفس کا اظہار کر دیا تو ایسا ہو گیا جیسے اس نے یہ لفظ کہہ دیئے کہ میں نے اپنے آپ کو طلاق دے لی اور اس طرح لفظ طلاق سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے اس کے علاوہ آیت قرآنی سے بھی ثابت ہے کہ تیسری طلاق کے بعد تو خیر رجوع نہیں کیا جا سکتا البتہ پہلی اور دوسری طلاق کے بعد رجوع کا حق باقی رہتا ہے۔

حضرت علی کا قول روایۃً ثابت ہے کہ ایک بائنہ طلاق واقع ہوگی یہی امام ابوحنیفہ کا قول ہے کیونکہ تفویض اختیار کے بعد طلاق کا اختیار صرف عورت ہی کو مل جاتا ہے (مرد کو رجوع کا حق نہیں رہتا)۔

مسئلہ: اگر شوہر کے جواب میں عورت نے کہا میں نے اپنے شوہر کو اختیار کر لیا تو جمہور کے نزدیک کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی کیونکہ شوہر نے طلاق نہیں دی تھی بلکہ عورت کو تفویض طلاق کی تھی اور عورت نے طلاق کو اختیار نہیں کیا بلکہ بقاء نکاح کو اختیار کیا۔ میں کہتا ہوں پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امہات المومنین کو طلاق کا اختیار نہیں دیا تھا بلکہ طلب طلاق کا اختیار دیا تھا۔

مسئلہ: (تفویض طلاق کے لئے) نفس کا لفظ ذکر کیا جانا ضروری ہے۔

امام ابوحنیفہ کہتے ہیں اگر لفظ میں کسی مفہوم کے مراد ہونے کا احتمال ہی نہ ہو تو نیت بیکار ہے۔ (تفسیر مظہری)

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے مطالبہ کے محرکات

قصہ یہ پیش آیا کہ غزوۂ بنی قریظہ و بنی النضیر کے بعد جب ازواج مطہرات نے دیکھا کہ لوگ آسودہ ہو گئے تو چاہا کہ ہم بھی آسودہ ہوں اور عیش و آرام کی زندگی بسر کریں اس لئے ازواج مطہرات نے اس بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی اور بمقتضائے محبت وناز مزید نان ونفقہ اور زینت دنیا کا کچھ مطالبہ کیا اور فی الجملہ متاع دنیا کی خواہش کی اور اپنے نفقات میں کچھ زیادتی چاہی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات ناگوار گزری۔ ازواج مطہرات نے جو سامانِ دنیا کا تقاضہ کیا اگرچہ وہ ضرورت اور جواز کی حد میں تھا لیکن وہ بمقتضائے بشریت تھا اور ان کا دل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے لبریز تھا اور ذرہ برابر اس میں آپ کی ایذاء کا تصور بھی نہ تھا اور جس دنیاوی زینت کا مطالبہ کیا تھا وہ بقدر ضرورت وراحت تھی معاذ اللہ امیرانہ عیش وعشرت نہ تھی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی ناگوار گزرا اور قسم کھائی کہ ایک مہینہ گھر میں نہیں جاؤں گا اور مسجد کے قریب ایک بالاخانہ میں فروکش ہو گئے۔ صحابہ سخت مضطرب تھے۔ خاص کر ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ ان دونوں کو اپنی اپنی صاحبزادیوں عائشہ اور حفصہ کی فکر دامنگیر تھی کہ پیغمبر خدا کو رنجیدہ اور آزردہ کر کے اپنی عاقبت نہ خراب کر بیٹھیں اس لئے ان دونوں نے اپنی اپنی بیٹیوں کو دھمکایا اور سمجھایا اور ان کو نصیحت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مطالبہ نہ کریں پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض معروض کی اور اُنس اور بے تکلفی کی باتیں کیں جس سے آپ کا انقباض رفع

ہوا اور آپ قدرے منشرح اور منبسط ہوئے۔ (دیکھو تفسیر قرطبی و تفسیر ابن کثیر و تفسیر روح المعانی)

ایک ماہ کے بعد یہ آیت یعنی يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ سے لے کر فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا نازل ہوئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی

جب یہ آیت تخییر نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے حضرت عائشہ سے دریافت کیا اور یہ آیتیں پڑھ کر ان کو سنائیں انہوں نے بلا کسی تردد اور تامل کے اللہ اور اس کے رسول اور دارِ آخرت کو اختیار کیا جس سے آپ کا ملال جاتا رہا اور چہرہ پر بشاشت آ گئی اس کے بعد باقی ازواج نے بھی ایسا ہی کیا اور ایسا ہی کہا اور سب نے دنیا کی رغبت کا تصور ہی دل سے نکال ڈالا۔ (معارف کاندھلوی)

اُمہات المومنین رضی اللہ عنہن کا عظیم درجہ

بڑے کی غلطی بھی بڑی ہوتی ہے اگر بالفرض تم میں کسی سے کوئی بداخلاقی کا کام ہوجائے تو جو سزا اوروں کو اس کام پر ملتی اس سے دگنی سزا ملے گی۔ اور اللہ پر یہ آسان ہے یعنی تمہاری وجاہت اور نسبت زوجیت سزا دینے سے اللہ کو روک نہیں سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابنِ عباس کے نزدیک فاحشہ سے مراد ہے نافرمانی بدخلقی (چڑھ کر بولنا)

امہات المومنین کو ارتکاب فاحشہ پر دوہری سزا کی تجویز اس لئے کی گئی کہ اللہ کے انعامات ان پر زائد تھے اور انعامات کی زیادتی کی صورت گناہ کا ارتکاب زیادہ برا ہوتا ہے۔ اس لئے (زناء وغیرہ کی) آزاد آدمی کے لئے سزا غلام کی سزا سے دوگنی مقرر کی گئی ہے اس کے علاوہ دوہرے عذاب کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت کی آبرو پر بٹا لگتا ہے جو بہت ہی بری حرکت ہے۔

وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا اور یہ (دوہرا عذاب دینا) اللہ کے لئے آسان ہے۔ (تفسیر مظہری)

عظیم مرتبہ کے لوازمات

یعنی نیکی اور اطاعت پر جتنا اجر دوسروں کو ملے اُس سے دوگنا ملے گا۔ اور مزید برآں ایک خاص روزی عزت کی عطا ہوگی۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یہ بڑے درجہ کا لازمہ ہے کہ نیکی کا ثواب دونا اور بُرائی کا عذاب دونا" خود پیغمبر علیہ السلام کو فرمایا اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ (بنی اسرائیل۔ رکوع ۸) (تفسیر عثمانی)

عمدہ روزی اور حسنِ معاشرت

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ اور تم میں سے جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گی اور نیک کام کرے گی۔ ہم (دوسری عورتوں کے مقابلہ میں) اس کو دوبارہ (یعنی دوگنا) اجر دیں گے اور اس کے لئے ہم نے بہت عمدہ روزی تیار

کررکھی ہے۔دوہرا ثواب دیا جائے گا ایک تو اللہ اور رسول کی اطاعت کا دوسرا اس بات کا کہ قناعت اور حسنِ معاشرت کے ساتھ وہ اللہ کے رسول کی مرضی کی طلبگار رہوئیں۔مقاتل نے کہا ہر نیکی کا ثواب دس نیکیوں کے برابر ہوگا۔

رزق کریم عالی قدر روزی یعنی جنت جو اصل ثواب کے بعد مزید عطا کی جائے گی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ کی متابعت میں ان کو وہ ملے گا جو رسول اللہ کو عطا کیا جائے گا۔(تفسیر مظہری)

اُمہات المؤمنین کا عمل دوگنا ہے

اگر وہ کوئی گناہ کا کام کریں گی تو ان کو دوسری عورتوں کی نسبت سے دوگنا عذاب دیا جائے گا یعنی ان کا ایک گناہ دو کے قائم مقام قرار دیا جائے گا، اسی طرح اگر وہ نیک عمل کریں گی تو دوسری عورتوں کی نسبت ان کو ثواب بھی دوہرا دیا جائے گا، ان کا ایک نیک عمل دو کے قائم مقام ہوگا۔ یہ آیت ایک حیثیت سے ازواج مطہرات کے لئے ان کے اس عمل کی جزاء ہے جو انہوں نے آیتِ تخییر نازل ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت پر دنیا کی فراخی کو قربان کردیا، اس کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے ایک عمل کو دو کا درجہ دے دیا، اور گناہ کی صورت میں دوہرا عذاب بھی ان کی خصوصی فضیلت اور امتیازی شرافت کی وجہ سے ہوا، کیونکہ یہ بات عقلی بھی ہے اور نقلی بھی، کہ جتنا کسی کا اعزاز و احترام ہوتا ہے اُتنا ہی اس کی طرف سے غفلت وسرکشی کی سزا بھی بڑھ جاتی ہے۔

اُمہات المؤمنین پر انعامات

ازواج مطہرات پر حق تعالیٰ کے انعامات بڑے ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کے لئے انتخاب فرمالیا، اُن کے گھروں میں وحیِ الٰہی نازل ہوتی رہی تو ان کی ادنیٰ غلطی کوتاہی بھی بڑی ہوگی، اگر دوسروں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچے تو اس سے کہیں زیادہ اشد ہوگا کہ ان سے کوئی بات ایذاء و تکلیف کی سرزد ہو، قرآن کریم کے ان الفاظ میں خود اس سبب کی طرف اشارہ ہے وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ۔

فائدہ: ازواجِ مطہرات کی یہ خصوصیت کہ ان کے عمل کا دوہرا ثواب ملے عام اُمت کے اعتبار سے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ امت میں کسی فرد یا جماعت کو کسی خصوصیت سے ایسا انعام نہ بخشا جائے کہ اس کو دوہرا ثواب ملے۔(معارف مفتی اعظم)

مقام عظمت کا تقاضا

یعنی تمہاری حیثیت اور مرتبہ عام عورتوں کی طرح نہیں۔آخر اللہ تعالیٰ نے تم کو سید المرسلین کی زوجیت کے لئے انتخاب فرمایا اور اُمہات المومنین بنایا، لہذا اگر تقویٰ وطہارت کا بہترین نمونہ پیش کروگی جیسا کہ تم سے متوقع ہے۔اس کا وزن اللہ کے ہاں بہت زیادہ ہوگا۔اور بالفرض کوئی بُری حرکت سرزد ہو تو اسی نسبت سے وہ بھی بہت زیادہ بھاری اور قبیح سمجھی جائے گی۔غرض بھلائی کی جانب ہو یا بُرائی کی عام مؤمنات سے تمہاری پوزیشن ممتاز رہے گی۔(تفسیر عثمانی)

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اے نبی کی عورتوں تم کسی دوسری عورت کی طرح نہیں ہو۔ یعنی نہ تم میں سے کوئی ایک کسی غیر عورت کی طرح ہے اور نہ تمہاری جماعت دوسری عورتوں کی جماعت کی طرح ہے۔ یعنی فضیلت میں کوئی دوسری عورت تمہاری طرح نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس نے یہ مطلب بیان کیا کہ دوسری نیک مومن عورتوں کے برابر میرے نزدیک تمہارا مرتبہ نہیں ہے بلکہ میرے نزدیک تمہاری عزت اور تمہارا ثواب بہت زیادہ ہے۔

فضیلت والی خواتین

آیت مذکورہ دلالت کر رہی ہے کہ امہات المومنین کو تمام دوسری عورتوں پر فضیلت حاصل ہے۔ لیکن ایک اور آیت میں حضرت مریم علیہا السلام کو سارے جہان کی عورتوں پر فضیلت عطا فرمانے کا ذکر کیا گیا۔

فرمایا ہے: اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ اے مریم! اللہ نے تجھے چن لیا اور پاک کر دیا اور دنیا کی عورتوں پر تجھے برتری عطا کی۔

چار فضیلت والی خواتین

حضرت انس راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سارے جہان کی عورتوں سے تمہارے لئے کافی ہیں (یعنی سب پر برتری رکھتی ہیں) مریم بنت عمران خدیجہ بنت خویلد فاطمہ بنت محمد اور آسیہ فرعون کی بی بی۔ آیت کا مناسب مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت کا شرف تم کو حاصل ہے اس شرف میں اور کوئی عورت تمہاری شریک اور مساوی نہیں ہے۔

تمام خواتین سے افضل

جمہور کا بالا تفاق طے شدہ مسئلہ ہے کہ تمام عورتوں سے افضل حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ازواج مطہرات میں سب سے بہتر حضرت خدیجہ بنت خویلد نیز حضرت مریم بنت عمران اور حضرت آسیہ زوجہ فرعون اور حضرت عائشہ بنت صدیق اکبر تھیں۔ رضی اللہ عنہ

شیخین نے صحیحین میں اور احمد و ترمذی و ابن ماجہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت سے بیان کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مردوں میں تو بہت لوگ کامل ہوئے مگر عورتوں میں سواء آسیہ زوجہ فرعون اور مریم بنت عمران کے اور کوئی عورت کامل نہیں ہوئی۔ اور عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے دوسرے کھانوں پر ثرید کی فضیلت۔ صحیحین میں آیا ہے کہ حضرت علی نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اس کی برترین عورت مریم بنت عمران اور خدیجہ بنت خویلد تھیں۔ کریب کی روایت میں ہے کہ وکیع نے یہ حدیث بیان کرتے وقت آسمان اور زمین کی طرف اشارہ کیا یعنی آسمان و زمین کی برترین عورتیں صحیحین میں حضرت عائشہ کی روایت سے آیا ہے کہ حضرت فاطمہ نے بیان کیا (مجھ سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ اہل

جنت (یا فرمایا مومنوں) کی عورتوں کی تم سردار ہو۔

حضرت حذیفہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ فرشتہ (آیا ہے جو) اس رات سے پہلے کبھی زمین پر نہیں اترا اس نے اپنے رب سے اجازت مانگی کہ مجھے (آ کر) سلام کرے اور مجھے اس بات کی بشارت دی کہ فاطمہ اہل جنت کی سردار ہے اور حسن وحسین جوانانِ اہلِ جنت کے سردار ہیں (اجازت طلب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اجازت مل گئی اور اس نے آ کر یہ پیام سنا دیا) رواہ الترمذی ترمذی نے اس کو حدیث غریب کہا ہے۔ (تفسیر مظہری)

ان تمام آیات سے ازواج مطہرات کی فضیلت اور بزرگی کو بیان کرنا مقصود ہے اور یہ بتلانا ہے کہ ان سے کبھی کوئی معصیت قبیحہ سرزد نہیں ہوگی اور یہ عورتیں محسنات اور مخلصات ہیں اور امہات المومنین ہیں اور نبی کی وفات کے بعد ان سے کوئی نکاح نہیں کر سکتا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت

ازواج مطہرات باجماع صحابہ وتابعین دنیا اور آخرت میں آپ کی زوجہ مطہرہ ہیں۔ خصوصاً حضرت علی اور حضرت عمار اور ابوموسیٰ اشعری وغیرھم نے صحابہ وتابعین کے ہزاروں اور لاکھوں کے مجمع میں بآواز بلند یہ اعلان کیا کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ دنیا اور آخرت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں۔

لہٰذا کسی اور گمراہ فرقہ کا یہ کہنا کہ ازواج مطہرات کا زوجہ رسول ہونا فقط دنیا تک محدود ہے صریح گمراہی ہے اور کسی رافضی کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علی نے حضرت عائشہ صدیقہ کو طلاق دے دی تھی یہ کفر بھی ہے اور صریح جھوٹ بھی ہے۔ لعنة الله على الكاذبين

تمام ازواج مطہرات متقیہ تھیں

واقعات اور حالات سے اور کتاب وسنت کی شہادات سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ الحمد للہ ازواج مطہرات از اول تا آخر تمام زندگی تقویٰ اور پرہیزگاری پر قائم رہیں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں بھی اور آپ کی وفات کے بعد بھی اور اسی وجہ سے یہ حکم نازل ہوا وَلَا أَنْ تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا ازواج مطہرات دنیا اور آخرت دونوں ہی میں آپ کی زوجہ ہیں۔ مخالفین اسلام نے بڑی کوشش کی مگر کوئی خفیف سے خفیف واقعہ بھی ایسا نہ بتا سکے جس سے ان باتوں کی مخالفت ثابت ہوتی جو ان آیات میں مذکور ہیں۔ (معارف کاندھلوی)

غیر مرد سے بات کرنے کا طریقہ

یعنی اگر تقویٰ اور خدا کا ڈر دل میں رکھتی ہو تو غیر مردوں کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے (جس کی ضرورت خصوصاً امہات المومنین کو پیش آتی رہتی ہے) نرم اور دلکش لہجہ میں کلام نہ کرو۔ بلاشبہ عورت کی آواز میں قدرت نے طبعی طور پر ایک نرمی اور نزاکت رکھی ہے لیکن پاکباز عورتوں کی شان یہ ہونی چاہیے کہ حتی المقدور غیر مردوں سے بات

کرنے میں بہ تکلف ایسا لب ولہجہ اختیار کریں جس میں قدرے خشونت اور روکھا پن ہو اور کسی بد باطن کے قلبی میلان کو اپنی طرف جذب نہ کرے اُمہات المومنین کو اس بارہ میں اپنے مقام بلند کے لحاظ سے اور بھی زیادہ احتیاط لازم ہے۔ تاکہ کوئی بیمار اور روگی دل کا آدمی بالکل اپنی عاقبت تباہ نہ کر بیٹھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ یہ ایک ادب سکھایا کہ کسی مرد سے بات کہو تو اُس طرح کہو جیسے ماں کہے بیٹے کو۔ اور بات بھی بھلی اور معقول ہو۔ (تفسیر عثمانی)

فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ سوتم چبا کر بات نہ کیا کرو۔ مطلب یہ کہ جب بشرط تقوی تمہاری فضیلت دوسری عورتوں پر ثابت ہے تو تقویٰ کے خلاف تم سے کوئی حرکت سرزد نہ ہونی چاہئے۔ (دوسرے) مردوں سے چبا چبا کر بات نہ کیا کرو (یہ تقویٰ کے خلاف ہے) یعنی اگر عورت کسی غیر مرد سے چبا چبا کر باتیں کرے گی تو اس کے دل میں لالچ پیدا ہو گا لہذا تم ایسا نہ کرو۔ جزری نے نہایہ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کو غیر عورت سے اس طرح نرم نرم باتیں کرنے کی ممانعت فرمائی ہے کہ عورت اس کی طرف کچھ رجھنے لگے۔ خضوع کا معنی ہے اطاعت۔

اجنبی خاتون سے نرم گفتگو کرنے والے کی سزا

جزری نے یہ بھی نہایہ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک شخص کسی مرد و عورت کی طرف سے گزرا جو باہم نرم نرم باتیں کر رہے تھے اس شخص نے اس مرد کے سر پر ایسی ضرب لگائی کہ اس کا سر پھٹ گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو کچھ بدلہ نہ دلوایا (ضرب کو بلا قصاص قرار دیا)۔

بغیر شوہر اجنبی سے بات منع ہے

طبرانی نے اچھی سند سے حضرت عمرو بن عاص کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو بغیر شوہروں کی اجازت کے (غیر مردوں سے) کلام کرنے کی ممانعت فرما دی ہے۔

غیر عورت کے سامنے انگڑائی ممنوع

دار قطنی نے افراد میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت فرما دی ہے کہ کوئی مرد نماز میں یا اپنی بیوی اور باندیوں کے علاوہ دوسری عورتوں کے سامنے انگڑائی لے۔

منافقت کی بیماری

فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ (کہیں) اس شخص کو جس کے دل میں بیماری ہے کچھ لالچ ہونے لگے۔

مرض سے مراد ہے نفاق کا شائبہ۔ مومن کامل کا دل تو ایمان پر مطمئن ہوتا ہے اس کو تو اپنے رب کی شان ہر وقت نظر آتی ہے وہ تو کبھی بھی حرام بات کی طرف مائل ہی نہیں ہو سکتا۔ ہاں جس کے ایمان میں ضعف ہوتا ہے اس کے دل میں نفاق کا شائبہ ہوتا ہے وہ ممنوعات خداوندی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

مسئلہ: اجنبی مردوں سے کلام کرنے کے وقت عورت کو حکم ہے کہ لہجہ میں درشتی اختیار کرے تا کہ میلان ولالچ کا احتمال ہی نہ پیدا ہونے پائے۔

وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا اور قاعدہ (عفت) کے مطابق بات کرو۔ یعنی اس طرح بات کرو کہ شک نہ پیدا ہو۔ (تفسیر مظہری)

عورتوں کیلئے گھروں سے باہر زینت کی نمائش ممنوع ہے

یعنی اسلام سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں عورتیں بے پردہ پھرتی اور اپنے بدن اور لباس کی زیبائش کا علانیہ مظاہرہ کرتی تھیں۔ اس بداخلاقی اور بے حیائی کی روش کو مقدس اسلام کب برداشت کر سکتا ہے اُس نے عورتوں کو حکم دیا کہ گھروں میں ٹھہریں اور زمانۂ جاہلیت کی طرح باہر نکل کر حسن و جمال کی نمائش کرتی نہ پھریں۔ اُمہات المومنین کا فرض اس معاملہ میں بھی اوروں سے زیادہ مؤکد ہوگا جیسا کہ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ کے تحت میں گزر چکا۔

ضرورت کے تحت نکلنا

باقی کسی شرعی یا طبعی ضرورت کی بنا پر بدون زیب و زینت کے مبتذل اور نا قابل اعتناء لباس میں مستتر ہو کر احیاناً باہر نکلنا بشرطیکہ ماحول کے اعتبار سے فتنہ کا مظنہ نہ ہو، بلاشبہ اس کی اجازت نصوص سے نکلتی ہے اور خاص ازواج مطہرات کے حق میں بھی اس کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔

بلکہ متعدد واقعات سے اس طرح نکلنے کا ثبوت ملتا ہے لیکن شارع کے ارشادات سے یہ بداہۃً ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پسند اسی کو کرتے ہیں کہ ایک مسلمان عورت بہر حال اپنے گھر کی زینت بنے اور باہر نکل کر شیطان کو تاک جھانک کا موقع نہ دے۔ اس کی تفصیل ہمارے رسالہ حجاب شرعی میں ہے۔ رہا ستر کا مضمون یعنی عورت کے لئے کن اعضاء کو کن مردوں کے سامنے کھلا رکھنا جائز ہے۔ اس کا بیان سورۂ نور میں گزر چکا۔

تنبیہ: جو احکام ان آیات میں بیان کئے گئے تمام عورتوں کے لئے ہیں۔ ازواج مُطہرات کے حق میں چونکہ اُن کا تاکدو اہتمام زائد تھا اس لئے لفظوں میں خصوصیت کے ساتھ مخاطب اُن کو بنایا گیا۔ میرے نزدیک يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ سے لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ تک ان احکام کی تمہید تھی۔ تمہید میں دو شقیں ذکر کی تھیں۔ ایک بے حیائی کی بات کا ارتکاب۔ اُس کی روک تھام فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ سے تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى تک کی گئی۔ دوسری اللہ و رسول کی اطاعت اور عمل صالح، آگے وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ سے اَجْرًا عَظِيْمًا تک بھلائی بُرائی وزن میں دوگنی قرار دے گئی۔ اس تقریر کے موافق "فاحشہ مبینہ" کی تفسیر بھی بے تکلف سمجھ میں آ گئی ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى اور قدیم زمانۂ جاہلیت کے موافق مت پھرو۔ اُمہات المومنین کے گھروں سے باہر نکلنے کی ممانعت عمومی نہیں کہ نماز یا حج یا ضرورتِ انسانی کے لئے بھی باہر نہ نکلیں۔

روافض کی غلط فہمی

وہ لوگ جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے یعنی شیعہ آیت میں عمومی ممانعت سمجھ بیٹھے ہیں اس لئے حضرت صدیقۃ الکبریٰ بنت صدیق اکبر حبیبۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن کرتے ہیں کہ وہ اپنے گھر سے نکل کر مکہ کو پہنچیں پھر مکہ سے بصرہ پہنچیں جہاں جنگِ جمل کا واقعہ ہوا یہ سارا سفر ممانعتِ آیت کے خلاف ہوا کیا ان لوگوں کو نہیں معلوم کہ اس زمانہ میں مدینہ کی فضا پر امن نہیں رہی تھی۔

اُم المومنین کے مدینہ سے نکلتے ہی حضرت عثمان کو شہید کر دیا گیا اور مصر والوں نے مدینہ میں ایسا فساد مچایا کہ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر بھی خروج پر مجبور ہو گئے اور مدینہ کو چھوڑ کر مکہ کو پہنچے اور انہیں دونوں بزرگوں نے حضرت عائشہ کو مشورہ دیا کہ مسلمانوں کی خانہ جنگی دور کرنے کے لئے بصرہ کو تشریف لے جائیں۔

جب حضرت عائشہ نے انکار کیا تو آیت **لاخیر فی کثیر من نجو اهم الامن امر بصدقة اومعروف او اصلاح بین الناس** سے استدلال کرتے ہوئے خروج کو ضروری قرار دیا۔ اس مشورہ کے بعد حضرت عائشہ بصرہ کو تشریف لے گئیں اور اس خروج ہی کے سبب حضرت عائشہ کے ساتھیوں میں اور حضرت علی کے رفقاء میں صلح ہو گئی لیکن عبداللہ بن سبا یہودی منافق نے جو اپنے کو شیعان علی میں سے کہتا تھا صلح قائم نہ رہنے دی اور دونوں جماعتوں میں فتنہ کی آگ ایسی بھڑکائی کہ جنگِ جمل کا واقعہ ظہور پذیر ہو گیا اور مسلمانوں میں باہم بڑا کشت وخون ہوا۔ ہم نے اس واقعہ کا تذکرہ اپنی کتاب سیفِ مسلول میں مفصل طور پر کر دیا ہے۔

''تبرّج'' کا معنیٰ

تبرج کا لفظ بروج سے نکلا ہے۔ بروج کا معنی ہے ظہور۔ اس جگہ تبرج سے مراد ہے اظہارِ زینت اور مردوں کے سامنے بناؤ سنگھار کر کے نکلنا۔ ابن نجیح نے کہا تبرج کا معنی ہے۔ اٹھلا کر چلنا۔

اس لئے لا تبرجن کا تفسیری ترجمہ کیا ہے اٹھلا کر نہ چلو۔

دَورِ جاہلیت

جاہلیت اولی سے مراد ہے دور اسلامی سے پہلے کا زمانہ جاہلیت اور جاہلیت دوئم ہے۔ اسلام کے بعد گناہ کبیرہ کا ارتکاب۔ شعبی نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اوپر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک جاہلیت اولیٰ کا دور تھا۔ ابو العالیہ نے کہا حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا زمانہ جاہلیتِ اولیٰ کا زمانہ تھا۔ عورتیں ایسی قمیصیں پہن کر نکلتی تھیں جو دونوں طرف سے بغیر سلے ہوئے ہوتے تھے اور ان کا بدن دونوں طرف سے برہنہ دِکھتا تھا۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ جاہلیتِ اُولیٰ کا وہ زمانہ تھا جو حضرت نوح اور حضرت ادریس علیہ السلام کے درمیان تھا۔

جاہلیت کی بدفعلی کی ابتداء

حضرت آدم کی نسل سے دو قبیلے ہوئے ایک پہاڑ پر رہتا تھا دوسرا میدانی علاقہ میں پہاڑی مردوں کے چہرے شگفتہ اور گورے تھے مگر عورتیں بدصورت تھیں اور میدانی باشندوں کی عورتیں حسین تھیں اور مرد بدصورت۔
ایک بار ابلیس انسانی شکل میں ایک میدانی باشندے کے پاس آیا اور اس کے پاس نوکر ہو گیا اور خدمت کرنے لگا پھر اس نے چرواہوں کی بانسری جیسی ایک چیز بنائی اور ایسی آواز سے بجانے لگا جو لوگوں نے کبھی نہیں سنی تھی۔ آس پاس کے لوگوں کو آواز پہنچی تو وہ سننے کے لئے جمع ہو گئے اور اس کو ایک تیوہار بنالیا جہاں مقرر وقت پر جمع ہونے لگے اس طرح بن سنور کو عورتیں مردوں کے سامنے آنے لگیں اور مرد عورتوں کے سامنے۔ ایک روز کوئی پہاڑی اس تیوہار میں پہنچ گیا اور اس نے مردوں عورتوں کو یک جا دیکھا اور عورتوں کا حسن اس کی نظر کے سامنے آیا اس نے جا کر پہاڑی باشندوں سے اس کا تذکرہ کیا اس کے بعد پہاڑی باشندے بھی اپنے مسکن چھوڑ کر میدانی لوگوں کے ساتھ ہی آبسے اور آپس میں بدکاریاں ہونے لگیں۔ آیت میں تبرج جاہلیت اولی سے یہی مراد ہے۔ لیکن اولیٰ کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ جاہلیت دوئم بھی کوئی گزری ہے کبھی اولی کا لفظ بغیر اُخریٰ کے بھی استعمال کیا جاتا ہے جیسے آیت اَهْلَكَ عَادَ ۨ الْاُوْلٰى میں اولیٰ کا لفظ ہے (عاد اُخریٰ کوئی قوم نہیں ہوئی پھر بھی قوم عاد کو عَادَ االْاُولیٰ فرمایا)
یا جاہلیت سے مراد قبل از اسلام کا دور ہے۔ (جس کی کوئی حد بندی نہیں)۔ (تفسیر مظہری)

واقعہ جمل

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حالات کا انتشار

صدیقہ عائشہؓ اور ان کے ساتھ حضرت ام سلمہ اور صفیہ رضی اللہ عنہما یہ سب حج کے لئے تشریف لے گئیں تھیں، وہاں حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت اور بغاوت کے واقعات سنے تو سخت غمگین ہوئیں، اور مسلمانوں کے باہمی افتراق سے نظامِ مسلمین میں خلل اور فتنہ کا اندیشہ پریشان کئے ہوئے تھا، اسی حالت میں حضرت طلحہ اور زبیر اور نعمان بن بشیر اور کعب بن عجرہ اور چند دوسرے صحابہ کرام مدینہ سے بھاگ کر مکہ معظمہ پہنچے، کیونکہ قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ ان کے بھی قتل کے درپے تھے اس لئے یہ لوگ جان بچا کر مکہ معظمہ پہنچ گئے، اور ام المومنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور مشورہ طلب کیا، حضرت صدیقہؓ نے ان کو یہ مشورہ دیا کہ آپ لوگ اس وقت تک مدینہ طیبہ نہ جائیں جب تک کہ باغی لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے گرد جمع ہیں، اور وہ ان سے قصاص لینے سے مزید فتنہ کے اندیشہ کی وجہ سے رُکے ہوئے ہیں تو آپ لوگ کچھ روز ایسی جگہ جا کر رہیں جہاں اپنے آپ کو مأمون سمجھیں، جب تک یہ امیر المومنین انتظام پر قابو نہ پالیں، اور تم لوگ جو کچھ کوشش کر سکتے ہو، اس کی کرو کہ یہ لوگ امیر المومنینؓ کے گرد سے متفرق ہو جائیں، اور امیر المومنین ان سے قصاص یا انتقام لینے پر قابو پالیں۔

یہ حضرات اس پر راضی ہو گئے، اور ارادہ بصرہ چلے جانے کا کیا، کیونکہ اس وقت وہاں مسلمانوں کے لشکر جمع تھے، ان حضرات نے وہاں جانے کا قصد کرلیا تو اُم المومنین رضی اللہ عنہا سے بھی درخواست کی کہ انتظامِ حکومت برقرار ہونے تک آپ بھی ہمارے ساتھ بصرہ میں قیام فرمائیں۔

اور اس وقت قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ اور مفسدین کی قوت وشوکت اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اُن پر حدِ شرعی جاری کرنے سے بے قابو ہونا خود نہج البلاغہ کی روایت سے واضح ہے، یاد رہے کہ نہج البلاغہ کو شیعہ حضرات مستند مانتے ہیں، نہج البلاغہ میں ہے کہ حضرت امیر سے ان کے بعض اصحاب ورفقاء نے خود کہا کہ اگر آپ ان لوگوں کو سزا دے دیں جنہوں نے عثمان غنی پر حملہ کیا تو بہتر ہوگا، اس پر حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے بھائی! میں اس بات سے بے خبر نہیں جو تم کہتے ہو، مگر یہ کام کیسے ہو جبکہ مدینہ پر یہی لوگ چھائے ہوئے ہیں اور تمہارے غلام اور آس پاس کے اعراب بھی ان کے ساتھ لگ گئے ہیں ایسی حالت میں ان کی سزا کے احکام جاری کردوں تو نافذ کس طرح ہوں گے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا سفر بصرہ اور اس کے مقاصد

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ایک طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مجبوری کا اندازہ تھا دوسری طرف یہ بھی معلوم تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے مسلمانوں کے قلوب زخمی ہیں، اور ان کے قاتلوں سے انتقام لینے میں تاخیر جو امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے مجبوری دیکھی جا رہی تھی اور مزید یہ کہ قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ امیر المؤمنین رضی اللہ عنہ کی مجالس میں بھی شریک ہوئے تھے جو لوگ حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کی مجبوری سے واقف نہ تھے ان کو اس معاملہ میں ان سے بھی شکایت پیدا ہو رہی تھی، ممکن تھا کہ یہ شکوہ وشکایت کسی دوسرے فتنے کا آغاز نہ بن جائے اس لئے لوگوں کو فہمائش کر کے صبر کرنے اور امیر المومنین کو قوت پہنچا کر نظمِ مملکت کو مستحکم کرنے اور باہمی شکوہ وشکایت کو رفع کر کے اصلاح بین الناس کے قصد سے بصرہ کا سفر اختیار کرلیا، جس میں ان کے محرم بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ ان کے ساتھ تھے، اپنے اس سفر کا مقصد خود اُم المومنین رضی اللہ عنہن نے حضرت قعقاع رضی اللہ عنہ کے سامنے بیان فرمایا تھا، جیسا کہ آگے آئے گا، اور ایسے شدید فتنہ کے وقت اصلاح بین المومنین کا کام جس قدر اہم دینی خدمت تھی وہ بھی ظاہر ہے۔

روافض کا طوفان

اس کے لئے اگر ام المومنین نے بصرہ کا سفر محارم کے ساتھ اور پردہ کے آہنی ہودج میں اختیار فرمالیا تو اس کو جو شیعہ اور روافض نے ایک طوفان بنا کر پیش کیا ہے کہ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے احکامِ قرآن کی خلاف ورزی کی اس کا کیا جواز ہو سکتا ہے۔

فتنہ بازوں کی کارروائی

آگے منافقین اور مفسدین کی شرارت نے جو صورت جنگ باہمی کی پیدا کر دی اس کا خیال کبھی صدیقہ رضی اللہ عنہا کے وہم و

گمان میں بھی نہیں تھا، اس آیت کی تفسیر کے لئے اتنا ہی کافی ہے آگے واقعہ جنگِ جمل کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، مگر اختصار کے ساتھ حقیقت واضح کرنے کے لئے چند سطور لکھی جاتی ہیں۔

باہمی فتنوں اور جھگڑوں کے وقت جو صورتیں دنیا میں پیش آیا کرتی ہیں ان سے کوئی اہلِ بصیرت و تجربہ غافل نہیں ہوسکتا، یہاں بھی صورت یہ پیش آئی کہ مدینہ سے آئے ہوئے صحابۂ کرام کی معیت میں حضرت صدیقہؓ کے سفرِ بصرہ کو منافقین اور مفسدین نے حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰؓ کے سامنے صورت بگاڑ کر اس طرح پیش کیا کہ یہ سب اس لئے بصرہ جارہے ہیں کہ وہاں سے لشکر ساتھ لے کر آپ کا مقابلہ کریں، اگر آپ امیر وقت ہیں تو آپ کا فرض ہے کہ اس فتنہ کو آگے بڑھنے سے پہلے وہیں جا کر روکیں، حضرت حسن وحسین وعبداللہ بن جعفر عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم جیسے صحابہ کرام نے اس رائے سے اختلاف بھی کیا اور مشورہ یہ دیا کہ آپ ان کے مقابلہ پر لشکر کشی اس وقت تک نہ کریں جب تک صحیح حال معلوم نہ ہوجائے مگر کثرت دوسری طرف رائے دینے والوں کی تھی، حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی اسی طرف مائل ہو کر لشکر کے ساتھ نکل آئے، اور یہ شریر اہل فتنہ وبغاوت بھی آپ کے ساتھ نکلے جب یہ حضرات بصرہ کے قریب پہنچے تو حضرت قعقاعؓ کو ام المومنین کے پاس دریافت حال کے لئے بھیجا، انہوں نے عرض کیا کہ اے ام المومنین آپ کے یہاں تشریف لانے کا کیا سبب ہوا، تو صدیقہؓ نے فرمایا اَیْ بُنَیَّ الْاِصْلَاحُ بَیْنَ النَّاس، یعنی میرے پیارے بیٹے میں اصلاح بین الناس کے ارادہ سے یہاں آئی ہوں پھر حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کو بھی قعقاعؓ کی مجلس میں بلالیا، قعقاعؓ نے ان سے پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں انہوں نے عرض کیا کہ قاتلانِ عثمانؓ پر حدِ شرعی جاری کرنے کے سوا ہم کچھ نہیں چاہتے، حضرت قعقاعؓ نے سمجھایا کہ یہ کام تو اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک مسلمانوں کی جماعت منظم اور مستحکم نہ ہو جائے، اس لئے آپ حضرات پر لازم ہے کہ اس وقت آپ مصالحت کی صورت اختیار کرلیں۔

ان بزرگوں نے اس کو تسلیم کیا، حضرت قعقاعؓ نے جا کر امیر المومنینؓ کو اس کی اطلاع دے دی وہ بھی بہت مسرور ہوئے اور مطمئن ہوگئے اور سب لوگوں نے واپسی کا قصد کرلیا، اور تین روز اس میدان میں قیام اس حال پر رہا کہ کسی کو اس میں شک نہیں تھا کہ اب دونوں فریقوں میں مصالحت کا اعلان ہوجائے گا، اور چوتھے دن صبح کو یہ اعلان ہونے والا تھا اور حضرت امیر المومنین کی ملاقات حضرت طلحہؓ وزبیرؓ کے ساتھ ہونے والی تھی جس میں یہ قاتلانِ عثمان غنی شریک نہیں تھے، یہ چیز ان لوگوں پر سخت گراں گزری، اور انہوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ تم اول حضرت عائشہ کی جماعت میں پہنچ کر قتل وغارتگری شروع کردو، تاکہ وہ اور ان کے ساتھی یہ سمجھیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے عہد شکنی ہوئی، اور یہ لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہو کر حضرت علیؓ کے لشکر پر ٹوٹ پڑیں، ان کی یہ شیطانی چال چل گئی، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر میں شامل ہونے والے مفسدین کی طرف سے جب حضرت صدیقہؓ کی جماعت پر حملہ ہوگیا تو وہ یہ سمجھنے میں معذور تھے کہ یہ حملہ امیر المومنین کے لشکر کی طرف سے ہوا ہے، اس کی جوابی کارروائی شروع ہوگئی،

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے یہ ماجرا دیکھا تو قتال کے سوا چارہ نہ رہا، اور جو حادثہ باہمی قتل وقتال کا پیش آنا تھا آ گیا، اناللہ وانا الیہ راجعون، یہ واقعہ ٹھیک اسی طرح طبری اور دوسرے ثقات مؤرخین نے حضرت حسن اور حضرت عبداللہ بن جعفر اور عبداللہ بن عباس وغیرہ رضی اللہ عنہم کی روایت سے نقل کیا ہے۔ (روح المعانی)

واقعہ جمل پر حضرت عائشہ ؓ اور حضرت علی ؓ کا افسوس

غرض مفسدین ومجرمین کی شرارت اور فتنہ انگیزی کے نتیجہ میں ان دونوں مقدس گروہوں میں غیر شعوری طور پر قتال کا واقعہ پیش آ گیا، اور جب فتنہ فرد ہوا تو دونوں ہی حضرات اس پر سخت غمگین ہوئے، حضرت صدیقہ عائشہ کو یہ واقعہ یاد آ جاتا تو اتنا روتی تھیں کہ ان کا دوپٹہ آنسوؤں سے تر ہو جاتا تھا، اسی طرح حضرت امیر المومنین علی مرتضی کو بھی اس واقعہ پر سخت صدمہ پیش آیا، فتنہ فرد ہونے کے بعد مقتولین کی لاشوں کو دیکھنے کے لئے تشریف لے گئے تو اپنی رانوں پر ہاتھ مار کر یہ فرماتے تھے کہ کاش میں اس واقعہ سے پہلے مر کر نسیاً منسیا ہو گیا ہوتا۔ اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت ام المومنین جب قرآن میں یہ آیت پڑھتیں وَقَرْنَ فِىْ بُيُوْتِكُنَّ تو رونے لگتیں، یہاں تک کہ ان کا دوپٹہ آنسوؤں سے تر ہو جاتا۔ (رواہ عبداللہ بن احمد فی زوائد الزہد وابن المنذر وابن شیبۃ عن مسروق، روح)

آیت مذکورہ پڑھنے پر رونا اس لئے نہ تھا کہ قرار فی البیوت کی خلاف ورزی ان کے نزدیک گناہ تھی یا سفر ممنوع تھا بلکہ گھر سے نکلنے پر جو واقعہ ناگوار اور حادثہ شدیدہ پیش آ گیا اس پر طبعی رنج وغم اس کا سبب تھا۔ (یہ سب روایات اور پورا مضمون تفسیر روح المعانی سے لیا گیا ہے)۔ (معارف مفتی اعظم)

تحفظِ عصمت کیلئے شرعی قوانین

ایک حکم تو یہ دیا ہے کہ عورتیں بلا شدید ضرورت اپنے گھروں سے باہر نہ نکلیں۔

دوسرا حکم یہ دیا کہ مرد عورت کو نہ دیکھے اور عورت مرد کو نہ دیکھے۔

آیت وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ میں عورتوں کو حکم دیا گیا کہ نگاہیں نیچی رکھیں غرض یہ کہ ان دونوں آیتوں میں مردوں اور عورتوں کو علیحدہ علیحدہ حکم دیا گیا کہ ایک اجنبی مرد یا عورت دوسرے اجنبی مرد یا عورت کو نہ دیکھے اس لئے کہ یہ دیکھنا ہی فتنہ کا سبب ہے بلا تفریق تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کو یہ حکم دیا گیا کہ نگاہیں نیچی رکھیں اور ایک دوسرے کو نہ دیکھیں اصل محل فتنہ یہ چہرہ ہی ہے جس کے دیکھنے سے دل میں شیطانی وسوسے پیدا ہونے لگتے ہیں اور مرد اور عورت کی عفت اور عصمت خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔ عورت کو اپنی یہ زینت ظاہرہ (چہرہ اور دونوں ہاتھ) صرف اپنے محارم کے سامنے کھلا رکھنے کی اجازت ہے نامحرموں کے سامنے کھولنے کی اجازت نہیں عورت کو اس بات کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں کہ وہ سر بازار چہرہ کھول کر اپنا حسن وجمال دکھلاتی پھرے حسن وجمال کا تمام دارومدار چہرہ پر ہے اور اصل فریفتگی چہرہ ہی پر ختم ہے اس لئے شریعت مطہرہ نے زناء کا دروازہ بند کرنے کے لئے نامحرم کے سامنے چہرہ کو

کھولنا حرام قرار دیا البتہ اپنے گھر میں اپنے باپ اور بھائی اور محارم کے سامنے اپنا چہرہ کھولنے کی اجازت دی ہے اور یہ اجازت بھی ضرورت اور مجبوری کی بنا پر ہے۔

شریعت نے اگر عورت کو کسی ضرورت اور کسی خاص حالت میں منہ کھولنے کی اجازت دی ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ شہوت پرستوں کو بھی عورت کی طرف دیکھنا جائز ہو جائے بلکہ شوہر کے علاوہ شریعت نے جن محارم کے سامنے آنے کی عورت کو اجازت دی ہے اس میں یہ شرط ہے کہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو خدانخواستہ اگر کسی عورت کا کوئی محرم رشتہ دار بھتیجا یا بھانجا بد چلن ہو تو اس کے سامنے آنا بھی جائز نہیں فتنہ کے خوف سے محرم سے بھی پردہ واجب ہو جاتا ہے اس لئے کہ زناء سے حفاظت کا بہترین ذریعہ یہی پردہ ہے۔

چوتھا حکم شریعت نے یہ دیا کہ اگر کسی غیر مرد سے بات کرنے کی ضرورت پیش آجائے تو پردہ کے پیچھے سے اس سے بات کر سکتی ہے۔ پانچواں حکم شریعت نے یہ دیا کہ عورت اگر ضرورت کی بنا پر گھر سے باہر نکلے تو موٹے کپڑے کا برقعہ اوڑھ کر یا موٹی چادر میں لپٹ کر نکلے۔ عمدہ کپڑوں میں نہ نکلے اور عطر اور خوشبو لگا کر نہ نکلے اور تیسری شرط یہ لگائی کہ شوہر کی بغیر اجازت کے نہ نکلے اور چوتھی شرط یہ لگائی کہ عورت سڑک کے کنارے کنارے چلے عورت کو درمیان سڑک چلنے کا نہ حق ہے اور نہ اجازت۔ یہ طبرانی کی ایک حدیث کا مضمون ہے جو عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے۔

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات پہنچی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ خدا کی لعنت ہو اجنبی عورتوں کے یا اجنبی مردوں کے دیکھنے والے اور دیکھنے والی پر اور جس کی طرف دیکھا گیا خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو۔ پردہ عورت کے حسب نسب کا محافظ ہے بے پردہ عورت اور اس کی اولاد مشکوک ہے پردہ والی عورت کے خاوند کو اپنے بچہ کے نسب میں شک کرنے کا کوئی موقع نہیں ملتا۔

ارکانِ اسلام کی پابندی

یعنی اوروں سے بڑھ کر ان چیزوں کا اہتمام رکھو۔ کیونکہ تم نبی سے اقرب اور اُمت کیلئے نمونہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرو۔ یعنی تمام اوامر و نواہی کی پابندی کرو یہی تقویٰ ہے جو تمہاری فضیلت یاب ہونے کی ضروری شرط ہے۔ (تفسیر مظہری)

ازواجِ مطہرات کیلئے اعلیٰ اخلاقی مرتبہ

یعنی اللہ کا ارادہ ہے کہ نبی کے گھر والوں کو ان احکام پر عمل کرا کر خوب پاک وصاف کر دے اور اُن کے رُتبہ کے موافق ایسی قلبی صفائی اور اخلاقی ستھرائی عطا فرمائے جو دوسروں سے ممتاز و فائق ہو جس کی طرف یُطَهِّرَكُمْ کے بعد تَطْهِيرًا بڑھا کر اشارہ فرمایا ہے یہ تطہیرہ و اذہاب جس اُس قسم کی نہیں جو آیت وضوء میں وَلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ (رکوع ۲) سے یا بدر کے قصہ میں لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ (انفال۔ رکوع ۲) سے مراد ہے بلکہ یہاں تطہیر

سے مراد تہذیب نفس، تصفیہ قلب اور تزکیہ باطن کا وہ اعلیٰ مرتبہ ہے جو کمل اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے اور جس کے حُصول کے بعد وہ انبیاء کی طرح معصوم تو نہیں بن جاتے ہاں محفوظ کہلاتے ہیں چنانچہ لفظ یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ الخ فرمانا اور اَرَادَ اللّٰہُ نہ فرمانا خود اس کی دلیل ہے کہ اہل بیت کے لئے عصمت ثابت نہیں۔

اہلِ بیت میں ازواج یقیناً داخل ہیں

نظم قرآن میں تدبر کرنے والے کو ایک لحہ کے لئے اس میں شک وشبہ نہیں ہوسکتا کہ یہاں اہل بیت کے مدلول میں ازواج مطہرات یقیناً داخل ہیں۔ کیونکہ آیت ہذا سے پہلے اور پیچھے پورے رکوع میں تمام تر خطابات اُن ہی سے ہوئے ہیں اور بیوت کی نسبت بھی پہلے میں اور آگے وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ میں اور آگے وَاذْکُرْنَ مَایُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ میں ان کی طرف کی گئی ہے اس کے علاوہ قرآن میں یہ لفظ عموماً اسی سیاق میں مستعمل ہوا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ کو خطاب کرتے ہوئے ملائکہ علیہ السلام نے فرمایا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ رَحْمَتُ اللّٰہِ وَبَرَکٰتُہٗ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ (ھود۔ رکوع ۷) مطلقہ عورت باوجود یہ کہ نکاح سے نکل چکی مگر عدت منقضی ہونے سے پہلے بیوت کی نسبت اُسی کی طرف کی گئی چنانچہ فرمایا ''لَا تُخْرِجُوْھُنَّ مِنْ بُیُوْتِھِنَّ '' (طلاق۔ رکوع ۱)

حضرت یوسف کے قصہ میں بیت کو زلیخا کی طرف منسوب کیا۔ وَرَاوَدَتْہُ الَّتِیْ ھُوَ فِیْ بَیْتِھَا '' (یوسف۔ رکوع ۳)

بہرحال اہل بیت میں اس جگہ ازواج مطہرات کا داخل ہونا یقینی ہے بلکہ آیت کا خطاب اُولا اُن ہی سے ہے لیکن چونکہ اولاد و داماد بھی بجائے خود اہلِ بیت گھر والوں میں شامل ہیں بلکہ بعض حیثیات سے وہ اس لفظ کے زیادہ مستحق ہیں۔ جیسا کہ مُسند احمد کی ایک روایت میں احق کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے۔

اس لئے آپ کا حضرت فاطمہ علی، حسن حسین رضی اللہ عنہم کو ایک چادر میں لے کر **اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ اَھْلُ بَیْتِیْ** وغیرہ فرمانا یا حضرت فاطمہ کے مکان کے قریب گزرتے ہوئے یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ سے خطاب کرنا اس حقیقت کو ظاہر کرنے کے لئے تھا کہ گو آیت کا نزول بظاہر ازواج کے حق میں ہوا اور اُن ہی سے تخاطب ہو رہا ہے مگر یہ حضرات بھی بطریق اولیٰ اس لقب کے مستحق اور فضیلت تطہیر کے اہل ہیں۔

باقی ازواج مطہرات چونکہ خطاب قرآنی کی اولین مخاطب تھیں اس لئے اُن کی نسبت اس قسم کے اظہار اور تصریح کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا اے اہلِ بیت (نبی) اللہ تم سے گندگی کو دور کرنا اور کامل طور پر تم کو پاک کرنا چاہتا ہے۔ یہ کلام استینانی ہے (پہلے کلام سے وابستہ نہیں ہے) اس کلام کا حکم امہات المومنین کو بھی شامل ہے اور اولادِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی۔ اسی لئے مذکر کا خطابی صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔

سابقہ احکام کا مقصد

یہ کلام سابق کلام کی علت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے گویا یوں فرمایا کہ تم کو جو اوامر نواہی کی پابندی کرنے اور تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا وہ تم سے اور تمہارے علاوہ دوسرے اہلِ بیت سے رجس یعنی عمل شیطانی کو دور کرنے کے لئے دیا گیا ہے۔ رِجس سے مراد ہے عمل شیطانی یعنی گناہ اور ہر وہ حرکت جس میں کوئی شرعی یا ایسی طبعی برائی ہو جو اللہ کو ناپسندیدہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

اہل سنت و جماعت یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت باجماع صحابہ کرام ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی اور اس آیت میں اہلِ بیت نبی سے آپ کی بیبیاں مراد ہیں اور تطہیر سے تزکیہ نفس اور تہذیب باطن اور تصفیہ ٔ قلب مراد ہے جو تزکیۂ باطن کا وہ اعلیٰ ترین مقام مراد ہے جو کامل اولیاء اللہ کو حاصل ہوتا ہے کہ حضور پرُنور صلی اللہ علیہ وسلم دُعا مانگا کرتے تھے۔ اللّٰھم اجعل رزق اٰل محمد قوتا، اے اللہ آل محمد کا رزق بقدر قوت لا یموت کر دے اور قدر قوت وہ رزق ہے جس سے بقدر کفایت گزر ہو جائے اور فاضل کچھ نہ بچ سکے اور اس میں شک نہیں کہ آل محمد میں ازواج مطہرات بھی داخل ہیں اور یہ دعا ذریت کی طرح ازواج مطہرات کو بھی شامل ہے۔

حدیث نساء ایک شبہہ اور اس کا ازالہ

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ اپنے ایک وعظ میں فرماتے ہیں یہاں بعض لوگوں کو ایک حدیث سے شبہ ہو گیا ہے وہ یہ کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حسنین کو اپنی عباء میں داخل کر کے فرمایا۔

اللّٰھم ھولاء اھل بیتی.... "اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں"

اس سے بعض عقلمندوں نے یہ سمجھا کہ ازواج مطہرات اہل بیت میں داخل نہیں حالانکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ یہ بھی میرے اہل بیت ہیں ان کو بھی اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا کی فضیلت میں داخل اور شامل فرمانا اور ان کو بھی اس کرامت میں شریک فرما۔ آپ کا مقصود حصر نہ تھا کہ بس یہی اہل بیت ہیں اور ازواج مطہرات اہل بیت نہیں اور اس حدیث کے بعضے طرق میں آیا ہے کہ حضور پرنور نے جب ان حضرات مذکورین کو عباء میں داخل کر کے دعا فرمائی تو ام المومنین اُم سلمہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے بھی ان کے ساتھ شامل فرما لیجئے۔ تو آپ نے فرمایا کہ تم اپنی جگہ ہو۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ تم کو عباء میں داخل کرنے کی ضرورت نہیں تم تو پہلے ہی سے اہلِ بیت میں داخل ہو کذا فی النسوان فی رمضان ص ۴ وعظ چہارم از سلسلہ البلاغ۔

حضور پُرنور نے حضرت علی اور حضرت فاطمہ اور حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو ایک چادر میں لے کر یہ دعا کی اللّٰھم ھؤلا اھل بیتی الخ تا کہ اس دعا کے ذریعہ یہ حضرات بھی ازواج مطہرات کے ساتھ اس وعدہ نعمت و کرامت میں شریک ہو جائیں جو اللہ نے نبی کے گھرانہ کے لئے ارادہ فرمایا ہے۔

جس طرح احادیث میں حضرت علی اوران کی اولاد کو عباء میں داخل کر کے دعا کرنے کا ذکر آیا ہے اسی طرح بعض روایات میں حضرت عباس اوران کی اولاد کے متعلق بھی آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عباس کواوران کی اولاد کو اپنی کساء (کمبل) میں داخل کر کے دعا فرمائی۔ ان مختلف دعاؤں سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ ازواج مطہرات ؓ کے ساتھ دوسرے اعزاء واقارب بھی اس نعمت اوز کرامت میں داخل ہو جائیں۔

خلاصہ کلام

خلاصہ کلام یہ کہ اہل سنت و جماعت کے نزدیک اہل بیت کے مفہوم عام میں حضور پُر نور کی ازواج مطہرات اور ذریت اور اولاد اور بنی الاعمام سب داخل ہیں اور سب اسی بشارت اور کرامت میں شریک اور داخل ہیں کیونکہ قاعدہ مسلمہ ہے۔ العبرۃ لعموم اللفظ لالخصوص السبب یعنی اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص سبب کا آیت کا نزول اصالۃً اگرچہ ازواج مطہرات کے بارہ میں ہوا ہے مگر عموم لفظ کی وجہ سے اور حضور پُر نور کی دعا کی وجہ سے تمام اہلِ بیت کو شامل کیا گیا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

اھلِ البیت، رسول اللہ کے گھر کے لوگ۔ عکرمہ اور مقاتل کے نزدیک امہات المومنین مراد ہیں۔ حضرت ابنِ عباس کا قول سعید بن جبیر کی روایت سے بھی یہی آیا ہے۔ حضرت ابن عباس نے (اہل البیت کے مفہوم کے تعین کے لئے) آیت وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ تلاوت فرمائی رواہ ابن ابی حاتم وروی ابن جریر عن عکرمۃ نحوہ۔ ان حضرات نے آیت کے سیاق وسباق سے بھی اسی پر استدلال کیا ہے۔ لیکن عورتوں کے ساتھ حکم کی تخصیص کیسے ہوسکتی ہے جب کہ کُم ضمیر مذکر مخاطب کی استعمال کی گئی ہے (اس سے معلوم ہوا کہ آیت کا حکم مردوں کو بھی شامل ہے اور بطور تغلیب مذکر کی ضمیر ذکر کی گئی ہے۔ مترجم)

حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرات حسنین رضی اللہ عنہم بھی اہل بیت میں داخل ہیں

حضرت ابوسعید حذری اور تابعین کی ایک جماعت کا قول ہے جن میں مجاہد اور قتادہ بھی شامل ہیں کہ اہل بیت ہیں۔ حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین۔ کیوں کہ حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیاہ بالوں کی اونی چادر اوڑھے باہر تشریف لے گئے۔ چادر پر کجاوے کے نقوش تھے اتنے میں حسن بن علی آئے حضور نے ان کو چادر میں لے لیا پھر حسین بن علی آئے حضور نے ان کو بھی چادر میں لے لیا۔ پھر (سیدہ) فاطمہ آئیں حضور نے ان کو بھی چادر میں داخل کرلیا۔ پھر علی آئے آپ نے ان کو بھی داخل کرلیا پھر فرمایا اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔ (رواہ مسلم)

حضرت سعد بن ابی وقاص راوی ہیں کہ جب آیت نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی، فاطمہ، حسن اور حسین کو طلب فرمایا، اور فرمایا، اے اللہ! یہ میرے اہلِ بیت ہیں۔ (رواہ مسلم)

حضرت واثلہ بن اسقع راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ تلاوت فرمائی اور حضرت علی، حضرت فاطمہ اور دونوں صاحبزادوں کے متعلق فرمایا اے اللہ یہ میرے گھر والے اور میرے خاص لوگ ہیں ان سے گندگی کو دور فرمادے اور ان کو کامل طور پر پاک کردے۔

حضرت اُم سلمہ کی روایت ہے کہ جب آیت اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ الخ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی اور فاطمہ اور حسن اور حسین کو طلب کیا اور کمبلی میں داخل کرلیا۔ پھر فرمایا اے اللہ! یہ میرے اہلِ بیت ہیں ان سے گندگی کو دور کردے اور ان کو کامل طور پر پاک کردے۔

ازواج واولاد سب اہل بیت ہیں

مذکورہ احادیث اور ان جیسی دوسری اخبار سے آیت تطہیر کی حضرات اربعہ (حضرت علی، حضرت سیدہ، حضرت حسن، حضرت حسین کے ساتھ تخصیص ثابت نہیں ہوتی۔ ماقبل اور مابعد کا کلام بھی اس تخصیص سے انکار کررہا ہے اور عرف ولغت کی شہادت بھی اس کے خلاف ہے۔ اصل میں اہل بیت کے لفظ کا اطلاق صرف بیویوں پر ہوتا ہے۔ اولاد اور دوسرے گھر والے ذیلی طور پر اس میں آجاتے ہیں۔ بیویوں کے ہی رہنے کے مکان (یا کمرے) عام طور پر الگ الگ ہوتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ کو خطاب کرکے ملائکہ نے کہا تھا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ رَحْمَتُ اللّٰہِ وَبَرَکٰتُہٗ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ کیا تجھے اللہ کے حکم پر تعجب ہورہا ہے۔ اے گھر والو تم پر اللہ کی رحمت ہے۔

حق بات یہ ہے کہ رفتارِ کلام اگرچہ امہات المومنین پر دلالت کررہی ہے لیکن آیتِ تطہیر سب کو شامل ہے حضرتِ ام سلمہؓ نے فرمایا تھا میرے گھر میں آیت اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ نازل ہوئی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ اور علی اور حسن اور حسین کو بلوایا پھر فرمایا یہ لوگ میرے اہلِ بیت ہیں۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ میں بھی اہل بیت میں سے ہوں فرمایا کیوں نہیں۔ ان شاء اللہ

رواہ البغوی وغیرہ۔ یہ حدیث دلالت کررہی ہے کہ اہل بیت میں سب داخل ہیں اور ان شاء اللہ کا لفظ (اُمید مستقبل کے لئے نہیں بلکہ تحقیق اور) تبرک کیلئے استعمال ہوا ہے۔

حضرت زید بن ارقم نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت وہ سب لوگ تھے جن پر صدقہ کا مال (لینا) حرام کردیا گیا تھا یعنی اولاد علی اولاد جعفر، اولاد عقیل، اولاد عباس اور اولاد حارث بن عبدالمطلب۔

گناہ گندگی ہے

تطہیر سے مراد ہے دنیا میں گناہوں کی نجاست سے پاک کرنا اور آخرت میں مغفرت فرمانا۔

اللہ نے آیات مذکورہ میں امہات المومنین کو بعض چیزوں سے منع فرمایا بعض باتوں کے کرنے کا حکم دیا تاکہ رسول اللہ کا گھر والا کسی گناہ کا ارتکاب نہ کرے اور سب کے سب متقی ہوجائیں۔ بطور استعارہ گناہوں کو گندگی اور

تقویٰ کو طہارت فرمایا کیونکہ گناہ کرنے والے کی گناہوں سے اسی طرح آلودگی ہو جاتی ہے جس طرح جسم نجاست سے آلودہ ہوتا ہے اور متقی ایسا ہی پاک صاف ہوتا ہے جس طرح کپڑا پاک صاف ہوتا ہے۔

مستعمل پانی

چونکہ گناہ اور گندگی میں بہت گہری مناسبت ہے اسی لئے امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ پانی کا استعمال خواہ رفعِ حدث کے لئے کیا گیا ہو یا بطور ثواب (وقربت) بہرحال مستعمل پانی نجس ہو جاتا ہے۔ حضرت عثمان کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اچھی طرح خوب وضو کرتا ہے اس کے گناہ اس کے بدن سے نکل جاتے ہیں یہاں تک کہ ناخنوں کے نیچے سے بھی خارج ہو جاتے ہیں (اور پانی کے ساتھ بہہ جاتے ہیں)۔ (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلم بندہ (یا فرمایا مومن بندہ) وضو کرتا ہے اور منہ دھوتا ہے تو اس کے چہرے سے پانی کے ساتھ آنکھ کے گناہ نکل جاتے ہیں۔ (رواہ مسلم)

روافض کا غلط استدلال

رافضی کہتے ہیں کہ یہ آیت ثابت کر رہی ہے کہ علیؓ اور فاطمہ ؓ اور حسن ؓ اور حسین ؓ معصوم تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء یہی تھے دوسرا کوئی خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ اور انہیں حضراتِ اربعہ کا اور ان کے بعد (ان کی نسل کے) دوسرے اماموں کا ہی اجماع معتبر ہے۔ شیعہ کہتے ہیں اللہ کا ارادہ مراد سے منفک نہیں ہوتا (یعنی اللہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اس کا پورا ہونا لازم ہے) اور حسبِ صراحت آیت اللہ اہل بیت کو طاہر بنانا چاہتا تھا اس لئے اہلِ بیت کا معصوم ہونا ضروری ہے۔ گناہگار پاک نہیں ہوتا اور عصمت امامت (یعنی خلافت) کی شرط ہے اور چونکہ ابوبکر اور عمر اور عثمان بالا جماع معصوم نہ تھے اس لئے خلافت کا استحقاق صرف اہل بیت کو تھا۔ شیعہ فرقہ کا استدلال غلط ہے۔

آیت کا نزول امہات المومنین کے لئے ہوا۔ ہاں یہ چاروں بزرگ ہستیاں حکم آیت میں داخل ہیں۔

آیت عصمت پر دلالت نہیں کرتی (ارادہ تطہیر کا معنی عطاء عصمت نہیں) دیکھو آیت وضو میں تمام امت کو خطاب کر کے فرمایا ہے مَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰکِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَکُمْ الخ اللہ تم پر کوئی تنگی ڈالنا نہیں چاہتا بلکہ تم کو پاک کرنا چاہتا ہے (تو کیا ساری امت اسلامیہ کو اس آیت کی روشنی میں معصوم قرار دیا جا سکتا ہے۔

اگر شبہ کیا جائے کہ آیتِ تطہیر کا تقاضا تو گناہوں سے پاک کرنے کا ارادۂ الٰہیہ ہے (یعنی اللہ گناہوں سے تم کو پاک کرنا چاہتا ہے) اور آیت وضوء کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تم کو نجاست اور غلاظتِ بدنیہ سے پاک صاف کرنا چاہتا ہے اگر تم وضو کرو گے (تو بدنی نجاست دور ہو جائے گی) دونوں آیتوں میں ایک قسم کی تطہیر نہیں ہے مگر یہ شبہہ بے اصل ہے دونوں آیتوں میں اللہ کا ارادہ تطہیر مشروط ہے آیت وضو میں مشروط باوضوء ہے اور آیت تطہیر میں مشروط باتقویٰ۔ یعنی اگر وضو کرو گے تو نجاست بدنی سے پاک ہو جاؤ گے اسی طرح اے اہلِ بیت تم تقویٰ اختیار کرو گے تو گناہوں سے پاک ہو جاؤ گے

یہی وجہ ہے کہ جس طرح طہارت بدنی حاصل کرنے کے لئے اللہ نے پانی کے استعمال کا طریقہ بتادیا اسی طرح گناہوں سے طہارت حاصل کرنے اور باطن کو پاک رکھنے کے لئے اس نے تقویٰ کا طریقہ بتادیا اور فرمادیا فَلَا تَخۡضَعۡنَ پس جس طرح طہارت بدن پانی کے استعمال سے وابستہ ہے اسی طرح طہارت باطن تقویٰ پر موقوف ہے۔

امامت (یعنی خلافتِ ارضی) کے لئے عصمت شرط نہیں ہے۔ معصوم کی موجودگی میں غیر معصوم خلیفہ ہوسکتا ہے۔ دیکھو حضرت اشموئیل اور حضرت داؤد کے موجود ہونے کے باوجود طالوت کو خلیفہ (بادشاہ) بنادیا گیا تھا۔ آیت میں آیا ہے وَقَالَ لَهُمۡ نَبِيُّهُمۡ إِنَّ اللّٰهَ قَدۡ بَعَثَ لَكُمۡ طَالُوتَ مَلِكًا۔ (تفسیر مظہری)

عورتوں کیلئے جہاد کا ثواب

ایک روایت میں ہے کہ ان کے لئے ان کے گھر بہتر ہیں۔ بزار میں ہے کہ عورتوں نے حاضر ہوکر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ جہاد وغیرہ کی کل فضیلتیں مرد ہی لے گئے، اب آپ ہمیں کوئی ایسا عمل بتائیں جس سے ہم مجاہدین کی فضیلت کو پاسکیں۔ آپ نے فرمایا تم میں سے جو اپنے گھر میں پردے اور عصمت کے ساتھ بیٹھی رہے وہ جہاد کی فضیلت پالے گی۔

عورت کیلئے قربِ الٰہی

ترمذی وغیرہ میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، عورت سرتاپا پردے کی چیز ہے، یہ جب گھر سے باہر قدم نکالتی ہے تو شیطان جھانکنے لگتا ہے۔ یہ سب سے زیادہ خدا سے قریب اُس وقت ہوتی ہے جب کہ یہ اپنے گھر کے اندرونی حجرے میں ہو۔

عورت کی افضل نماز

ابوداؤد وغیرہ میں ہے عورت کی اپنے گھر کی اندرونی کوٹھری کی نماز، گھر کی نماز سے افضل ہے اور گھر کی نماز صحن کی نماز سے بہتر ہے۔

دَورِ جاہلیت کے کرتوت

جاہلیت میں عورتیں بے پردہ پھرا کرتی تھیں۔ اب اسلام بے پردگی کو حرام قرار دیتا ہے۔ ناز سے اٹھلا کر چلنا ممنوع ہے۔ دوپٹیا گلے میں ڈال لی لیکن اُسے لپیٹا نہیں، جس سے گردن اور کانوں کے زیورات دوسروں کی نظر میں آئیں، یہ جاہلیت کا بناؤ تھا جس سے اس آیت میں روکا گیا ہے۔

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی فضیلت

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا۔ آپ

ایک مرتبہ نماز پڑھا رہے تھے کہ بنو اسد کا ایک شخص کود کر آیا اور سجدے کی حالت میں آپ کے جسم میں خنجر گھونپ دیا۔ جو آپ کے نرم گوشت میں لگا جس سے آپ کئی مہینے بیمار رہے جب اچھے ہو گئے تو مسجد میں آئے۔ منبر پر بیٹھ کر خطبہ پڑھا جس میں فرمایا اے عراقیو! ہمارے بارے میں خوفِ خدا کرو۔ ہم تمہارے حاکم ہیں، تمہارے مہمان ہیں، ہم اہلِ بیت ہیں جن کے بارے میں آیت اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا اُتری ہے' اس پر آپ نے خوب زور دیا اور اس مضمون کو بار بار ادا کیا جس سے مسجد والے رونے لگے ایک مرتبہ علیؓ بن حسین نے ایک شامی سے فرمایا تھا' کیا تو نے سورۂ احزاب کی آیت تطہیر نہیں پڑھی؟ اس نے کہا ہاں۔ کیا اس سے مراد تم ہو؟ فرمایا ہاں۔

ازواج کو خصوصی خطاب کی حکمت

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا آیت سابقہ میں جو ہدایات ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے دی گئی ہیں، وہ اگرچہ ان کی ذات کے ساتھ مخصوص نہ تھیں بلکہ پوری اُمت ان احکام کی مکلف ہے، مگر ازواج مطہرات کو خصوصی خطاب اس لئے کیا گیا کہ وہ اپنی شان اور بیتِ نبوت کے مناسب ان اعمال کا زیادہ اہتمام کریں، اس آیت میں اس خصوصی خطاب کی حکمت مذکور ہے کہ اصلاح اعمال کی خاص ہدایت سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک مطلوب یہ ہے کہ اہلِ بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو رجس (گندگی) سے پاک کر دے۔

رِجس کا معنی

لفظ رِجس قرآن میں متعدد معانی کے لئے استعمال ہوا ہے، ایک جگہ رِجس بتوں کے معنی میں آیا ہے اور کبھی رِجس مطلق گناہ کے معنی میں، کبھی عذاب کے معنی میں کبھی نجاست اور گندگی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو شرعاً یا طبعاً قابلِ نفرت سمجھی جاتی ہو وہ رجس ہے، اس آیت میں یہی عام معنی مراد ہیں۔ (بحرمحیط)

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کا چیلنج

حضرت عکرمہ تو بازار میں منادی کرتے تھے، کہ آیت میں اہلِ بیت سے مراد ازواج مطہرات ہیں، کیونکہ یہ آیت انہی کی شان میں نازل ہوئی ہے، اور فرماتے تھے کہ میں اس پر مباہلہ کرنے کے لئے تیار ہوں۔

مختلف اقوال میں تطبیق

ابن کثیر نے اس مضمون کی متعدد احادیث معتبرہ نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ درحقیقت ان دونوں اقوال میں جو ائمہ تفسیر سے منقول ہیں کوئی تضاد نہیں جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت ازواج مطہرات کی شان میں نازل ہوئی اور اہلِ بیت سے وہ مراد ہیں یہ اس کے منافی نہیں کہ دوسرے حضرات بھی اہلِ بیت میں شامل ہوں، اس لئے صحیح یہی ہے کہ لفظ اہلِ بیت میں ازواج مطہرات بھی داخل ہیں، کیونکہ شانِ نزولِ اس آیت کا وہی ہیں اور شانِ نزول کا

مصداق آیت میں داخل ہونا کسی شبہ کا متحمل نہیں، اور حضرت فاطمہ وعلی وحسن وحسین رضی اللہ عنہم بھی، ارشادِ نبوی علیہ السلام کے مطابق اہل بیت میں شامل ہیں۔

اسلوبِ قرآن کی دلالت

اور اس آیت سے پہلے اور بعد میں دونوں جگہ نساء النبی صلی اللہ علیہ وسلم عنوان سے خطاب اور ان کے لئے صیغے مؤنث کے استعمال فرمائے گئے ہیں، سابقہ آیات میں فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ کے آخر تک سب صیغے مؤنث کے استعمال ہوئے ہیں، اور آگے پھر وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى میں بصیغہ تانیث خطاب ہوا ہے، اس درمیانی آیت کو سیاق وسباق سے کاٹ کر بصیغہ مذکر عَنْكُمُ اور يُطَهِّرَكُمْ فرمانا بھی اس پر شاہد قوی ہے کہ اس میں صرف ازواج ہی داخل نہیں کچھ رجال بھی ہیں۔

تطہیر کا مطلب

آیت مذکورہ میں جو یہ فرمایا ہے کہ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا

تطہیر کا مطلب

ظاہر ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ان ہدایات کے ذریعہ اغواء شیطانی اور معاصی اور قبائح سے حق تعالیٰ اہلِ بیت کو محفوظ رکھے گا، اور پاک کردے گا، خلاصہ یہ ہے کہ تطہیر تشریعی مراد ہے، تکوینی تطہیر جو خاصہ انبیاء ہے وہ مراد نہیں، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ سب معصوم ہوں اور ان سے انبیاء علیہم السلام کی طرح کوئی گناہ سرزد ہونا ممکن نہ ہو، تکوینی تطہیر کا جو خاصہ ہے، اہلِ تشیع نے اس آیت میں جمہور امت سے اختلاف کر کے اول تو لفظ اہلِ بیت کا صرف اولاد وعصباتِ رسول کے ساتھ مخصوص ہونے اور ازواج مطہرات کے ان سے خارج ہونے کا دعویٰ کیا، دوسرے آیت مذکورہ میں تطہیر سے مراد ان کی عصمت قرار دے کر اہلِ بیت کو انبیاء کی طرح معصوم کیا، اس کا جواب اور مسئلہ کی مفصل بحث احقر نے احکام القرآن سورۂ احزاب میں لکھی ہے اس میں عصمت کی تعریف اور اس کا انبیاء اور ملائکہ کے ساتھ مخصوص ہونا اور ان کے علاوہ کسی کا معصوم نہ ہونا دلائلِ شرعیہ سے واضح کر دیا ہے، اہلِ علم اس کو دیکھ سکتے ہیں، عوام کو اس کی ضرورت نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت روافض کی کتاب میں

روافض کی ایک حدیث میں یہ فضیلت صحابہ کے لئے بصیغۂ ماضی وارد ہوئی ہے وہ حدیث طویل ہے جو فروع کافی کلینی جلد اول مطبوعہ نول کشور کتاب الجہاد میں ص ۶۰۹ تک منقول ہے۔ یہ حدیث امام جعفر صادق سے مروی ہے جو مہاجرین صحابہ کے فضائل اور محامد پر مشتمل ہے جس میں صحابہ کے متعلق ایک جگہ یہ کہا گیا ہے۔ الذین اخبر عنهم فی كتابه انه اذهب عنهم الرجس وطهرهم تطهيرا یعنی ان لوگوں کے متعلق اللہ نے اپنی

کتاب میں یہ بیان کیا ہے کہ اللہ نے ان سے ناپاکی کو دور کر دیا اور ان کو خوب پاک کر دیا بعد ازاں امام جعفر صادق نے مہاجرین کو آیۃ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِينَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ الخ اور آیت قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ اور آیت اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ اور آیت يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِىَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مصداق قرار دیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ مہاجرین اور خلفاء ثلاثہ معاذ اللہ ظالم و فاسق نہ تھے۔

روافض کی تاویل

حضرات روافض کو اس صریح اور واضح حدیث میں جب تاویل کی کوئی گنجائش نہ ملی تو اس کو تقیہ پر محمول کیا لیکن سوال یہ ہے کہ تقیہ کے لئے بھی کوئی موقع اور محل چاہیئے کہ جو خوف اور ڈر کی بنا پر کیا جاتا ہے یہاں امام جعفر صادق کو کیا خوف لاحق تھا۔ (معارف کاندھلوی)

تعلیم قرآن وسنت کا حکم

یعنی قرآن وسنت میں جو اللہ کے احکام اور دانائی کی باتیں ہیں اُنہیں سیکھو، یاد کرو دوسروں کو سکھاؤ اور اللہ کے احسان عظیم کا شکر ادا کرو کہ تم کو ایسے گھر میں رکھا جو حکمت کا خزانہ اور ہدایت کا سرچشمہ ہے۔

(تفسیر عثمانی)

فائدہ: ابن عربی نے احکام القرآن میں فرمایا کہ اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی آیتِ قرآن یا حدیث سنے اس پر لازم ہے کہ وہ اُمت کو پہنچائے۔

یہاں تک کہ ازواج مطہرات پر بھی لازم کیا گیا کہ جو آیاتِ قرآن ان کے گھروں میں نازل ہوں یا جو تعلیمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو حاصل ہوں اس کا ذکر امت کے دوسرے افراد سے کریں، اور یہ اللہ کی امانت ان کو پہنچائیں۔

قرآن کی طرح حدیث کی حفاظت

اس آیت میں جس طرح آیاتِ قرآن کی تبلیغ و تعلیم اُمت پر لازم کی گئی ہے اسی طرح لفظِ حکمت فرما کر احادیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ و تعلیم کو بھی لازم کیا گیا ہے، اسی لئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اس حکم کی تعمیل ہر حال میں کی ہے، صحیح بخاری میں حضرت معاذؓ کا یہ واقعہ کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی، لیکن اس کو عام لوگوں کے سامنے اس لئے بیان نہیں کیا کہ خطرہ تھا کہ لوگ اس کو اس کے درجہ میں نہ رکھیں، اور کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں۔

لیکن جب اُن کی وفات کا وقت آیا تو لوگوں کو جمع کر کے وہ حدیث سنا دی اور فرمایا کہ میں نے اس

وقت تک دینی مصلحت سے اس کا ذکر کسی سے نہیں کیا تھا، مگر اب موت کا وقت قریب ہے اس لئے امت کی یہ امانت ان کو پہنچانا ضروری سمجھتا ہوں، صحیح بخاری میں اُن کے الفاظ یہ ہیں فَاَخْبَرَبِهٖ مَعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِهٖ تَاثُّماً یعنی حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث لوگوں کو وفات کے وقت اس لئے سُنا دی کہ وہ گناہگار نہ ہوں کہ حدیثِ رسول اُمت کو نہیں پہنچائی۔

یہ واقعہ بھی اسی پر شاہد ہے کہ اس حکمِ قرآنی کی تعمیل سب صحابۂ کرام واجب وضروری سمجھتے تھے، اور صحابہ کرام نے حدیث کو احتیاط کے ساتھ لوگوں تک پہنچانے کا اہتمام فرمایا تھا تو حدیث کی حفاظت بھی ایک درجہ میں قرآن کی حفاظت کے قریب قریب ہوگئی، اس معاملہ میں شبہات نکالنا درحقیقت قرآن میں شبہات نکالنا ہے، واللہ اعلم (معارف مفتی اعظم)

اسرارِ الٰہی

اُس کی آیتوں میں بڑے باریک بھید اور پتے کی باتیں ہیں اور وہ ہی جانتا ہے کہ کون اس امانت کے اُٹھانے کا اہل ہے اُس نے اپنے لطف ومہربانی سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے لئے اور تم کو اُن کی زوجیت کے لئے چن لیا۔ کیونکہ وہ ہر ایک کے احوال واستعداد کی خبر رکھتا ہے کوئی کام یوں ہی بے جوڑ نہیں کرسکتا۔ (تفسیر عثمانی، ماخوذ از گلدستۂ تفاسیر)

سرتاجِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم

اور تعدد ازدواج

تاریخ انسانیت میں متعدد شادیاں

تاریخ عالم کے مسلمات میں سے ہے کہ اسلام سے پہلے تمام دنیا میں یہ رواج تھا کہ ایک شخص کئی کئی عورتوں کو اپنی زوجیت میں رکھتا تھا اور یہ دستور تمام دنیا میں رائج تھا... حتیٰ کہ حضرات انبیاء کرام بھی اس دستور سے مستثنیٰ نہ تھے... حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیویاں تھیں... حضرت اسحاق علیہ السلام کے بھی متعدد بیویاں تھیں... حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھی کئی بیویاں تھیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے بیسیوں بیویاں تھیں اور حضرت داؤد علیہ السلام کے سو بیویاں تھیں اور توریت وانجیل اور دیگر صحف انبیاء میں حضرات انبیاء کی متعدد ازدواج کا ذکر ہے اور کہیں بھی تعدد ازدواج کی ممانعت کا ادنیٰ اشارہ بھی نہیں پایا جاتا...

اسلام کا کارنامہ

اسلام آیا اور اس نے تعدد ازدواج کو جائز قرار دیا... مگر اس کی حد مقرر کردی کہ چار سے تجاوز نہ کیا جائے... اس لئے کہ نکاح سے مقصود پاک دامنی اور شرمگاہ کی زنا سے حفاظت مقصود ہے... چار عورتوں میں جب ہر تین شب کے بعد عورت کی طرف رجوع کرے گا تو اس کے حقوق زوجیت پر کوئی اثر نہ پڑے گا... شریعت اسلامیہ نے غایت درجہ اعتدال اور توسط کو ملحوظ رکھا نہ تو جاہلیت کی طرح غیر محدود کثرت کی اجازت دی کہ جس سے شہوت رانی کا دروازہ کھل جائے اور نہ اتنی تنگی کی کہ ایک سے زائد کی اجازت ہی نہ دی جائے... بلکہ بین بین حالت کو برقرار رکھا کہ چار تک اجازت دی...

متعدد نکاح کی اجازت کے اسباب

1 ...عفت کا تحفظ

نکاح کی غرض وغایت یعنی عفت اور حفاظت نظر اور تحصین فرج اور تناسل اور اولاد بسہولت حاصل ہو سکے... اور زنا سے بالکلیہ محفوظ ہو جائے اس لئے کہ قدرت نے بعض لوگوں کو ایسا قوی اور تندرست اور فارغ البال اور خوشحال بنایا

ہے کہ ان کے لئے ایک عورت کافی نہیں ہو سکتی اور بوجہ قوت اور توانائی اور پھر خوشحالی اور تونگری کی وجہ سے چار بیویوں کے بلا تکلف حقوق زوجیت ادا کرنے پر قادر ہوتے ہیں... ایسے لوگوں کو دوسرے نکاح سے روکنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان سے تقویٰ اور پرہیزگاری اور پاکدامنی تو رخصت ہو جائے گی اور بدکاری میں مبتلا ہو جائیں گے...

❷ ...عورتوں کی خوشحالی

ایسے قوی اور توانا جن کے پاس لاکھوں اور کروڑوں کی دولت موجود ہے اگر وہ اپنے خاندان کے چار غریب عورتوں سے اس لئے نکاح کریں کہ ان کی تنگدستی ختم ہو جائے اور وہ غربت کے گھرانہ سے نکل کر ایک راحت اور دولت کے گھرانے میں داخل ہوں اور حق تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر کریں تو امید ہے کہ ایسا نکاح اسلامی نقطۂ نظر سے بلاشبہ عبادت اور عین عبادت ہوگا اور قومی نقطۂ نظر سے اعلیٰ ترین قومی ہمدردی کا ثبوت ہوگا... جس دولت مند اور زمیندار اور سرمایہ دار کے خزانے سے ہر مہینہ دس ہزار مزدور اور دس ہزار خاندان پرورش پاتے ہوں تو اگر دولت مند کے خاندان کی چار عورتیں بھی اس کی حرم سرائے میں داخل ہو جائیں اور عیش و عشرت اور عزت و راحت کے ساتھ ان کی عزت اور ناموس بھی محفوظ ہو جائے تو عقلاً و شرعاً اس میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی...

❸ ...عورت کی مجبوری کے ایام میں تحفظ

نیز عورت ہر وقت اس قابل نہیں رہتی کہ خاوند سے ہم بستر ہو سکے کیونکہ اول تو لازمی طور پر ہر مہینہ میں عورت پر پانچ چھ دن ایسے آتے ہیں یعنی ایام ماہواری جس میں مرد کو پرہیز کرنا لازمی ہوتا ہے... دوسرے یہ کہ ایام حمل میں عورت کو مرد کی صحبت سے اس لئے پرہیز ضروری ہوتا ہے کہ جنین کی صحت پر کوئی برا اثر نہ پڑے... تیسرے یہ کہ بسا اوقات ایک عورت امراض کی وجہ سے یا حمل اور توالد اور تناسل کی تکلیف میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اس قابل نہیں رہتی کہ مرد اس سے متمتع ہو سکے... تو ایسی صورت میں مرد کے زنا سے محفوظ رہنے کی عقلاً اس سے بہتر کوئی صورت نہیں کہ اس کو دوسرے نکاح کی اجازت دی جائے ورنہ مرد اپنی خواہش کے پورا کرنے کے لئے ناجائز ذرائع استعمال کریں گے...

❹ ...عورتوں کی تعداد کی کثرت

نیز تجربہ اور مشاہدہ سے اور مردم شماری کے نقشوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کی تعداد قدرتاً اور عادۃً ہمیشہ مردوں سے زیادہ رہتی ہے جو کہ قدرتی طور پر تعدد ازدواج کی ایک واضح دلیل ہے... مرد بہ نسبت عورتوں کے پیدا کم ہوتے ہیں... اور مرتے زیادہ ہیں... لاکھوں مرد لڑائیوں میں مارے جاتے ہیں اور ہزاروں مرد جہازوں میں ڈوب کر مر جاتے ہیں... اور ہزاروں مرد کانوں میں دب کر اور تعمیرات میں بلندیوں سے گر کر مر جاتے ہیں اور عورتیں پیدا زیادہ ہوتی ہیں اور مرتی کم ہیں... پس اگر ایک مرد کی کئی شادیوں کی اجازت نہ دی جائے تو یہ فاضل عورتیں بالکل معطل اور

بے کار رہیں کون ان کی معاش کا کفیل اور ذمہ دار ہے اور کس طرح یہ عورتیں اپنی فطری خواہش کو دبائیں اور اپنے کو زنا سے محفوظ رکھیں... بس تعدد ازدواج کا حکم بے کس عورتوں کا سہارا ہے اور ان کی عصمت اور ناموس کی حفاظت کا واحد ذریعہ ہے اور ان کی جان آور آبرو کا نگہبان اور پاسبان ہے...

5... تقویٰ کا حصول

تعدد ازدواج کے جواز اور استحسان کا اصل سبب یہ ہے کہ تعدد ازدواج عفت اور پاکدامنی اور تقویٰ اور پرہیز گاری جیسی عظیم نعمت اور صفت کی حفاظت کا ذریعہ ہے... جو لوگ تعدد ازدواج کے مخالف ہیں وہ اندرونی خواہشوں اور بیرونی افعال کا مطالعہ کریں... جو قومیں زنا سے پاک تعدد ازدواج کے منکر ہیں وہ عملی طور پر ناپاک تعدادازدواج یعنی زنا اور بدکاری میں مبتلا اور گرفتار ہیں ان کی خواہشوں کی وسعت اور دست درازی نے یہ ثابت کر دیا کہ فطرت میں تعدد اور تنوع کی آرزو موجود ہے... ورنہ ایک عورت پر قناعت کرتے... پس خداوند علیم وحکیم نے اپنے قانون میں انسانوں کی وسیع خواہشوں اور اندرونی میلانوں کی رعایت فرما کر ایسا قانون تجویز فرمایا کہ جو مختلف جذبات والی طبائع کو بھی عفت اور تقویٰ اور طہارت کے دائرہ میں محدود رکھ سکے...

اہل مغرب کا تعصب

اہل مغرب اسلام کے اس جائز اور سراپا مصلحت آمیز تعدد ازدواج پر تو عیش پسندی کا الزام لگائیں اور غیر محدود ناجائز تعلقات اور بلا نکاح کی لاتعداد آشنائی کو تہذیب اور تمدن سمجھیں زنا جو کہ تمام انبیاء ومرسلین کی شریعتوں میں حرام اور تمام حکماء کی حکمتوں میں قبیح اور شرمناک فعل رہا... مغرب کے مدعیان تہذیب کو اس کا قبح نظر نہیں آتا... اور تعدد ازدواج کہ جو تمام انبیاء ومرسلین اور تمام حکماء اور عقلاء کے نزدیک جائز اور مستحسن رہا وہ ان کو قبیح نظر آتا ہے... ان مہذب قوموں کے نزدیک تعدد ازدواج تو جرم ہے اور زنا اور بدکاری اور غیر عورتوں سے آشنائی جرم نہیں... ان مہذب قوموں میں تعدد ازدواج کی ممانعت کا تو قانون موجود ہے مگر زناء کی ممانعت کا کوئی قانون نہیں...

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد نکاحوں کی حکمت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو ہلاکت اور گرداب مصیبت سے نکالیں... اس کے لئے حق جل شانہ نے ایک مکمل قانون اور دستور العمل یعنی قرآن نازل فرمایا کہ جس کے بعد قیامت تک کسی قانون کی ضرورت نہ رہے اور دوسرے آپ کی زندگی کو لوگوں کے لئے اسوۂ اور نمونہ بنایا کہ اس کو دیکھ کر عمل کریں... اس لئے کہ محض قانون لوگوں کی اصلاح کے لئے کافی نہیں جب تک کوئی عملی نمونہ سامنے نہ ہو کہ جو لوگوں کو اپنی طرف مائل کر سکے اور دنیا یہ دیکھ لے کہ اللہ کا نبی جس چیز کی دعوت دے رہا ہے اس کے قول اور فعل میں ذرہ برابر اختلاف نہیں...

ہر انسانی زندگی کے دو پہلو ہوتے ہیں ایک بیرونی اور ایک اندرونی کسی کی عملی حالت کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ دونوں رخوں کے حالات بے نقاب کیے جائیں... بیرونی زندگی اس حالت کا نام ہے جو انسان عام لوگوں کے سامنے بسر کرتا ہے اس حصہ کے متعلق انسان کے تفصیلی حالات معلوم کرنے کے لئے کثرت سے شواہد دستیاب ہو سکتے ہیں... اور اندرونی زندگی سے خانگی زندگی مراد ہے جس سے انسان کی اخلاقی حالت کا صحیح پتہ چل سکتا ہے ہر فرد اپنے گھر کی چہار دیواری میں آزاد ہوتا ہے اور اپنی بیوی اور اہل خانہ سے بے تکلف ہوتا ہے...

انسان کی اخلاقی اور عملی کمزوریاں اہل خانہ سے پوشیدہ نہیں ہوتیں... پس ایسی صورت میں انسان کی صحیح زندگی کا اندازہ کرنے کے لئے سب سے بہتر کسوٹی یہی ہے کہ اس کے خانگی حالات دنیا کے سامنے آجائیں...

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کے دو پہلو تھے ایک بیرونی زندگی اور ایک خانگی زندگی... بیرونی زندگی کے حالات کو بتمام وکمال صحابہ کرام کی جماعت نے دنیا کو پہنچائے جس کی نظیر کسی ملت اور مذہب میں نہیں کسی امت نے اپنے نبی کی زندگی کے حالات اس تفصیل و تحقیق اور تدقیق کے ساتھ تو کیا اس کا عشر عشیر بھی دنیا کے سامنے نہیں پیش کیا... اور خانگی اور اندرونی زندگی کے حالات کو امہات المومنین یعنی ازواج مطہرات کی جماعت نے دنیا کے سامنے پیش کیا... جس سے اندرون خانہ آپ کی عبادت اور تہجد اور شب بیداری اور فقیری اور درویشی اور اخلاقی اور عملی زندگی کے تمام اندرونی اور خانگی حالات دنیا کے سامنے آگئے...

جس سے حضور پرنور کی خدا ترسی اور راست بازی اور پاکدامنی روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ رات کی تاریکیوں میں جبکہ سوائے عالم الغیب کے کوئی دیکھنے والا نہ تھا کس طرح آپ اللہ کی عبادت میں ذوق وشوق کے ساتھ مشغول رہتے تھے... جس کے لئے سورۂ مزمل شاہد عدل ہے...

حضور پرنور نے سوائے خدیجۃ الکبریٰ کے دس عورتوں سے نکاح فرمایا تاکہ عورتوں کی ایک کثیر جماعت آپ کی خانگی زندگی دنیا کے سامنے پیش کر سکے... اس لئے کہ بیوی جس قدر شوہر کے رازوں سے واقف ہو سکتی ہے کوئی دوسرا شخص ہرگز ہرگز واقف نہیں ہو سکتا... اس لئے حضور نے متعدد نکاح فرمائے تاکہ آپ کی خانگی زندگی کے تمام حالات نہایت وثوق کے ساتھ دنیا کے سامنے آجائیں اور ایک کثیر جماعت کی روایت کے بعد کسی قسم کا شک اور شبہ باقی نہ رہے اور شریعت کے وہ احکام ومسائل جو خاص عورتوں سے متعلق ہیں اور مردوں سے بیان کرنے میں حیا اور حجاب مانع ہوتا ہے ایسے احکام شرعیہ کی تبلیغ ازواج مطہرات کے ذریعہ سے ہو جائے اور حضور پرنور کا متعدد عورتوں سے نکاح کرنا معاذ اللہ حظ نفس کے لئے نہ تھا اس لئے کہ حضور نے سوائے ایک شادی کے تمام شادیاں بیواؤں سے کی ہیں جو نہ اپنے حسن وجمال کی خاطر مشہور تھیں اور نہ مال و دولت کے اعتبار سے بلکہ معاملہ اس کے برعکس تھا... اور نہ آپ کے یہاں کوئی عیش وعشرت کا سامان تھا...

بلکہ فقط مقصود یہ تھا کہ عورتوں کے متعلق جو شریعت کے احکام ہیں ان کی تبلیغ عورتوں ہی کے ذریعے ہو سکتی ہے اور ازواج مطہرات کے حجرے در حقیقت امت کی امہات اور معلمات کے حجرے تھے...

جس ذات بابرکات کے گھر میں دو دو مہینہ توا نہ چڑھتا ہو اور پانی اور کھجور پر اس کا اور اس کی بیویوں کا گزارہ ہو اور جس کا دن مسجد میں اور رات مصلے پر کھڑے ہوئے... اس طرح گزرتی ہو کہ اللہ کے سامنے کھڑے کھڑے پاؤں پر ورم آ جائے... وہاں عیش وعشرت کا تصور ہی محال ہے...

ایک عورت کے لئے متعدد خاوند کیوں ممنوع ہیں؟

ایک عورت کے لئے متعدد خاوند ہونے کی ممانعت کی وجہ:

❶ ...اگر ایک عورت چند مردوں میں مشترک ہو تو بوجہ استحقاق نکاح ہر ایک کو قضاء حاجت کا استحقاق ہو گا اور اس میں غالب اندیشہ فساد اور عناد کا ہے... شاید ایک ہی وقت میں سب کو ضرورت ہو اور عجب نہیں کہ قتل تک نوبت پہنچے...

❷ ...نیز مرد فطرۃً حاکم ہوتا ہے اور عورت محکوم اس لئے کہ طلاق کا اختیار مرد کو ہے جب تک وہ آزاد کر لے نہ کرے تو عورت دوسرے مرد سے نکاح نہیں کر سکتی... جیسے باندی اور غلام خود آزاد نہیں ہو سکتے...

جب تک کہ مالک کی طرف سے اعتاق (آزاد کرنا) نہ ہو... اسی طرح عورت بھی بغیر مرد کے آزاد کرنے کے خود بخود نکاح سے آزاد نہیں ہو سکتی جب تک طلاق نہ ہو... غلاموں میں اگر اعتاق ہے تو یہاں طلاق ہے... پس اگر ایک عورت کے متعدد خاوند ہوں گے تو یوں کہو کہ ایک عورت کے حاکم متعدد ہوں گے اور جتنے حاکم زیادہ ہوں گے اتنی ہی محکوم میں ذلت بھی زیادہ ہوگی... اس لئے کہ ایک حاکم کے تحت متعدد محکوم ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ایک ایک حاکم کے تحت میں سو سو اور ہزار ہزار محکوم ہوتے ہیں... ایک بادشاہ کے تحت ملک کی رعایا ہوتی ہے اس میں نہ کوئی ذلت ہے نہ کوئی مشقت... لیکن اگر محکوم ایک ہو اور حاکم متعدد ہوں تو جتنے حاکم زیادہ ہوں گے اتنی ہی محکوم کی ذلت بھی زیادہ ہوگی...

معلوم ہوا کہ ایک عورت کا متعدد شوہروں کے تحت میں رہنا عورت کے لئے انتہائی تحقیر اور تذلیل کا سبب ہے... نیز متعدد شوہروں کی خدمت بجالانا اور سب کو خوش رکھنا ناقابل برداشت مشقت ہے...

اس لئے شریعتِ اسلامیہ نے ایک عورت کو دو یا چار مردوں سے نکاح کی اجازت نہیں دی تاکہ عورت تحقیر اور تذلیل اور ناقابل برداشت مشقت سے محفوظ رہے پھر نہ معلوم کہ ایک عورت کے یہ چار شوہر ایک ہی مکان میں سکونت پذیر ہوں گے یا ایک محلہ میں یا ایک شہر میں یا دوسرے شہر میں اور یہ ایک عورت ان چاروں شوہروں کی کس طرح خدمت بجالائے گی... جو عورتیں تعدد شوہر کی جواز کی قائل ہیں

وہ ان سوالات کا جواب دیں...

③...نیز اگر ایک عورت کے متعدد شوہر ہوں تو متعدد شوہروں کے تعلق سے جو اولاد پیدا ہوگی تو وہ کس کی اولاد ہوگی مشترکہ ہوگی یا منقسمہ...اور تقسیم کس طرح ہوگی...اگر ایک ہی فرزند ہوا تو چار باپوں میں کس طرح تقسیم ہوگا اور اگر متعدد اولاد ہوئیں اور نوبت تقسیم کی آئی تو بوجہ اختلاف ذکورت وانوثت و بوجہ تفاوت شکل وصورت اور بوجہ تباین خلق وسیرت اور بوجہ تفاوت قوت و ہمت اور بوجہ تفاوت فہم وفراست موازنہ ممکن نہیں...جو ایک ایک کو لے کر اپنے دل کو سمجھائے اس تفاوت کی وجہ سے تقسیم اولاد کا مسئلہ غایت درجہ پیچیدہ ہو جائے گا اور نہ معلوم کہ باہمی نزاع سے کیا کیا صورتیں رونما ہوں...

پھر چونکہ سب اولاد سے برابر محبت ہوتی ہے اس لئے ایک دوسری دقت پیش آئے گی کہ ایک کے وصال سے اتنا سرور نہ ہوگا جتنا کہ اوروں کے فراق سے رنج اٹھانا پڑے گا...پھر اس وجہ سے کہ خدا جانے کیا کیا فتنے برپا ہوں...بہر طور اس نظام میں خرابیوں اور بربادیوں کے دروازے کھل جاتے ہیں...اس لئے شریعت حقہ نے ایک عورت کے لئے متعدد شوہروں کو ممنوع قرار دیا...

ہندوؤں کی بعض قوموں میں ایک عورت کا پانچ پانڈوں کے نکاح میں ہونا جائز اور روا ہے...ان بے غیرتوں کو اس کا احساس نہیں کہ ایک عورت کا کبھی کسی سے اور کبھی کسی سے ہم آغوش اور ہم کنار ہونا سراسر بے غیرتی اور بے حیائی ہے...اسلام عزت اور عفت اور عصمت کا مذہب ہے اس میں اس بے غیرتی کی کوئی گنجائش نہیں... ہاں اگر کوئی عورت بے غیرت بن جائے تو اس کو اپنے نفس کا اختیار ہے... ہندوؤں کی طرح اگر اس کو پانچ پانڈے میسر آ جائیں اور وہ اس کو قبول بھی کر لیں تو کر لے...تمام انبیاء کرام کے مسلمہ حکمتوں میں ایک حکمت یہ ہے کہ

اذا فاتک الحیآء فاصنع ماشئت جب تجھ سے حیاء جاتی رہی تو پھر جو چاہے کر...

(از حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ)

حضرات خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

یعنی

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ .... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سُسر
سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ .... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سُسر
سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ .... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوہرے داماد
سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ .... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد
گویا ان میں سے دو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سُسر ہیں اور دو داماد ہیں

ان محترم ومکرم حضرات کی سوانح ....ایمان افروز حالات و واقعات اور باہمی محبت و یگانگت کا دل آویز تذکرہ دیا جا رہا ہے جس کے بغیر اہل بیت رضی اللہ عنہم کا تذکرہ مکمل نہیں ہوتا۔

آیئے! آئندہ صفحات میں ان مقدس حضرات کی سوانح اور ایمان افروز واقعات پڑھتے ہیں۔

خلیفہ اوّل خلیفہ راشد بلا فصل

امیر المؤمنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی عبداللہ، لقب صدیق، عتیق دونوں ہیں، باپ کا نام عثمان جن کی کنیت ابوقحافہ بن عامر ہے اور آٹھویں پشت مرہ بن کعب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مل جاتے ہیں، والدہ کا نام سلمہ اور ان کی کنیت ام الخیر ہے۔ سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ولادت عام فیل سے تین سال بعد ۵۷۳ء میں ہوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دو سال چھوٹے ہیں۔

قبل از اسلام قوم میں صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اسلام سے پہلے قبائل و اقارب میں راست گوئی، امانت و دیانت میں مشہور تھے، اہل مکہ ان کو علم، تجربہ اور حسن خلق کے باعث معزز و محترم سمجھتے تھے۔

آپ طبعاً برائیوں اور کمینہ خصلتوں سے محترز رہتے تھے آپ نے جاہلیت ہی میں شراب اپنے اوپر حرام کر رکھی تھی اور شراب نوشی میں انسانی آبرو کا نقصان کہتے تھے کسی نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ کبھی آپ نے شراب بھی پی ہے؟ آپ نے فرمایا نعوذ باللہ! کبھی نہیں پی اس نے پوچھا کیوں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نہیں چاہتا تھا کہ میرے بدن سے بو آئے اور مروت زائل ہو، یہ بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ابوبکر سچ کہتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ابتدا ہی سے خاص انس و خلوص تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلقہ احباب میں داخل تھے چنانچہ تجارت کے سفروں میں بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہوتا تھا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سلیم الطبع، حق پسند اور حق پرست انسان تھے یہی وجہ تھی کہ جب ان کو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت اسلام دی تو آپ نے کچھ پس و پیش نہ کیا فوراً قبول کر کے حلقہ بگوشان اسلام میں شامل ہو گئے۔

اس حسن صداقت کی تصدیق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان سے اس طرح ظاہر ہوتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بجز ابوبکر جس کو میں نے اسلام کی دعوت دی اس نے کچھ نہ کچھ پس و پیش ضرور کیا۔

اُم المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا عورتوں میں، حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بچوں میں، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ غلاموں میں، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آزاد بالغ مردوں میں سب سے اول مومن ہوئے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسلام لاتے ہی دین حنیف کی نشر واشاعت کی جدوجہد شروع کر دی ان کی کوششوں سے حضرت عثمان بن عفان، زبیر بن عوام، عبدالرحمٰن بن عوف، طلحہ بن عبیداللہ، سعد بن ابی وقاص، ابوعبیدہ، ابو سلمہ، خالد بن سعید، ابن العاص رضی اللہ عنہم جیسے اکابر اسلام میں داخل ہوئے۔ یہ آسمان اسلام کے نجوم تابان ہیں۔ ان تمام درخشندہ ستاروں کا مرکز شمسی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی ہے۔

ادھر کثیر تعداد غلاموں اور لونڈیوں کی تھی جو نور اسلام سے منور ہو چکی تھی لیکن اپنے مشرک آقاؤں کے پنجہ استبداد میں گرفتار ہونے کے باعث طرح طرح کی اذیتوں میں مبتلا تھے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان تمام بندگان توحید کو ان کے جفا کار مالکوں سے خرید کر آزاد کرایا، بلال ابن رباح حبشی، عامر بن فہیرہ نہدیہ رضی اللہ عنہم وغیرہ نے صدیقی جودوکرم سے نجات پائی۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعثت کے بعد کفار کی ایذا رسانی کے باوجود تیرہ برس تک مکہ میں دینی تبلیغ و اشاعت کا سلسلہ جاری رکھا سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اس مشکل ترین اوقات میں جان، مال، رائے، مشورہ غرض ہر حیثیت سے پورے متعاون اور کامل دست بازو رہے۔ چنانچہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

ولم یمر علینا یوم الایاتینا فیه رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم طرفی النهار بکرة وعشیة

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر روز صبح وشام ہمارے گھر تشریف لایا کرتے، ایک دوسرے سے حالات لئے دیئے جاتے، دیر تک یہ ہمدردانہ مجلس راز قائم رہتی۔

سفر ہجرت کی پرانوار مصاحبت یہ بابرکت سفر جو کہ تاریخ اسلام کیلئے اصل اصول قرار دیا جاتا ہے اس میں اول سے آخر تک تمام تر معیت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی کے بخت بلند کیلئے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے مخصوص کر دی تھی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی صدیق ہی کو رفیق منتخب فرمایا یہ وہ فضل صدیقی ہے جس کی دوسری نظیر نہیں۔

مدینہ کی پہلی مسجد میں سب سے پہلے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی کو مال وزر صرف کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ زمین والوں کی قیمت ادا کرو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کے بعد سے فتح مکہ تک جہاد فی سبیل اللہ کا سلسلہ جاری رہا اور ان سب غزوات میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایک مشیر و وزیر باتدبیر کی طرح ہمیشہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شرف ہمرکابی سے مشرف رہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

قال العلماء صحب ابوبکر النبی صلی الله علیه وآله وسلم من حین اسلم الی حین توفی لم یفارقه سفر ولا حضر الا فما اذن له، صلی الله علیه وآله وسلم فی الخروج فیه من حج وغزو شهد مع الشاهد کلها

بدر کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر سایہ حاصل کرنے کیلئے ایک عریش بنایا جس کا ترجمہ جھونپڑا یا چھاتہ کر سکتے ہیں تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں آرام فرمائیں۔ دشمن کی طرف سے سخت خوف کی بنا پر یہاں پہرے کی ضرورت تھی حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

مجھے بتاؤ سب سے زیادہ کون آدمی دلیر ہے تو مخاطبین نے عرض کیا ہمیں معلوم نہیں' آپ بیان فرمایئے آپ نے فرمایا کہ وہ ابوبکر ہیں بات یہ ہے کہ بدر کے دن ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے آرام گاہ بنائی اور پھر ہم نے کہا کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگرانی اور خدمت کیلئے کون اس آڑے وقت میں تیار ہے تا کہ دشمنوں سے کوئی بھی آپ کی جانب ارادہ نہ کر سکے۔ پس اللہ تعالیٰ کی قسم! ہم میں سے کوئی بھی اس خدمت کی طرف سبقت نہیں کر سکا مگر ابوبکر ننگی تلوار لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر کے محافظ کھڑے ہو گئے جو دشمن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قصد کرنا چاہتا اس پر ابوبکر فوراً ٹوٹ پڑتے پس یہ سب لوگوں سے زیادہ بہادر ہوئے۔

احد کے دن جب لوگ میدان جنگ میں پریشانی کی حالت میں منتشر ہوئے ہیں تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ نہیں چھوڑا۔

حج کی امارت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۹ ہجری میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ادائے حج کیلئے امیر حج بنا کر روانہ کیا قریباً تین سو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ساتھ تھے اور بعد میں حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کو چند ضروری اطلاعات کی تشہیر و تلقین کیلئے سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سیادت و قیادت کے ماتحت روانہ فرمایا۔ چنانچہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے صرف اعلانات ہی حج کے موقع پر کئے ہیں باقی خطبات حج (جو خاص امیر حج کا کام ہوتا ہے) موقعہ بموقعہ سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ نے پڑھے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی مبارک میں دوران مرض الوفات آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بالاختلاف بیس نمازیں اور بالاتفاق علمائے محدثین (مؤرخین) سترہ نمازوں میں تمام مسلمانوں کی امامت فرمائی۔ (البدایہ والنہایہ ابن کثیر)

یہ امامت صغریٰ فضیلت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا زبردست نشان ہے جس نے امامت کبریٰ (خلافت) کا راستہ صاف کیا۔ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت دو برس تین ماہ نو دن رہی' جمادی الاخریٰ ۱۳ھ کی سترہ تاریخ کو رات کے وقت جناب کی وفات ہوئی اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوار رحمت اور روضہ مقدسہ میں دفن ہوئے' حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی مزار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مزار سے پیچھے ہٹ کر بنی تا قیامت انوار رحمت میں شریک ہیں۔

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں قرآنی آیات

یہ حقیقت ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ یہ شرف اور سعادت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہی حاصل ہے کہ قرآن مجید نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آپ کے خصوصی تعلق کو۔ آپ کے خاص خاص اعمال وافعال کو جن سے اسلام کو بڑا فائدہ پہنچا اور آپ کے عہد خلافت کے بعض نہایت شاندار کاموں کو پوری وضاحت و صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے اور ان پر مدح کی ہے اور صرف اسی قدر نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قبل از بعثت جو دوستانہ تعلق تھا اس کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے قرآن مجید میں ہے۔

حَتّٰی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّہٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَۃً "یہاں تک کہ جب جوانی کو پہنچا اور چالیس برس کا ہوا" (الاحقاف)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی اور اس کا واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیس سال کے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اٹھارہ سال کے تھے دونوں تجارت کے سلسلہ میں شام جا رہے تھے راستہ میں ایک منزل پر قیام کیا یہاں ایک بیری کا درخت تھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس درخت کے سایہ میں جا کر بیٹھ گئے اور حضرت ابوبکر وہاں ایک راہب رہتا تھا کچھ دین ومذہب کی باتیں پوچھنے کی غرض سے اسکے پاس جا بیٹھے' راہب نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ یہ نوجوان جو درخت کے نیچے بیٹھا ہے کون ہے؟ وہ بولے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بن عبداللہ بن عبدالمطلب راہب نے کہا خدا کی قسم! یہ نبی ہوگا کیونکہ عیسیٰ بن مریم کے بعد سوائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور کوئی شخص اس درخت کے سایہ میں نہیں بیٹھ سکتا۔ راہب کی یہ بات ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دل میں ایسی بیٹھی کہ سفر ہو یا حضر کسی حالت میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ نہیں چھوڑتے تھے چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کا اعلان کیا تو سب سے پہلے ابوبکر نے ہی اس کو قبول کیا اور اسلام لائے۔

اس وقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی عمر اڑتیس سال یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دو برس کم تھی جب ابوبکر رضی اللہ عنہ چالیس برس کے ہوئے تو انہوں نے وہ دعا مانگی جو اس آیت میں مذکور ہے۔ یعنی۔

رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰہُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ ط اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْکَ وَاِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ

"یارب! مجھے توفیق دیجئے کہ میں آپ کی اس نعمت کا شکر ادا کروں جو آپ نے مجھے اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی اور ایسے نیک عمل کروں جن سے آپ راضی ہو جائیں اور میرے لئے میری اولاد کو بھی صلاحیت دے دیجئے' میں آپ کے حضور توبہ کرتا ہوں اور میں فرمانبرداروں میں شامل ہوں"۔

اسلام لانے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی دولت اللہ تعالیٰ جل شانہ کے راستہ میں اور اسلام کی مدد

کیلئے جس فیاضی اور بے جگری سے خرچ کی ہے قرآن اس کی داد اس طرح دیتا ہے۔

لَا یَسْتَوِیْ مِنْکُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ط اُولٰٓئِکَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِیْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ م بَعْدُ

تم میں سے جن لوگوں نے فتح (مکہ) سے پہلے روپیہ خرچ کیا اور جہاد کیا تم میں سے کوئی ان کے برابر نہیں ہوسکتا۔ ان لوگوں کا مرتبہ بہت اونچا ہے۔ بنسبت ان لوگوں کے جنہوں نے فتح (مکہ) کے بعد خرچ کیا ہے۔

محمد بن فضیل کلبی سے نقل کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے اس لئے کہ وہی سب سے پہلے اسلام لائے اور انہوں نے ہی سب سے پہلے اللہ کے راستہ میں اپنی دولت خرچ کی۔

امام ابوالحسن الواحدی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک روایت نقل کی ہے کہ اس سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ وہ روایت یہ ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک عبا پہنے ہوئے بیٹھے تھے جو سینہ پر سے ادھڑی ہوئی تھی اتنے میں جبرئیل امین آگئے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ ابوبکر کی عبا سینہ سے چاک ہو رہی ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا "اے جبرئیل ابوبکر نے اپنی ساری دولت میرے اوپر فتح مکہ سے پہلے ہی خرچ کردی" اب جبرئیل امین بولے "آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اللہ کا سلام ابوبکر کو پہنچا دیجئے اور ان سے پوچھئے کہ آپ اپنے اس فقر پر اللہ تعالیٰ جل شانہ سے راضی ہیں یا ناراض؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے یہ دریافت کیا تو وہ رونے لگے اور عرض کیا کہ میں اپنے رب سے ناراض ہوں گا؟ نہیں بلکہ میں اپنے رب سے راضی ہوں' اپنے رب سے راضی ہوں۔

اس آیت میں تو صرف دولت خرچ کرنے کا ذکر ہے ایک اور آیت میں انفاق کے ساتھ دوسری صفات کا بھی ذکر ہے۔ ارشاد ہے: فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی

پس وہ شخص جس نے دیا' پرہیزگاری برتی اور نیکیوں کی تصدیق کی ہم اس کیلئے آسانیاں بہم پہنچائیں گے۔

الواحدی نے اس آیت کے ذیل میں متعدد روایات نقل کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا سبب نزول یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ غلام خرید خرید کر آزاد کیا کرتے تھے یہ غلام اکثر ضعیف و ناتواں ہوتے تھے ایک دن ان کے باپ ابوقحافہ نے کہا کہ بیٹا اگر تم کو غلام آزاد کرنے کا ایسا ہی شوق ہے تو پھر کڑیل نوجوان غلام خریدا کرو تا کہ وہ کسی وقت تمہارے کام بھی آئیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ابا جان! میری نیت تو ان غلاموں کے آزاد کرنے میں کچھ اور ہی ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال حبشی کو خرید کر آزاد کیا تو مشرکین مکہ نے کہنا شروع کیا کہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) پر بلال کا کوئی احسان تھا انہوں نے اس کا بدلہ چکایا ہے قرآن نے اس کی بھی تردید کی اور اعلان کیا۔

وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓی اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی وَلَسَوْفَ یَرْضٰی

اور ان (ابوبکر) پر کسی کا کوئی احسان نہیں تھا جس کا بدلہ چکایا گیا ہو بجز رب اعلیٰ کی رضا جوئی کے اور عنقریب یہ راضی ہوگا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راتوں کو بیدار رہ کر جو عبادت الٰہی کرتے تھے اس کا ذکر قرآن کریم میں اس طرح کیا گیا ہے۔

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ

''بھلا جو شخص راتوں کے اوقات سجدے اور قیام کی حالت میں (عبادت میں) گزارتا ہے آخرت سے ڈرتا ہو اور اپنے رب کی رحمت سے امید رکھتا ہو''۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اسلام لائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کی تو عثمان، طلحہ، زبیر (رضی اللہ عنہم) وغیرہم ان کے پاس آئے اور پوچھا کہ کیا آپ ایمان لے آئے ہیں؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب اثبات میں دیا تو یہ سب بھی مسلمان ہو گئے قرآن نے اس واقعہ کو بھی بیان کیا جس سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی مدح کا پہلو نکلتا ہے۔

ارشاد ہے: فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ

''پس اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ خوشخبری سنا دیجئے ان لوگوں کو جو قول سنتے ہیں اور اس اچھے قول کا اتباع کرتے ہیں''۔

ان متفرق واقعات ومحامد کے علاوہ قرآن مجید میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سب سے اہم تذکرہ وہ ہے جو غار ثور میں رفاقت سے متعلق ہے فرمایا گیا۔

ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ غار ثور میں جو دو تھے ان کا دوسرا۔

یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت مآبی کی اتنی بڑی اہم اور مستند دستاویز ہے کہ علما نے کہا ہے کہ چونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معیت وصحبت نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) قرآن مجید میں منصوص ہے اس بنا پر اس کا منکر کافر ہے، یہ صرف صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خصوصیت ہے کسی اور صحابی کو یہ شرف حاصل نہیں ہے پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رفاقت فی الغار کے عنداللہ وعندالناس مقبول ہونے کی دلیل اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ گہری دوستی کیلئے یار غار بطور استعارہ ہی بولا جانے لگا ہے۔

پھر جس طرح قرآن مجید میں بعض مواقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تنبیہ کی گئی ہے مثلاً ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو نابینا تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی طرف زیادہ التفات نہیں فرمایا۔

عَبَسَ وَتَوَلّٰى اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰى اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى

(پیغمبر نے) منہ بنایا اور رخ پھیر لیا اس لئے ان کے پاس وہ نابینا آ گیا تھا (اے پیغمبر) تمہیں کیا خبر؟ شاید وہ

سدھر جاتا اور نصیحت قبول کرتا اور نصیحت کرنا اسے فائدہ پہنچاتا وہ شخص تو بے پروائی دکھا رہا تھا۔

سورہ نور کی آیات نازل ہوئیں ٹھیک اسی طرح کا معاملہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بھی ہے۔ واقعہ افک میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسطح بن اثاثہ کی مالی اعانت و امداد سے دست کشی اختیار کر لینے کا ارادہ کر لیا تھا تو قرآن مجید میں ان لفظوں کے ساتھ تنبیہ کی گئی۔

وَلا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْا اُولِی الْقُرْبٰى
وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ. وَلْيَعْفُوْا (النور ۱۸)

تم میں جو لوگ صاحب فضل و مقدرت ہیں وہ رشتہ داروں، مسکینوں اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ہجرت کرنے والوں کی مدد نہ کرنے کی قسم نہ کھائیں اور ان کو چاہئے کہ معاف کر دیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آیت سن کر کہا ''خدا کی قسم! میں چاہتا ہوں کہ خدا مجھے بخش دے اور عہد کیا کہ اب آئندہ برابر وہ مسطح کے کفیل رہیں گے اگرچہ یہ تنبیہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ جل شانہ کے ساتھ غیر معمولی قرب اختصاص کی دلیل ہے جس کو بے شبہ مختصات حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں شمار کرنا چاہئے۔

پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کا جو سب سے بڑا اور عظیم الشان کارنامہ ہے یعنی مرتدین عرب سے جنگ و قتال اس کا تذکرہ بھی قرآن کریم میں کیا گیا ہے اور نہ صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بلکہ وہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے اس قتال میں حصہ لیا ان کو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنی محبوبیت کا طغرائے امتیاز عطا فرمایا ہے لیکن چونکہ اس اہم اور عظیم الشان کارنامہ کی ابتدا و انتہا اور اس کی قیادت و زعامت کا سہرا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہی سر ہے اس بنا پر محبوبیت الٰہی کے اس تمغہ اعزاز میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حصہ بھی سب سے زیادہ ہوگا۔ ارشاد ربانی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗۤ
اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ط
ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ

اے ایمان والو! تم میں سے اگر کوئی شخص اپنے دین سے پھر جائے تو عنقریب اللہ تعالیٰ جل شانہ ان کے بدلہ میں ایسے لوگوں کو لائے گا جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں، یہ لوگ مومنین پر ہلکے پھلکے ہیں، کافروں پر غالب، اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں اور کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈرتے، یہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ جل شانہ بڑی وسعت والا اور علم والا ہے۔

امام بیہقی نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان

میں نازل ہوئی ہے، جب عرب مرتد ہو گئے تو انہوں نے اور ان کے رفقاء نے جہاد کیا اور آخر کار ان کو اسلام کی طرف لوٹا دیا، یونس بن بکیر قتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم آپس میں کہا کرتے تھے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارہ میں نازل ہوئی ہے کیونکہ انہوں نے ہی مرتدین عرب سے قتال کیا تھا۔

فضائل ومناقب

اولیت فی الاسلام

حضرت شیبی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ لوگوں میں اول ایمان لانے والے کون ہیں؟ فرمایا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ! حقیقت یہی ہے کہ سب سے اول اسلام لانے والے صدیق رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ اصحاب رسول کی کثیر جماعت اور تابعین وغیرہم کا یہی قول ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تو اس پر اجماع تک نقل کرتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیان میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق رجال کا لفظ موجود ہے۔ فرمایا مردوں میں سب سے اول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اسلام لائے۔ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفاء میں یہ ایک نفیس نکتہ لکھا ہے کہ اولیت اسلام میں محض اس لئے فضیلت ہے کہ جو سب سے پہلے اسلام لایا ہوگا۔ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مصائب میں زیادہ شرکت کا موقع ملا ہوگا۔ نیز وہ دوسروں کے اسلام کا سبب بنا ہوگا۔ یہ دونوں باتیں ان چاروں میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بوجہ صغرسنی، حضرت ام المومنین خاتون ہونے کی وجہ سے اور حضرت زید بن حارثہ بوجہ غلامی مصائب نبوت میں شرکت اور اشاعت اسلام سے معذور تھے۔

آغاز اسلام اور ایام مصیبت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست وباز و رفیق کار ناصر ومحافظ اور مصائب وآلام شریک وسہیم اگر تھے تو صرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ لہٰذا فضیلت واوّلیت فی الاسلام کا سہرا انہی کے سر ہے۔

یہ شرف بھی آپ کو حاصل ہے کہ آپ کی چار نسلیں شرف صحبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشرف ہوئیں۔ آپ صحابی ہیں، آپ کے والد محترم ابوقحافہ صحابی ہیں، آپ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن صحابی ہیں اور ان کے صاحبزادے بھی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)۔

صدیق کا لقب آپ کیلئے مخصوص ہے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (جبل) احد پر چڑھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے تھے احد پر زلزلہ طاری ہو گیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر اپنا پاؤں مارا اور فرمایا احد ٹھہر جا، تیرے اوپر نبی ہے اور صدیق ہے اور دو شہید ہیں۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت و تعلق

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ آپ کا شریک جلوت وخلوت کون ہے؟ اس سوال کا جواب بھی ظاہر ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اول من اسلم ہیں پھر اسلام سے قبل بھی دونوں ساتھ اور بعض معاملات میں ایک دوسرے کے شریک ورفیق رہے ہیں اسلام قبول کرنے کے بعد تو معیت ورفاقت کا یہ عالم رہا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گویا ایک دن کیلئے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جدا نہ ہوئے قیام مکہ کے زمانہ میں اور لوگ حبشہ گئے لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نہ گئے۔ پھر ہجرت مدینہ کا وقت آیا تو بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں پہلے سے مدینہ پہنچ گئے۔ لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اور اس طرح رفیق سفر وحضر رہے۔ غزوات کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے جن غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے جاتے تھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ ہوتے تھے سرایا میں لوگ کہتے تھے کہ ابوبکر کو بھیجئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ نہیں یہ میرے پاس رہیں گے اور مجھ کو ان کی ضرورت ہے اس طویل ترین رفاقت کے باعث ظاہر ہے کہ جو تربیت وتعلیم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہوسکتی ہے اور کسی دوسرے کی نہیں ہوسکتی تھی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ زندگی کے سخت ترین مراحل اور نازک ترین لمحات میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفیق اور مصاحب رہے ہیں۔ یہ چیز آں موصوف رضی اللہ عنہ کے خلوص اور اخلاص کے نشانات میں سے ہے اور ان کی ذات پر اعتماد نبوی کی علامت ہے کیونکہ اعتماد کے بغیر ایسے وقت میں کسی کو رفیق سفر نہیں بنایا جاسکتا۔ قرآن مجید کی نص میں جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنے پیغمبر کا صاحب فرمایا ہے جب کہ کسی دیگر شخص کو صاحب نبی نہیں فرمایا اور اس مقام میں صاحب کا معنیٰ ہم نشین ہے۔ پس اس چیز سے آں موصوف رضی اللہ عنہ کی کمال فضیلت کا اظہار ہورہا ہے۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رفیق ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تسکین خاطر کیلئے لاتحزن کے کلمات فرمائے چونکہ جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حزن وملال اپنی ذات کیلئے نہیں بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے تھے اس سے آں موصوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کمال محبت والفت کا ثبوت پایا جاتا ہے۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکر صدیق کو فرمایا اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا یعنی اللہ تعالیٰ کی معیت (بصورت نصرت وحفاظت) ہمارے ساتھ ہے۔ اس میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی معیت (بصورت نصرت وحفاظت) میں اپنے ساتھ شریک کرنا آں موصوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کمال ایمان کی دلیل ہے کیونکہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی جانب سے جس طرح کی معیت (بصورت نصرت وحفاظت) حاصل ہوئی بالکل وہی معیت جناب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حاصل ہوئی۔

اداشناسی اور مزاج دانی نبوت

اس قرب و اتصال، ہر وقت کی معیت و رفاقت اور پھر خود اپنی ذاتی استعداد و صلاحیت کے باعث جس درجہ کے اداشناس اور مزاج دان نبوت صدیق اکبر ہو سکتے تھے کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا۔ واقعات کا تتبع کیا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مزاج اور انداز طبیعت ایک ہی خمیر سے تیار ہوا تھا، عادات و خصائل، امیال اور عواطف کے اعتبار سے ایک دوسرے سے جتنے قریب حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے کوئی اور نہیں تھا یہ یاد رکھنا چاہئے یہاں بحث صرف مزاج کی ہم رنگی سے ہے نہ کہ شریعت کے اصل احکام و مسائل سے چنانچہ پہلے ایک روایت گزر چکی ہے جس میں ابن الدغنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اوصاف و کمالات ٹھیک ٹھاک وہی بیان کئے ہیں جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان کئے تھے اس کے علاوہ چند اور اوقات بھی ہیں جن سے اس پر مزید روشنی پڑے گی۔

اس طرح کا ایک موقع صلح حدیبیہ کے واقعہ میں پیش آیا تھا ابوجندل جن کو کافروں نے بڑی بے رحمی سے مارا تھا جب انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سامنے آ کر اپنے زخم دکھائے اور کہا کیا آپ لوگ اس حالت میں بھی مجھ کو مکہ واپس کر دینا چاہتے ہیں تو پورا مجمع تڑپ اٹھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ میں برداشت کہاں تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بولے کیا آپ پیغمبر برحق نہیں ہیں اور اس طرح کے اور سوال و جواب کیے آخر جب یہاں تسلی نہ ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور گفتگو وہی کی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے شخص وہ بے شبہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اپنے رب کی نافرمانی نہیں کرتے خدا تعالیٰ جل شانہ ان کی مدد کرنے والا ہے، پس تم ان کے دامن کو پکڑ لو قسم اللہ تعالیٰ کی وہ یقیناً حق پر ہیں۔

اب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا "کیا آپ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم سے یہ نہیں کہا کرتے تھے کہ ہم جلد ہی بیت اللہ آئیں گے اور اس کا طواف کریں گے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ہاں کیوں نہیں، لیکن کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرما دیا ہے کہ تم اسی سال بیت اللہ پہنچو گے۔

اسی طرح جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی تو اس حادثہ فاجعہ کی خبر سنتے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کیا حال ہوا تھا؟ لیکن جب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا ۚ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ

آیت پڑھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یکایک آنکھ کھل گئی اور ایسا معلوم ہوا کہ گویا اب تک انہوں نے یہ آیت سنی ہی نہ تھی۔ ان سب واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم

وتربیت کے سانچہ میں اس طرح ڈھل گئے تھے کہ فکر ذہن اور مزاج وطبیعت تک میں یگانگت اور مکمل مماثلت پیدا ہوگئی تھی اور اس بنا پر اداشناسی نبوت میں کسی کو ان کے ساتھ دعویٰ ہم سری نہیں ہوسکتا تھا۔

ثانی اثنین

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنے کلام مجید میں ثانی اثنین کے لفظ سے ذکر فرمایا ہے اور یہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیلئے خصوصی فضیلت ولقب ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اپنی گفتگو اور کلام میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ثانی اثنین کے لقب سے ذکر کرتے ہیں یعنی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ثانوی درجہ میں ہیں۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو (ثانی ہونے کی) خصوصیت قدرت کاملہ کی طرف سے بہت سے دیگر مقامات میں بھی حاصل ہوئی ہے۔

مثلاً ثانی فی الاسلام قبول اسلام میں آں موصوف رضی اللہ عنہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بعد دوسرے شخص ہیں۔

ثانی فی الهجره: جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں ہجرت کرنے میں آپ رضی اللہ عنہ دوسرے درجہ میں ہیں۔ مقام بدر میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے تیار کئے جانے والے عریش میں آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں بیٹھنے والے دوسرے شخص ہیں اور عریش چھاتہ کو کہتے ہیں۔

ثانی فی الامام بالصلوہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں نماز کی امامت کرنے والے آں موصوف رضی اللہ عنہ دوسرے درجہ میں ہیں۔ ثانی فی دخول الجنۃ۔ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت کے مطابق جنت میں داخل ہونے والے آپ رضی اللہ عنہ دوسرے شخص ہوں گے وغیرہ وغیرہ۔

اولیات صدیقی

وہ امور جن میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سب سے اول درجہ پر فضیلت نصیب فرمائی ہے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آزاد مردوں میں سب سے اول مشرف باسلام ہوئے ہیں اور کسی دوست کے ساتھ بغیر مشورہ اور صلاح کے ایمان لائے ہیں۔ پھر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی دار (حویلی) کے صحن میں مسجد بنائی اور اس میں نماز پڑھنے اور قرآن مجید کی ابتدا کی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مل کر جماعت کی صورت میں سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پہلے نماز پڑھنے کی سعادت حاصل کرنے والے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مسجد نبوی کی بنیاد سب سے پہلے رقم خرچ کر کے ڈالی اور اپنی طرف سے رقم خرچ کر کے سب اصحاب سے سبقت حاصل کی (یہ سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد سے ہوا)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر رحمت فرمائے

وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قرآن مجید کو دو تختیوں کے درمیان جمع کیا۔

پہلا حج جو اسلام میں ہوا ہے اس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہلا امیر حج بنا کر روانہ فرمایا پھر آئندہ سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج کو خود تشریف لے گئے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عالم سے رخصت ہونے کے اختیار کی اطلاع پانے پر سب سے اول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آنسو جاری ہوئے حالانکہ باقی سب صحابہ کرام ان کی اس حالت پر متعجب تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک آدمی کو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی طرف سے انتقال کے اختیار ملنے کی اطلاع دے رہے ہیں اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رو رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں پہلا شخص ہوں گا (فنا کے بعد قیامت میں) جو زمین سے اٹھوں گا پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ اٹھیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ضرور تو پہلا شخص ہوگا جو میری امت میں سے جنت میں داخل ہوگا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ پہلی عظیم شخصیت ہیں کہ اسلام میں خلیفہ رسول اور خلیفۃ المسلمین کے نام سے موسوم ہوئی۔

خصوصیات صدیقی

یعنی وہ امور فضیلت جو خصوصی طور پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہی حاصل ہیں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی عظیم شخصیت گوناگوں خصائص کی حامل و مالک ہے متعدد خصوصیتوں کی بنا پر آپ اصحاب رسول کی پوری جماعت میں منفرد و ممتاز ہیں۔ ذیل میں آپ کے تفرد و انفراد کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ پہلی عظیم شخصیت ہیں کہ اسلام میں خلیفہ رسول اور خلیفۃ المسلمین کے نام سے موسوم ہوئی۔ آپ کے والد ابوقحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کی والدہ ام الخیر رضی اللہ عنہا شرف اسلام اور صحبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشرف ہوئے۔ آپ کے سوا مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کسی کے والدین کو یہ شرف نصیب نہیں ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کے متعلق فرمایا آپ کے والدین اسلام لائے اور آپ کے بغیر مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے کسی کے والدین مسلمان نہیں ہوئے۔

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سے صرف سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں جن کی چار پشتیں صحابی ہیں۔ ابوعتیق محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیق بن ابی قحافہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

مقام صدیق رضی اللہ عنہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ بدر سے پہلے حالت کفر پر تھے بلکہ جنگ بدر میں وہ دشمنوں کے ساتھ شامل تھے جب عین جنگ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے فرزند کی زد میں آگئے تو محبت پدری نے جوش مارا اور حضرت عبدالرحمٰن نے اپنا رخ دوسری سمت کرلیا....

اصحاب رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محفل گرم تھی جنگ بدر کا ذکر چھڑا تو حضرت عبدالرحمٰن نے جو اس وقت مشرف باسلام ہو چکے تھے اپنے جلیل القدر والد (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے) مندرجہ بالا واقعہ کا ذکر کیا آپ نے فرمایا اگر تم میری زد میں آ جاتے تو میں للّٰہیت کے مقابلہ میں محبت پدری کی کوئی پروانہ کرتا کیونکہ مسلمان حق کی اشاعت وتبلیغ کے لئے ہے نہ باطل سے ڈرنے اور تعلقات میں پھنسنے کے لئے....(نا قابل فراموش واقعات)

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی نظر میں

اسید بن صفوان صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آیت ہذا "وَالَّذِیْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ بِهٖ" کی تشریح وتوضیح اس طرح کی ہے کہ (دین) حق کو لانے والے سیدنا محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں اور اس کی تصدیق کرنے والے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) ہیں۔ (رحماء بینہم جلد اول ص ۳۰۶)

"السابقون الاوّلون" کے مقدس گروہ کے یہ بزرگ سرخیل اور پیش رو ہیں

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ذکر فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کو فرمایا کہ ہجرت میں میرے ساتھ کون ہوگا؟ تو اس نے کہا کہ ابوبکر ہوگا (جسکا لقب) صدیق ہے۔

❶ ...ہر کارِ خیر میں تمام مسلمانوں سے گویا سبقت لے جانیوالے ابوبکر صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

❷ ...خصوصاً چار چیزوں (میں) ان کی پیش قدمی مسلمات میں سے ہے۔

❸ ...اور اسلام لانے میں بھی ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ تمام مردوں سے پیش قدمی کرنے والے ہیں۔ گویا "السابقون الاوّلون" کے مقدس گروہ کے یہ بزرگ سرخیل اور پیش رو ہیں۔ (رحماء بینہم جلد اول ص ۳۱۵)

سب سے پہلے اسلام لانے (یا اسلام میں داخل ہونے والے) ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

عبارت اس طرح ہے:

واخرج ابن عساکر من طریق الحارث عن علی قَال اَوَّلُ مَنْ اَسْلَمَ مِنَ الرِّجَالِ اَبُوْبَكْرٍ.

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ ہم کسی نیک کام کی طرف سبقت نہیں کر سکے مگر ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اس میں ہم سے بڑھ گئے (یا یوں کہہ لیا جائے) کہ ہر کارِ خیر میں ہم سے ابوبکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) پیش پیش رہتے تھے۔ (رحماء بینہم جلد اوّل ص ۳۱۴)

ابوالزناد روایت کرتا ہے کہ ایک شخص نے (حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں) ان سے دریافت کیا کہ اے امیر المؤمنین! مہاجرین وانصار نے (آپ پر) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کس طرح مقدم کر دیا حالانکہ منقبت میں آپ زیادہ فائق ہیں اور اسلام لانے میں اور صلح جوئی میں آپ پیش پیش ہیں اور سبقت لے جانے والے اعمال میں آپ مقدم ہیں تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (اے شخص) اگر تو قریشی ہے تو خیال یہ ہے تو (قبیلہ) عائذہ سے ہوگا اس

نے کہا کہ ہاں۔ پھر فرمایا کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ مؤمن کو (ناجائز عمل) سے بچالیتا ہے تو میں تجھے قتل کر دیتا۔ اگر تو زندہ رہا تو تجھے میری طرف سے ایسا اندیشہ اور خوف لاحق ہوگا جو تجھے (اس غلط نظریہ سے) روک ڈالے گا۔

اے بیچارے! (تم جانتے نہیں؟) کہ مجھ سے ابوبکر چار چیزوں میں سبقت لے گئے۔

(ایک تو) نماز کی امامت اور (قوم کی پیشوائی) میں۔ (دوسرا) ہجرت کرنے میں۔

(تیسرا) غار کی رفاقت نبوی میں (چوتھا) اسلام کے اظہار اور اس کی اشاعت میں۔

بیچارے! (تم نہیں جانتے؟) کہ تمام لوگوں کی اللہ نے مذمت کی اور ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدح کی ہے۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ (رحماء بینهم جلد اوّل ص ۳۱۴)

ترجمہ:...... ''اگر تم ان (نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مدد نہ کرو تو اللہ ہی نے ان کی مدد کی' اس وقت جب کہ انہیں کافروں نے دیس سے نکال دیا تھا۔ دو میں سے دوسرا جبکہ وہ دونوں غار میں تھے جب یہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کر' اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پس جناب باری تعالیٰ نے اپنی طرف سے تسکین اس پر نازل فرمائی۔''

متعدد محدثین نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک عجیب فضیلت ذکر کی ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میں نے سنا وہ ابوبکر کو فرما رہے تھے کہ اے ابوبکر! آدم سے لے کر قیامت تک جو لوگ میرے ساتھ ایمان لائیں گے' ان سب کا ثواب مجھ کو اللہ تعالیٰ نے عطا کیا اور میری بعثت سے لے کر قیامت تک جو لوگ ایمان لائیں گے ان سب کا ثواب اللہ تعالیٰ نے تجھے عطا فرما دیا۔ (رحماء بینہم جلد اوّل ص ۳۰۸' ۳۰۷)

سفر ہجرت میں معیت صدیقی اور امدادِ ملائکہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ ذکر کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جبرئیل (علیہ السلام) کو فرمایا کہ ہجرت میں میرے ساتھ کون ہوگا؟ تو اس نے کہا کہ ابوبکر ہوگا (جس کا لقب) صدیق ہے۔ (رحماء بینہم جلد اوّل ص ۳۱۶)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے لیے اور ابوبکر کے لیے ارشاد فرمایا کہ (مواقع جنگ میں) تم میں ایک کے ساتھ جبرئیل ہوتے ہیں اور دوسرے کے ساتھ میکائیل اور اسرافیل بہت بڑا فرشتہ ہے' جنگی مواقع میں پہنچتا ہے اور جنگی صفوں میں شامل رہتا ہے۔ (رحماء بینہم جلد اوّل ص ۳۱۶' ۳۱۷)

ان روایات میں جو مدائح ومناقب صدیقی مذکور ہوئے' یہ تمام حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعے اُمت مسلمہ کو موصول ہوئے۔ یہ چیزیں ان کی باہمی دوستی اور اخلاص کے درخشندہ عنوانات ہیں جن کی قدر دانی چشم بصیرت ہی کر سکتی ہے۔ (رحماء بینہم جلد اوّل ص ۳۱۶' ۳۱۷)

فضیلت و کردار، مرتبہ

ابو سریحہ کہتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے میں نے سنا کہ منبر پر تشریف رکھتے ہوئے فرما رہے تھے کہ لوگو! یقیناً ابو بکر بڑے درد مند، نرم دل اور خدا کی طرف رجوع رکھنے والے تھے اور خبردار! عمر بن الخطاب اللہ تعالیٰ کے دین کی خیر خواہی کرنے والے تھے، پس اللہ تعالیٰ نے ان کی خیر خواہی کی۔ (رحماء بینہم جلد اوّل ص ۳۰۴)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق سوال کیا گیا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ وہ دونوں (اُمت کیلئے) ہدایت کے امام اور رہنما تھے۔ (قوم کی) اصلاح کرنے والے تھے۔ (مقاصد خیر میں) کامیاب وکامران تھے، دنیا سے بھوکے اور گرسنہ رخصت ہوئے۔ یعنی طمع ولالچ کی خاطر مال فراہم نہیں کیا۔ (رحماء بینہم جلد اوّل ص ۳۰۴)

عبداللہ کہتا ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرما رہے تھے کہ ہر نبی کو اس کی اُمت میں سے سات عدد نجیب یعنی شریف و مخلص عطا کیے جاتے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی اُمت میں سے چودہ عدد نجیب و شریف الاصل عطا کیے گئے ہیں۔ ان میں ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی ہیں۔ (رحماء بینہم جلد اوّل ص ۳۰۵)

اوّل اوّل قرآن مجید کو جمع کرنیوالے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ قرآن مجید کے جمع کرنے اور ترتیب دینے میں تمام لوگوں سے زیادہ اجر پانے والے ابو بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ ابو بکر پہلے وہ شخص ہیں جنہوں نے قرآن مجید کو دو دستینوں اور تختیوں کے درمیان جمع فرمایا اور مدون کیا۔

عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ يَرْحَمُ اللّٰهُ اَبَا بَكْرٍ هُوَ اَوَّلُ مَنْ جَمَعَ اللَّوحَيْن. (رحماء بینہم ص ۳۱۸)

سیدنا ابوبکر الصدیق کی تقدیم اور پیشوائی پر دین و دنیا دونوں اعتبار سے حضرت علی رضی اللہ عنہ خوشنود اور راضی تھے

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو بکر کو مقدم کیا۔ پس انہوں نے لوگوں کو نماز پڑھائی (حالانکہ) میں حاضر موجود تھا، غائب نہیں تھا اور میں تندرست اور صحت مند تھا، کوئی مریض نہیں تھا (اور نہ ہی معذور تھا) اگر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مجھے مقدم فرمانا چاہتے تو مقدم فرما سکتے تھے۔ پس اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس شخص کو ہمارے دین کے لیے اختیار اور پسند فرمایا تو ہم اپنے دنیاوی امور میں بھی اس پر راضی اور خوشنود ہو گئے۔ (رحماء بینہم جلد اوّل ص ۳۳۰، ۳۲۹)

نزال بن سبرہ ہلالی نے کہا کہ علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خوش مزاجی کی حالت میں ہم ان سے ملے، ہم نے کہا کہ اے امیر المؤمنین اپنے اصحاب کے متعلق فرمائیے تو آپ نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام

اصحاب ورفقاء میرے رفیق اور ساتھی ہیں، پھر ہم نے عرض کی ان کے متعلق بیان فرمائیے۔ آپ نے فرمایا، دریافت کرو، ہم نے گزارش کی کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کے مقام ومنزلت) کے متعلق ارشاد فرمائیے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے کہ یہ وہ شخص ہیں کہ اللہ تعالیٰ جبرائیل علیہ السلام اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں کی زبان پر ان کا نام "صدیق" رکھا ہے اور وہ نماز میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلیفہ اور قائم مقام ٹھہرے۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے دین کے لیے جب ان کو پسند کرلیا تو ہم اپنے دنیاوی معاملات کے لیے بھی ان پر رضامند ہو گئے۔ (رحماء بینہم جلد اوّل ص ۳۳۰،۳۲۹)

اظہارِ تاسف اور اقرار فضیلت کے کلمات

حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوت ہوئے ہیں تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس مکان کے دروازہ پر جس میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نعش پر چادر ڈالی ہوئی تھی تشریف لا کر کھڑے ہوئے اور (صدیق اکبر کو خطاب کر کے) فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی قسم آپ دین کے لیے ابتدائی مراحل میں سبقت کرنے والے اور پیشرو تھے جس دور میں دین سے لوگ متنفر تھے اور آخر دور میں بھی آپ (پیش قدم) رہے جب کہ لوگ ضعیف اور بزدل ہو رہے تھے اور (اپنی رائے کو انہوں نے کمزور سمجھا تھا) آپ دین کے معاملات میں اس پہاڑ کی طرح مضبوط رہے جس کو سخت تر ہوائیں متحرک نہ کرسکیں اور توڑ ڈالنے والی آندھیاں اپنی جگہ سے زائل نہ کرسکیں۔ (یعنی انتقال نبوی کے بعد فتنہ ارتداد میں آپ ثابت قدم اور راسخ عمل رہے)۔ (رحماء بینہم جلد اوّل ص ۳۳۳)

ابوالمعتمر کہتا ہے کہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے متعلق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ دونوں بزرگ ستر آدمیوں کے اس وفد میں شامل ہیں جو قیامت کے روز حضورِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہو کر اللہ تعالیٰ جل شانہ کی جناب میں پہنچے گا اور ان دونوں حضرات کو (عالم ارواح) میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ جل شانہ سے طلب کیا تھا لیکن یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کیے گئے۔ (رحماء بینہم جلد اوّل ص ۳۰۷،۳۰۶)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان

ایک شخص نے کہا اے امیر المؤمنین! آپ سے قبل بھی یہ حضرات جنت میں تشریف لے جائیں گے؟ تو جواباً فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس نے ایک ایک دانہ کو پیدا کیا اور ایک روح کو تخلیق کیا یقیناً ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما مجھ سے قبل جنت میں داخل ہوں گے۔ (رحماء بینہم جلد اوّل ص ۳۰۸)

حضرت اسماء بنت ابوبکر کی زندگی اور تنگی

حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی اور عبداللہ بن زبیرؓ کی والدہ اور حضرت عائشہؓ کی سوتیلی بہن مشہور صحابیات میں سے ہیں۔ شروع میں ہی مسلمان ہو گئیں تھیں۔ کہتے ہیں کہ سترہ ۱۷ آدمیوں کے بعد یہ مسلمان ہوئی تھیں۔

ہجرت سے ستائیس سال پہلے پیدا ہوئیں اور جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ پہنچ گئے تو حضرت زیدؓ وغیرہ کو بھیجا کہ ان دونوں حضرات کے اہل وعیال کو لے آئیں۔ ان کے ساتھ ہی حضرت اسماءؓ بھی چلی آئیں۔ جب قبا میں پہنچیں تو عبداللہ بن زبیر پیدا ہوئے اور ہجرت کے بعد سب سے پہلی پیدائش ان کی ہوئی۔

خانہ داری کی ذمہ داریاں

اس زمانہ کی عام غربت، تنگدستی، فقر وفاقہ مشہور ومعروف ہے اور اس کے ساتھ ہی اس زمانہ کی ہمت، جفاکشی، بہادری، جرأت ضرب المثل ہیں۔ بخاری میں حضرت اسماءؓ کا طرز زندگی خود ان کی زبان سے نقل کیا ہے۔ فرماتی ہیں کہ جب میرا نکاح زبیر سے ہوا تو ان کے پاس نہ مال تھا نہ جائیداد نہ کوئی خادم کام کرنے والا نہ کوئی اور چیز۔ ایک اونٹ پانی لاد کر لانے والا اور ایک گھوڑا میں ہی اونٹ کے لئے گھاس وغیرہ لاتی تھی اور کھجور کی گٹھلیاں کوٹ کر دانہ کے طور پر کھلاتی تھی۔ خود میں پانی بھر کر لاتی اور پانی کا ڈول پھٹ جاتا تو اس کو آپ ہی سیتی تھی اور خود ہی گھوڑے کی ساری خدمت گھاس دانہ وغیرہ کرتی تھی اور گھر کا سارا کاروبار بھی انجام دیتی تھی۔ مگر ان سب کاموں میں گھوڑے کی خبر گیری اور خدمت میرے لئے زیادہ مشقت کی چیز تھی۔ روٹی البتہ مجھے اچھی طرح پکانا نہیں آتی تھی تو میں آٹا گوندھ کر اپنے پڑوس کی انصار عورتوں کے یہاں لے جاتی وہ بڑی سچی مخلص عورتیں تھیں۔ میری روٹی بھی پکا دیتی تھیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچنے پر زبیرؓ کو ایک زمین جاگیر کے طور پر دے دی۔ جو دو میل کے قریب تھی میں وہاں سے اپنے سر پر کھجور گٹھلیاں لاد کر لایا کرتی تھی۔ میں ایک مرتبہ اس طرح آ رہی تھی اور گٹھڑی میری سر پر تھی۔ راستہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مل گئے اونٹ پر تشریف لا رہے تھے اور انصار کی ایک جماعت ساتھ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھ کر اونٹ ٹھہرایا اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تاکہ میں اس پر سوار ہو جاؤں۔ مجھے مردوں کے ساتھ جاتے ہوئے شرم آئی اور یہ بھی خیال آیا کہ زبیرؓ کو غیرت بہت ہی زیادہ ہے۔ ان کو بھی یہ ناگوار ہوگا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میرے انداز سے سمجھ گئے کہ مجھے اس پر بیٹھتے ہوئے شرم آتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے میں گھر آئی اور زبیرؓ کو قصہ سنایا کہ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم ملے اور یہ ارشاد فرمایا۔ مجھے شرم آئی، اور تمہاری غیرت کا خیال بھی آیا۔ زبیرؓ نے کہا کہ خدا کی قسم تمہارا گٹھلیاں سر پر رکھ کر لانا میرے لئے اس سے بہت زیادہ گراں ہے (مگر مجبوری یہ تھی کہ یہ حضرات خود تو زیادہ تر جہاد میں اور دین کے دوسرے امور میں مشغول رہتے تھے اس لئے گھر کے کاروبار عام طور پر عورتوں ہی کو کرنا پڑتے تھے) اس کے بعد میرے باپ حضرت ابوبکرؓ نے ایک خادم جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیا تھا میرے پاس بھیجدیا جس کی وجہ سے گھوڑے کی خدمت سے مجھے خلاصی ملی گویا بڑی قید سے میں آزاد ہوگئی۔ (بخاری۔ فتح)

فائدہ: عرب کا دستور پہلے بھی تھا اور اب بھی ہے کہ کھجور کی گٹھلیاں کوٹ کر یا چکی میں دَل کر پھر پانی میں بھگو کر جانوروں کو دانہ کے طور پر کھلاتے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہجرت کے وقت مال لے جانا اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا اپنے دادا کو اطمینان دلانا

حضرت ابوبکرؓ ہجرت فرما کر تشریف لے جا رہے تھے تو اس خیال سے کہ نہ معلوم راستہ میں کیا ضرورت درپیش ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی ساتھ تھے اس لئے جو کچھ مال اس وقت موجود تھا۔ جس کی مقدار پانچ چھ ہزار درہم تھی وہ سب ساتھ لے گئے تھے۔ ان حضرات کے تشریف لے جانے کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے والد ابو قحافہ جو نابینا ہو گئے تھے اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ پوتیوں کے پاس تسلی کے لئے آئے آ کر افسوس سے کہنے لگے کہ میرا خیال ہے کہ ابوبکر نے اپنے جانے کا صدمہ بھی تم کو پہنچایا اور مال بھی شاید سب لے گیا کہ یہ دوسری مشقت تم پر ڈالی۔ اسماءؓ کہتی ہیں میں نے کہا نہیں دادے ابا جان وہ تو بہت کچھ چھوڑ گئے ہیں۔ یہ کہہ کر میں چھوٹی چھوٹی پتھریاں جمع کر کے گھر کے اس طاق میں بھر دیں جس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے درہم پڑے رہتے تھے اور ان پر ایک کپڑا ڈال کر دادے کا ہاتھ اس کپڑے پر رکھ دیا جس سے انہوں نے ہاتھ سے یہ اندازہ کیا کہ یہ درہم بھرے ہوئے ہیں۔ کہنے لگے خیر یہ اس نے اچھا کیا۔ تمہارے گذارہ کی صورت اس میں ہو جائے گی۔ اسماءؓ کہتی ہیں کہ خدا کی قسم کچھ بھی نہیں چھوڑا تھا مگر میں نے دادے کی تسلی کے لئے یہ صورت اختیار کی کہ ان کو اس کا صدمہ نہ ہو۔ (مسند احمد)

فائدہ: یہ دل گردہ کی بات ہے ورنہ دادے سے زیادہ ان لڑکیوں کو صدمہ ہونا چاہئے تھا اور جتنی بھی شکایت اس وقت دادا کے سامنے کرتیں درست تھا کہ اس وقت کا ظاہری سہارا ان پر ہی تھا۔ ان کے متوجہ کرنے کی بظاہر بہت ضرورت تھی کہ ایک تو باپ کی جدائی دوسرے گذارہ کی کوئی صورت ظاہراً نہیں۔ پھر مکہ والے عام طور سے دشمن اور بے تعلق مگر اللہ جل شانہٗ نے ایک ایک ادا ان سب حضرات کو مرد ہوں یا عورت ایسی عطا فرمائی تھی کہ رشک آنے کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اول میں نہایت مالدار اور بہت بڑے تاجر تھے لیکن اسلام کی اور اللہ کی راہ میں یہاں تک خرچ فرمایا کہ غزوۂ تبوک میں جو کچھ گھر میں تھا سب ہی کچھ لا دیا جیسا کہ چھٹے باب کے چوتھے قصے میں مفصل گذرا ہے اسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مجھے کسی کے مال نے اتنا نفع نہیں پہنچایا جتنا ابوبکرؓ کے مال نے۔ میں ہر شخص کے احسانات کا بدلہ دے چکا ہوں مگر ابوبکرؓ کے احسانات کا بدلہ اللہ ہی دیں گے۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی سخاوت

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بڑی سخی تھیں اول جو کچھ خرچ کرتی تھیں اندازہ سے ناپ تول کر خرچ کرتی تھیں مگر جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ باندھ باندھ کر نہ رکھا کر اور حساب نہ لگایا کر جتنا بھی قدرت میں ہو خرچ کر لیا کر۔ تو پھر خوب خرچ کرنے لگیں۔ اپنی بیٹیوں اور گھر کی عورتوں کو نصیحت کیا کرتی تھیں کہ اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے اور صدقہ کرنے میں ضرورت سے زیادہ ہونے اور بچنے کا انتظار نہ کیا کرو کہ اگر ضرورت سے

زیادتی کا انتظار کرتی رہو گی تو ہونے کا ہی نہیں (کہ ضرورت خود بڑھتی رہتی ہے) اور اگر صدقہ کرتی رہو گی تو صدقہ میں خرچ کر دینے سے نقصان میں نہ رہو گی۔ (طبقات)

فائدہ: ان حضرات کے پاس جتنی تنگی اور ناداری تھی اتنی ہی صدقہ وخیرات اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کی گنجائش اور وسعت تھی۔ آجکل مسلمانوں میں افلاس وتنگی کی عام شکایت ہے مگر شاید ہی کوئی ایسی جماعت نکلے جو پیٹ پر پتھر باندھ کر گذر کرتی ہو یا ان پر کئی کئی دن کا مسلسل فاقہ ہو جاتا ہو۔

اللہ تعالیٰ کا سلام ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نام

اللہ تعالیٰ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیدار خاص کروائیں گے ... جب آپ آئے تو جسم پر ٹاٹ پہنا ہوا کرتا بھی اتار کے دے دیا... ایک ٹاٹ پہن لیا... اسے کانٹوں سے سی لیا... جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آسمان سے جبرائیل علیہ السلام آئے... یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ ابوبکر کو سلام کہہ رہے ہیں...

اس اُمت میں دو فرد ایسے ہیں جن کو اللہ کا سلام آیا...

پہلے خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں... حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو کب سلام آیا... جب سارا گھر خالی ہو گیا... کچھ نہ رہا... تین تین دن کے فاقے آئے تو جبرائیل علیہ السلام آئے... یارسول اللہ!... اللہ تعالیٰ خدیجۃ الکبریٰ کو سلام کہہ رہے ہیں...

جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کا گھر خالی ہو گیا... کچھ نہ رہا تو جبرائیل علیہ السلام آئے... یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ ابوبکر کو سلام کہہ رہے ہیں... اور اللہ تعالیٰ کہہ رہے ہیں ابوبکر سے پوچھو... اس فقیری میں... اس بھوک میں... اس پیاس میں مجھ سے راضی تو ہو؟ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا... ابوبکر! اللہ تجھے سلام کہہ رہے ہیں اور پوچھ رہے ہیں مجھ سے اس فقیری میں راضی تو ہو؟ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رونے لگے... انا عن رب راض... میں اپنے رب سے راضی ہوں...

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا... ابوبکر رضی اللہ عنہ کا درجہ تم میں سب سے بہتر اس لیے نہیں ہے کہ نمازیں زیادہ ہیں اور روزے زیادہ ہیں... اس کا درجہ اس وجہ سے زیادہ ہے کہ اس کے اندر میں جو ایمان پیوست ہے... تم میں سے کسی کے پاس وہ ایمان نہیں ہے... اس لیے اس کا درجہ زیادہ ہے... ایمان اندر میں اترا ہوا ہے... ایمان کی طاقت ہے... (اصلاحی واقعات ص ۸۸)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مجموعہ کو جلا دینا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے باپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پانچ سو (۵۰۰) احادیث کا ایک ذخیرہ جمع کیا تھا۔ ایک رات میں نے دیکھا کہ وہ نہایت بے چین ہیں، کروٹیں بدل رہے ہیں۔ مجھے

یہ حالت دیکھ کر بے چینی ہوئی۔ دریافت کیا کہ کوئی تکلیف یا کوئی فکر کی بات سننے میں آئی ہے۔ غرض تمام رات اسی بے چینی میں گذری اور صبح کو فرمایا کہ وہ احادیث جو میں نے تیرے پاس رکھوار کھی ہیں' اُٹھالا' میں لے کر آئی۔ آپ نے ان کو جلا دیا۔ میں نے پوچھا کہ کیوں جلا دیا۔ ارشاد فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہیں ایسا نہ ہو کہ میں مرجاؤں اور یہ میرے پاس ہوں ان میں دوسروں کی سنی ہوئی روایتیں بھی ہیں کہ میں نے معتبر سمجھا ہو اور واقع میں وہ معتبر نہ ہوں اور اس کی روایت میں کوئی گڑبڑ ہو جس کا وبال مجھ پر ہو۔ (تذکرۃ الحفاظ)

فائدہ: حضرت ابوبکر صدیق کا یہ علمی کمال اور شغف تھا کہ انہوں نے پانچ سو (۵۰۰) احادیث کا ایک رسالہ جمع کیا اور اس کے بعد اس کو جلا دینا یہ کمال احتیاط تھا۔ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا حدیث کے بارے میں احتیاط کا یہی حال تھا۔ اسی وجہ سے اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم سے بہت کم روایتیں نقل کی جاتی ہیں۔ ہم لوگوں کو اس واقعہ سے سبق لینے کی ضرورت ہے جو منبروں پر بیٹھ کر بے دھڑک احادیث نقل کر دیتے ہیں حالانکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہر وقت کے حاضر باش' سفر حضر کے ساتھی' ہجرت کے رفیق' صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہم میں بڑے عالم حضرت ابوبکرؓ تھے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور کے وصال کے بعد جب بیعت کا قصہ پیش آیا اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تقریر فرمائی تو کوئی آیت اور کوئی حدیث ایسی نہیں چھوڑی جس میں انصار کی فضیلت آئی ہو اور حضرت ابوبکرؓ نے اپنی تقریر میں نہ فرما دی ہو۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن پاک پر کتنا عبور تھا اور احادیث کس قدر یاد تھیں۔ مگر پھر بھی بہت کم روایتیں حدیث کی آپ سے منقول ہیں۔ یہی راز ہے کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے بھی حدیث کی روایتیں بہت کم نقل کی گئی ہیں۔

حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کا صدقہ میں مقابلہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ آدھا مال لے آئے: حضرت عمرؓ فرماتے ہیں ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کرنے کا حکم فرمایا۔ اتفاقاً اس زمانہ میں میرے پاس کچھ مال موجود تھا۔ میں نے کہا آج میرے پاس اتفاق سے مال موجود ہے اگر میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کبھی بھی بڑھ سکتا ہوں تو آج بڑھ جاؤں گا۔ یہ سوچ کر خوشی خوشی میں گھر گیا اور جو کچھ بھی گھر میں رکھا تھا اس میں سے آدھا لے آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا۔ میں نے عرض کیا کہ چھوڑ آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آخر کیا چھوڑا۔ میں نے عرض کیا کہ آدھا چھوڑ آیا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ گھر کا سارا مال لے آئے: اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو کچھ رکھا تھا سب لے آئے حضور نے فرمایا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا۔ انہوں نے فرمایا۔ اُن کے لئے اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا۔ یعنی اللہ اور اس کے رسولِ پاک کے نام کی برکت اور ان کی رضا اور خوشنودی کو چھوڑ آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ میں نے کہا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کبھی نہیں بڑھ سکتا۔

نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش: فائدہ: خوبیوں اور نیکیوں میں اس کی کوشش کرنا کہ

دوسرے سے بڑھ جاؤں یہ مستحسن اور مندوب ہے۔ قرآن پاک میں بھی اس کی ترغیب آئی ہے۔ یہ قصہ غزوۂ تبوک کا ہے۔ اسوقت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چندہ کی خاص طور سے ترغیب فرمائی تھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے اپنے حوصلہ کے موافق بلکہ ہمت و وسعت سے زیادہ اعانتیں فرمائیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا احتیاطاً باغ وقف کرنا

ابن سیرین رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جب وفات کا وقت قریب آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ میرا دل نہیں چاہتا تھا کہ بیت المال سے کچھ لوں مگر عمرؓ نے نہ مانا کہ دقت ہوگی اور تمہاری تجارت کی مشغولی سے مسلمانوں کا حرج ہوگا۔ اس مجبوری سے مجھے لینا پڑا۔ اس لئے اب میرا فلاں باغ اسکے عوض میں دیدیا جائے۔ جب حضرت ابوبکر کا وصال ہو گیا تو حضرت عائشہؓ نے حضرت عمرؓ کے پاس آدمی بھیجا اور والد کی وصیت کے موافق وہ باغ دیدیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ تمہارے باپ پر رحم فرمائیں۔ انہوں نے یہ چاہا کہ کسی کو لب کشائی کا موقع ہی نہ دیں۔ (کتاب الاموال)

فائدہ: غور کرنے کی بات ہے کہ اوّل تو وہ مقدار ہی کیا تھی جو حضرت ابوبکر صدیق نے لی۔ اس کے بعد لینا بھی اہل الرائے کے اصرار پر تھا اور مسلمانوں کے نفع کی وجہ سے اس میں بھی جتنی ممکن سے ممکن احتیاط ہو سکتی تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ بیوی نے تنگی اُٹھا کر پیٹ کاٹ کر کچھ دام میٹھے کے لئے جمع کیے تو اُن کو بیت المال میں جمع فرما دیا اور اتنی مقدار مستقل کم کردی۔ اس سب کے بعد یہ آخری فعل ہے کہ جو کچھ لیا اس کا بھی معاوضہ داخل کر دیا۔

ایک کاہن کے کھانے سے قے کرنا

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ایک غلام تھا جو غلہ کے طور پر اپنی آمدنی میں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ کچھ کھانا لایا اور حضرت نے اس میں سے ایک لقمہ نوش فرمالیا۔ غلام نے عرض کیا کہ آپ روزانہ دریافت فرمایا کرتے تھے کہ کس ذریعہ سے کمایا' آج دریافت نہیں فرمایا۔ آپ نے فرمایا کہ بھوک کی شدت کیوجہ سے دریافت کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ اب بتاؤ۔ عرض کیا کہ میں زمانۂ جاہلیت میں ایک قوم پر گذرا' اور اُن پر منتر پڑھا۔ اُنہوں نے مجھ سے وعدہ کر رکھا تھا۔ آج میرا گذر ادھر کو ہوا تو اُن کے یہاں شادی ہو رہی تھی اُنہوں نے یہ مجھے دیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ تو مجھے ہلاک ہی کر دیتا۔ اس کے بعد حلق میں ہاتھ ڈال کر قے کرنے کی کوشس کی مگر ایک لقمہ وہ بھی بھوک کی شدت کی حالت میں کھایا گیا نہ نکلا۔ کسی نے عرض کیا کہ پانی سے قے ہو سکتی ہے۔ ایک بہت بڑا پیالہ پانی کا منگوایا اور پانی پی پی کر قے فرماتے رہے یہاں تک کہ وہ لقمہ نکالا۔ کسی نے عرض کیا کہ اللہ آپ پر رحم فرمائیں یہ ساری مشقت اس ایک لقمہ کیوجہ سے برداشت فرمائی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میری جان کیساتھ بھی یہ لقمہ نکلتا تو میں اس کو نکالتا۔ میں نے حضور ا سے سنا ہے کہ جو بدن مال حرام سے پرورش پائے آگ اس

کیلئے بہتر ہے۔ مجھے یہ ڈر رہا کہ میرے بدن کا کوئی حصہ اس لقمہ سے پرورش نہ پا جائے۔ (منتخب کنز العمال)

فائدہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اس قسم کے واقعات متعدد بار پیش آئے کہ احتیاط مزاج میں زیادہ تھی۔ تھوڑا سا بھی شبہ ہو جاتا تھا تو قے فرماتے۔ بخاری شریف میں ایک اور قصہ اسی قسم کا ہے کہ کسی غلام نے زمانہ جاہلیت میں کوئی کہانت یعنی غیب کی بات نجومیوں کے طور پر کسی کو بتلائی تھی وہ اتفاق سے صحیح ہو گئی۔ ان لوگوں نے اس غلام کو کچھ دیا۔ جسکو انہوں نے اپنی مقررہ رقم میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لا کر دیدیا۔ حضرت نے نوش فرمایا اور پھر جو کچھ پیٹ میں تھا سب قے کیا۔ ان واقعات میں غلاموں کا مال ضروری نہیں کہ ناجائز ہی ہو دونوں احتمال ہیں۔ مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کمال احتیاط نے اس مشتبہ مال کو بھی گوارا نہ کیا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بیت المال سے وظیفہ

حضرت ابوبکرؓ صدیق کے یہاں کپڑے کی تجارت ہوتی تھی اور اُسی سے گذر اوقات تھا۔ جب خلیفہ بنائے گئے تو حسبِ معمول صبح کو چند چادریں ہاتھ پر ڈال کر بازار میں فروخت کیلئے تشریف لے چلے۔ راستہ میں حضرت عمرؓ ملے۔ پوچھا کہاں چلے؟ فرمایا' بازار جا رہا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ اگر تم تجارت میں مشغول ہو گئے' تو خلافت کے کام کا کیا ہوگا۔ فرمایا پھر اہل و عیال کو کہاں سے کھلاؤں۔

حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ ابوعبیدہؓ جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امین ہونے کا لقب دیا ہے اُن کے پاس چلیں وہ آپ کے لئے بیت المال سے کچھ مقرر کر دینگے۔ دونوں حضرات اُنکے پاس تشریف لے گئے انہوں نے ایک مہاجری کو جو اوسطاً ملتا تھا نہ کم نہ زیادہ' وہ مقرر فرما دیا۔ ایک مرتبہ بیوی نے درخواست کی کہ کوئی میٹھی چیز کھانے کو دل چاہتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے فرمایا کہ میرے پاس تو دام نہیں کہ خریدوں۔ اہلیہ نے عرض کیا کہ ہم اپنے روز کے کھانے میں سے تھوڑا تھوڑا بچا لیا کریں کچھ دنوں میں اتنی مقدار ہو جائے گی آپؓ نے اجازت فرما دی۔ اہلیہ نے کئی روز میں کچھ تھوڑے سے پیسے جمع کئے۔ آپ نے فرمایا کہ تجربے سے یہ معلوم ہوا کہ اتنی مقدار ہمیں بیت المال سے زیادہ ملتی ہے۔ اسلئے جو اہلیہ نے جمع کیا تھا وہ بھی بیت المال میں جمع فرما دیا اور آئندہ کے لئے اتنی مقدار جتنا انہوں نے روزانہ جمع کیا تھا اپنی تنخواہ میں سے کم کر دیا۔

فائدہ: اتنے بڑے خلیفہ اور بادشاہ پہلے سے اپنی تجارت بھی کرتے تھے اور وہ ضروریات کو کافی بھی تھی جیسا کہ اس اعلان سے معلوم ہوتا ہے جو بخاری میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب ابوبکرؓ خلیفہ بنائے گئے تو آپؓ نے فرمایا کہ میری قوم کو یہ بات معلوم ہے کہ میرا پیشہ تجارت میرے اہل و عیال کو ناکافی نہیں تھا لیکن اب خلافت کی وجہ سے مسلمانوں کے کاروبار میں مشغولی ہے۔ اس لئے بیت المال سے میرے اہل و عیال کا کھانا مقرر ہوگا۔ اس کے باوجود حضرت ابوبکرؓ صدیق کا وصال ہونے لگا تو حضرت عائشہؓ کو وصیت فرمائی کہ میری ضرورتوں میں

جو چیزیں بیت المال کی ہیں وہ میرے بعد آنے والے خلیفہ کے حوالہ کر دی جائیں۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپ کے پاس کوئی دینار یا درہم نہیں تھا۔ ایک اونٹنی دودھ کی' ایک پیالہ' ایک خادم تھا۔ بعض روایات میں ایک اوڑھنا' ایک بچھونا بھی آیا ہے۔ یہ اشیاء جب حضرت عمرؓ کے پاس نیابت میں پہنچیں تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ابو بکرؓ پر رحم فرمائیں کہ اپنے سے بعد والے کو مشقت میں ڈال گئے۔ (فتح)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اللہ کا ڈر

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو باجماع اہل سنت انبیاء کے علاوہ تمام دُنیا کے آدمیوں سے افضل ہیں اور اُن کا جنتی ہونا یقینی ہے کہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو جنتی ہونے کی بشارت دی بلکہ جنتیوں کی ایک جماعت کا سردار بتایا اور جنت کے سب دروازوں سے اُن کی پکار اور بلاوے کی خوش خبری دی اور یہ بھی فرمایا کہ میری اُمت میں سب سے پہلے ابوبکرؓ جنت میں داخل ہوں گے۔

اس سب کے باوجود فرمایا کرتے کہ کاش میں درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا۔ کبھی فرماتے کاش میں کوئی گھاس ہوتا کہ جانور اس کو کھا لیتے۔ کبھی فرماتے کاش میں کسی مومن کے بدن کا بال ہوتا۔ ایک مرتبہ ایک باغ میں تشریف لے گئے اور ایک جانور کو بیٹھا ہوا دیکھ کر ٹھنڈا سانس بھرا اور فرمایا کہ تو کس قدر لطف میں ہے کہ کھاتا ہے پیتا ہے' درختوں کے سائے میں پھرتا ہے اور آخرت میں تجھ پر کوئی حساب کتاب نہیں کاش ابوبکر بھی تجھ جیسا ہوتا۔ (تاریخ الخلفاء)

ربیعہ اسلمی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی بات پر مجھ میں اور حضرت ابوبکرؓ میں کچھ بات بڑھ گئی اور اُنہوں نے مجھے کوئی سخت لفظ کہہ دیا جو مجھے ناگوار گذرا۔ فوراً اُن کو خیال ہوا۔ مجھ سے فرمایا کہ تو بھی مجھے کہہ دے تاکہ بدلہ ہو جائے۔ میں نے کہنے سے انکار کیا تو اُنہوں نے فرمایا کہ یا تو کہہ لو ورنہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر عرض کروں گا۔ میں نے اس پر بھی جوابی لفظ کہنے سے انکار کیا۔ وہ تو اُٹھ کر چلے گئے۔ بنو اسلم کے کچھ لوگ آئے اور کہنے لگے کہ یہ بھی اچھی بات ہے کہ خود ہی تو زیادتی کی اور خود ہی اُلٹے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کریں۔ میں نے کہا تم جانتے بھی ہو یہ کون ہیں۔ یہ ابوبکرؓ صدیق ہیں اگر یہ خفا ہو گئے تو اللہ کا لاڈلا رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے خفا ہو جائے گا اور اس کی خفگی سے اللہ تعالیٰ شانہ' ناراض ہو جائیں گے تو ربیعہؓ کی ہلاکت میں کیا تردد ہے اس کے بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور قصہ عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ٹھیک ہے۔ تجھے جواب میں اور بدلہ میں کہنا نہیں چاہیے۔ البتہ اس کے بدلہ میں یوں کہہ کہ اے ابوبکرؓ اللہ تمہیں معاف فرما دیں۔

فائدہ: یہ ہے اللہ کا خوف ایک معمولی سے کلمہ میں' حضرت ابوبکرؓ صدیق کو بدلہ کا اس قدر فکر اور اہتمام ہوا' کہ اوّل خود درخواست کی اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے اس کا ارادہ فرمایا کہ ربیعہؓ بدلہ لے لیں۔ آج ہم سینکڑوں باتیں ایک دوسرے کو کہہ دیتے ہیں۔ اس کا خیال بھی نہیں ہوتا کہ اس کا آخرت میں بدلہ بھی لیا جائے گا یا حساب کتاب بھی ہوگا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا زُہد

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔آپ نے پینے کے لئے پانی مانگا تو آپ کی خدمت میں شہد ملا ہوا پانی پیش کیا گیا جب آپ نے اسے ہاتھ میں لیا تو رونے لگے اور ہچکیاں مار مار کر رونا شروع کر دیا جس سے ہم سمجھے کہ انہیں کچھ ہو گیا ہے لیکن (رعب کی وجہ سے) ہم نے ان سے کچھ نہ پوچھا۔

جب آپ چپ ہو گئے تو ہم نے کہا اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ! آپ اتنا زیادہ کیوں روئے؟ انہوں نے فرمایا (شہد ملا ہوا پانی دیکھ کر مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا تھا اس کی وجہ سے رویا تھا اور وہ واقعہ یہ ہے کہ) میں ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اتنے میں میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز کو اپنے سے دور کر رہے ہیں لیکن مجھے کوئی چیز نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کیا چیز ہے جسے آپ دور کر رہے ہیں مجھے تو کوئی چیز نظر نہیں آ رہی تھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا دنیا میری طرف بڑھی تو میں نے اس سے کہا دور ہو جا تو اس نے کہا آپ تو مجھے لینے والے نہیں ہیں (یعنی یہ تو مجھے یقین ہے کہ آپ مجھے نہیں لیں گے میں ویسے ہی زور لگا رہی ہوں) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا (اس واقعہ کے یاد آنے سے میں رویا تھا) اور شہد ملا ہوا پانی پینا میرے لئے مشکل ہو گیا اور مجھے ڈر لگا کہ اسے پی کر کہیں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ سے ہٹ نہ جاؤں اور دنیا مجھ سے چمٹ نہ جائے۔ (اخرجہ البزار)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انتقال پر کوئی دینار و درہم ترکہ میں نہ چھوڑا بلکہ انہوں نے تو انتقال سے پہلے ہی اپنا سارا مال بیت المال میں جمع کرا دیا تھا۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ بننے کے بعد اپنے تمام دینار و درہم بیت المال میں جمع کرا دیئے تھے اور فرمایا میں اپنے اس مال سے تجارت کیا کرتا تھا اور روزی تلاش کیا کرتا تھا اب مسلمانوں کا خلیفہ بن جانے کی وجہ سے تجارت کی اور کسب معاش کی فرصت نہ رہی۔ (اخرجہ احمد فی الزھد کذا فی الکنز)

وفات سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نصیحت

حضرت عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن سابط رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلوایا اور ان سے فرمایا۔

"اے عمر رضی اللہ عنہ! اللہ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کیلئے ایک عمل دن کا ہے جسے وہ

رات کو قبول نہیں فرماتا اور ایک عمل رات میں ہے جسے وہ دن میں قبول نہیں فرماتا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نوافل کو قبول نہیں فرماتا جب تک کہ تو فرض ادا نہ کرلے اور اسی کے اعمال بھاری ہیں جسکے اعمال قیامت کے دن دنیا میں اتباع حق کی وجہ سے بھاری رہے اور وہ اسکو لوگوں پر بھاری کر دینگے اور وہ ترازو جس میں کل کو حق رکھا جائے اسکا حق ہے کہ وہ بھاری ہو جائے اور اسی کے اعمال ہلکے ہیں جسکے اعمال دنیا میں باطل کا اتباع کرنیکی وجہ سے قیامت کے دن ہلکے ہو جائینگے اور وہ اعمال اسکو دوسروں پر ہلکا کر دینگے اور جس ترازو میں کل کو باطل رکھا جائے اسکا حق ہے کہ وہ ہلکا رہ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت والوں کا تذکرہ انکے اچھے اعمال کیساتھ اور انکی کوتاہیوں سے درگزر کیساتھ کیا ہے۔

پس جب میں انہیں یاد کرتا ہوں تو میں ڈرتا ہوں کہ ہوسکتا ہے میں ان کیساتھ نہ مل سکوں اور اللہ تعالیٰ نے جہنم والوں کا تذکرہ انکے برے اعمالوں کیساتھ اور اچھے اعمال کو ان پر لوٹا دینے کیساتھ کیا ہے پس جب میں انکو یاد کرتا ہوں تو مجھے امید ہوتی ہے کہ میں ایسے لوگوں کیساتھ نہیں ہونگا تاکہ بندہ امید بھی رکھے اور خوف بھی نہ تو اللہ تعالیٰ پر تمنائیں رکھے اور نہ ہی اسکی رحمت سے مایوس ہو جائے پس اگر آپ نے یہ یاد رکھا تو آپ کیلئے موت سے زیادہ محبوب کوئی نہ ہوگا اور وہ تیرے پاس آنے ہی والی ہے اور اگر آپ نے میری وصیت کو ضائع کر دیا تو آپکے نزدیک کوئی پوشیدہ چیز موت سے زیادہ ناپسندیدہ نہیں ہوگی اور آپ اس سے عاجز نہیں ہیں۔ (خلفائے راشدین)

خلیفہ راشد امیر المؤمنین

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام سے پہلے

خاندان قریش کے باوجاہت لوگوں میں تھے۔ قریش کے شریف ترین لوگوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں سفارت کا کام انہی کے ذمے تھا۔ جب قریش کو کسی لڑائی میں یا کسی اور ایسے موقع پر کسی سفیر کو بھیجنے کی ضرورت ہوتی تو یہی سفیر بنائے جاتے' ابوجہل جو تمام مکے کا سردار تھا آپ کا ماموں تھا۔

فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام کے بعد

ان کا اسلام بھی رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ایک معجزہ تھا' کئی دن سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دعائیں مانگ رہے تھے کہ یا اللہ! دینِ اسلام کو عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عزت دے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعائیں قبول ہوئیں اور مشیتِ الٰہی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کشاں کشاں دربارِ نبوت میں پہنچا دیا۔

جب یہ مسلمان ہونے کے لیے حاضر خدمت ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے چند قدم اپنی جگہ سے چل کر معانقہ کیا اور ان کے سینے پر تین دفعہ ہاتھ پھیر کر دُعا دی کہ اے اللہ! ان کے سینے سے کینہ وعداوت کو نکال دے اور ایمان سے بھر دے' پھر جبرئیل امین مبارک باد دینے آئے کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس وقت آسمان والے ایک دوسرے کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے کی خوشخبری سنا رہے ہیں۔

ان کے مسلمان ہوتے ہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان کے ساتھ کعبہ میں نماز پڑھی اور روز بروز اسلام کی قوت وشوکت بڑھتی گئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلمان ہو جانا فتح اسلام تھا۔ ان کی ہجرت نصرتِ الٰہی تھی اور ان کی خلافت اللہ تعالیٰ جل شانہ کی رحمت تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہجرت کر کے مدینہ گئے اور بڑی شان سے ہجرت کی۔ جب مکہ سے چلنے لگے تو کعبہ مکرمہ کا طواف کیا اور مجمع کفار کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں اس وقت ہجرت کر رہا ہوں' یہ نہ کہنا کہ عمر! چھپ کر بھاگ گیا جس کو اپنی بیوی کا بیوہ ہونا اور بچوں کا یتیم ہونا منظور ہو تو مجھے روک لے مگر کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ کچھ جواب دیتا۔

ہجرت کے بعد سب سے بڑی خدمت مغازی کی تھی تو اس میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کون سبقت

خلیفہ راشد امیر المؤمنین

سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام سے پہلے

خاندان قریش کے باوجاہت لوگوں میں تھے۔ قریش کے شریف ترین لوگوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ زمانہ جاہلیت میں سفارت کا کام انہی کے ذمے تھا۔ جب قریش کو کسی لڑائی میں یا کسی اور ایسے موقع پر کسی سفیر کو بھیجنے کی ضرورت ہوتی تو یہی سفیر بنائے جاتے' ابوجہل جو تمام مکے کا سردار تھا آپ کا ماموں تھا۔

فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام کے بعد

ان کا اسلام بھی رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ایک معجزہ تھا' کئی دن سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دعائیں مانگ رہے تھے کہ یا اللہ! دینِ اسلام کو عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عزت دے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعائیں قبول ہوئیں اور مشیتِ الٰہی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کشاں کشاں دربارِ نبوت میں پہنچا دیا۔

جب یہ مسلمان ہونے کے لیے حاضر خدمت ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے چند قدم اپنی جگہ سے چل کر معانقہ کیا اور ان کے سینے پر تین دفعہ ہاتھ پھیر کر دُعا دی کہ اے اللہ! ان کے سینے سے کینہ وعداوت کو نکال دے اور ایمان سے بھر دے' پھر جبرئیل امین مبارک باد دینے آئے کہ یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس وقت آسمان والے ایک دوسرے کو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے کی خوشخبری سنا رہے ہیں۔

ان کے مسلمان ہوتے ہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان کے ساتھ کعبہ میں نماز پڑھی اور روز بروز اسلام کی قوت وشوکت بڑھتی گئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلمان ہو جانا فتح اسلام تھا۔ ان کی ہجرت نصرتِ الٰہی تھی اور ان کی خلافت اللہ تعالیٰ جل شانہ کی رحمت تھی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہجرت کر کے مدینہ گئے اور بڑی شان سے ہجرت کی۔ جب مکہ سے چلنے لگے تو کعبہ مکرمہ کا طواف کیا اور مجمع کفار کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں اس وقت ہجرت کر رہا ہوں' یہ نہ کہنا کہ عمر! چھپ کر بھاگ گیا جس کو اپنی بیوی کا بیوہ ہونا اور بچوں کا یتیم ہونا منظور ہو تو مجھے روک لے مگر کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ کچھ جواب دیتا۔

ہجرت کے بعد سب سے بڑی خدمت مغازی کی تھی تو اس میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کون سبقت

لے جاسکتا تھا۔ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے تمام غزوات میں شریک رہے اور ہر غزوہ میں پسندیدہ خدمتیں انجام دیں۔ مثال کے طور پر غزوہ بدر میں اپنے حقیقی ماموں عاص بن ہشام کو میدانِ جنگ میں اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا اور سب قیدیانِ بدر کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قتل کا مشورہ دیا تھا اور کہا کہ ہر مسلمان اپنے عزیز کو اپنے ہاتھ سے قتل کرے۔ اگر چہ آپ کی رائے پر عمل نہ ہوا مگر خدا کو ان کا مشورہ اس قدر پسند آیا کہ ان کی تائید میں آیت قرآنی اُتری۔ غزوۂ خندق میں ایک جانب کی حفاظت ان کے سپرد تھی۔ چنانچہ اس مقام پر بطور یادگار کے ایک مسجد ان کے نام کی بعد میں بنائی گئی۔

اسلام کا غلبہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبول اسلام نے اسلام اور مسلمانوں کو نئی روح اور قوت عطا کی۔ اس وقت تک اگر چہ چالیس پچاس مسلمان اسلام قبول کر چکے تھے۔ عرب کے مشہور بہادر سید الشہداء عم رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مسلمان ہو چکے تھے۔ تاہم مسلمان اپنے فرائض مذہبی کی علانیہ ادائیگی سے تا حال محروم تھے اور کعبۃ اللہ میں نماز کی ادائیگی ناممکن تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام قبول کرتے ہی دفعتاً یہ حالت بدل گئی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علانیہ اپنے اسلام کا اظہار کیا اور مسلمان برملا کعبۃ اللہ میں نماز ادا کرنے لگے۔ قیس بن حاتم نے عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اسلام عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد ہم برابر غالب ہوتے گئے۔ ابن ہشام نے اس واقعہ کو عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی ان الفاظ میں نقل کیا ہے یعنی جب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لائے تو قریش سے لڑے یہاں تک کہ کعبہ میں نماز پڑھی اور ان کے ساتھ ہم نے بھی پڑھی۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ قیامت کے دن اسلام بذاتِ خود اہل محشر میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ڈھونڈتا ہوا آئے گا اور پھر ان کا ہاتھ تھام کر عرشِ الٰہی تک پہنچے گا اور یوں گویا ہو گا' پروردگار! میں چھپا ہوا تھا' سہما ہوا تھا اور سمٹا ہوا تھا' اس شخص (عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے مجھے غلبہ دلایا' سو ان کو اس عمل کی جزا دے۔ چنانچہ ابھی حساب ہو ہی رہا ہو گا فرشتے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ تھامے ہوئے انہیں خلدِ بریں میں لے جائیں گے۔ (سیرۃ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مؤلفہ: امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افتادِ طبع کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اور لوگ مسلمان ہوئے تو اپنے اسلام کو مخفی رکھتے تھے مگر آپ نے اسلام قبول کرتے ہی کفار کے مجمع میں جا کر برملا اعلان کیا اور دیر تک جم غفیر کے ظلم وتعدی کا تن تنہا مقابلہ کرتے رہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شان سے ہجرت فرمائی کہ مشرکین مکہ کی بھیڑ سے ہوتے ہوئے خانہ کعبہ پہنچے۔ وہاں کفارِ مکہ موجود تھے۔ آپ نے خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ مقام ابراہیم پر جا کر نماز پڑھی اور پھر کفار و مشرکین کو

خطاب کر کے فرمایا میں مدینہ کی طرف ہجرت کر رہا ہوں اگر کسی کی یہ خواہش ہے کہ وہ درندوں کی غذا بنے اور اپنی اولاد کو یتیم کرے میرے راستہ میں آئے' یہ سن کر کفار سہم گئے اور کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ آپ کا راستہ روک سکے۔

فاروقِ اعظم اور اہل بیت

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے سچے عاشق اور جاںنثار تھے۔ ایک مرتبہ ایک منافق اور یہودی کا کچھ جھگڑا تھا' دونوں فیصلے کے لیے ان کے پاس گئے۔ یہودی نے کہہ دیا کہ اس معاملہ کا فیصلہ حضرت ابوالقاسم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کر چکے ہیں مگر یہ شخص اس فیصلہ سے راضی نہیں ہوا' آپ نے فرمایا' اچھا ٹھہرو میں فیصلہ کیے دیتا ہوں' گھر کے اندر جا کر تلوار لے آئے اور اس منافق کی گردن اُڑا دی۔

فرمایا: جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے پر راضی نہ ہو' اس کا فیصلہ میں اس طرح کرتا ہوں۔

رسولِ خدا! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کے قرابت والوں کا بڑا لحاظ کرتے تھے۔ امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس یمن سے کچھ حلے آئے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مہاجرین و انصار میں تقسیم کیے مگر کوئی حلہ حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے جسم پر ٹھیک نہ آیا' آپ نے حاکم یمن کو فرمان بھیجا کہ حضرات حسنین کریمین (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے لیے ان کے سائز کے حلے بھیجیں۔ چنانچہ وہاں سے حلے بن کر آ گئے اور حضرات حسنین (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے پہن لیے تو فرمایا' دوسروں کو پہنتا ہوا دیکھتا تھا تو میرا دل خوش نہ ہوتا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جب مدائن فتح ہوا اور مالِ غنیمت آیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد میں اس مال کے ڈھیر لگوا دیے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب سے پہلے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک ہزار درہم دیے۔ پھر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک ہزار درہم اور اپنے فرزند حضرت عبداللہ کو ۵۰۰ درہم دیے۔ انہوں نے کہا کہ امیر المؤمنین! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں' میں جہاد کیا کرتا تھا اور حسنین تو اس وقت بچے تھے مگر اس پر ان کو ہزار درہم دیے اور مجھ کو پانچ سو۔

آپ نے فرمایا: اچھا جیسے ان کا باپ ہے ویسا باپ دکھلاؤ اور ان کی ماں جیسی ماں اور ان کے نانا ایسا اپنا نانا لاؤ اور ان کی نانی ایسی نانی اور ان کے چچا جیسا اپنا چچا اور ان کے ماموں ایسا اپنا ماموں اور ان کی خالہ ایسی اپنی خالہ پیش کرو ورنہ کبھی ان کی برابری نہ کرنا۔

سنو! ان کے والد علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی ماں حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں اور ان کے نانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان کی نانی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کے چچا جعفر بن ابی طالب ہیں اور ان کے ماموں ابراہیم فرزند رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی خالہ رقیہ اور اُم کلثوم (رضی اللہ تعالیٰ عنہن) ہیں جو رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادیاں ہیں۔

ایک مرتبہ حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کوئی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے مگر یہ دیکھ کر کہ دروازہ پر عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے ہیں اور ان کو اجازت نہیں ملی' بغیر ملاقات کیے واپس چلے گئے۔ اس کی خبر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہوئی تو آپ کو بلوا بھیجا' فرمایا کہ اے میرے بھتیجے تم کیوں واپس چلے گئے؟ انہوں نے کہا ہم نے یہ خیال کیا کہ جب عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اجازت نہیں ملی تو ہم کو کیسے ملے گی۔ آپ نے فرمایا: اے میرے بھتیجے تمہاری اور عبداللہ بن عمر کی کیا برابری۔ ایک دفعہ آپ نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر کا وظیفہ تین ہزار مقرر کیا اور حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا پانچ ہزار حتیٰ کہ اسامہ بن زید کا چار ہزار۔

فضائل ومناقب

جن میں عموماً صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم یا مہاجرین کی مدح وثناء ارشاد فرمائی گئی ہے۔ ان کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل میں متعدد آیاتِ قرآنیہ نازل ہوئی ہیں۔ یہ چیز ان کی روشن خصوصیت میں سے ہے کہ ان کی خواہش اور ان کی رائے کی تائید وموافقت میں اکثر آیاتِ قرآنیہ کا نزول ہوا۔

جس سے حق تعالیٰ جل شانہ نے یہ بات ظاہر فرمادی کہ ان کی فطرت وطبیعت ملاءِ اعلیٰ کے رنگ میں پورے طور پر رنگین ہو چکی ہے۔ آیت اظہارِ دین جو قرآن کریم میں تین جگہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا مقصد بیان فرمایا ہے کہ دین برحق کو دنیا کے تمام مذاہب پر غلبہ حاصل ہو جائے۔ "لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ ط" اور ظاہر ہے یہ مقصد اس وقت تک پورا نہیں ہوسکتا تھا جب تک ایران وروم کی دو زبردست سلطنتیں جن سے کفر اور اہل کفر کو ہر قسم کی قوت وشوکت حاصل تھی' زیر وزبر نہ ہو جائیں۔

پس گویا آیت میں فتح ایران وروم کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا مقصد قرار دیا گیا اور یہ مقصود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں حاصل نہیں ہوا بلکہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں پورا ہوا۔ انہی کے زمانہ خلافت میں ہی دونوں سلطنتیں مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں اور دین برحق کی قوت تمام مذاہب سے زیادہ ہوگئی۔

غور فرمائیں کہ اس آیت سے فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کیسی عظیم الشان فضیلت ظاہر ہوئی کہ ان پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا مقصد پورا ہوا۔ اب ان آیات واحکام خداوندی کو دیکھیں جو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے اور خواہش کی تائید میں نازل ہوئے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بڑی خواہش تھی کہ ازواجِ مطہرات کو پردہ کا حکم دیا جائے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ان کے لیے پردہ کا حکم آ گیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بار بار آرزو ظاہر کرتے تھے کہ مقام ابراہیم کو مصلے بنایا جائے۔ آخر قرآن مجید میں حکم آ گیا کہ مقام ابراہیم کو مصلے بناؤ۔

قیدیان بدر کے متعلق آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے یہ تھی کہ ان سے فدیہ نہ لیا جائے بلکہ سب کو قتل کر دیا جائے۔ اسی کی تائید میں قرآن مجید کی آیات نازل ہوئیں۔ شراب کو حرام کیے جانے کی آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بڑی تمنا تھی۔ آخر قرآن میں شراب کی حرمت کا حکم آ گیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو روکا کرتے تھے' آخر قرآن مجید میں حکم آ گیا کہ:

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ط اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ

''ان میں سے کوئی مر جائے تو آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اس کے جنازے کی ہرگز نماز نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے منکر ہیں اور مرتے دم تک بدکار بے اطاعت رہے ہیں۔'' اذان کی مشروعیت سے پہلے آپ نے عرض کیا تھا' یا رسول اللہ! نماز کی اطلاع کا کوئی حکم نازل ہو۔

آیت دعوت اعراب جو سورہ ''اذا فتحنا'' میں ہے جس میں حق تعالیٰ جل شانہ نے بطور پیشین گوئی کے ارشاد فرمایا ہے کہ اے نبی! جو بدو لوگ حدیبیہ میں آپ کے ہمراہ نہ گئے تھے ان سے فرما دیجئے کہ عنقریب ایک بلانے والا تم کو ایک سخت جنگ آور قوم سے لڑنے کے لیے بلائے گا۔ اگر تم اس بلانے والے کی اطاعت کرو گے تو بڑا ثواب پاؤ گے ورنہ تم پر عذاب نازل ہوگا۔ یہ پیشین گوئی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں پوری ہوئی کہ انہوں نے بدوؤں کو لڑنے کے لیے نہیں بلایا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بارگاہِ خداوندی میں وہ مرتبہ ہے کہ آپ کی اطاعت پر قرآن شریف میں وعدہ ثواب ارشاد ہوا اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باغی کو خدا تعالیٰ نے عذاب الیم کی تہدید فرمائی۔

احادیث مبارکہ

بروایت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ' آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' اے ابن خطاب! قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے' شیطان جب تم کو کسی راستہ پر چلتا ہوا دیکھتا ہے تو اس راستہ کو چھوڑ کر دوسرے راستہ میں چلنے لگتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

اور ترمذی میں ہے کہ تحقیق اے عمر! شیطان تم سے ڈرتا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک روز فرمایا کہ میں نے خواب دیکھا کہ لوگ قمیص پہنے ہوئے ہیں کسی کا قمیص پستان تک ہے اور کسی کا اس سے نیچے اور عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو میرے سامنے لائے گئے تو ان کی قمیص اتنی نیچی تھی کہ چلنے میں زمین پر گھسٹتی جاتی تھی' لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! اس کی تعبیر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کیا دی' فرمایا: دین۔ (بخاری و مسلم)

معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سراپا دین تھے۔ انکا دین انکی ہستی سے بھی زائد تھا۔

اے عمر! عجب بات یہ کہ وحی ہمارے گھر آتی ہے اور تمہیں بہت پہلے ہی پتہ چل جاتا ہے۔ (اُم المؤمنین حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہما) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بتحقیق اللہ تعالیٰ جل شانہ نے عمر کی زبان اور ان کے دل پر حق کو قائم کر دیا ہے۔

ابوداؤد میں ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حق عمر کی زبان پر رکھ دیا گیا ہے وہ جو کہتے ہیں حق ہوتا ہے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ ہم لوگ اس بات کو بعید نہ سمجھتے تھے کہ سکینہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان پر بولتا ہے۔ (دلائل النبوۃ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے پہلے کی اُمتوں میں کچھ لوگ محدث ہوتے تھے یعنی ان کو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی ہم کلامی حاصل ہوتی تھی' میری اُمت میں اگر کوئی ایسا ہے تو یقیناً وہ عمر ہیں۔ (بخاری ومسلم)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو یقیناً وہ عمر بن خطاب ہوتے۔ حضرت ابوسعید بن خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نبی کے دو وزیر آسمانوں میں سے ہوتے ہیں اور دو وزیر زمین والوں میں سے' میرے دو وزیر آسمان والوں میں سے جبرائیل ومیکائیل ہیں اور دو وزیر زمین والوں میں ابوبکر وعمر ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ایک روز گھر سے باہر نکل کر مسجد تشریف لے گئے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ابوبکر وعمر بھی تھے۔ ایک آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی داہنی جانب' دوسرے بائیں جانب اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ان دونوں کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ اس حالت میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہم تینوں قیامت کے دن اسی طرح اُٹھیں گے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں جنت میں داخل ہوا اور میں نے ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی رمیصا کو دیکھا اور میں نے کسی کے چلنے کی آواز سنی تو پوچھا کہ یہ کون ہے؟ فرشتوں نے کہا کہ یہ بلال ہیں اور میں نے وہاں ایک محل دیکھا تو پوچھا یہ کس کا ہے؟ فرشتوں نے کہا' عمر بن خطاب کا ہے۔ میرا ارادہ ہوا کہ اس محل کے اندر جا کر اس کو دیکھوں مگر مجھ کو (اے عمر) تمہاری غیرت کا خیال آ گیا' یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میرے ماں اور باپ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر فدا ہوں' کیا میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر غیرت کرتا۔ (بخاری ومسلم)

خلافت فاروقی

آپ کی خلافت خدا کی قدرت کاملہ اور رحمت واسعہ کا ایک عجیب نمونہ تھی جو جو کمالات رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم وتربیت نے ان کی ذات والا میں پیدا کر دیئے تھے ان کے ظہور کا پورا موقع زمانہ خلافت ہی میں حاصل ہوا۔

جو جو وعدے حق تعالیٰ جل شانہ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کیے تھے جو جو پیشین گوئیاں قرآن مجید اور احادیث میں تمکین دین اور ظہورِ ہدایت اور فتوحات کی مذکور ہیں وہ باحسن وجوہ آپ کی خلافت میں مکمل ہوئیں۔ اگر آپ کے عہدِ خلافت کے کارنامے اور آپ کے ظاہری اور باطنی کمالات بالا جمال بھی بیان کیے جائیں تو ایک دفتر چاہیے۔

خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عہدِ خلافت اسلامی فلاحی مملکت کا مثالی نمونہ ہے۔ عہدِ فاروقی میں جب کوئی انتظامی معاملہ درپیش ہوتا' اربابِ شوریٰ کی مجلس منعقد ہوتی اور کوئی امر بغیر مشورہ اور کثرت رائے کے عمل میں نہیں آسکتا تھا۔ مجلس شوریٰ میں ہمیشہ مہاجرین وانصار کے ارکان شریک ہوتے تھے۔ مجلس شوریٰ کے ارکان میں حضرت عثمان غنی' حضرت علی' حضرت عبدالرحمٰن بن عوف' حضرت معاذ بن جبل' حضرت ابی بن کعب' حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے اسماء گرامی سرفہرست ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختلف مواقع پر صاف صاف فرما دیا تھا کہ مشورہ کے بغیر خلافت کا کوئی تصور نہیں۔

فتوحاتِ فاروقی کی حیرت انگیز وسعت

اور سب چیزوں کو چھوڑ کر صرف فتوحات آپ کے زمانے کی دیکھی جائیں تو قدرتِ خدا نظر آتی ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ تائید غیبی آپ کے ساتھ تھی اور خدا تعالیٰ جل شانہ کا سچا وعدہ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ آپ کے ہاتھ سے پورا ہو رہا تھا۔ تاریخ عالم کے اوراق اس امر پر شاہد عدل ہیں کہ جب سے دنیا معلوم ہے آج تک کوئی فاتح فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے برابر کشورستاں نہیں گزرا۔ عہدِ فاروقی میں مفتوحہ کا کل رقبہ ۲۲۵۰۳۰ مربع میل تھا۔ آپ کے دورِ خلافت میں ایران وروم کی عظیم الشان سلطنتوں کے پرزے اُڑ گئے اور ہندوستان کی سرحد سے لے کر شمالی افریقہ تک اسلام کا پرچم لہرانے لگا اور ان تمام فتوحات میں ظلم وجور کا کوئی ایک واقعہ بھی تاریخ پیش نہیں کرسکی۔

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دینی خدمات

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی دس سالہ مدت خلافت میں جس قدر تبلیغ اور تعلیم دین کی فرمائی۔ اگر کوئی چشم بصیرت کا دیکھنے والا ہو تو وہ کہہ سکتا ہے کوئی دوسرا شخص بیس سال میں بھی اتنا کام نہ کرسکتا' حقیقت میں وہ نبی اور اُمت کے درمیان میں تبلیغ دین کے واسطہ کبریٰ تھے۔

ایک ہزار چھتیس شہر مع ان کے مضافات کے فتح کیے اور جو مقام قبضہ میں آتا فوراً حکم دیتے کہ وہاں مسجد بنائی جائے اور مساجد میں آئمہ وموذنین کا تقرر فرماتے حساب لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ چار ہزار مسجدیں وقتی نماز کے لیے اور نو سو جامع مسجدیں آپ کے زمانہ میں بنیں۔

صوبوں کے حکام کو مقرر کرتے وقت فرمایا کرتے تھے دیکھو میں تم کو مسلمانوں کا رہنما اور تربیت کرنے والا بنا کر بھیجتا ہوں' مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کی طرف سے غفلت نہ کرنا۔

اُسوۂ فاروقی کے درخشاں پہلو

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزاج مبارک میں بہت سختی تھی' غصہ جلد آ جاتا تھا۔ بالکل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سی کیفیت تھی۔ مگر اس کے ساتھ ہی دو صفتیں عجیب وغریب تھیں۔ اوّل یہ کہ اپنی ذات کے لیے کبھی غصہ نہ آتا تھا' دوم یہ کہ عین اشتعال کی حالت میں کوئی شخص اللہ تعالیٰ جل شانہ کا پاک نام آپ کے سامنے لیتا یا قرآن مجید کی کوئی آیت پڑھ دیتا تو غصہ فوراً رفع ہو جاتا تھا' گویا تھا ہی نہیں۔

جب آپ خلیفہ ہوئے تو لوگ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سخت گیری سے اس قدر خوف زدہ ہوئے کہ گھروں سے نکلنا چھوڑ دیا' یہ حالت دیکھ کر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ دیا' اس میں ارشاد فرمایا کہ:

اے لوگو! میری سخت گیری اس وقت تک تھی جب تک تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نرمیوں سے فیض یاب تھے۔ میری سختی ان کی نرمی کے ساتھ مل کر اعتدال کی کیفیت پیدا کر دیتی تھی۔ مگر اب میں ہی تمہارا والی ہوں' اب میں تم پر سختی نہ کروں گا' اب میری سختی صرف ظالموں اور بدکاروں پر ہوگی۔ اسی خطبہ میں فرمایا: اے لوگو! اگر میں سنت نبوی اور سیرت صدیقی کے خلاف کوئی حکم دوں تو تم کیا کرو گے؟ لوگ کچھ نہ بولے' پھر دوبارہ آپ نے یہی ارشاد فرمایا تو ایک نوجوان تلوار کھینچ کر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ "فعلنا ھٰکذا"' یعنی اس تلوار سے سر کاٹ دیں گے' اس پر آپ بہت خوش ہوئے۔

تمام دنیا کی تاریخ میں کسی ایسے حکمران کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی سوائے حضرت سیدنا فاروق اعظم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے جس کی معاشرت یہ ہو قمیص میں دس دس پیوند لگے ہوں' کاندھے پر مشک رکھ کر غریب عورتوں کے ہاں پانی بھر آتا ہو' فرش پر خاک پڑا رہتا ہو' جہاں جاتا ہو' جریدہ وتنہا اونٹوں کے بدن پر اپنے ہاتھوں سے تیل ملتا ہو' درو دربار' نقیب' خشم وخدم کے نام سے ناآشنا ہو اور پھر یہ رعب ودبدبہ کے عرب وعجم اس کے نام سے لرزتے ہوں اور جس طرف رخ کرتا ہو زمین دھل جاتی ہو' سکندر وتیمور تیس تیس ہزار فوج رکاب میں لے کر نکلتے ہیں' جب ان کا رعب قائم ہوتا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سفر شام میں سواری کے ایک اونٹ کے سوا کچھ نہ تھا لیکن چاروں طرف غل پڑا ہوا تھا کہ مرکز عالم جنبش میں آ گیا ہے' اخلاق وکردار سے دیکھا جائے تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سوا کون ان کا ہم پایہ ہو سکتا ہے' زہد وقناعت' تواضع انکساری' خاکساری اور سادگی' راستی وحق پرستی' صبر ورضا' شکر وتوکل یہ اوصاف آپ میں بدرجہ کمال پائے جاتے ہیں۔

خشیتِ الٰہی

آپ کا دل ہر وقت' ہر لحہ خوف آخرت اور خشیت الٰہی سے لرزاں اور متفکر رہتا تھا۔ چنانچہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر آسمان سے ندا آئے کہ ایک آدمی کے سوا تمام دنیا کے لوگ جنتی ہیں تب بھی میرے دل سے مواخذہ کا خوف زائل نہ

ہوگا کہ شاید وہ بدقسمت انسان میں ہی ہوں۔

ایک راستہ پر سے گزر رہے تھے کہ کچھ خیال آیا' وہیں آپ زمین کی طرف جھکے اور ایک تنکا اُٹھایا' پھر کہا اے کاش! میں اس تنکا کی طرح خشک وخاک ہوتا' اے کاش! میں پیدا ہی نہ ہوتا' اے کاش! میری ماں مجھے نہ جنتی' ایک بار کسی کے گھر کی طرف گزر ہوا' وہ نماز میں سورہ والطّور پڑھ رہا تھا' جب آیت "اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ لَوَاقِعٌ" "بے شک تیرے رب کا عذاب یقیناً واقع ہونے والا ہے۔" پر پہنچا تو آپ سواری سے اُتر پڑے اور دیوار سے ٹیک لگا کر دیر تک بیٹھے رہے' اس کے بعد گھر آئے تو ایک مہینے تک بیمار رہے۔

حیرت انگیز زہد واتقاء

عبدالرحمٰن بن عمر والاشعری کا بیان ہے ایک روز میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف جا نکلا۔ ان کے پاس ایک اونٹنی تھی جن کا دودھ ان کے اپنے استعمال میں رہتا تھا' ان کا غلام ان کے لیے کہیں دور سے دودھ لے آیا' آپ نے پی لیا تو دفعتاً پوچھا تو یہ دودھ کہاں سے لایا' غلام بولا آپ کی اونٹنی پر نوزائیدہ بچہ ٹوٹ پڑا تھا' سو میں ایک سرکاری اونٹنی کا دودھ نکال لایا۔ امیر المؤمنین غضب ناک ہوگئے' ارشاد فرمایا' کم بخت تو نے میرے پیٹ میں آگ ڈال دی' مجھے دودھ کی شکل میں آگ سے سیراب کیا' جاجا کے علی بن ابی طالب کو بلا لا تو آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا' اس شخص نے بیت المال کی اونٹنی کو میرے لیے دوہا ہے' کیا آپ کے نزدیک میرے لیے یہ حلال ہے؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا' جی ہاں! اے امیر المؤمنین! بیت المال کی اونٹنی کا دودھ بھی آپ کے لیے حلال ہے اور گوشت بھی۔

درویشی اور دینداری

۱۸ھ میں قحط پڑا تو اس وقت آپ کی حالت قابل دید تھی' گوشت بھی اور تمام مرغوب غذائیں ترک فرمادی تھیں۔ عتبہ بن فرقد کی روایت ہے کہ میں نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کھانا دیکھا' روٹی کے ساتھ زیتون ایسا بدمزہ کہ میں ایک لقمہ نہ نگل سکا۔ (اسد الغابہ)

ایک روز یزید بن ابی سفیان نے آپ کی دعوت کی۔ جب دستر خوان پر بعض اچھے کھانے آئے تو آپ نے ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا' اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر تم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ چھوڑ دو گے تو ضرور بھٹک جاؤ گے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کبھی نرم کپڑا آپ کے جسم پر نہیں دیکھا' آپ کے کُرتے میں بارہ بارہ پیوند لگے ہوتے تھے' اسی حال میں قیصر وکسریٰ سے ملتے تھے۔

تواضع کی صفت آپ میں اس قدر تھی کہ اس کا اندازہ کرنے میں عقل انسانی عاجز ہوتی ہے۔ عرب وعجم کا بادشاہ بلکہ بادشاہوں کا فرمانروا اور اس میں اس قدر تواضع۔

خلیفہ ہونے کے بعد منبر پر گئے تو اس زینہ پر بیٹھے جس پر حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاؤں رہتے تھے' لوگوں نے کہا اوپر بیٹھئے تو فرمایا: میرے لیے یہی کافی ہے کہ مجھے اس مقام پر جگہ مل جائے جہاں صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاؤں رہتے ہوں۔

شروع میں لوگوں نے آپ کو خلیفۃ الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کہنا چاہا تو فرمایا میں اس قابل نہیں ہوں اور اپنے لیے ایک سادہ لفظ ''امیر المؤمنین'' پسند فرمایا۔ یہ لفظ سب سے پہلے آپ کے لیے استعمال ہوا۔

جب ملک شام تشریف لے گئے تو ایسا ہی پیوندار لباس آپ کے جسم اقدس پر تھا' مسلمانوں نے کہا کہ آج علمائے یہود و نصاریٰ آپ کو دیکھنے آئیں گے' ان کی نظر میں کیسی سبکی ہوگی اور وہ کیا کہیں گے۔ فرمایا: ہم کو کسی کے کہنے کی کوئی پروانہیں ہے' ہمیں اللہ نے اسلام سے عزت دی ہے' لباس سے ہماری عزت نہیں ہے۔

ایک مرتبہ پچاس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین مسجد نبوی میں جمع ہوئے' ان میں باہم حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زہد کا تذکرہ تھا کہ دیکھو تو کسریٰ و قیصر کی سلطنت جس کے قبضہ میں ہے' مشرق و مغرب میں جس کا حکم چل رہا ہے' عرب وعجم کے وفود جس کے پاس آتے ہیں اور اس کو اس حالت میں دیکھتے ہیں کہ اس کے لباس میں بارہ بارہ پیوند لگے ہوئے ہیں' ان سے کہنا چاہیے کہ وہ اس لباس کو بدل دیں' اچھا کپڑا پہنا کریں کہ عمدہ لباس سے بہت راحت ہوتی ہے اور کھانے کا بھی کوئی عمدہ انتظام کیا جائے۔ دونوں وقت وسیع تر دسترخوان بچھا کرے اور مہاجرین جوان سے ملنے آتے ہیں وہ ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہوا کریں لیکن کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کچھ کہتا۔ آخر سب نے مشورہ کیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہنا چاہیے' وہ ان کے خسر ہیں' وہ ان سے کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ سب لوگ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے' حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں ایسی بات ان سے نہ کہوں گا' اُمہات المؤمنین سے کہلوانا چاہیے۔

احنف بن قیس کہتے ہیں کہ پھر وہ لوگ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گئے وہ دونوں اکٹھی مل گئیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا' اچھا میں کہوں گی مگر حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا وہ ایسی بات نہیں مانیں گے مگر لوگوں کے اصرار سے وہ دونوں اُم المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما تشریف لے گئیں اور بڑی اچھی تمہید کے ساتھ حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس بات کے بارے میں گفتگو کی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سن کر رونے لگے۔ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تنگی معیشت کا ذکر کر کے ان دونوں کو بھی رُلایا اور فرمایا' سنو! میرے دو صاحب تھے' میں نے ان کو جن حالات میں دیکھا ہے اگر میں اس حالت کے خلاف اختیار کروں تو پھر مجھ کو ان کا قرب نصیب نہیں ہوسکتا' یہی حالت حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آخر وقت تک رہی' ذرا تغیر ہونے نہیں پایا۔

فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلمات وطیبات

اپنے تمام حکام کو فرمان بھیجا' تمہارے کاموں میں سب سے زیادہ اہتمام کے قابل میرے نزدیک نماز ہے جس نے اس کی حفاظت کی اس نے اپنا دین محفوظ کرلیا اور جس نے نماز کو ضائع کردیا وہ دوسری چیزوں کو بدرجہ اولیٰ ضائع کردے گا۔

فرمایا کہ دعا آسمان وزمین کے درمیان میں رہتی ہے یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر درُود پڑھا جائے۔ فرمایا کرتے تھے کہ سب سے افضل عبادت یہ ہے کہ فرائض کو ادا کرے اور منہیات سے بچے اور خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنی نیت درست رکھے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ صبر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک صبر مصیبت پر اور دوسرا معصیت کے ترک پر۔ دوسری قسم صبر کی پہلی قسم سے افضل ہے اور مدار ایمان ہے۔

اہل شام کو فرمان بھیجا کہ اپنی اولاد کو تیرنا' تیراندازی اور گھوڑے کی سواری سکھاؤ' ان کو حکم دو کہ لوگوں کی بے آبروئی نہ کریں۔ فرماتے تھے کہ زنا کی کثرت سے زمین میں زلزلہ آجاتا ہے اور حکام کے ظلم سے قحط پڑجاتا ہے۔

فرماتے تھے کہ توبہ کرنے والوں کے پاس بیٹھا کرو' ان کے دل بہت نرم ہوتے ہیں۔

ایک روز احنف بن قیس سے آپ نے پوچھا کہ سب سے زیادہ جاہل کون ہے؟ انہوں نے کہا جو آخرت کو دنیا کے عوض بیچ ڈالے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس سے بھی زیادہ جاہل تمہیں بتاؤں جو دوسرے کی دنیا کے لیے اپنی آخرت بیچ ڈالے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام فرمان بھیجا۔ اس میں لکھا کہ قوت کی بات یہ ہے کہ آج کا کام کل پر نہ اُٹھا رکھو اور جب دنیا و آخرت میں مقابلہ ہو تو آخرت اختیار کرو کیونکہ دنیا فنا ہونے والی ہے اور کتاب اللہ کا علم حاصل کرو کیونکہ اس میں علم کے چشمے اور دلوں کی بہار ہے۔

فرماتے تھے دنیا کو کم حاصل کرو تو آزادانہ زندگی ہوگی اور گناہ کم کرو تو موت آسان ہوجائیگی۔

عمر کے آخری حصے میں بکثرت یہ دعا مانگا کرتے تھے یااللہ! مجھے اپنی راہ میں شہادت عطا فرما اور اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے شہر میں موت دے۔ زخمی ہونے کے بعد نماز پڑھی اور زخم سے خون جاری تھا' فرمایا جس کی نماز جاتی رہی اس کا دین میں کچھ حصہ نہیں۔

حصول علم کا شوق

ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں ملک شام سے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے ستر یا اسی سال ان کی عمر تھی.... حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا: دھوپ میں سفر کرنے کی وجہ سے بالکل سیاہ فام ہو گئے ہیں.... زمین کا رنگ ان کی رنگت سے زیادہ صاف ہے.... بال بڑھے ہوئے ہیں.... حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ کیسے تشریف لائے؟

اس ضعف اور بڑھاپے میں آپ نے اتنا طویل سفر کیوں کیا؟

بڑے میاں نے کہا اَلتَّحِیَّات سیکھنے کے لئے آیا ہوں....اتنی بات سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے روئے کہ صاحب حدائق کے الفاظ ہیں: "حَتّٰی ابْتَلَّتْ لِحْیَتُهٗ" اتنا روئے کہ ڈاڑھی مبارک تر ہوگئی اور ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے دیر تک روتے رہے اور پھر قسم کھا کر فرمایا: قسم ہے اس ذات عالی کی جس کے قبضے میں میری جان ہے تمہیں عذاب نہیں دیا جائے گا....کیوں؟ دین کی ایک بات سننے اور سیکھنے کے لئے انہوں نے اپنے گھر کو چھوڑا اور اونٹ کی پیٹھ کے اوپر انہوں نے وقت گزارا....(بکھرے موتی)

میں ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کبھی نہیں بڑھ سکتا

حضرت ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صدقہ کرنے کا حکم دیا اور اس حکم کے وقت میرے پاس مال تھا تو میں نے کہا آج میں حضرت ابوبکرؓ سے بڑھ جاؤں گا اگر میں آج صدقہ میں بڑھ گیا' پس میں اپنا آدھا مال لایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمایا: "اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو"؟ تو میں نے وہی بات عرض کر دی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جو کچھ تھا وہ سب لے آئے.....حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اپنے اہل وعیال کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو؟ انہوں نے عرض کیا ان کے لئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ آیا ہوں' میں نے کہا میں تم سے کبھی بھی نہیں بڑھ سکتا".....

یہی واقعہ حضرت ابن عمرؓ کے ذریعہ بھی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے.....

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ صاف وخالص اور بھائی بندی میں کامل تھے اور کہا گیا ہے کہ تصوف شوق کی مشقتوں کے طوق کو گلے میں ڈالنے اور دلوں کی صفائی کے ساتھ معاملات انجام دینے کا نام ہے.....(۳۱۳ روشن ستارے)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہجرت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تو ذکر ہی کیا ہے بچہ بچہ ان کی بہادری سے واقف اور شجاعت کا معترف ہے اسلام کے شروع میں جب مسلمان سب ہی ضعف کی حالت میں تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اسلام کی قوت کے واسطے عمرؓ کے مسلمان ہونے کی دُعاء کی اور قبول ہوئی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ کعبہ کے قریب اس وقت تک نماز نہیں پڑھ سکتے تھے۔ جب تک کہ عمرؓ مسلمان نہیں ہوئے۔

ہجرت کے وقت شجاعت فاروقی کی شان: حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اوّل ہر شخص نے ہجرت چھپ کر کی۔ مگر جب عمرؓ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو تلوار گلے میں ڈالی' کمان ہاتھ میں لی اور بہت سے تیر ساتھ لئے۔ اوّل مسجد میں گئے طواف اطمینان سے کیا۔ پھر نہایت اطمینان سے نماز پڑھی اس کے بعد کفار کے مجمعوں میں گئے اور فرمایا کہ جس کا یہ

دل چاہے کہ اس کی ماں اس کو روئے۔ اس کی بیوی رانڈ ہو۔ اس کے بچے یتیم ہوں۔ وہ مکہ سے باہر آ کر میرا مقابلہ کرے۔ یہ الگ الگ جماعتوں کو سنا کر تشریف لے گئے۔ کسی ایک شخص کی بھی ہمت نہ پڑی کہ پیچھا کرتا۔ (اسد الغابہ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنی بیوی کو مُشک تولنے سے انکار

حضرت عمرؓ کی خدمت میں ایک مرتبہ بحرین سے مشک آیا۔ ارشاد فرمایا کہ کوئی اس کو تول کر مسلمانوں میں تقسیم کر دیتا۔ آپؓ کی اہلیہ حضرت عاتکہؓ نے عرض کیا میں تول دوں گی۔ آپؓ نے سُن کر سکوت فرمایا۔ تھوڑی دیر میں پھر یہی ارشاد فرمایا کہ کوئی اس کو تول دیتا تاکہ میں تقسیم کر دیتا۔ آپؓ کی اہلیہ نے پھر یہی عرض کیا۔ آپؓ نے سکوت فرمایا۔ تیسری دفعہ میں ارشاد فرمایا کہ مجھے یہ پسند نہیں کہ تو اُس کو اپنے ہاتھ سے ترازو کے پلڑے میں رکھے اور پھر ان ہاتھوں کو اپنے بدن پر پھیر لے۔ اور اتنی مقدار کی زیادتی مجھے حاصل ہو۔

فائدہ: یہ کمال احتیاط تھی اور اپنے آپ کو محل تہمت سے بچانا' ورنہ جو بھی تولے گا اس کے ہاتھ کو تو لگے ہی گا۔ اس لئے اس کے جواز میں کوئی تردد نہ تھا۔ لیکن پھر بھی حضرت عمرؓ نے اپنی بیوی کے لئے اس کو گوارا نہ فرمایا حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جن کو عمر ثانی بھی کہا جاتا ہے۔ اُن کے زمانہ میں ایک مرتبہ مشک تولا جا رہا تھا تو اُنہوں نے اپنی ناک بند فرمالی۔ اور ارشاد فرمایا کہ مشک کا نفع تو خوشبو ہی سونگھنا ہے۔ (احیاء)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صدقہ کے دودھ سے قے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ دودھ نوش فرمایا کہ اس کا مزہ کچھ عجیب سا نیا سا معلوم ہوا۔ جن صاحب نے پلایا تھا اُن سے دریافت فرمایا کہ یہ دودھ کیسا ہے' کہاں سے آیا ہے۔ اُنہوں نے عرض کیا کہ فلاں جنگل میں صدقہ کے اونٹ چر رہے تھے کہ میں وہاں گیا تو اُن لوگوں نے دودھ نکالا۔ جس میں سے مجھے بھی دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منہ میں ہاتھ ڈالا اور سارے کا سارا قے فرما دیا۔ (مؤطا امام مالک)

فائدہ: ان حضرات کو اس کا ہمیشہ فکر رہتا تھا کہ مشتبہ مال بھی بدن کا جز نہ بنے چہ جائے کہ بالکل حرام جیسا کہ ہمارے اس زمانہ میں شائع ہو گیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بیت المال سے وظیفہ

حضرت عمرؓ بھی تجارت کیا کرتے تھے۔ جب خلیفہ بنائے گئے تو بیت المال سے وظیفہ مقرر ہوا۔ مدینہ طیبہ میں لوگوں کو جمع فرما کر ارشاد فرمایا کہ میں تجارت کیا کرتا تھا۔ اب تم لوگوں نے اس میں مشغول کر دیا۔ اس لئے اب گذارہ کی کیا صورت ہو۔ لوگوں نے مختلف مقداریں تجویز کیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ' چپ بیٹھے تھے۔ حضرت عمرؓ نے دریافت فرمایا کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ آپ نے فرمایا کہ توسط کے ساتھ جو تمہیں اور تمہارے گھر والوں کو کافی ہو

جائے۔ حضرت عمرؓ نے اس رائے کو پسند فرمایا اور قبول کر لیا اور متوسط مقدار تجویز ہوگئی۔

اس کے بعد ایک مرتبہ ایک مجلس میں جس میں خود حضرت علیؓ بھی تھے اور حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ شریک تھے یہ ذکر آیا کہ حضرت عمرؓ کے وظیفہ میں اضافہ کرنا چاہیے کہ گذر میں تنگی ہوتی ہے مگر اُن سے عرض کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اس لئے اُنکی صاحبزادی حضرت حفصہؓ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی ہونے کی وجہ سے ام المؤمنین بھی تھیں اُن کی خدمت میں یہ حضرات تشریف لے گئے اور اُن کے ذریعہ سے حضرت عمرؓ کی اجازت اور رائے معلوم کرنے کی کوشش کی اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ ہم لوگوں کے نام معلوم نہ ہوں۔

حضرت حفصہؓ نے جب حضرت عمرؓ سے اس کا تذکرہ کیا تو چہرہ پر غصہ کے آثار ظاہر ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے نام دریافت کئے۔ حضرت حفصہؓ نے عرض کیا کہ پہلے آپ کی رائے معلوم ہو جائے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھے اُن کے نام معلوم ہو جاتے تو اُن کے چہرے بدل دیتا۔ یعنی ایسی سزائیں دیتا کہ منہ پر نشان پڑ جاتے۔ تو ہی بتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمدہ سے عمدہ لباس تیرے گھر میں کیا تھا۔ انہوں نے عرض کیا کہ دو کپڑے گیروی رنگ کے جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن یا کسی وفد کی وجہ سے پہنتے تھے پھر فرمایا کہ کونسا کھانا تیرے یہاں عمدہ سے عمدہ کھایا۔ عرض کیا کہ ہمارا کھانا جو کی روٹی تھی۔ ہم نے گرم گرم روٹی پر گھی کے ڈبہ کی تلچھٹ اُلٹ کر اس کو ایک مرتبہ چپڑ دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اس کو مزے لیکر نوش فرما رہے تھے اور دوسروں کو بھی کھلاتے تھے۔ فرمایا کہ کونسا بستر ہ عمدہ ہوتا تھا جو تیرے یہاں بچھاتے تھے۔ عرض کیا ایک موٹا سا کپڑا تھا گرمی میں اس کو چوہرا کر کے بچھا لیتے تھے اور سردی میں آدھے کو بچھا لیتے اور آدھے کو اوڑھ لیتے۔ فرمایا حفصہؓ ان لوگوں تک یہ بات پہنچا دے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے طرز عمل سے ایک اندازہ مقرر فرما دیا اور اُمید (آخرت) پر کفایت فرمائی۔ میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرونگا۔ میری مثال اور میرے دو ساتھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ صدیق کی مثال ان تین شخصوں کی سی ہے جو ایک راستہ پر چلے۔ پہلا شخص ایک توشہ لیکر چلا اور مقصد کو پہنچ گیا۔ دوسرے نے بھی پہلے کا اتباع کیا اور اسی کے طریقہ پر چلا وہ بھی پہلے کے پاس پہنچ گیا۔ پھر تیسرے شخص نے چلنا شروع کیا اگر وہ ان دونوں کے طریقہ پر چلے گا۔ تو اُن کے ساتھ مل جائے گا اور اگر ان کے طریقہ کیخلاف چلے گا تو کبھی بھی اُن کے ساتھ نہیں مل سکے گا۔ (اشہر)

فائدہ: یہ اس شخص کا حال ہے جس سے دنیا کے بادشاہ ڈرتے تھے، کانپتے تھے، کہ کس زاہدانہ زندگی کیساتھ عمر گذار دی۔ ایک مرتبہ آپؓ خطبہ پڑھ رہے تھے اور آپ کی لنگی میں بارہ پیوند تھے جن میں سے ایک چمڑہ کا بھی تھا ایک مرتبہ جمعہ کی نماز کیلئے تشریف لانے میں دیر ہوئی تو تشریف لا کر معذرت فرمائی کہ مجھے اپنے کپڑے دھونے میں دیر ہوئی اور ان کپڑوں کے علاوہ اور تھے نہیں۔ (اشہر)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دُنیا سے بے رغبتی

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کھانا نوش فرما رہے تھے۔ غلام نے آکر عرض کیا کہ عتبہؓ بن ابی فرقد حاضر ہوئے ہیں۔ آپ

نے اندر آنے کی اجازت فرمائی اور کھانے کی تواضع فرمائی۔ وہ شریک ہو گئے تو ایسا موٹا کھانا تھا کہ نگلا نہ گیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ چھنے ہوئے آٹے کا کھانا بھی تو ہو سکتا تھا۔ آپؓ نے فرمایا کیا سب مسلمان میدہ کھا سکتے ہیں۔ عرض کیا کہ سب تو نہیں کھا سکتے فرمایا کہ افسوس تم یہ چاہتے ہو کہ میں اپنی ساری لذتیں دنیا ہی میں ختم کر دوں۔ (اسد الغابہ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تواضع وخشیت

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بسا اوقات ایک تنکا ہاتھ میں لیتے اور فرماتے' کاش میں یہ تنکا ہوتا۔ کبھی فرماتے' کاش مجھے میری ماں نے جنا ہی نہ ہوتا۔ ایک مرتبہ کسی کام میں مشغول تھے ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ فلاں شخص نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔ آپ چل کر مجھے بدلہ دلوا دیجئے۔ آپؓ نے اس کے ایک دُرّہ مار دیا کہ جب میں اس کام کیلئے بیٹھتا ہوں اس وقت تو آتے نہیں' جب میں دوسرے کاموں میں مشغول ہو جاتا ہوں تو آ کر کہتے ہیں کہ بدلہ دلوا وہ شخص چلا گیا۔ آپؓ نے آدمی بھیج کر اُس کو بلوایا اور دُرّہ دے کر فرمایا کہ بدلہ لے لو' اُس نے عرض کیا کہ میں نے اللہ کے واسطے معاف کیا۔ گھر تشریف لائے دو رکعت نماز پڑھی اس کے بعد اپنے آپ کو خطاب کر کے فرمایا۔ اے عمرؓ تو کمینہ تھا اللہ نے تجھ کو اُونچا کیا تو گمراہ تھا اللہ نے تجھ کو ہدایت کی' تو ذلیل تھا اس نے تجھے عزت دی' پھر لوگوں کا بادشاہ بنایا۔ اب ایک شخص آ کر کہتا ہے کہ مجھے ظلم کا بدلہ دلوا دے تو تو اس کو مارتا ہے۔ کل کو قیامت کے دن اپنے رب کو کیا جواب دیگا۔ بڑی دیر تک اسی طرح اپنے آپکو ملامت کرتے رہے۔ (اسد الغابہ)

ضرورت مندوں کی خبر گیری

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت اسلمؓ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے ساتھ حرہ (مدینہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے) کی طرف جا رہا تھا۔ ایک جگہ آگ جلتی ہوئی جنگل میں نظر آئی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ شاید یہ کوئی قافلہ ہے جو رات ہو جانے کی وجہ سے شہر میں نہیں گیا باہر ہی ٹھہر گیا چلو اس کی خیر خبر لیں۔ رات کو حفاظت کا انتظام کریں وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک عورت ہے جس کیساتھ چند بچے ہیں جو رو رہے ہیں اور چلا رہے ہیں اور ایک دیگچی چولہے پر رکھی ہے جس میں پانی بھرا ہوا ہے اور اُس کے نیچے آگ جل رہی ہے۔ اُنہوں نے سلام کیا اور قریب آنے کی اجازت لیکر اس کے پاس گئے پوچھا کہ یہ بچے کیوں رو رہے ہیں عورت نے کہا کہ بھوک سے لاچار ہو کر رو رہے ہیں۔ دریافت فرمایا کہ اس دیگچی میں کیا ہے۔ عورت نے کہا کہ پانی بھر کر بہلانے کے واسطے آگ پر رکھدی ہے کہ ذرا ان کو تسلی ہو جائے اور سو جائیں۔ امیر المؤمنین عمرؓ کا اور میرا اللہ ہی کے یہاں فیصلہ ہوگا کہ میری اس تنگی کی خبر نہیں لیتے۔ حضرت عمرؓ رونے لگے اور فرمایا کہ اللہ تجھ پر رحم کرے بھلا عمرؓ کو تیرے حال کی کیا خبر ہے۔ کہنے لگی کہ وہ ہمارے امیر بنے ہیں اور ہمارے حال کی خبر بھی نہیں رکھتے۔ اسلمؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ مجھے ساتھ لیکر واپس ہوئے اور ایک بوری میں بیت المال میں سے کچھ آٹا اور کھجوریں اور چربی اور کچھ کپڑے اور کچھ درہم لئے۔ غرض اس بوری کو

خوب بھرلیا۔ اور فرمایا کہ یہ میری کمر پر رکھدے۔ میں نے عرض کیا کہ میں لے چلوں۔ آپؓ نے فرمایا نہیں میری کمر پر رکھدے۔ دو تین مرتبہ جب میں نے اصرار کیا تو فرمایا کیا قیامت میں بھی میرے بوجھ کو تو ہی اٹھائے گا اس کو میں ہی اٹھاؤں گا اسلئے کہ قیامت میں مجھ ہی سے اس کا سوال ہوگا۔ میں نے مجبور ہو کر بوری کو آپکی کمر پر رکھ دیا۔ آپؓ نہایت تیزی کیساتھ اُس کے پاس تشریف لے گئے۔ میں بھی ساتھ تھا۔ وہاں پہنچ کر اس دیگچی میں آٹا اور کچھ چربی اور کھجوریں ڈالیں اور اس کو چلانا شروع کیا اور چولہے میں خود ہی پھونک مارنا شروع کیا۔ اسلمؓ کہتے ہیں کہ آپؓ کی گنجان داڑھی سے دھواں نکلتا ہوا میں دیکھتا رہا حتیٰ کہ حریرہ سا تیار ہو گیا۔ اس کے بعد آپؓ نے اپنے دستِ مبارک سے نکال کر اُن کو کھلایا۔ وہ سیر ہو کر خوب ہنسی کھیل میں مشغول ہو گئے اور جو بچا تھا وہ دوسرے وقت کے واسطے اُن کے حوالے کر دیا۔ وہ عورت بہت خوش ہوئی اور کہنے لگی اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے۔ تم تھے اس کے مستحق کہ بجائے حضرت عمرؓ کے تم ہی خلیفہ بنائے جاتے۔ حضرت عمرؓ نے اس کو تسلی دی اور فرمایا کہ جب تم خلیفہ کے پاس جاؤ گی تو مجھ کو بھی وہیں پاؤ گی۔ حضرت عمرؓ اس کے قریب ہی ذرا ہٹ کر زمین پر بیٹھ گئے اور تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد چلے آئے اور فرمایا کہ میں اس لئے بیٹھا تھا کہ میں نے ان کو روتے ہوئے دیکھا تھا۔ میرا دل چاہا کہ تھوڑی دیر اُن کو ہنستے ہوئے دیکھوں۔

نماز میں رِقت

صبح کی نماز میں اکثر سورۂ کہف، طٰہٰ وغیرہ بڑی سورتیں پڑھتے اور روتے کہ کئی کئی صفوں تک آواز جاتی۔ ایک مرتبہ صبح کی نماز میں سورۂ یوسف ں پڑھ رہے تھے۔ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ پر پہنچے تو روتے روتے آواز نہ نکلی۔ تہجد کی نماز میں بعض مرتبہ روتے روتے گر جاتے اور بیمار ہو جاتے۔

فائدہ: یہ ہے اللہ کا خوف اس شخص کا جس کے نام سے بڑے بڑے نامور بادشاہ ڈرتے تھے کانپتے تھے۔ آج بھی ساڑھے تیرہ سو برس کے زمانہ تک اس کا دبدبہ مانا ہوا ہے۔ آج کوئی بادشاہ نہیں۔ حاکم نہیں، کوئی معمولی سا امیر بھی اپنی رعایا کے ساتھ ایسا برتاؤ کرتا ہے؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو وسعت طلب کرنے پر تنبیہ

بیویوں کی بعض زیادتیوں پر ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھالی تھی ایک مہینہ تک اُن کے پاس نہ جاؤں گا تا کہ اُن کو تنبیہ ہو اور علیحدہ اوپر ایک حجرہ میں قیام فرمایا تھا۔ لوگوں میں یہ شہرت ہو گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو طلاق دیدی۔ حضرت عمرؓ اس وقت اپنے گھر تھے۔ جب یہ خبر سنی تو دوڑے ہوئے تشریف لائے مسجد میں دیکھا کہ لوگ متفرق طور پر بیٹھے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رنج اور غصہ کی وجہ سے رو رہے ہیں۔ بیبیاں بھی سب اپنے اپنے گھروں میں رو رہی ہیں اپنی بیٹی حضرت حفصہؓ کے پاس تشریف لے گئے وہ بھی مکان میں رو رہی تھیں۔ فرمایا کہ اب کیوں رو رہی ہے کیا میں ہمیشہ اس سے ڈرایا نہیں کرتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کی کوئی بات نہ

کیا کر۔ اس کے بعد مسجد میں تشریف لائے۔ وہاں ایک جماعت منبر کے پاس بیٹھی رو رہی تھی۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری: تھوڑی دیر وہاں بیٹھے رہے مگر شدت رنج سے بیٹھا نہ گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس جگہ تشریف فرما تھے اس کے قریب تشریف لے گئے اور حضرت رباحؓ ایک غلام کے ذریعہ سے جو دوباری کے زینہ پر پاؤں لٹکائے بیٹھے تھے۔ اندر حاضری کی اجازت چاہی۔ اُنہوں نے حاضر خدمت ہو کر حضرت عمرؓ کے لئے اجازت مانگی مگر حضور نے سکوت فرمایا کوئی جواب نہ دیا حضرت رباحؓ نے آ کر یہی جواب حضرت عمرؓ کو دیدیا کہ میں نے عرض کر دیا تھا مگر کوئی جواب نہیں ملا۔ حضرت عمرؓ مایوس ہو کر منبر کے پاس آ بیٹھے مگر بیٹھا نہ گیا۔ تو پھر تھوڑی دیر میں حاضر ہو کر حضرت رباحؓ کے ذریعہ سے اجازت چاہی اسی طرح تین مرتبہ پیش آیا کہ یہ بیتابی سے غلام کے ذریعہ اجازت حاضری کے مانگتے۔ اُدھر سے جواب میں سکوت اور خاموشی ہی ہوتی۔ تیسری مرتبہ جب لوٹنے لگے تو حضرت رباحؓ نے آواز دی اور کہا کہ تمہیں حاضری کی اجازت ہوگئی۔
حضرت عمرؓ حاضر خدمت ہوئے تو دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک بوریے پر لیٹے ہوئے ہیں جس پر کوئی چیز بچھی ہوئی نہیں ہے اس وجہ سے جسم اطہر پر بوریے کے نشانات بھی اُبھر آئے ہیں۔ خوبصورت بدن پر نشانات صاف نظر آیا ہی کرتے ہیں اور سرہانے ایک چمڑے کا تکیہ ہے جسمیں کھجور کی چھال بھری ہوئی ہے میں نے سلام کیا اور سب سے اول تو یہ پوچھا۔ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیویوں کو طلاق دیدی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں۔ اس کے بعد میں نے دل بستگی کے طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم قریشی لوگ عورتوں پر غالب رہتے تھے مگر جب مدینہ آئے تو دیکھا کہ انصار کی عورتیں مردوں پر غالب ہیں۔ ان کو دیکھ کر قریش کی عورتیں بھی اس سے متاثر ہوگئیں۔ اس کے بعد میں نے ایک آدھ بات اور کی جس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر تبسم کے آثار ظاہر ہوئے۔ میں نے دیکھا کہ گھر کا کل سامان یہ تھا۔ تین چمڑے بغیر دباغت دیئے ہوئے اور ایک مٹھی جو ایک کونے میں پڑے ہوئے تھے۔ میں نے اِدھر اُدھر نظر دوڑا کر دیکھا تو اس کے سوا کچھ نہ ملا۔
میں دیکھ کر رو دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیوں رو رہے ہو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیوں نہ روؤں کہ یہ بوریے کے نشانات آپکے بدن مبارک پر پڑ رہے ہیں اور گھر کی کل کائنات یہ ہے جو میرے سامنے ہے۔ پھر میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! دُعاء کیجئے کہ آپکی اُمت پر وسعت ہو۔ یہ روم و فارس بے دین ہونے کے باوجود کہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے اُن پر تو یہ وسعت، یہ قیصر و کسریٰ تو باغوں اور نہروں کے درمیان ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول اور اس کے خاص بندہ ہو کر یہ حالت۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگائے ہوئے لیٹے تھے۔ حضرت عمرؓ کی یہ بات سن کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ عمرؓ کیا اب تک اس بات کے اندر شک میں پڑے ہوئے ہو۔ سنو آخرت کی وسعت دنیا کی وسعت سے بہت بہتر ہے۔ ان کفار کو طیبات اور اچھی چیزیں دنیا میں مل گئیں اور ہمارے لئے آخرت میں ہیں۔
حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے لئے استغفار فرمائیں کہ واقعی میں نے غلطی کی۔ (فتح)

فائدہ: یہ دین و دنیا کے بادشاہ اور اللہ کے لاڈلے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا طرزِ عمل ہے کہ بوریے پر کوئی چیز بچھی ہوئی بھی نہیں۔ نشانات بدن پر پڑے ہوئے ہیں۔ گھر کے ساز و سامان کا حال بھی معلوم ہو گیا اس پر ایک شخص نے دُعاء کی درخواست کی تو تنبیہ فرمائی۔ حضرت عائشہؓ سے کسی نے پوچھا تھا کہ آپؓ کے گھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہ کیسا تھا۔ فرمایا ایک چمڑہ کا تھا۔ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ حضرت حفصہؓ سے بھی کسی نے پوچھا کہ آپؓ کے گھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہ کیسا تھا۔ فرمایا کہ ایک ٹاٹ تھا' جس کو دوہرا کر کے حضور کے نیچے بچھا دیتی تھی۔ ایک روز مجھے خیال ہوا کہ اگر اس کو چوہرا کر کے بچھا دوں' تو زیادہ نرم ہو جائے۔ چنانچہ ہم نے بچھا دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رات کو کیا بچھا دیا تھا۔ ہم نے عرض کیا کہ وہی ٹاٹ تھا اس کو چوہرا کر دیا تھا۔ فرمایا۔ اس کو ویسا ہی کر دو جیسا پہلے تھا۔ اُس کی نرمی رات کو اُٹھنے میں مانع بنتی ہے۔ (شمائل)

ایک سبق آموز واقعہ

ایک آدمی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں آپ رضی اللہ عنہ کے پاس اپنی بیوی کی شکایت لے کر آیا... جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دروازے پر پہنچا تو اندر سے بی بی ام کلثوم رضی اللہ عنہا (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ سخت لہجہ میں گفتگو کی آواز سنی تو واپس لوٹنے لگا...

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو علم ہو گیا (کہ باہر کوئی آدمی ہے) آپ رضی اللہ عنہ نے اس آدمی کو واپس بلایا اور پوچھا کہ کیسے آئے تھے؟ اس نے جواب میں کہا کہ حضرت میں تو اپنی بیوی کی شکایت لے کر آیا تھا لیکن جس مصیبت میں میں مبتلا ہوں اس میں آپ رضی اللہ عنہ کو بھی مبتلا پایا... اس لیے واپس جا رہا تھا... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو جواب دیا کہ دیکھو! میرے اوپر میری بیوی کے حقوق اور شرعی حدود ہیں اس لیے میں نے اس سے تجاوز نہیں کیا اور برداشت کیا... اول تو یہ ہے کہ وہ میرے اور دوزخ کے درمیان حجاب ہے کہ اس کی وجہ سے میں حرام سے بچتا ہوں...

دوم یہ کہ یہ میری خزانچی ہے جب میں گھر سے نکلتا ہوں تو وہ اس کی حفاظت کرتی ہے... سوم وہ میری دھوبن ہے... کپڑے میلے ہوتے ہیں تو وہ دھوتی ہے... چہارم یہ کہ وہ میرے بیٹے کو دودھ پلاتی ہے... جب بچہ بھوکا ہوتا ہے وہ اس کو اپنے سینے سے لگا کر دودھ پلاتی ہے... پنجم میری خانساماں ہے کہ روٹی پکاتی ہے، سالن بناتی ہے... یہ سب امور ہیں جن کی وجہ سے میں اس کی سخت کلامی کو برداشت کرتا ہوں...

اس آدمی نے کہا جو معاملات آپ رضی اللہ عنہ کے ہیں وہ تو میرے بھی ہیں... جیسا کہ آپ رضی اللہ عنہ برداشت کرتے ہیں ویسا ہی میں بھی برداشت کر لوں گا... (اللہ، اللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شجاعت اور یہ بردباری اور یہ اخلاق، حسن معاشرت کا اتنا واضح ثبوت ہے...)

ایک شرابی کی حکیمانہ اِصلاح

حضرت یزید بن اصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں شام کا ایک آدمی بہت طاقت ور اور خوب لڑائی کرنے والا تھا۔ وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں آیا کرتا تھا وہ چند دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نظر نہ آیا تو فرمایا: فلاں ابن فلاں کا کیا ہوا؟ لوگوں نے کہا اے امیر المؤمنین! اس نے تو شراب پینا شروع کر دی ہے اور مسلسل پی رہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے منشی کو بلا کر فرمایا خط لکھو:

یہ خط عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے فلاں بن فلاں کے نام۔ سَلَامٌ عَلَیْکَ!

میں تمہارے سامنے اس اللہ کی تعریف کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں جو گناہوں کو معاف کرنے والا' توبہ قبول کرنے والا' سخت سزا دینے والا اور بڑا انعام و احسان کرنے والا ہے' اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا' تم لوگ اپنے بھائی کے لیے دُعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کے دل کو اپنی طرف متوجہ فرمادے اور اسے توبہ کی توفیق عطا فرمادے۔ جب اس کے پاس حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خط پہنچا تو وہ اسے بار بار پڑھنے لگا اور کہنے لگا وہ گناہوں کو معاف کرنے والا' توبہ کو قبول کرنے والا اور سخت سزا دینے والا ہے (اس آیت میں) اللہ نے مجھے اپنی سزا سے ڈرایا ہے اور معاف کرنے کا وعدہ بھی فرمایا ہے۔

ابونعیم کی روایت میں مزید یہ بھی ہے کہ وہ اسے بار بار پڑھتا رہا' پھر رونے لگا' پھر اس نے شراب پینا چھوڑ دی اور مکمل طور سے چھوڑ دی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کی یہ خبر پہنچی تو فرمایا ایسا کیا کرو' جب تم دیکھو کہ تمہارا بھائی پھسل گیا ہے اسے راہِ راست پر لاؤ اور اسے اللہ کی معافی کا یقین دلاؤ اور اللہ سے دُعا کرو کہ وہ اسے توبہ کی توفیق عطا فرمائے اور تم اس کے خلاف شیطان کے مددگار نہ بنو (اور اسے اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہ کرو)۔ (حیاۃ الصحابہ: جلد۳ صفحہ ۳۶۶'۳۶۷)

اسلام کی دی ہوئی عزت

حضرت طارق بن شہاب رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ جب امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام تشریف لائے تو راستہ میں ایک دریا کی گذرگاہ آئی تو آپ اپنے اونٹ سے اتر گئے اپنے موزے اتار کر پکڑ لئے اور اپنے اونٹ کو لیکر پانی میں داخل ہو گئے۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یقیناً آج تو آپ نے زمین والوں کے ہاں ایک بہت بڑا کام کیا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے سینہ میں مارا اور فرمایا اے ابوعبیدہ افسوس! کہ یہ بات تیرے علاوہ کوئی اور کہتا! بے شک تم لوگوں میں ذلیل تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ عزت بخشی تم جب بھی اس کو چھوڑ کر غیر سے عزت کے طلبگار بنو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ذلیل کر دے گا۔

تلاوت کر کے رونا

حضرت ہشام بن الحسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے روزانہ کے معمولات میں قرآن کریم کی کوئی آیت پڑھتے تو وہ آپ کا گلا گھونٹ دیتی اور رونے لگتے حتیٰ کہ گر جاتے پھر اپنے گھر ہی میں رہتے یہاں تک لوگ آپ کو مریض سمجھ کر آپ کی عیادت کرنے لگتے۔

ایک بڑھیا کی نصیحت سے آہ وزاری

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ چند صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت کے ساتھ بڑے ضروری کام سے تشریف لے جا رہے تھے، راستہ میں ایک بڑھیا ملی جن کی کمر مبارک بھی جھک گئی تھی اور لاٹھی کے سہارے سے آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: قف یا عمر! عمر ٹھہر جا! کہاں لپکا جا رہا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ٹھہر گئے اور بڑھیا لاٹھی کے سہارے سیدھی کھڑی ہو گئیں اور فرمایا: اے عمر! میرے سامنے تیرے اوپر تین دور گزر چکے ہیں۔

ایک دور تو وہ تھا کہ تو سخت گرمی کے زمانے میں اونٹ چرایا کرتا تھا اور اونٹ بھی چرانے نہیں آتے تھے، صبح سے شام تک حضرت عمر رضی اللہ عنہ اونٹ چرا کر آتے تو خطاب کی مار پڑتی تھی کہ اونٹوں کو اچھی طرح چرا کر کیوں نہیں لایا؟ (ان کی بہن عمر کو یہ کہتی تھی کہ عمر تجھ سے تو پھلی نہیں پھوٹتی) تو اس بڑھیا نے کہا کہ تو اونٹ چرایا کرتا تھا اور تیرے سر پر ٹاٹ کا یا کمبل کا ٹکڑا ہوتا تھا اور ہاتھ میں پتے جھاڑنے کا آنکڑا ہوتا تھا۔

دوسرا دور وہ آیا کہ لوگوں نے تجھے عمیر کہنا شروع کیا، اس لیے کہ ابو جہل کا نام بھی عمر تھا۔ اس کی طرف سے پابندی تھی کہ میرے نام پر نام نہ رکھا جائے، گھر والوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نام میں تصغیر کر کے عمیر کہنا شروع کر دیا تھا۔ ۲ھ میں غزوۂ بدر ہوا اور اس میں ابو جہل مارا گیا، اس وقت تک ان کو عمیر ہی کہا جاتا تھا۔

بڑھیا نے کہا کہ اب تیسرا دور یہ ہے کہ تجھے نہ کوئی عمیر کہتا ہے نہ عمر بلکہ امیر المؤمنین کہہ کر پکارتے ہیں۔ اس تمہید کے بعد بڑھیا نے کہا "اِتَّقِ اللّٰهَ تَعَالٰى فِي الرَّعِيَّةِ" رعایا کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔ امیر المؤمنین بننا آسان ہے مگر حق والے کا حق ادا کرنا مشکل ہے، کل حقوق کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ لہٰذا ہر حق والے کا حق ادا کرو۔ عمر رضی اللہ عنہ زار و قطار رو رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ڈاڑھی مبارک سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے ہیں۔ صحابہ جو ساتھ تھے انہوں نے بڑھیا کی طرف اشارہ کیا کہ بس تشریف لے جاؤ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے رونے کی وجہ سے زبان بھی نہ اُٹھ سکی، اشارہ سے ہی منع فرما دیا کہ ان کو فرمانے دو جو فرما رہی ہیں، جب وہ چلی گئی تب صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے پوچھا کہ یہ بڑھیا کون تھی؟ جس نے آپ کا اتنا وقت ضائع کیا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر یہ ساری رات کھڑی رہتیں تو عمر یہاں سے سرکنے والا نہیں تھا، بجز فجر کی نماز کے، یہ بی بی صاحبہ خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا ہیں جن کی بات کی شنوائی ساتویں آسمان کے اوپر ہوئی اور حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ الآیۃ (سورۃ المجادلۃ: آیت ۱)

ترجمہ: ''بالیقین اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو آپ سے اپنے شوہر کے بارے میں جھگڑ رہی تھی اور اللہ کے آگے جھینک رہی تھی۔''

فرمایا کہ عُمر کی کیا مجال تھی کہ ان کی بات نہ سنے جن کی بات ساتویں آسمان کے اوپر سنی گئی۔

(اسلام میں امانتداری کی حیثیت اور مقام صفحہ ۱۸ وعظ: حضرت مولانا مفتی افتخار الحسن صاحب)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ مثالی حکمران

حضرت عمرانؓ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ضرورت پیش آتی تو بیت المال کے نگران کے پاس آتے اور اس سے ادھار لے لیتے۔ بعض دفعہ آپ تنگ دست ہوتے (اور قرض واپس کرنے کا وقت آ جاتا) تو بیت المال کا نگران آ کر ان سے قرض ادا کرنے کا تقاضا کرتا اور ان کے پیچھے پڑ جاتا۔ آخر حضرت عمر قرض کی ادائیگی کی کہیں سے کوئی صورت بناتے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا کہ آپ کو وظیفہ ملتا تو اس سے قرض ادا کرتے۔ (اخرجہ ابن سعد)

حضرت ابراہیمؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ زمانہ خلافت میں بھی تجارت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ نے ایک تجارتی قافلہ ملک شام بھیجنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے چار ہزار قرض لینے کے لئے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پاس آدمی بھیجا۔ حضرت عبدالرحمٰن نے اس قاصد سے کہا جا کر امیر المؤمنین سے کہہ دو کہ وہ اب بیت المال سے چار ہزار ادھار لے لیں۔ بعد میں بیت المال میں واپس کر دیں۔

جب قاصد نے واپس آ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کا جواب بتایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس سے بڑی گرانی ہوئی۔ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حضرت عبدالرحمٰن سے ملاقات ہوئی تو ان سے کہا تم نے ہی کہا تھا کہ عمر چار ہزار بیت المال سے ادھار لے لے۔ اگر (میں بیت المال سے ادھار لے کر تجارتی قافلہ کے ساتھ بھیج دوں اور پھر) تجارتی قافلہ کی واپسی سے پہلے میں مر جاؤں تو تم لوگ کہو گے کہ امیر المؤمنین نے چار ہزار لئے تھے اب ان کا انتقال ہو گیا ہے اس لئے یہ ان کے چار ہزار چھوڑ دو (تم لوگ تو چھوڑ دو گے) اور میں ان کے بدلے قیامت کے دن پکڑا جاؤں گا۔ نہیں، میں بیت المال سے بالکل نہیں لوں گا بلکہ میں چاہتا ہوں کہ تم جیسے لالچی اور کنجوس آدمی سے ادھار لوں تا کہ اگر میں مر جاؤں تو وہ میرے مال میں سے اپنا ادھار وصول کر لے۔ (اخرجہ ابن سعد ایضاً)

حضرت حسنؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مرتبہ کہیں سے مال آیا تو ان کی صاحبزادی اُم المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو اس کی اطلاع پہنچی۔ انہوں نے آ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا اے امیر المؤمنین! اللہ تعالیٰ نے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے اس لئے اس مال میں آپ کے رشتہ داروں کا حق بھی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا اے میری بیٹی! میرے رشتہ داروں کا حق میرے مال میں ہے

اور یہ تو مسلمانوں کا مال غنیمت ہے، تم اپنے باپ کو دھوکہ دینا چاہتی ہو، جاؤ تشریف لے جاؤ! چنانچہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کھڑی ہوئیں اور چادر کا دامن گھسیٹتی ہوئی واپس چلی گئیں۔ (اخرجہ احمد فی الزھد کذا فی منتخب الکنز)

حضرت عاصم بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے میری شادی کی تو ایک مہینہ تک اللہ کے مال میں سے (یعنی بیت المال میں سے) مجھے خرچ دیتے رہے پھر اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (اپنے دربان) یرفا کو مجھے بلانے بھیجا۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے فرمایا میں خلیفہ بننے سے پہلے بھی یہی سمجھتا تھا کہ میرے لئے بیت المال سے اپنے حق سے زیادہ لینا جائز نہیں اور اب خلیفہ بننے کے بعد یہ مال میرے لئے اور زیادہ حرام ہو گیا ہے کیونکہ اب یہ میرے پاس بطور امانت ہے اور میں تمہیں اللہ کے مال میں سے ایک مہینہ خرچ دے چکا ہوں۔ اب تمہیں اس میں سے اور نہیں دے سکتا ہوں۔ ہاں میں تمہاری مدد اس طرح کر سکتا ہوں کہ غابہ میں میری جائیداد ہے۔ تم اس کا پھل کاٹ کر بیچ دو۔ پھر (اس کے پیسے لے کر) اپنی قوم کے کسی تاجر کے پاس جا کر کھڑے ہو جاؤ اور دیکھو جب وہ کوئی چیز خریدنے لگے تو تم اس کے ساتھ شرکت کر لو (اس سے جو نفع ہو، اس سے) خرچہ لے کر اپنے گھر والوں پر خرچ کرتے رہو۔ (اخرجہ ابن سعد)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے کچھ اونٹ خریدے اور ان کو بیت المال کی چراگاہ میں چھوڑ آیا۔ جب وہ خوب موٹے ہو گئے تو میں انہیں (بیچنے کے لئے بازار) لے آیا۔ اتنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی بازار تشریف لے آئے اور انہیں موٹے موٹے اونٹ نظر آئے تو انہوں نے پوچھا یہ اونٹ کس کے ہیں۔ لوگوں نے انہیں بتایا کہ یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ہیں تو فرمانے لگے! اے عبداللہ بن عمر! واہ واہ! امیر المؤمنین کے بیٹے کے کیا کہنے! میں دوڑتا ہوا آیا اور میں نے عرض کیا اے امیر المؤمنین! کیا بات ہے؟

آپ نے فرمایا یہ اونٹ کیسے ہیں؟ میں نے عرض کیا میں نے یہ اونٹ خریدے تھے اور بیت المال کی چراگاہ میں چرنے کے لئے بھیجے تھے۔ (اب میں ان کو بازار لے آیا ہوں) تاکہ میں دوسرے مسلمانوں کی طرح انہیں بیچ کر نفع حاصل کروں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں بیت المال کی چراگاہ میں لوگ ایک دوسرے کو کہتے ہوں گے امیر المؤمنین کے بیٹے کے اونٹوں کو چراؤ اور امیر المؤمنین کے بیٹے کے اونٹوں کو پانی پلاؤ (میرے بیٹے ہونے کی وجہ سے تمہارے اونٹوں کی زیادہ رعایت کی ہو گی اس لئے) اے عبداللہ بن عمر! ان اونٹوں کو بیچو اور تم نے جتنی رقم میں خریدے تھے وہ تو تم لے لو اور باقی زائد رقم مسلمانوں کے بیت المال میں جمع کرا دو۔ (اخرجہ سعید بن منصور)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا زُہد

حضرت سالم بن عبداللہؒ کہتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ والے اسی وظیفہ پر اکتفا کیا جو صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کے لئے مقرر کیا تھا۔ چنانچہ وہ کچھ عرصہ اتنا ہی لیتے رہے

لیکن وہ ان کی ضرورت سے کم تھا۔ اس لئے ان کے گزر میں تنگی ہونے لگی تو مہاجرین کی ایک جماعت اکٹھی ہوئی جن میں حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم بھی تھے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہیں کہ ہم آپ کے وظیفہ میں اضافہ کرنا چاہتے ہیں تو یہ کیسا رہے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا ہم تو پہلے سے ان کا وظیفہ بڑھانا چاہتے ہیں چلو چلتے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں پہلے ہمیں ادھر ادھر سے ان کی رائے معلوم کرنی چاہئے (پھر ان سے براہ راست بات کرنی چاہئے) میرا خیال یہ ہے کہ ہم اُم المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس جاتے ہیں اور ان کے ذریعہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے معلوم کرتے ہیں اور ان سے کہہ دیں گے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہم لوگوں کے نام نہ بتائیں۔

چنانچہ یہ حضرات حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ آپ یہ بات ایک جماعت کی طرف سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کریں اور انہیں کسی کا نام نہ بتائیں لیکن اگر وہ یہ بات مان لیں تو پھر نام بتانے میں حرج نہیں ہے۔ یہ بات کہہ کر وہ حضرات حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس سے چلے آئے۔ پھر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گئیں اور نام لئے بغیر ان کی خدمت میں یہ بات پیش کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چہرہ پر غصہ کے آثار ظاہر ہو گئے اور انہوں نے پوچھا کہ تمہیں یہ بات کن لوگوں نے کہی ہے؟ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا پہلے آپ کی رائے معلوم ہو جائے پھر میں آپ کو ان کے نام بتا سکتی ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر مجھے ان کے نام معلوم ہو جاتے تو میں انہیں ایسی سخت سزا دیتا جس سے ان کے چہروں پر نشان پڑ جاتے تم ہی میرے اور ان کے درمیان واسطہ بنی ہو اس لئے میں تمہیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ تم یہ بتاؤ کہ تمہارے گھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے عمدہ لباس کون سا تھا؟ انہوں نے کہا گیروے رنگ کے دو کپڑے جنہیں کسی وفد کے آنے پر اور جمعہ کے خطبہ کے لئے پہنا کرتے تھے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہارے ہاں سب سے عمدہ کھانا کون سا کھایا؟ انہوں نے کہا ایک مرتبہ ہم نے جو کی ایک روٹی پکائی پھر اس گرم گرم روٹی پر گھی کے ڈبے کی تلچھٹ الٹ کر اسے چپڑ دیا جس سے وہ روٹی خوب چکنی چپڑی اور نرم ہو گئی پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب مزے لے کر اسے نوش فرمایا اور وہ روٹی آپ کو بہت اچھی لگ رہی تھی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تمہارے ہاں سب سے زیادہ نرم بستر کون سا تھا؟ انہوں نے کہا ہمارا ایک موٹا سا کپڑا تھا گرمی میں اس کو چوہرا کر کے بچھا لیتے تھے اور سردی میں آدھے کو بچھا لیتے اور آدھے کو اوڑھ لیتے۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے حفصہ! ان لوگوں تک یہ بات پہنچا دو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے طرز عمل سے ہر چیز میں ایک اندازہ مقرر فرمایا ہے اور ضرورت سے زائد چیزوں کو اپنی اپنی جگہوں میں رکھا ہے (اور ان میں نہیں لگے) اور کم سے کم پر گزارہ کیا ہے۔ میں نے بھی ہر چیز کا اندازہ مقرر کیا ہے اور اللہ کی قسم! ضرورت سے زائد چیزوں کو

ان کی جگہوں پر رکھوں گا اور میں بھی کم سے کم پر گزارہ کروں گا۔ میری اور میرے دو ساتھیوں کی مثال ان تین آدمیوں کی سی ہے جو ایک راستہ پر چلے ان میں سے پہلا آدمی توشہ لے کر چلا اور منزل مقصود تک پہنچ گیا پھر دوسرے نے بھی اسی کا اتباع کیا اور اسی کے راستہ پر چلا تو وہ بھی اسی منزل تک پہنچ گیا۔ پھر تیسرے آدمی نے بھی اسی پہلے کا اتباع کیا۔ اگر وہ ان دونوں کے راستہ کا خود کو پابند بنائے گا اور ان جیسا توشہ رکھے گا تو ان کے ساتھ جا ملے گا اور ان کے ساتھ رہا کرے گا اور اگر وہ ان دونوں کے راستے کو چھوڑ کر کسی اور راستہ پر چلے گا تو کبھی بھی ان کے ساتھ نہیں مل سکے گا۔ (اخرجہ الطبری)

شوقِ آخرت

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ بتایا گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے اگر میں چاہتا تو تم سب سے زیادہ عمدہ کھانا کھاتا اور تم سب سے زیادہ نرم کپڑے پہنتا، لیکن میں اپنی نیکیوں کا بدلہ یہاں نہیں لینا چاہتا بلکہ آخرت میں لینا چاہتا ہوں اور ہمیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب ملک شام آئے تو ان کے لئے ایسا عمدہ کھانا تیار کیا گیا کہ انہوں نے اس جیسا کھانا اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا تو اسے دیکھ کر فرمایا ہمیں تو یہ کھانا مل گیا لیکن وہ مسلمان فقراء جن کا اس حال میں انتقال ہوا کہ ان کو پیٹ بھر کر جو کی روٹی بھی نہ ملتی تھی ان کو کیا ملے گا؟ اس پر حضرت عمر بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا انہیں جنت ملے گی یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور فرمایا اگر ہمارے حصہ میں دنیا کا یہ مال ومتاع ہے اور وہ جنت لے جائیں تو وہ ہم سے بہت آگے نکل گئے اور بڑی فضیلت حاصل کر لی۔ (اخرجہ عبد بن حمید وابن جریر کذا فی المنتخب)

سادگی وقناعت

حضرت عبدالرحمٰن بن ابولیلیٰ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس عراق سے کچھ لوگ آئے (حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو کھانا کھلایا تو) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایسا لگا کہ جیسے انہوں نے کم کھایا ہو (وہ لوگ عمدہ کھانا کھانے کے عادی تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کھانا موٹا جھوٹا اور سادہ تھا) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اے عراق والو! اگر میں چاہتا تو میرے لئے بھی عمدہ اور نرم کھانے تیار کئے جاتے جیسے تمہارے لئے کیے جاتے ہیں لیکن ہم دنیا کی چیزیں کم سے کم استعمال کرنا چاہتے ہیں تاکہ ہمیں زیادہ سے زیادہ نیکیوں کا بدلہ آخرت میں مل سکے۔ کیا تم نے سنا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک قوم کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ ان سے قیامت کے دن یہ کہہ دیا جائے گا:

اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِىْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا (سورۃ احقاف:۲۰)

ترجمہ:۔ ”تم اپنی لذت کی چیزیں اپنی دنیوی زندگی میں حاصل کر چکے۔“ (اخرجہ ابو نعیم فی الحلیۃ)

حضرت عتبہ بن فرقدؓ کہتے ہیں کہ میں کھجور اور گھی کے حلوے کے ٹوکرے لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا۔ انہوں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ میں نے کہا یہ کچھ کھانے کی چیز ہے جسے میں اس وجہ سے آپ کی خدمت میں لایا

ہوں کہ آپ دن کے شروع میں لوگوں کی ضرورتوں میں لگے رہتے ہیں تو میرا دل چاہا کہ جب آپ اس سے فارغ ہو کر گھر جایا کریں تو اس میں سے کچھ کھا لیا کریں اس سے ان شاء اللہ آپ کو طاقت حاصل ہو جایا کرے گی۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ٹوکرے کو کھول کر دیکھا اور فرمایا اے عتبہ! میں تمہیں قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم نے ہر مسلمان کو ایسا ایک ٹوکرا حلوے کا دے دیا ہے؟ میں نے کہا اے امیر المؤمنین! میں اگر قبیلہ قیس کا سارا مال بھی خرچ کر دوں تو بھی یہ نہیں ہو سکتا (کہ ہر مسلمان کو حلوہ کا ایک ٹوکرا دے دوں)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا پھر تو مجھے تمہارے اس حلوے کی ضرورت نہیں۔ پھر انہوں نے ایک بڑا پیالہ منگوایا جس میں سخت روٹی اور سخت گوشت کے ٹکڑوں سے بنا ہوا ثرید تھا (ہم دونوں اس میں سے کھانے لگے) حضرت عمر رضی اللہ عنہ میرے ساتھ اسے بڑی رغبت سے کھا رہے تھے۔ میں کوہان کی چربی سمجھ کر ایک سفید ٹکڑے کی طرف ہاتھ بڑھاتا تو اسے اٹھانے کے بعد پتہ چلتا کہ یہ تو پٹھے کا ٹکڑا ہے اور میں گوشت کے ٹکڑے کو چباتا رہتا لیکن وہ اتنا سخت ہوتا کہ میں اسے نگل نہ سکتا آخر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی توجہ ادھر ادھر ہو جاتی تو میں گوشت کے اس ٹکڑے کو منہ سے نکال کر پیالے اور دستر خوان کے درمیان چھپا دیتا۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبیذ (کھجور یا کشمش کا شربت) ایک بڑے پیالے میں منگایا جو سرکہ بننے والا تھا (اور خوش ذائقہ نہیں تھا) انہوں نے مجھ سے فرمایا پی لو۔ میں اسے لے کر پینے لگا لیکن حلق سے نیچے بڑی مشکل سے اتارا۔ پھر انہوں نے وہ پیالہ مجھ سے لیا اور اسے پی گئے۔

پھر فرمایا اے عتبہ! سنو ہم روزانہ ایک اونٹ ذبح کرتے ہیں اور اس کی چربی اور عمدہ گوشت باہر سے آنے والے مسلمانوں کو کھلا دیتے ہیں اس کی گردن آل عمر رضی اللہ عنہ کو ملتی ہے وہ یہ سخت گوشت کھاتے ہیں اور یہ باسی نبیذ اس لئے پیتے ہیں تا کہ یہ نبیذ پیٹ میں جا کر اس گوشت کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہضم کر دے اور یہ سخت گوشت ہمیں تکلیف نہ دے سکے۔ (اخرجہ ھناد کذافی منتخب الکنز)

حضرت حسنؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک آدمی کے گھر تشریف لے گئے آپ کو پیاس لگی ہوئی تھی آپ نے اس آدمی سے پانی مانگا وہ شہد لے آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ اس نے کہا شہد ہے۔ انہوں نے فرمایا اللہ کی قسم! (شہد پینا انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے نہیں ہے بلکہ یہ تو مزے لینے کی چیز ہے اس لئے) شہد ان چیزوں میں سے نہیں ہوگا جن کا مجھ سے قیامت کے دن حساب لیا جائے گا۔ (اخرجہ ابن سعد)

حضرت عروہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایلہ شہر تشریف لے گئے اور ان کے ساتھ مہاجرین وانصار بھی تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ سے کافی لمبا سفر کر کے آئے تھے اس لئے مسلسل بیٹھنے کی وجہ سے ان کا کھردرے کپڑے والا کرتہ پیچھے سے پھٹ گیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ کرتا پادری کو دیا اور فرمایا اسے دھو بھی دو اور اس میں پیوند بھی لگا دو۔ وہ پادری کرتہ لے گیا اور اسے دھو کر اس میں پیوند بھی لگا دیا اور اس جیسا ایک

اور کرتہ سی کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے آیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ اس پادری نے کہا آپ کا کرتہ ہے جسے میں نے دھو کر پیوند لگا دیا ہے اور یہ دوسرا کرتہ میری طرف سے آپ کی خدمت میں ہدیہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کرتے کو دیکھا اور اس پر ہاتھ پھیرا (وہ نرم اور باریک تھا) پھر اپنا کرتہ پہن لیا اور اس کا واپس کر دیا اور فرمایا یہ (پرانا) کرتہ اس سے زیادہ پسینہ جذب کرتا ہے (کیونکہ یہ موٹا ہے)۔ (اخرجہ الطبری)

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ زمانہ خلافت میں ایسا اونی جبہ پہنتے تھے جس میں چمڑے کے پیوند بھی لگے ہوتے تھے اور کندھے پر کوڑا رکھ کر لوگوں کو ادب اور سلیقہ سکھانے کے لئے بازاروں میں چکر لگایا کرتے تھے اور گرے پڑے ٹوٹے ہوئے دھاگے اور رسیاں اور گٹھلیاں زمین سے اٹھا کر لوگوں کے گھروں میں ڈال دیتے تا کہ لوگ انہیں کام میں لے آئیں۔ (اخرجہ الدینوی وابن عساکر)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے گزارہ کے قابل خوراک لیا کرتے تھے۔ گرمیوں میں ایک جوڑا پہنتے۔ بعض دفعہ ان کی لنگی پھٹ جاتی تو اسے پیوند لگا لیتے لیکن (نیا جوڑا لینے کے لئے) وقت آنے سے پہلے اس کی جگہ بیت المال سے اور لنگی نہ لیتے اسی سے کام چلاتے رہتے اور جس سال مال زیادہ آتا اس سال ان کا جوڑا پچھلے سال سے اور گھٹیا ہو جاتا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے ان سے اس بارے میں بات کی تو فرمایا میں مسلمانوں کے مال میں سے پہننے کے جوڑے لیتا ہوں اور یہ میری ضرورت کے لئے کافی ہیں۔ (اخرجہ ابن سعد کذا فی المنتخب)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک اہم مکتوب

ابو کنانہ عدوی سے منقول ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اجناد کے حکام کو خط لکھا کہ جتنے لوگوں نے قرآن مجید حفظ کیا ہے ان کے نام میرے پاس روانہ کر دو تا کہ میں ان کو خصوصی وظیفہ والوں میں شامل کر دوں اور لوگوں کو قرآن پاک کی تعلیم دینے کے لئے انکو مختلف علاقوں میں بھیج دوں۔ اس خط کے جواب میں ابو موسیٰ اشعری نے جواب میں لکھا کہ میرے پاس کچھ اوپر تین سو آدمیوں نے قرآن پاک حفظ کیا ہے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں درج ذیل مکتوب گرامی روانہ فرمایا: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم اللہ کے بندے عمر کی جانب سے عبد اللہ بن قیس اور ان کے ساتھیوں کے لئے ہے جو قرآن پاک کے حافظ ہیں۔

السلام علیکم امابعد! یہ قرآن شریف تم لوگوں کے لئے اجر ہوگا اور تمہارے لئے شرافت اور ذخیرہ ہوگا تم اس کی اتباع کرنا۔ اور قرآن تمہاری اتباع نہ کرے اس لئے کہ جس شخص کا اتباع قرآن نے کیا قرآن اس کو گدی میں زور سے دھکا مار کر اوندھا کر دے گا حتی کہ اس شخص کو جہنم میں پھینک دے گا اور جس شخص نے قرآن کا اتباع کیا قرآن اس

کوفردوس کے باغات میں پہنچادے گا۔ اگر تم سے ہو سکے تو ایسا کرلو۔ کہ قرآن تمہارے لئے سفارش کرنے والا ہو۔ اور تمہاری شکایت کرنے والا نہ ہو۔ اس لئے کہ قرآن جس کی سفارش کرے گا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ اور جس کی قرآن شکایت کرے گا وہ جہنم میں داخل ہوگا۔ اور تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ قرآن ہدایت کے سرچشمے اور علم کی کلیاں ہیں۔ اس قرآن کا رحمٰن کے پاس آنے کا نیا زمانہ ہے۔ اس کے ذریعہ اللہ پاک اندھی آنکھوں کو بینا اور بہرے کانوں کو سننے والا اور پردہ پڑے ہوئے دلوں کو کھول دیتا ہے اور تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ بندہ جب رات کو کھڑا ہوتا ہے اور مسواک اور وضو کرتا ہے پھر اللہ اکبر کہتا ہے اور قرآن پڑھتا ہے تو فرشتہ اپنا منہ اس کے منہ پر رکھ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ تلاوت کر، تلاوت کر تو اچھا ہے اور تیرے لئے اچھائی ہے اور اگر فقط وضو کرتا ہے اور مسواک نہیں کرتا تو اسکی حفاظت کرتا ہے اور ویسا معاملہ نہیں کرتا...... سن لو کہ قرآن کا نماز کے ساتھ پڑھنا ایک محفوظ خزانہ ہے اور رکھی ہوئی خیر ہے۔ جہاں تک تم سے ہو سکے اس کی کثرت کیا کرو۔

اس لئے کہ نماز نور ہے اور زکوٰۃ دلیل ہے۔ اور صبر روشنی ہے۔ اور روزہ ڈھال ہے، اور قرآن یا تمہارے نفع کے لئے حجت ہے یا تمہارے نقصان کے لئے حجت ہے۔ سو تم قرآن کی تعظیم کرو۔ اور اس کی اہانت نہ کرو اس لئے کہ "اللہ جل شانہٗ اس کا اکرام کریگا جو قرآن کا اکرام کرے گا" اور اسکی اہانت کرے گا جو قرآن کی اہانت کرے گا۔ اور تمہیں معلوم ہونا چاہیے جس نے اس کی تلاوت کی اور اسے حفظ کیا اور اس پر عمل کیا اور جو کچھ اس میں ہے اس کا اتباع کیا، اس کی دعا اللہ عزوجل کے نزدیک مقبول ہے۔ اگر اللہ چاہے تو اس دنیا میں جلد ہی دے دے اور نہیں تو اس کیلئے آخرت میں ذخیرہ ہے ہی۔ اور تمہیں معلوم ہونا چاہیے جو کچھ اللہ کے پاس ہے بہتر ہے اور ان لوگوں کیلئے باقی رہنے والا ہے۔ جو ایمان لائے اور انہوں نے رب پر توکل کیا۔ (کنز العمال)

امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی نصیحتیں

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو چیز تمہیں تکلیف دیتی ہے اس سے تم کنارہ کشی اختیار کرلو اور نیک آدمی کو دوست بناؤ لیکن ایسا آدمی مشکل سے ملے گا اور اپنے معاملات میں ان لوگوں سے مشورہ لو جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔ (اخرجہ البیہقی)

حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے لئے اٹھارہ باتیں مقرر کیں جو سب کی سب حکمت و دانائی کی باتیں تھیں۔ انہوں نے فرمایا۔

1۔ جو تمہارے بارے میں اللہ کی نافرمانی کرے تم اسے اس جیسی اور کوئی سزا نہیں دے سکتے کہ تم اللہ کی اطاعت کرو۔

2۔ اور اپنے بھائی کی بات کو کسی اچھے رخ کی طرف لے جانے کی پوری کوشش کرو۔ ہاں اگر وہ بات ہی ایسی ہو کہ اسے اچھے رخ کی طرف لے جانے کی تم کوئی صورت نہ بنا سکو تو اور بات ہے۔

3۔ اور مسلمان کی زبان سے جو بول بھی نکلا ہے اور تم اس کا کوئی بھی خیر کا مطلب نکال سکتے ہو تو اس سے برے

مطلب کا گمان مت کرو۔

4۔ جو آدمی خود ایسے کام کرتا ہے جس سے دوسروں کو بدگمانی کا موقع ملے تو وہ اپنے سے بدگمانی کرنے والے کو ہرگز ملامت نہ کرے۔ 5۔ جو اپنے راز کو چھپائے گا اختیار اس کے ہاتھ میں رہے گا۔

6۔ اور سچے بھائیوں کے ساتھ رہنے کو لازم پکڑو۔ ان کے سایہ خیر میں زندگی گزارو کیونکہ وسعت اور اچھے حالات میں وہ لوگ تمہارے لئے زینت کا ذریعہ اور مصیبت میں حفاظت کا سامان ہوں گے۔

7۔ اور ہمیشہ سچ بولو چاہے سچ بولنے سے جان ہی چلی جائے۔ 8۔ بے فائدہ اور بیکار کاموں میں نہ لگو۔

9۔ جو بات ابھی پیش نہیں آئی اس کے بارے میں مت پوچھو کیونکہ جو پیش آ چکا ہے اس کے تقاضوں سے ہی کہاں فرصت مل سکتی ہے۔ 10۔ اپنی حاجت اس کے پاس نہ لے جاؤ جو یہ نہیں چاہتا کہ تم اس میں کامیاب ہو جاؤ۔

11۔ جھوٹی قسم کو ہلکا نہ سمجھو ورنہ اللہ تمہیں ہلاک کر دیں گے۔

12۔ بدکاروں کے ساتھ نہ رہو ورنہ تم ان سے بدکاری سیکھ لو گے۔ 13۔ اپنے دشمن سے الگ رہو۔

14۔ اپنے دوست سے بھی چوکنے رہو لیکن اگر وہ امانتدار ہے تو پھر اس کی ضرورت نہیں اور امانتدار صرف وہی ہو سکتا ہے جو اللہ سے ڈرنے والا ہو۔ 15۔ اور قبرستان میں جا کر خشوع اختیار کرو۔

16۔ اور جب اللہ کی فرمانبرداری کا کام کرو تو عاجزی اور تواضع اختیار کرو۔

17۔ اور جب اللہ کی نافرمانی ہو جائے تو اللہ کی پناہ چاہو۔ 18۔ اور اپنے تمام امور میں ان لوگوں سے مشورہ کیا کرو جو اللہ سے ڈرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ **اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا** (سورۃ فاطر:۲۸)

ترجمہ: ”خدا سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو (اس کی عظمت کا) علم رکھتے ہیں۔

(اخرجہ الخطیب وابن عساکر وابن النجار کذا فی الکنز ۸/۲۳۵)

حضرت احنف بن قیس کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا اے احنف! جو آدمی زیادہ ہنستا ہے اس کا رعب کم ہو جاتا ہے۔ جو مذاق زیادہ کرتا ہے لوگ اسے ہلکا اور بے حیثیت سمجھتے ہیں جو باتیں زیادہ کرتا ہے اس کی لغزشیں زیادہ ہو جاتی ہیں۔ جس کی لغزشیں زیادہ ہو جاتی ہیں اس کی حیا کم ہو جاتی ہے اور جس کی حیا کم ہو جاتی ہے اس کی پرہیزگاری کم ہو جاتی ہے اور جس کی پرہیزگاری کم ہو جاتی ہے اس کا دل مردہ ہو جاتا ہے۔ (اخرجہ الطبرانی فی الاوسط)

خلیفہ راشد... شہید مظلوم... امیر المؤمنین

سیدنا ذوالنورین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت بہت بڑی چیز ہے اس امت میں صحابہ کرام کا رتبہ سب سے بڑا ہے ایک لحہ کیلئے بھی جس کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت حاصل ہوگئی مابعد والوں میں بڑے سے بڑا بھی اس کے برابر نہیں ہوسکتا۔ اس بات پر تمام امت مسلمہ متفق ہے کہ جس شخص کو ایمان واسلام کی حالت میں عمر بھر میں ایک لحہ بھی آپ کی زیارت وصحبت نصیب ہوگئی وہ نگاہ نبوت کی منور شعاعوں کی بدولت ولایت عظمیٰ کے اس کامل درجہ کو پہنچ گیا جہاں بعد آنے والا شخص خواہ وہ کتنا ہی بڑا غوث وقطب وزاہد اور مقبول خداوندی کیوں نہ ہو ہرگز نہیں پہنچ سکتا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لحہ بھر کی بابرکت صحبت سے دل کی اتنی صفائی ہوجاتی ہے اور ایمان واخلاص اتنا قوی ہوجاتا ہے کہ ان کا معمولی سا عمل بھی عام امتی کے سب زندگی کے اعمال حسنہ پر بھاری ہوجاتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے میرے صحابہ کو برا نہ کہو کیونکہ اگر کوئی تم میں سے احد پہاڑ کی مقدار سونا راہ خدا میں صرف کرے تو اس کو وہ ثواب نہیں ملے گا جو کسی صحابی کو تین پاؤ جو کی مقدار یا اس کا نصف خرچ کرنے پر اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس مسلمان نے مجھے دیکھا یا مجھے دیکھنے والے مسلمان کو دیکھا اور اسی پر فوت ہوا تو اس کو جہنم کی آگ نہ چھوئے گی۔

صحابہ کرام میں مہاجرین وانصار کا مرتبہ باقی صحابہ سے زیادہ ہے اور مہاجرین وانصار میں اہل حدیبیہ کا مرتبہ سب سے بڑھ کر ہے اور اہل حدیبیہ میں اہل بدر اور اہل بدر میں چاروں خلفاء کا مرتبہ سب سے زیادہ ہے۔ اس نشست میں ہم خلیفۂ ثالث، داماد رسول حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر خیر کرتے ہیں۔

فضائل ومناقب عثمان کتاب وسنت کی روشنی میں

قرآن مجید میں جو آیتیں عموماً صحابہ کرام اور خصوصاً مہاجرین وانصار کی فضیلت میں ہیں ان سب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شامل ہیں کیونکہ آپ مہاجرین میں سے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ط لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ

"اور جو لوگ ایمان لائے اور وطن سے ہجرت کر گئے اور خدا کی راہ میں لڑائیاں کرتے رہے اور جنہوں نے ہجرت کرنے والوں کو جگہ دی اور ان کی مدد کی یہی لوگ سچے مسلمان ہیں ان کیلئے خدا کے ہاں بخشش اور عزت کی روزی ہے۔"

شیعہ کی معتبر تفسیر مجمع البیان میں طبری اس آیت کے تحت لکھتا ہے:

پھر اللہ تعالیٰ مہاجرین وانصار کی تعریف اور مدح وثنا کرتے ہوئے فرماتا ہے

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ لا رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ط ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ o

”جولوگ سب سے پہلے ایمان لائے مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی اور جنہوں نے نیکوکاری میں ان کی پیروی کی خدا ان سے خوش ہے اور وہ خدا سے خوش ہیں۔“

یہ آیت غزوہ تبوک کے سلسلہ آیات میں نازل ہوئی۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جمیع مہاجرین اور تمام نصاریٰ سے راضی ہو چکا اور وہ تمام اس سے راضی ہو گئے۔ یہ تو ان کا دنیوی انعام ہوا، آخرت میں اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے عالیشان جنات تیار کر رکھے ہیں۔ آیت میں تمام مہاجرین وانصار کے متبوع ومقتدا ہونے کی حیثیت بھی بتائی گئی ہے۔ کیونکہ جو لوگ صغار صحابہ وتابعین یا مابعد میں آنے والی بقیہ امت اعمال حسنہ میں ان کی پیروی کرینگے اور ان کو امام ورہبر تسلیم کرینگے تو وہ بھی جنات النعیم میں ابدیت اور فوز عظیم سے ہمکنار ہونگے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ص وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ م بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ط يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا ط

”تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور جنہوں نے نیک عمل کئے ہیں، اُن سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں ضرور زمین میں اپنا خلیفہ بنائے گا، جس طرح اُن سے پہلے لوگوں کو بنایا تھا، اور اُن کیلئے اُس دین کو ضرور اِقتدار بخشے گا جسے اُن کیلئے پسند کیا ہے، اور اُن کو جو خوف لاحق رہا ہے، اُس کے بدلے اُنہیں ضرور اَمن عطا کرے گا۔ (بس) وہ میری عبادت کریں، میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں۔“

آیہ تمکین میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ مہاجرین میں سے جو شخص بھی خلیفہ ہوگا اسکی خلافت پسندیدہ ہوگی اور زمانہ خلافت میں وہی کام کرے گا جو مرضی الٰہی ہوگا۔ اس آیت کے مصداق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔

آیت اظہار دین جس میں فتح فارس وروم کو رسول خدا کی بعثت کا مقصد قرار دیا گیا ہے حضرت عثمان کا حصہ بھی اس فضیلت میں ہے کیونکہ فتح فارس وروم کا تکملہ انہی کے ہاتھ پر ہوا۔ ارشاد الٰہی ہے:

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ط وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا

”وہ اللہ ایسا ہے کہ اس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین (اسلام) دے کر بھیجا تا کہ اُس کو تمام دینوں پر غالب کرے۔ اور اللہ کافی گواہ ہے۔“

آیت رضوان

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

''بالتحقیق اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں سے خوش ہوا جبکہ یہ لوگ آپ سے درخت کے نیچے بیعت کررہے تھے۔''

یہ 6ھ کا واقعہ ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی غلط خبر کی بنا پر 1500 صحابہ کرام نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے کیلئے اپنی جانیں قربان کرنے کی بیعت کی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کو زندہ فرض کر کے اپنے دائیں ہاتھ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ہاتھ قرار دے کر خود بیعت کی تھی تا کہ وہ اس فضیلت میں شریک ہو جائیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع رضوان کا حکم دیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد بن کر گئے ہوئے تھے۔ لوگوں نے بیعت شروع کر دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عثمان اللہ اور رسول کے کام سے گئے ہوئے ہیں لہٰذا ان کو بھی بیعت میں شریک کرنا ضروری ہے۔ پھر آپ نے ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا اور فرمایا کہ یہ بیعت عثمان کی ہے۔ پس رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ عثمان کی طرف سے بیعت کیلئے تھا وہ لوگوں کے ہاتھ سے جو اپنے اپنے لئے تھا بہتر تھا۔

فرمان نبوی ہے: عثمان ان لوگوں میں سے پہلے ہیں جنہوں نے لوط کے بعد اپنی بیوی کے ساتھ اللہ کی طرف ہجرت کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے عثمان کا نکاح ام کلثوم سے نہیں کیا مگر بسبب وحی آسمانی کے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عثمان میرے صحابہ میں سے خلق میں مجھ سے سب سے زیادہ مشابہ ہیں۔ ہر نبی کے کچھ رفیق ہوتے ہیں اور میرا رفیق جنت میں عثمان ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راوی ہیں: میں اس شخص سے کیوں نہ حیاء کروں جس سے فرشتے حیا کرتے ہیں۔ حضرت عثمان بہت حیادار ہیں ان سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔ نبی کے بعد اس اُمت میں سب سے زیادہ حیادار عثمان ہیں۔ عثمان بن عفان ولی فی الدنیا والاخرۃ۔ عثمان بن عفان دنیا و آخرت میں میرے دوست ہیں۔

عبدالرحمٰن بن سمرہ فرماتے ہیں حضرت عثمان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک ہزار اشرفیاں اپنی آستین میں رکھ کر لائے جس وقت آپ غزوہ تبوک کا سامان کررہے تھے۔ اور آپ کی گود میں ڈال دیں۔ پس میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ ان اشرفیوں کو گود میں الٹتے پلٹتے تھے اور فرماتے تھے عثمان کو اب کچھ نقصان نہیں ہو سکتا۔ آج کے بعد جو چاہیں کریں دو مرتبہ یہی فرمایا۔

اے عثمان! خدا تعالیٰ نے تمہارے اگلے پچھلے ظاہری و مخفی تمام گناہوں کی معافی فرمادی ہے

الٰہی! میں عثمان سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا۔

ابوذر رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔ ایک روز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تنہا بیٹھے ہوئے تھے کہ میں پہنچا اور آپ کے پاس بیٹھ گیا پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور وہ سلام کر کے بیٹھ گئے، پھر عمر رضی اللہ عنہ آئے پھر عثمان آئے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سات کنکریاں پڑی ہوئی تھیں۔ آپ نے ان کو اپنی ہتھیلی پر رکھا تو وہ تسبیح پڑھنے لگیں۔ یہاں تک کہ میں نے ان کی تسبیح کی گنگناہٹ سنی جیسے شہد کی مکھیوں کی آواز۔ پھر آپ نے ان کو اٹھا کر ابوبکر کے ہاتھ پر رکھا تو پھر وہ تسبیح پڑھنے لگیں حتیٰ کہ پھر آپ نے زمین پر رکھ دیا تو پھر وہ خاموش ہوگئیں۔ پھر آپ نے ان کو لے کر عمر کے ہاتھ میں رکھا پھر وہ تسبیح پڑھنے لگیں حتیٰ کہ پھر آپ نے ان کو لے کر عثمان کے ہاتھ پر رکھا تو پھر وہ تسبیح پڑھنے لگیں حتیٰ کہ پھر آپ نے ان کو زمین پر رکھ دیا تو وہ خاموش ہوگئیں۔ پھر رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ خلافت نبوی ہے بعد میں پھر جس قدر صحابی بیٹھے ہوئے تھے سب کے ہاتھ میں یکے بعد دیگرے وہ کنکریاں آپ نے رکھیں مگر کسی کے ہاتھ میں انہوں نے تسبیح نہ پڑھی۔

حضرت جابر روایت کرتے ہیں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آج رات کو ایک نیک شخص کو خواب میں دکھایا گیا کہ گویا ابوبکر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے لٹکائے گئے ہیں اور عمر ابوبکر کے دامن سے اور عثمان عمر کے دامن سے۔ راوی کہتے ہیں کہ جب ہم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھے تو ہم نے آپس میں کہا خواب دیکھنے میں نیک شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ایک کا دوسرے سے لٹکنا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ دین کے حاکم ہونگے۔ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مبعوث کیا۔ خواب کی یہ تعبیر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے ہی میں صحابہ کرام کی زبانوں پر تھی۔ لہٰذا پسندیدۂ خدا نہ ہوتی تو ضرور وحی کے ذریعہ سے اس کی اصلاح کی جاتی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ان تینوں کی خلافت پہلے سے مقرر و معلوم تھی۔ حضرت انس روایت کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن احد پہاڑ پر چڑھے اور آپ کے ساتھ ابوبکر و عمر اور عثمان تھے۔ پہاڑ ڈھلنے لگا تو آپ نے اپنے پاؤں سے اس کو اشارہ کیا اے احد ٹھہر جا۔ تیرے اوپر ایک نبی ہے اور ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا مدینہ کے باغ میں آپ تھے ایک شخص آیا اور اس نے دروازہ کھلوایا تو آپ نے فرمایا کہ دروازہ کھول دو اور اس کو جنت کی بشارت دو میں نے دروازہ کھول دیا اور دیکھا تو وہ ابوبکر تھے۔ میں نے ان کو خوش خبری سنائی تو انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ اس کے بعد حضرت عمر سے یہی معاملہ پیش آیا پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے دروازہ کھلوایا۔ آپ نے فرمایا کہ کھول دو اور اس کو بھی جنت کی خوشخبری سنادو ایک مصیبت پر جو ان کو پہنچے گی وہ عثمان تھے۔ میں نے ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق خوش خبری سنادی۔ انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور پھر کہا اللہ میری مدد کرے۔

فرمان نبوی ہے عثمان کی شفاعت سے ستر ہزار مستوجب نار جنت میں جائینگے۔

ایک شخص کے بارے میں فرمایا یہ شخص عثمان سے بغض رکھتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بغض رکھتا ہے۔

عثمان غنی صحابہ رسول کی نگاہ میں

قیس بن عبادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ میں نے جنگ جمل میں حضرت علی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اے اللہ! میں تیرے سامنے خون عثمان سے بیزاری ظاہر کرتا ہوں۔ جس روز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تھے مجھے اس قدر غم ہوا کہ میری عقل زائل ہوگئی اور مجھے اپنی زندگی بری معلوم ہوئی۔ لوگ مجھ سے بیعت کرنے آئے تو میں نے کہا کہ میں ان سے حیا کرتا ہوں کہ ان لوگوں کی بیعت قبول کروں جنہوں نے ایک شخص کو قتل کیا ہے جس کی شان میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اس سے فرشتے حیا کرتے ہیں۔ اور مجھے اس بات سے شرم آتی ہے کہ عثمان شہید کر دیئے گئے اور ان کو دفن سے روکا جاتا ہے۔ محمد بن حاطب کہتے ہیں میں مدینہ آنے لگا تو میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ امیر المومنین ہم سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی بابت پوچھیں تو ہم کیا کہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم کہہ دینا کہ اللہ کی قسم عثمان اس آیت کے مصداق تھے۔

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ

''جو لوگ ایمان لائے پھر انہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور نیک کام کیے اور اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت عثمان ہم سب سے افضل تھے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اور وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے راضی تھے۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرات شیخین کے بعد سب صحابہ سے افضل و بہتر ہیں۔

اصحاب رسول کا کہنا ہے حضرت عثمان ہم سب سے اعلیٰ اور بلند ہیں کیونکہ ان کے ماسوا اولین و آخرین میں سے کسی نے بھی نبی کی دو بیٹیوں سے شادی نہیں کی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اگر سب لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل پر متفق ہو گئے ہوتے تو یقیناً آسمان سے پتھر برستے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر بہت غمگین تھے۔ فرماتے تھے کہ لوگوں کو صرف ایک غم حضرت عثمان کا ہے اور مجھے دو غم ہیں۔ ایک زنبیل چھوہاروں سے بھری ہوئی رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دی تھی اور برکت کی دعا فرمائی تھی وہ زنبیل ہر وقت میری کمر میں رہتی تھی نہ معلوم کتنے چھوہارے اس میں سے نکال نکال کر میں نے کھائے اور سیروں چھوارے اس میں سے نکال نکال کر میں نے اللہ کی راہ میں خیرات کئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے شہید ہوتے ہی وہ زنبیل میری کمر سے غائب ہوگئی۔ معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے برکات نبوت اُٹھالی گئیں۔

حضرت شمامہ بن عدی رضی اللہ عنہ جو حضرت عثمان کی طرف سے صنعاء کے حاکم تھے جب ان کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر ملی تو انہوں نے خطبہ پڑھا اور بہت روئے۔ پھر فرمایا کہ اب خلافت نبوت آنحضرت کی

امت سے جاتی رہی البتہ اب بادشاہت ہوگی۔
بکثرت احادیث نبویہ میں یہ مضمون آیا ہے کہ خلافت کا سب سے اعلیٰ درجہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ختم ہوجائے گا۔ خلافت کے اعلیٰ مرتبہ کو حضرت شاہ ولی اللہ نے خلافت خاصہ سے تعبیر فرمایا ہے۔ واقعی ایسا ہی ظہور میں آیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے باوجودیکہ خلافت خاصہ کے تمام اوصاف و شرائط موجود تھے مگر سب مسلمانوں کا اتفاق ان پر نہ ہوا۔ ایک بڑی جماعت مسلمانوں کی ان کی خلافت کی مخالف رہی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر گو تمام مسلمانوں کا اتفاق ہوگیا مگر ان میں وہ اوصاف و شرائط نہ پائے جاتے تھے جو خلافت خاصہ کیلئے ضروری ہیں۔ بہرحال خلافت خاصہ ختم ہوگئی۔

اوّلیات عثمان

آپ کا شمار پہلے چودہ مسلمانوں سابقون اولون میں ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن قبیلے بنوامیہ میں سب سے پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی ایمان لائے۔

آپ نے بئیر رومہ خرید کر راہ خدا میں وقف کیا یہ غالباً راہ خدا میں پہلا وقف تھا۔

آپ نے ہی پہلے پہل بیت المال سے موذنین کیلئے وظائف کا تقرر کیا۔

آپ نے تمام لوگوں کو ایک قرآن پر جمع کردیا اور املاء و قرأت کے جھگڑے مٹادیئے۔

سیدنا عثمان پہلے خلیفہ ہیں جنھوں نے امیر معاویہ کو بحری بیڑہ تیار کرنے کی اجازت دی اور آپ ہی کے دور میں پہلی مرتبہ بحری فتوحات حاصل ہوئیں۔ آپ ہی کے دور اقتدار میں قیصر روم اور کسریٰ ایران دونوں ہلاک ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشن گوئی پوری ہوئی کہ قیصر ہلاک ہوگا اور اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا اور کسریٰ ہلاک ہوگا اور اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا۔

سیرت و کردار.... خوف خدا

خوفِ خدا تمام محاسن کا سرچشمہ ہے جو دلِ خدا کی ہیبت و جلال سے لرزاں نہیں اس سے کسی نیکی کی امید نہیں ہوسکتی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اکثر خوفِ خداوندی سے آبدیدہ رہتے، موت، قبر اور عاقبت کا خیال ہمیشہ دامنگیر رہتا۔ سامنے سے جنازہ گذرتا تو کھڑے ہوجاتے اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آتے۔ مقبروں سے گذرتے تو اس قدر روتے کہ داڑھی تر ہوجاتی۔ لوگ کہتے کہ دوزخ و جنت کے تذکروں سے تو آپ پر اس قدر رقت طاری نہیں ہوتی، آخر مقبروں میں کیا خاص بات ہوتی ہے کہ انہیں دیکھ کر آپ بیقرار ہوجاتے ہیں؟ فرماتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قبر آخرت کی سب سے پہلی منزل ہے۔ اگر یہ معاملہ آسانی سے طے ہوگیا تو پھر تمام منزلیں آسان ہیں اور اگر اس میں دشواری پیش آئی تو پھر تمام مرحلے دشوار ہوں گے۔

احترامِ رسول

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب و احترام اس قدر ملحوظ تھا کہ جس ہاتھ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کی تھی پھر اس کو نجاست یا محل نجاست سے مس نہ ہونے دیا۔ اہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور ازواجِ مطہرات کا خاص طور سے پاس و خیال تھا۔ چنانچہ اپنے عہدِ خلافت میں جب اصحاب وظائف کے رمضان کے روزینے مقرر کیے تو ازواجِ مطہرات کا روزینہ سب سے دونا مقرر کیا۔

اتباعِ سنت

جنابِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے اسی محبت و ارادت کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اپنے ہر قول و فعل یہاں تک کہ حرکات و سکنات اور اتفاقی باتوں میں بھی محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کو پیش نظر رکھتے۔ ایک دفعہ وضو کر کے متبسم ہوئے، لوگوں نے اس بے موقع تبسم کی وجہ پوچھی تو فرمایا میں نے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (روحی فداہ) کو اسی طرح وضو کر کے ہنستے ہوئے دیکھا تھا۔ ایک دفعہ سامنے سے جنازہ گذرا تو کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ سلم بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ عصر کے وقت سب کے سامنے وضو کر کے دکھایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح وضو کیا کرتے تھے۔ ایک بار مسجد کے دوسرے دروازہ پر بیٹھ کر بکری کا پٹھا منگوایا اور کھایا اور بغیر تازہ وضو کئے ہوئے نماز کو کھڑے ہو گئے۔ پھر فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی جگہ بیٹھ کر کھایا تھا اور اسی طرح کیا تھا۔ حج کے موقعہ پر آپ اور ایک صحابی طواف کر رہے تھے۔ طواف میں انہوں نے رکن یمانی کا بھی بوسہ لیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایسا نہیں کیا تو انہوں نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اس کا استلام کرانا چاہا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا یہ کیا کرتے ہو کیا تم نے رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طواف نہیں کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہاں پوچھا کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا استلام کرتے تم نے دیکھا؟ کہا نہیں فرمایا پھر کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء مناسب نہیں؟ انہوں نے جواب دیا بے شک۔

حیاء

شرم و حیا حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ کا امتیازی وصف تھا۔ اس لئے مورخین نے ان کے اخلاق و عادات کے بیان میں حیاء کا مستقل عنوان قائم کیا۔ آپ میں اس درجہ شرم و حیا تھی کہ خود حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم اس حیا کا پاس و لحاظ کرتے تھے۔ ایک دفعہ صحابہ کبار کا مجمع تھا، رسول صلی اللہ علیہ وسلم بے تکلفی کے ساتھ تشریف فرما تھے زانوئے مبارک کا کچھ حصہ کھلا ہوا تھا اسی حالت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آنے کی اطلاع مل گئی تو سنبھل کر بیٹھ گئے اور زانوئے مبارک پر کپڑا برابر کر لیا۔ لوگوں نے حضرت عثمان کیلئے اس اہتمام کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے حیا سے

فرشتے بھی شرماتے ہیں۔اسی قسم کا ایک اور واقعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی بیان فرماتی ہیں، حضرتِ ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی حیاء کا یہ عالم تھا کہ تنہائی اور بند کمرے میں بھی وہ برہنہ نہیں ہوتے تھے۔

زُہد

حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ اگرچہ کچھ اپنی خلقی ناتوانی اور ضعفِ پیری کے باعث اور کسی قدر اس سبب سے کہ انہوں نے ناز ونعمت میں پرورش پائی تھی ہلکی غذا اور نرم پوشاک استعمال کرنے پر مجبور تھے۔اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی طرح موٹا جھوٹا کپڑا، اور روکھا پھیکا کھانا نہیں کھاسکتے تھے لیکن اس سے یہ قیاس نہیں کرنا چاہئے کہ آپ عیش وتنعم کے گرویدہ تھے بلکہ انہوں نے باوجود غیر معمولی دولت وثروت کے کبھی امیرانہ زندگی اختیار نہیں فرمائی اور نہ کبھی صرف زیب وزینت کی چیزیں استعمال کیں۔قز ایک خوش وضع رومی کپڑا تھا جو عرب کا مطبوع عام لباس تھا امراء تو امراء متوسط درجہ کے لوگ بھی اس کو پہننے لگے تھے لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کبھی اس کو استعمال نہ فرمایا اور نہ اپنی بیویوں کو استعمال کرنے دیا۔

حرفِ آخر

چالیس لاکھ مربع میل کی آباد وشاداب خطہ ارضی کا عظیم حکمران، ہزاروں صحابہ کرام، لاکھوں تابعین اور کروڑوں تبع تابعین اور اربوں مسلمانوں کے دل کی دھڑکن، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دوہرا داماد اسلام اور مسلمانوں کا محسنِ اعظم، شرم وحیاء کا پتلا، امت مرحومہ میں سب سے بڑھ کر حلیم، کریم، متواضع، خداترس پورے اکتیس روز معہ کنبہ کے بھوک اور پیاس کے شدائد سے نڈھال، تلاوت قرآن میں مشغول نہایت بے دردی، شقاوت، بے رحمی اور سفا کی سے شہید کردیا جاتا ہے۔

عثمان رضی اللہ عنہ! تجھ پر ریت کے ذروں، سمندر کے قطروں، درختوں کے پتوں، بارش کے قطروں، آسمان کے ستاروں سے اضعافا مضاعفہ درود وسلام!

عثمان! اسلام اور مسلمانوں پر تیرے جو احسان ہیں ہم قیامت تک ان احسانات سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتے۔

عثمان! تیری مظلومانہ شہادت پر ہماری آنکھیں قیامت تک آنسو بہاتی رہیں گی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شان

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے اور آپ کے گریبان کے بٹن کھلے ہوئے تھے....جبرائیل علیہ السلام دروازے پر کھڑے ہیں اندر نہیں آرہے... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اندر کیوں نہیں آرہے؟ فرمایا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کا گریبان کھلا ہے... ہمیں اندر آنے سے حیا آرہی ہے...(اصلاحی واقعات ص ۱۹۵)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی سخاوت

حضرت عبدالرحمٰن بن خباب سلمیؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے بیان فرمایا اور جیش عسرہ (غزوۂ تبوک میں جانے

والے لشکر) پر خرچ کرنے کی ترغیب دی تو حضرت عثمان بن عفانؓ نے کہا کجاوے اور پالان سمیت سو اونٹ میرے ذمہ ہیں یعنی میں دوں گا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے ایک سیڑھی نیچے تشریف لائے اور پھر (خرچ کرنے کی) ترغیب دی تو حضرت عثمانؓ نے پھر کہا کجاوے اور پالان سمیت اور سو اونٹ میرے ذمہ ہیں۔

حضرت عبدالرحمٰن کہتے ہیں میں نے حضور کو دیکھا کہ (حضرت عثمانؓ کے اتنا زیادہ خرچ کرنے پر بہت خوش ہیں اور خوشی کی وجہ سے) ہاتھ کو ایسے ہلا رہے ہیں جیسے تعجب و حیرانی میں انسان ہلایا کرتا ہے اس موقع پر عبدالصمد راوی نے سمجھانے کے لئے اپنا ہاتھ باہر نکال کر ہلا کر دکھایا اور حضور فرما رہے تھے اگر اتنا زیادہ خرچ کرنے کے بعد عثمانؓ کوئی بھی (نفل) عمل نہ کرے تو ان کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ بیہقی کی روایت میں یہ ہے کہ حضورؐ نے تین مرتبہ ترغیب دی اور حضرت عثمانؓ نے کجاوے اور پالان سمیت تین سو اونٹ اپنے ذمہ لئے حضرت عبدالرحمٰن کہتے ہیں میں اس وقت موجود تھا جب حضور منبر پر یہ فرما رہے تھے اتنا خرچ کرنے کے بعد یا فرمایا آج کے بعد عثمانؓ کا کسی گناہ سے نقصان نہیں ہوگا۔ (اخرجہ احمد)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سخاوت

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قافلہ... سو اونٹ لدے ہوئے تھے... یہ بڑے تاجر تھے... چھوٹے تاجر آئے... پوچھا کیا دو گے؟ انہوں نے کہا دس روپے کی چیز ہم بارہ روپے میں خرید لیں گے... کہنے لگے مجھے پیسے زیادہ لگے ہیں اور بڑھاؤ... کہنے لگے پندرہ میں خرید لیں گے... کہنے لگے نہیں مجھے پیسے زیادہ لگ چکے ہیں... کہا اس سے زیادہ ہم نہیں دے سکتے... وہ پوچھنے لگے ہم سے زیادہ کس نے لگائے ہیں... مدینے کے تاجر تو یہی ہیں جو ہم بیٹھے ہیں... کہنے لگے تم سے پہلے اللہ نے لگا دیئے... تم میری دس کی چیز پندرہ میں لیتے ہو... وہ میری ایک کی چیز دس میں لیتا ہے... مدینے میں اس وقت قحط ہے تو میں تم سب کو گواہ بناتا ہوں کہ میرا یہ سارا قافلہ تجارت بمعہ اصل سرمائے کے فقیروں کے لیے صدقہ ہے اور سارا تقسیم کر دیا...

رات کو عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے خواب دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفید گھوڑے پر سوار ہیں... سبز پوشاک پہنی ہوئی ہے اور تیزی سے گزرے... انہوں نے گھوڑے کی لگام پکڑ لی... یارسول اللہ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ آپ سے ملنے کو جی چاہ رہا ہے... فرمایا! آج میں فارغ نہیں ہوں... یارسول اللہ! کیا وجہ ہے؟

کہا... آج صبح عثمان رضی اللہ عنہ نے جو اللہ کے ہاں صدقہ کیا تھا وہ قبول ہو گیا اور جنت کی حور کے ساتھ اس کا نکاح اللہ نے کر دیا... اس کا ولیمہ کیا ہے... ہم سب کو ولیمے پر بلایا ہے... تمام انبیاء آج اس کے ولیمے پر جا رہے ہیں... وہ مال بھی لگاتے تھے جان بھی لگاتے تھے... (اصلاحی واقعات ص ۶۲)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا کمال سخاوت

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اللہ رب العزت نے خوب مال دیا تھا لیکن ان کے دل میں مال کی محبت نہیں تھی۔ وہ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے کبھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ بئر رومہ ایک کنواں تھا جو ایک یہودی کی ملکیت میں

تھا۔اس وقت مسلمانوں کو پانی حاصل کرنے میں کافی مشکل کا سامنا تھا۔وہ اس یہودی سے پانی خریدتے تھے۔جب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ مسلمانوں کو پانی حاصل کرنے میں کافی دشواری کا سامنا ہے تو وہ یہودی کے پاس گئے اور فرمایا کہ یہ کنواں فروخت کردو۔اس نے کہا میری تو بڑی کمائی ہوتی ہے میں تو نہیں بیچوں گا۔

یہودی کا جواب سن کر سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ آدھا بیچ دیں اور قیمت پوری لے لیں۔وہ یہودی نہ سمجھ سکا۔اللہ والوں کے پاس فراست ہوتی ہے۔یہودی نے کہا ہاں ٹھیک ہے آدھا حق دوں گا اور قیمت پوری لوں گا۔چنانچہ اس نے قیمت پوری لے لی اور آدھا حق دے دیا اور کہا کہ ایک دن آپ پانی نکالیں اور دوسرے دن ہم پانی نکالیں گے۔جب سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اسے پیسے دے دیئے تو آپ نے اعلان کروادیا کہ میری باری کے دن مسلمان اور کافر سب بغیر قیمت کے اللہ کیلئے پانی استعمال کریں۔جب لوگوں کو ایک دن مفت پانی ملنے لگا تو دوسرے دن خریدنے والا کون ہوتا تھا۔چنانچہ وہ یہودی چند مہینوں کے بعد آیا اور کہنے لگا جی آپ مجھ سے باقی آدھا بھی خرید لیں۔آپ نے باقی آدھا بھی خرید کر اللہ کیلئے وقف کردیا۔(خطبات فقیر)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عظیم سخاوت کا واقعہ

ایک دفعہ عرب میں شدید قحط پڑا۔بارشیں نہ ہوئیں۔فصلیں تباہ ہوگئیں۔اناج کی ملک میں کمی ہوگئی۔لوگ بھوکوں مرنے لگے۔ہر طرف افراتفری پھیل گئی۔لوگ اناج حاصل کرنے کے لئے بے چین ہوگئے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا زمانہ تھا۔انہوں نے جب لوگوں کو قحط کی وجہ سے پریشان دیکھا تو خزانہ کا منہ کھول دیا۔بیت المال میں اناج کا جتنا ذخیرہ تھا،وہ سب مستحقین تک پہنچا دیا گیا۔قحط زدہ لوگوں کے کوائف جمع کیے گئے۔حکومت کے ہرکارے پورے ملک میں پھیل گئے۔متاثرین کی فہرستیں تیار کرلی گئیں۔یہ کام حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے سپرد تھا۔انہوں نے بڑی تن دہی سے یہ فریضہ انجام دیا۔

امیر المومنین نے فوری طور پر صوبوں کے گورنروں اور والیوں کو خطوط لکھے اور پیغام بھجوائے کہ وہ فوری طور پر اناج بھجوائیں۔ملک میں جہاں جہاں سے غلہ دستیاب ہوا،اسے مہنگے داموں خرید کر قحط زدہ لوگوں تک پہنچایا گیا۔

حضرت ابوعبیدہ ابن جراح رضی اللہ عنہ کو جب پیغام پہنچا تو انہوں نے چار ہزار اونٹ غلہ سے لدے ہوئے مدینہ بھجوائے اور مزید کے لئے کوشش کرنے کا وعدہ کیا۔اسی طرح حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مصر سے بحر قلزم کے راستے بیس بیڑے،جن پر منوں اناج لدا ہوا تھا،بھجوائے۔وہ غلہ جب بندرگاہ میں پہنچا تو امیر المومنین اس کو دیکھنے کے لئے بندرگاہ پر تشریف لے گئے۔اپنی نگرانی میں جہازوں سے غلہ اتروایا اور اسے گوداموں میں رکھوایا گیا۔ پھر ضرورت مندوں تک پہنچانے کا بندوبست کیا گیا،صحرائی لوگ جو قحط سے پریشان ہوکر شہروں کی طرف بھاگے،ان کے طعام و قیام کا انتظام کیا گیا۔مدینہ میں روزانہ بیس اونٹ ذبح ہوتے تھے۔ان کا گوشت مسکینوں میں تقسیم کردیا

جاتا۔ اس میں سے کچھ گوشت پکا کر بھوکے لوگوں کو کھانا دیا جاتا۔ یوں بھوک و افلاس کے خاتمہ کا سرکاری طور پر بندوبست کیا گیا۔ مخیر حضرات نے اس موقع پر جو خدمات سرانجام دیں، وہ اس کے علاوہ ہیں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے بہت کچھ دیا ہوا تھا، ایسے موقعوں پر وہ دل کھول کر خرچ کرتے۔ انہوں نے اپنے طور پر عجمی علاقوں سے، جہاں اناج کی وافر مقدار موجود تھی، بھاری مقدار میں اناج خریدا اور اسے اونٹوں پر لاد کر مدینہ لایا گیا۔ اناج سے لدے ہوئے اونٹ جب مدینہ پہنچے تو بہت سے لوگوں نے اسے خریدنے کی خواہش ظاہر کی اور انہیں زیادہ سے زیادہ منافع دینے کی پیش کش بھی کی۔ جب لوگوں نے انہیں بہت مجبور کیا تو انہوں نے ان سے پوچھا: ''آپ لوگ مجھے کتنا منافع دے سکتے ہیں؟''

لوگوں نے کہا: ''جتنے کا مال آپ نے خریدا ہے اس سے دو گنا لے لیجئے'' انہوں نے کہا: ''یہ تو بہت تھوڑا ہے!'' خریدنے کے خواہش مند لوگوں نے کہا: ''تین گنا لے لیجئے!'' ''یہ بھی تھوڑے ہیں۔''

انہوں نے کہا: ''چار گنا لے لیجئے!'' فرمایا: ''اب بھی بہت کم ہیں!'' یوں لوگ بولیاں دیتے رہے۔ دس گنا تک لوگوں نے پیش کش کی۔ لیکن انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ لوگوں نے حیرت سے پوچھا: ''آخر آپ کتنا منافع لینا چاہتے ہیں!'' انہوں نے کہا: ''مجھے ستر گنا منافع کی پیش کش ہے۔ آپ لوگ اس سے زیادہ مجھے دے سکتے ہوں تو میں سوچوں گا کہ میں آپ لوگوں کو اناج دوں یا نہ دوں!''

لوگوں نے مایوس ہو کر کہا: ''ہم نہیں سمجھتے کہ اتنا منافع کوئی آپ کو دے گا! ٹھیک ہے، اگر آپ کو اتنا منافع ملتا ہے، تو اسے لے لیجئے گا!'' یہ تو لوگوں کی پیش کش تھی۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے بھی ان سے درخواست کی آپ یہ تمام اناج ہمیں دے دیں تا کہ اسے ہم قحط زدہ لوگوں تک پہنچائیں۔ ان سے بھی انہوں نے یہی کہا: ''یہ اناج میں صرف اسی کو دوں گا، جو مجھے سب سے زیادہ منافع دے گا!''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی مایوس ہو گئے۔ اس وقت حضرت عثمانؓ نے اونٹوں سے اناج اتروایا اور اسے ایک جگہ اکٹھا کر کے ڈھیر لگا دیا۔ پھر شہر بھر میں منادی کرا دی کہ جسے اناج کی ضرورت ہو وہ آ کر مفت لے جائے۔ لوگوں نے جب یہ اعلان سنا تو حضرت عثمانؓ کے پاس بھاگے بھاگے آئے اور بڑے تعجب سے پوچھا: ''جناب! آپ تو کہتے تھے کہ میں ستر گنا منافع پر بیچوں گا۔ اب تو آپ اسے مفت بانٹ رہے ہیں۔ آپ کا وہ منافع کہاں گیا؟''

حضرت عثمانؓ نے فرمایا: ''میرا منافع پکا ہے اور جیسے میں چاہتا تھا ویسے ہی مجھے منافع مل رہا ہے۔ یہ اناج میں نے اللہ کے پاس بیچا ہے۔ اس کا وعدہ ہے کہ میں ستر سے سات سو گنا تک منافع دیتا ہوں۔ اللہ کسی سے جھوٹا وعدہ نہیں کرتا۔''

چنانچہ تمام اناج، جو انہوں نے خطیر رقم خرچ کر کے دور دراز سے منگوایا تھا، اسے اللہ کی راہ میں مفت تقسیم کر دیا۔ غریبوں اور مسکینوں کو خود جا کر اناج دیا۔ بیوہ عورتیں یا ایسے مسکین لوگ جنہیں آپ کے پاس آتے ہوئے شرم محسوس

ہوتی تھی، حضرت عثمانؓ نے۔ ان تک بھی اناج پہنچایا۔

وہ بڑے کشادہ دل انسان تھے۔ دوسروں کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جب انہوں نے دیکھا کہ اہل مدینہ کو میٹھا پانی لینے میں بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ کیوں کہ مدینہ میں میٹھے پانی کا ایک ہی کنواں تھا جو ایک یہودی کی ملکیت تھا۔ وہ اس کا پانی مہنگے داموں بیچتا تھا تو انہوں نے وہ کنواں پینتیس ہزار درہم میں خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔ ان کی اس دریا دلی کی وجہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ایسی نیکیاں کرنے کے بعد اگر وہ کوئی گناہ بھی کریں تو وہ معاف ہو جائے گا۔" (مہاجرین کا وقار)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا زُہد

حضرت عبدالملک بن شدادؒ کہتے ہیں کہ میں نے جمعہ کے دن حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو منبر پر دیکھا کہ ان پر عدن کی بنی ہوئی موٹی لنگی تھی جس کی قیمت چار یا پانچ درہم تھی اور گیروے رنگ کی ایک کوفی چادر تھی۔ حضرت حسنؒ سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھا گیا جو مسجد میں قیلولہ کرتے ہیں تو انہوں نے کہا میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ اپنے زمانہ خلافت میں ایک دن مسجد میں قیلولہ فرما رہے تھے اور جب وہ سو کر اٹھے تو ان کے جسم پر کنکریوں کے نشان تھے (مسجد میں کنکریاں بچھی ہوئی تھیں) اور لوگ (ان کی اس سادہ اور بے تکلف زندگی پر حیران ہو کر) کہہ رہے تھے یہ امیر المؤمنین ہیں یہ امیر المؤمنین ہیں۔ (اخرجہ ابو نعیم فی الحلیۃ)

حضرت شرحبیل بن مسلم کہتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ لوگوں کو خلافت والا عمدہ کھانا کھلاتے اور خود گھر جا کر سرکہ اور تیل یعنی سادہ کھانا کھاتے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا حلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبوی شریف میں منبر اقدس پر خطبہ پڑھ رہے تھے کہ بالکل ہی اچانک ایک بد نصیب اور خبیث النفس انسان جس کا نام جہجاہ غفاری تھا کھڑا ہو گیا اور آپ کے دست مبارک سے عصا چھین کر اس کو توڑ ڈالا..... آپ نے اپنے حلم و حیاء کی وجہ سے اس سے کوئی مواخذہ نہیں فرمایا لیکن خدا تعالیٰ کی قہاری و جباری نے اس بے ادبی اور گستاخی پر اس مردود کو یہ سزا دی کہ اس کے ہاتھ میں کینسر کا مرض ہو گیا اور اس کا ہاتھ گل سڑ کر گر پڑا اور وہ یہ سزا پا کر ایک سال کے اندر ہی مر گیا..... (تاریخ الخلفاء)

ایک رکعت میں ختم قرآن

حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب بلوائیوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کرنے کے لئے محاصرہ کیا تو ان کی زوجہ نے کہا تم انہیں قتل کرو یا چھوڑو آپ تو ساری رات قیام کر کے ایک رکعت میں پورا قرآن کریم پڑھنے والے ہیں۔ حضرت مسروقؒ کی ملاقات اشتر سے ہوئی تو فرمایا تم نے حضرت عثمانؓ کو قتل کیا؟ اس

نے کہا ہاں ۔ فرمایا اللہ کی قسم تم نے ایک ہمیشہ کے روزہ دار و قائم اللیل کو قتل کیا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب بلوائیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کر دیا تو ان کی زوجہ نے فرمایا یقیناً تم نے اسے قتل کر دیا حالانکہ آپ ایک رکعت میں پورا قرآن کریم پڑھ کر ساری رات عبادت کرتے تھے۔ بعض لوگوں نے اسے انس بن سیرین سے روایت کیا ہے۔

حیاءداری کا عالم

حضرت حسن نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تذکرہ کیا اور آپ کی شدید حیاداری کا تذکرہ کیا تو فرمایا آپ اگر گھر کے اندر ہوتے اور دروازہ بھی بند ہوتا تو وہ پانی بہانے کے لئے اپنے اوپر سے کپڑا نہیں ہٹاتے تھے' حیاء انہیں اپنی کمر سیدھی کرنے سے مانع رہتی۔

شہادت عثمان رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب دشمنوں نے امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو محصور کر لیا تو میں آپ کی خدمت میں سلام عرض کرنے کے لیے حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ بھائی بہت اچھا کیا آئے میں نے اس کھڑکی میں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ عثمان! تمہیں ان لوگوں نے محصور کر رکھا ہے میں نے عرض کیا جی ہاں اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ڈول پانی کا لٹکایا جس میں سے میں نے پانی پیا۔ اس پانی کی ٹھنڈک اب تک میرے دونوں شانوں اور چھاتیوں کے درمیان محسوس ہو رہی ہے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم چاہو تو ان کے مقابلے میں تمہاری مدد کی جائے اور تمہارا دل چاہے تو یہاں ہمارے پاس آ کر افطار کرو۔ میں نے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضری چاہتا ہوں۔ اسی دن شہید کر دیئے گئے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ یہ ۳۵ ہجری کا واقعہ ہے۔ (الحاوی)

آنکھ کھلی تو امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنی اہلیہ محترمہ سے فرمایا کہ میری شہادت کا وقت آ گیا۔ باغی ابھی مجھے شہید کر ڈالیں گے۔ اہلیہ محترمہ نے نہایت دردمندانہ لہجہ میں فرمایا امیر المومنین ایسا نہیں ہو سکتا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ابھی یہ خواب دیکھا ہے۔ جب بستر سے اٹھے تو آپ نے وہ پاجامہ طلب فرمایا جس کو پہلے کبھی نہ پہنا تھا۔ اسے زیب تن فرمایا۔ پھر بیس غلام آزاد کر کے کلام اللہ کی تلاوت میں مشغول ہو گئے۔ باغی دیوار پھاند کر محل سرا میں داخل ہو گئے۔ قرآن آپ کے سامنے کھلا ہوا تھا۔ اس خون ناحق نے جس آیت شریفہ کو رنگین بنایا وہ یہ تھی۔ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

(خدا کی ذات تم کو کافی ہے وہ سننے والا اور جاننے والا ہے)

جمعہ کے دن عصر کے وقت شہادت ہوئی۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ (سیرۃ النبی بعد از وصال النبی)

خلیفہ چہارم امیر المؤمنین

دامادِ رسول سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ

ایسے نفوس قدسیہ، جنہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو...... اعلان نبوت سے لے کر...... وصال تک خلوت و جلوت میں اور گھر کے اندر اور باہر دیکھا، آپ کی ایک ایک ادا، آپ کے ہونٹوں کی ایک ایک جنبش اور آپ کے جسم مبارک کے ایک ایک انداز کو نوٹ کیا، اسے دل و دماغ میں اور اپنی طبیعت و مزاج کی روح میں اتارا اور اگلی نسل تک اس کو پہنچایا۔ ان میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نام سرفہرست ہے۔

نام ونسب اور ابتدائی حالات زندگی

حضرت علی بن ابی طالب (عبد مناف) بن عبدالمطلب (شیبہ) بن ہاشم (عمرو) بن عبد مناف (المغیرہ) بن قصی (زید)...... ابوالحسن...... کی والدہ محترمہ کا نام فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف تھا۔ آپ کی ولادت...... اعلان نبوت سے نو یا دس سال قبل (۲۳ ق۔ھ/۶۰۰ء) مکہ مکرمہ میں ہوئی۔

ان دنوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت خدیجہ الکبریٰؓ سے شادی ہو چکی تھی،...... جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب اولاد کی کثرت اور مال کی کمی کی بنا پر پریشان رہتے تھے، اسی لیے آپ نے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بہت کم عمری میں اپنی گود لے لیا تھا، اس طرح انہیں ''کنار پروردۂ نبوت'' ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت کیا، تو اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ ابھی محض نو یا دس برس کے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ ہی کے گھر میں رہائش پذیر تھے، اسی لیے وہ ان نیک اور مقدس ہستیوں میں شامل ہیں جنہوں نے اسلام کو...... اس کی ابتدائی ساعتوں ہی میں قبول کر لیا تھا، سب سے پہلے جس ہستی نے یہ سعادت حاصل کی وہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی ہے، البتہ ان کے بعد کس نے پہل کی، اس کے متعلق تینوں بزرگوں حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ، حضرت زیدؓ بن ثابت کے نام ملتے ہیں۔

محدثین نے فرمایا ہے کہ بڑی عمر کے لوگوں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، بچوں اور کم عمر کے لوگوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور غلاموں میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو شرف تقدم حاصل ہے۔

تاہم ایک اعزاز ایسا ہے، جس کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ دعویٰ ہے کہ کوئی اور شخص ان کے ہمراہ اس شرف میں شریک نہیں۔ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سب سے پہلے نماز پڑھنے کا شرف ہے، حضرت علی رضی

اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ انا اول رجل من صلی مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
میں پہلا شخص ہوں جس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نماز پڑھی۔ اور یہ بات درست، البتہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی تقدم کی سعادت حاصل ہے۔

خاندان عبدالمطلب کو اسلام کی دعوت دینے میں حضرت علیؓ کا کردار

جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے...... اپنے قریبی لوگوں تک اسلام کی دعوت پہنچانے کا حکم آیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاندان ہاشم کے لوگوں کو جمع کرنے اور ان کے لیے کھانے کا اہتمام کرنے کا کام حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کو سونپا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نہایت ذمہ داری کے ساتھ یہ فرض انجام دیا،...... حضرت علی رضی اللہ عنہ اس موقع کے چشم دید گواہ بھی ہیں، وہ بیان کرتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاندان عبدالمطلب کے لوگوں کو جمع کیا...... ان میں ایسے لوگ بھی تھے، جو اکیلے ہی ایک چھوٹا جانور کھا جاتے تھے اور شراب کا پورا مشکیزہ پی جاتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مد (تقریباً ایک کلووزن) غلے سے کھانا تیار کرنے کا حکم دیا، کھانا لا کر رکھا گیا اور تمام لوگوں نے شکم سیر ہو کر کھایا، مگر یوں محسوس ہوتا تھا کہ کھانے کو چھوا تک نہیں گیا تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شربت کا پیالہ منگوایا جس سے تمام لوگوں نے خوب سیر ہو کر پیا، مگر ایسے معلوم ہوتا تھا، کہ اسے کسی نے چھوا تک نہیں ہے۔

پھر آپ نے فرمایا: اے اولاد عبدالمطلب مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف خصوصی طور پر اور باقی لوگوں کی طرف عمومی طور پر بھیجا ہے اور تم نے اس (کھانے) میں جو نشان دیکھا ہے وہ تو دیکھ ہی لیا ہے،...... تم میں سے کون شخص اس امر پر میری بیعت کرے گا کہ وہ میرا بھائی اور میرا ساتھی ہوگا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات سن کر کوئی شخص بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کے لیے نہ اٹھا، کہتے ہیں کہ میں وہاں موجود تمام لوگوں سے کم عمر تھا مگر اس کے باوجود میں اپنی جگہ سے اٹھا، مگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: تم بیٹھ جاؤ، تین مرتبہ ایسے ہی ہوا کہ میں جب بھی اٹھتا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: تم بیٹھو پھر جب میں تیسری مرتبہ اٹھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر مارا (اور بیعت لی)۔

حضرت زید بن حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت کی رو سے حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اسلام لانے کی دعوت دی، اس وقت میں نو برس کا تھا۔

قبول اسلام کے بعد...... حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست و بازو بن گئے اور خطرے کی ہر گھڑی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے...... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو وحی نازل ہوتی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اسے قلمبند کرتے۔

ہجرت مدینہ منورہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کردار

جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگزیر حالات میں، مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنا پڑی تو اس موقع پر حضرت علیؓ نے ......اہم ترین فریضہ انجام دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں:

''جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے لیے گھر سے روانہ ہوئے، تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں، آپ کے بعد، آپ کے گھر میں ٹھہروں اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوگوں کی جو امانتیں تھیں وہ ادا کروں، اسی لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ''امین'' (امانت دار) کہلاتے تھے۔ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں تین دن قیام کیا اور میں سب کے سامنے رہا، ایک دن کے لیے بھی نہیں چھپا۔ پھر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے کا پیچھا کرتے ہوئے، مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہوا اور میں ''بنو عوف'' کے علاقے میں پہنچ گیا، جہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مقیم تھے اور میں کلثوم بن الھدم کا مہمان بنا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہیں مقیم تھے۔''

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ مدینہ منورہ میں نصف ربیع الاول کے قریب پہنچے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ خدمت بہت اہم خدمت تھی، اسی لیے ......رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں انہیں بڑی پذیرائی حاصل رہی۔ ہجرت مدینہ منورہ کے موقع پر، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار اور مہاجرین کے مابین مواخات قائم فرمائی ......مگر آپ نے اس موقع پر اپنی مواخات اپنے بھائی حضرت علیؓ ہی کے ساتھ برقرار رکھی۔

روایت میں ہے: ''جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں آئے، تو آپ نے مہاجرین کی آپس میں اور مہاجرین اور انصار کے مابین مواخات قائم کی، یہ مواخات حق کی پاسداری اور ایک دوسرے کی غم خواری کے لیے تھی، اس موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور حضرت علیؓ کے مابین مواخات کا اعلان کیا۔''

دوسری روایت حضرت علیؓ کی حضرت سہل بن حنیف کے ساتھ مواخات کی بھی ملتی ہے، لیکن زیادہ تر مؤرخین اور سوانح نگاروں نے پہلی روایت ہی کو ترجیح دی ہے۔

غزوۂ بدر میں ......حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت پہلی مرتبہ لوگوں کے سامنے آئی، جب حضرت علیؓ نے نامور قریشی سردار عتبہ بن ربیعہ کو جہنم رسید کیا، جو اس دن اپنے سرخ رنگ کے اونٹ پر سوار تھا اور اپنے قومی اور خاندانی تعصب میں سر سے پاؤں تک رنگا ہوا تھا، حضرت علیؓ کی تلوار نے اس کا کام تمام کیا۔

اس دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا لواء (جھنڈا) حضرت علیؓ کے ہاتھ میں تھا، حضرت علیؓ نے ......اس جھنڈے کا اور اپنی تلوار کا حق ادا کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق تمام سوانح نگاروں نے لکھا ہے، کہ وہ غزوۂ بدر سمیت تمام غزوات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ''علم بردار'' رہے۔ دیکھا جائے تو غزوۂ بدر حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ اور ابو دجانہؓ کا دن تھا، اس دن ان حضرات نے شجاعت کی ایک نئی تاریخ رقم کی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے شادی

غزوۂ بدر کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک ایسا اعزاز حاصل ہوا جس نے ان کی عظمت کو مزید چار چاند لگا دیئے۔ یہ اعزاز حضرت علیؓ کو حضرت فاطمۃ الزہراءؓ سے شادی خانہ آبادی کا تھا، جو اللہ تعالیٰ نے روز ازل سے ان کے لیے مقدر کر رکھا تھا۔ اس واقعے کا ذکر خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی حضرت فاطمہؓ کے لیے پیغام دینا چاہتا تھا، میں نے (اپنے دل میں کہا)، میرے پاس مال وغیرہ تو ہے نہیں، بھلا یہ کیسے ممکن ہے۔ پھر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صلہ رحمی اور مہربانیوں کو یاد کیا، تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے پیغام دے دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، اے علی رضی اللہ عنہ، تیرے پاس (مہر میں دینے کے لیے) کیا ہے؟ کہا کچھ نہیں، فرمایا: تمہاری وہ حطمی زرہ کہاں ہے، جو میں نے فلاں جنگ کے موقع پر تجھے دی تھی، کہا وہ تو میرے پاس ہے، فرمایا بس وہی دے دو۔"

حضرت عکرمہؓ سے مروی ہے کہ اس زرہ کی قیمت چار سو درہم تھی۔ پھر جب رُخصتی کا وقت آیا، تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحب زادی کو لے کر رات گئے خود حضرت علیؓ کے گھر گئے اور حضرت ام ایمنؓ سے پوچھا: میرا بھائی (علی) کہاں ہے۔ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے کہا: یارسول اللہ! اب وہ آپ کے بھائی کیسے رہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ان سے اپنی بیٹی کو بیاہ دیا ہے، فرمایا، اے ام ایمنؓ وہ ایسا ہی ہے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوایا، اس سے اپنے ہاتھ دھوئے۔ اس کے بعد حضرت علیؓ کو بلایا انہیں اپنے سامنے بٹھایا اور اس پانی سے ان کے سینے اور دونوں کندھوں کے درمیان چھینٹے مارے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کو بلایا وہ اوڑھنی کے بغیر آئیں، وہ اپنے (گھریلو) کپڑے میں ملبوس تھیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ پانی ان پر چھڑکا اور فرمایا: اللہ کی قسم! میں نے اس بارے میں کوئی کوتاہی نہیں کی کہ میں تمہاری شادی اپنے گھر کے بہترین فرد سے کردوں، حضرت ام ایمنؓ کہتی ہیں کہ میں نے ان کا سامان تیار کیا، جس میں چمڑے کا ایک تکیہ تھا، جس میں نرم گھاس بھری ہوئی تھی اور صحراء سے مٹی ان کے گھر میں فرش کے طور پر لاکر بچھائی گئی تھی۔

اس طرح حضرت علیؓ مکمل طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کے ایک فرد بن گئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی غزوات میں شرکت

حضرت علی رضی اللہ عنہ..... عہد نبوی کے تمام غزوات میں بڑھ چڑھ کر شریک رہے۔ غزوۂ خیبر میں، انہیں ایک ایسا افتخار حاصل ہوا جس کی آرزو، بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تھی..... ابتدائی کئی دنوں کے حملوں کے بعد جب خیبر فتح نہ ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کیا، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آئندہ آنے والی کل کو اسلامی لشکر کا جھنڈا ایک ایسے شخص کو دیں گے جن سے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول محبت کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ اور اس

کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر...... فتح عطا کرے گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے عہدوں کی کبھی خواہش نہیں ہوئی، لیکن اس دن میں نے تمام رات جاگ کر گزاری اور اس اعزاز کی سخت آرزو رہی۔ اگلے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: علی کہاں ہے؟ لوگوں نے بتایا، اس کی آنکھیں دکھتی ہیں، فرمایا اسے بلاؤ، چنانچہ حضرت علی آئے آپ نے ان کی آنکھوں میں لعاب لگایا تو وہ ٹھیک ہوگئیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مسلمانوں کا جھنڈا دیا اور یہودیوں کے خلاف جنگ پر مامور فرمایا۔ اس دن مرحب کے ساتھ حضرت علیؓ کا دوبدو مقابلہ ہوا۔ حضرت علیؓ نے مرحب کو قتل کر کے قلعہ فتح کرلیا۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت علیؓ نے قلعے کا دروازہ اکھاڑ پھینکا، یہ دروازہ ایسا تھا کہ اسے ستر افراد بمشکل اٹھاتے تھے۔

جنگ تبوک میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مدینہ منورہ میں اپنی جگہ امیر بنا کر چھوڑا، حضرت علیؓ نے جب یہ کہہ کر ساتھ جانے کی خواہش کی کہ آپ مجھے عورتوں اور بچوں کے ساتھ چھوڑ کر جا رہے ہیں تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تو اس بات پر خوش نہیں کہ تو میرے لیے ویسے ہی ہے، جیسے کہ ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے، سوائے، اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔"

علاوہ ازیں، آپ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک کے علاقے میں آباد، بنوسعد کی طرف ایک سو مجاہدین کے ہمراہ بھیجا۔ حضرت علیؓ نے اس مہم میں کامیابی حاصل کی اور فتح مکہ کے دن...... مہاجرین کے جھنڈوں میں سے ایک جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، اسی طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں "الفلس" نامی جگہ میں بنو طے کے خلاف معرکے کی سربراہی دے کر بھیجا اور حجۃ الوداع والے سال انہیں یمن کے علاقے میں، حاکم اور قاضی بنا کر بھیجا، جہاں انہوں نے بڑے بڑے پیچیدہ مسائل بڑی آسانی کے ساتھ حل کیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی آرام گاہ میں اتارا۔

خلافت راشدہ کے دور میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمات

پھر جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا اور خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہوگئی، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ ابتدائی چھ ماہ تک لوگوں سے الگ تھلگ رہے اور روایات کے مطابق قرآن مجید جمع کرتے رہے، حضرت فاطمہؓ کے وصال کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مصالحت کی از خود سلسلہ جنبانی کی اور علیحدگی کی وجہ یہ بیان کی کہ انہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کو خلافت و امارات کے معاملے سے الگ رکھا گیا ہے۔

اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دنوں تک آپ خلفاء وزیر اور مشیر بن کر ان کے ساتھ رہے اور ان کے تمام مشوروں میں شامل رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں وہ چھ رکنی مجلس شوریٰ کے رکن رہے اور حضرت عمرؓ کی اپنے بہترین مشوروں کے ساتھ مدد کرتے رہے۔

حضرت عثمانؓ کے محاصرے کے وقت...... حضرت علیؓ مکمل طور پر غیر جانب دار، بلکہ کسی حد تک حضرت عثمانؓ کے طرف دار رہے۔...... چنانچہ انہوں نے...... حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لیے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو، ان کے دروازے پر مامور کیا اور جب حضرت علیؓ کو حضرت عثمانؓ کی شہادت کا علم ہوا، تو انہوں نے آ کر حضرت حسینؓ کے منہ پر طمانچہ مارا۔ حضرت حسنؓ کے سینے پر ہاتھ مارا اور محمد بن طلحہ اور عبداللہ بن زبیرؓ وغیرہ کو سخت برا بھلا کہا، کہ ان کی موجودگی میں یہ سب کچھ کیسے ہوگیا اور ایک مرتبہ جب حضرت عثمانؓ نے انہیں مشورے کے لیے اپنے گھر میں طلب کیا اور حضرت علیؓ نے اندر جانا چاہا، مگر بلوائی انہیں چمٹ گئے اور انہیں اندر نہ جانے دیا اور اسی حالت میں ان کے سر سے عمامہ گر پڑا،...... تو انہوں نے اپنا عمامہ اندر بھجوا دیا، یہ گویا اس بات کا اظہار تھا کہ وہ بے بس ہیں اور اندر نہیں آ سکتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا دور

حضرت عثمانؓ کی شہادت (۱۸۔ ذوالحجہ ۳۵ھ) کے بعد، حضرت علیؓ مسند خلافت پر مسند نشین ہوئے اور وہ تقریباً چار سال اور نو ماہ (پونے پانچ برس) اس عہدے پر فائز رہے، لیکن ان کی خلافت کا یہ دور آپس کی جنگوں اور باہمی خون خرابے کی نذر ہو گیا۔ پہلے حضرت علیؓ کے حامیوں اور حضرت عائشہؓ، حضرت طلحہؓ اور زبیرؓ کے حامیوں کے مابین جنگ جمل ہوئی، بعد ازاں...... ان کے اور امیر معاویہؓ کے مابین جنگ صفین لڑی گئی، جن میں ہزاروں صحابہ اور تابعین نے جام شہادت نوش کیا اور اسلامی معاشرہ آگے بڑھنے کے بجائے باہمی خلفشار کا شکار ہو گیا پھر ان کے اور خوارج کے مابین جنگ نہرواں کا معرکہ ہوا اور ابھی یہ مسائل حل طلب تھے کہ ایک خارجی عبدالرحمٰن بن ملجم نے آپ رضی اللہ عنہ کو مسجد کوفہ کے دروازے پر شہید کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب

حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان صحابہ کرام میں سرفہرست ہیں، جن کے فضائل ومناقب کے حق میں ''زبان نبوت'' نے بے حد فیاضی دکھائی ہے، بلکہ...... امام احمد بن حنبل نے تو یہاں تک لکھا ہے:

''لم ینقل لاحد من الصحابة ما نقل لعلی'' حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جو فضائل منقول ہیں وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی اور صحابی کے متعلق منقول نہیں۔

علامہ ابن حجر العسقلانیؒ نے لکھا ہے کہ اس کی وجہ...... ''بنو امیہ کی ان کی ذات سے عداوت اور بغض تھا، اسی لیے، ان کے فضائل کے متعلق جس شخص کے پاس بھی کوئی روایت یا کوئی اہم بات تھی، اس نے اسے ضرور ظاہر کیا اور بیان کیا اور بنو امیہ نے جب بھی ان کے فضائل کو کم کرنا چاہا، تو اس سے، ان کے فضائل میں تو کوئی کمی نہ ہوئی، البتہ انتشار ضرور بڑھا۔''

حافظ ابن حجر العسقلانیؒ کی یہ بات بڑی حد تک حقیقت کی آئینہ دار ہے۔ حدیث، سیرت اور تاریخ و تذکرہ کی شاید ہی کوئی کتاب ایسی ہو، جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب کی دو چار نہیں، بلکہ بیسیوں احادیث ہیں، علمائے

کرام نے......حدیث اور سیرت کی معتبر کتابوں سے انتخاب کر کے......اس عنوان پر مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اپنی مسند کا بہت بڑا حصہ......انہی فضائل پر مشتمل ہے۔ نامور محدث اور سیرت نگار ابن العماد نے ان کا تذکرہ مختصر ترین الفاظ میں یوں کیا ہے۔

”حضرت علی میانہ قامت، گہری اور اندر کو گڑھی ہوئی آنکھوں والے، خوب صورت چہرے والے، شکم قدرے بڑا، چوڑے شانوں والے اور تیز تیز قدموں سے چلنے والے بزرگ تھے، آپ کے سر پر آخری حصے کے سوا بال نہ تھے، داڑھی گھنی تھی، اکثر علماء کے نزدیک حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد آپ سب سے پہلے اسلام لائے تھے، آپ نے کبھی بھی اللہ کے ساتھ شرک نہیں کیا، تمام غزوات میں شریک رہے اور غزوات میں ان کا کردار ہمیشہ قابل تعریف رہا۔ اکثر غزوات میں، اسلامی لشکر کا علم آپ ہی کے پاس رہا اور آپؓ اپنی بہادری میں حضرت خالدؓ پر فوقیت رکھتے تھے، اس لیے کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی شجاعت فارس (شہسوار) ہونے کی حالت میں تھی۔

جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ شہسواری اور پیدل دونوں حالتوں میں بہادر تھے، آپؓ کے فضائل اور ان کی تعداد ان گنت ہے۔ ان میں سب سے بڑا افتخار حضرت فاطمہؓ سے آپؓ کی شادی خانہ آبادی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھائی چارے کا ہے۔ اسی طرح مباہلے اور واقعہ رداء (چادر میں) میں آپؓ کی شمولیت بھی بہت بڑا اعزاز ہے۔ اکثر جنگوں میں آپؓ کا اسلامی لشکر کا علم بردار ہونا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آپؓ سے یہ فرمانا: کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ تو میرے لیے ویسے ہی ہے، جیسے کہ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے تھے،......وغیرہ کے اعزازات آپ رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوئے۔ جن کا ذکر موجب طوالت ہوگا۔

علامہ الیافعیؒ نے اہل سنت کے درمیان ان کے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مابین فضیلت و منقبت کے مسئلے میں اختلاف نقل کیا ہے اور خود امام الیافعیؒ کا خیال یہ ہے کہ حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ پر فوقیت رکھتے ہیں۔

الغرض حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت و منقبت......قرآن و سنت سے ثابت شدہ ایک ایسا مسئلہ ہے، جس سے سوائے منکر کے کوئی شخص اختلاف نہیں کر سکتا۔ ایسا کیوں نہ ہوتا......آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کنار پروردہ تھے، آپ کی زندگی کی ایک ایک ادا اور ایک قدم......دربار رسالت کی نگرانی میں اٹھا اور طے ہوا اور اگر یہ کہا جائے تو بجا ہوگا، کہ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی بول چال سے لے کر زندگی کے نشیب و فراز کو طے کرنا......دربار رسالت سے سیکھا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صبحیں اور شامیں اور آپ کے دن اور راتیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات مبارکہ پر عمل سے معمور اور منور ہیں۔ اس لیے فضیلت کا کوئی معیار اور کوئی پیمانہ لے لیجیے، حضرت علیؓ، ہر اعتبار سے، مسند فضیلت پر متمکن نظر آئیں گے،......علمی روایت ہو، تو حضرت علیؓ کا شمار عہد نبوی کے سب سے بڑے محدث، سب سے عظیم فقیہ، سب سے نامور ادیب اور سب سے بہت مؤثر اور دلوں میں اثر کرنے والے خطیب نظر آتے ہیں، علم و ادب کی بات ہو، تو بہت سے علوم و فنون کے چشمے آپ کی ذات سے پھوٹتے ہیں۔ عہد نبوی میں، اسلام کی خدمت، نبی اکرم صلی اللہ علیہ

وسلم کی جانثاری اور جان سپاری کا تذکرہ ہو تو حضرت علی رضی اللہ عنہ، صف اول میں دکھائی دیتے ہیں، آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خلوتوں کے امین بھی ہیں اور جلوتوں کے راز دان اور محافظ بھی...... بہت سے غزوات کی فتح آپ ہی کے ہاتھوں سے مکمل ہوئی، علوم قرآن کی بات ہو، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اس میدان کے بے تاج بادشاہ نظر آتے ہیں اور آپ کو اس شعبے میں امیر المؤمنین کا درجہ اور مقام حاصل ہے، الغرض آپ کی ذات...... اپنے عہد کی سب سے جلیل القدر اور سب سے قد آور شخصیت ہے اور اسلام کی تاریخ ان کی خدمات اور قربانیوں سے مزین ہے۔

بطور محدث اور روایت حدیث

دوسرے علوم وفنون کی طرح حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت نگاری کے میدان میں بھی حضرت علیؓ قیادت کے اعلیٰ ترین منصب پر ہیں آپؓ نے ۵۳۶ احادیث روایت کی ہیں مسند احمد میں آپ سے ۸۱۸ احادیث مروی ہیں۔ اس طرح ان کا شمار بہت زیادہ روایات نقل کرنے والے صحابہ کرام میں ہوتا ہے۔ ان روایات میں بہت بڑی تعداد ایسی روایات کی ہے، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی زندگی کے بارے میں ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاں ہمیں، فقہ وفہم حدیث کے بہت سے پہلوؤں کی فراوانی نظر آتی ہے، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

(الف) صحت اسناد

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو شروع سے آخر تک اور بہت قریب سے دیکھا تھا، اس لیے، آپ کی معلومات دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں زیادہ صحیح اور بہتر ہیں، اسی لیے بعض معاملات میں، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تک...... لوگوں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیتی تھیں، مثال کے طور پر ایک شخص نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے، یہ دریافت کیا کہ رسالت مآب کا سفر وحضر میں موزوں کے متعلق کیا معمول تھا؟...... ام المومنین رضی اللہ عنہا نے سائل کو حضرت علیؓ کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیا اور کہا: کہ وہ سفر وحضر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہمیشہ حاضر باش رہتے تھے، لہٰذا وہ اس کے متعلق زیادہ بہتر بتا سکتے ہیں، چنانچہ حضرت علیؓ نے اس کا جواب دیا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تین دن اور حضر میں ایک دن اور ایک رات موزوں پر مسح کیا کرتے تھے۔

اس لیے...... روایت نگار صحابی کے طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی روایات کا مقام بہت بلند ہے۔

علمی اور فکری تجزیہ

قرآن کریم، سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ نے عام لوگوں کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''اگر ان کے پاس کوئی امن یا جنگ کی کوئی بات آتی ہے، تو وہ اسے پھیلا دیتے ہیں اور اگر وہ اسے رسول اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم اور صاحب امر لوگوں کی طرف لوٹا دیتے، تو وہ لوگ جو اس سے صحیح بات سمجھ سکتے ہیں، اس سے سمجھ لیتے۔" اس سے معلوم ہوا کہ کسی بھی خبر کو اس کے صحیح تناظر میں سمجھنا ہر شخص کے بس میں نہیں ہوتا اور یہ بات بھی اہل دانش کے ساتھ مخصوص ہے کہ وہ مختلف قسم کی خبروں کو ان کے صحیح تناظر میں دیکھیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے جس علمی اور فکری مقام سے ممتاز کیا تھا، یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ ہمیں ان کی مسند میں مذکور مختلف روایات کا صحیح تجزیہ اور ان کا صحیح حوالہ ملتا ہے اور اس میں احادیث مبارکہ کو ان کی اصلی جگہ سے نہیں پھیرا گیا، اس بنا پر، ان کی مسند میں ہمیں، بہت سے مسائل کا ٹھیک ٹھیک اور صحیح صحیح تجزیہ ملتا ہے۔

مثال کے طور پر سورۃ الاحزاب میں مذکور واقعہ ایلاء اور تخییر کے بارے میں یہ امر مذکور ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ گزرنے کے بعد، اپنی ازواج مطہرات کو دو اختیار دیئے جن کے بیان میں عام سیرت نگار اور مفسرین یہ بیان کرتے ہیں، کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے یا الگ کرنے کے اختیارات دیئے تھے...... حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے، اس حقیقت کو بیان کیا ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے، انہیں الگ ہونے کا اختیار تو دیا گیا تھا، مگر طلاق کا حق نہیں دیا گیا تھا، حضرت علی فرماتے ہیں:

ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم خَیَّر نسائه الدنیا والآخرة و لم یخیر هن الطلاق

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو دنیا و آخرت کا اختیار تو دیا تھا، مگر طلاق کا اختیار نہیں دیا تھا۔

اس طرح کی کئی مثالیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مسند میں نظر آتی ہیں۔

واقعات کی گہرائی

حضرت علی رضی اللہ عنہ چونکہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے اکثر واقعات میں ذاتی طور پر شریک اور شامل رہے اور عہد نبوی کا شاید ہی کوئی واقعہ ایسا ہو، جب وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود نہ ہوں، یا ان واقعات میں وہ شامل نہ ہوں، ...... اس لیے ان کے ہاں ہمیں ...... واقعات کے متعلق گہرائی اور گیرائی کے دونوں پہلو دکھائی دیتے ہیں، وہ جب کوئی واقعہ بیان کرتے ہیں تو وہ اس کی گہرائی تک پہنچتے ہیں اور محض سنی سنائی بات، یا محض دور کا مشاہدہ یا سرسری سا تاثر بیان نہیں کرتے، بلکہ ...... وہ واقعے کی گہرائی میں اتر کر، اس کے متعلق ہمیں معلومات مہیا کرتے نظر آتے ہیں۔ پھر چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ذاتی طور پر، ان واقعات میں شریک رہے، اس لیے، ان کی بتائی ہوئی بات میں ہمیں ٹھوس حقائق کا ادراک ملتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بطور فقیہ و امام

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سیرت و شمائل کا ایک بہت ہی اہم حوالہ بطور فقیہ و مجتہد...... فقہی اور علمی خدمات کا بھی ہے...... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عدالتی فیصلوں اور فقہی فتاویٰ کی خود تعریف کی ہے۔

ایک موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ''اقضاکم'' (تم میں سے اچھے یا سب سے بڑے قاضی) قرار دیا...... ظاہر ہے عدالتی فیصلہ...... فقہی مہارت بلکہ اجتہادی بصیرت کے بغیر صادر نہیں کیا جا سکتا۔

امام ابن حزم نے اپنی کتاب (جوامع السیرۃ) میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شمار ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کیا ہے۔ جو حضرت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔

کوفہ...... جہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی کے آخری سال بسر کیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فقہی بصیرت اور ان کی اجتہادی خصوصیات سے بے حد مستفید ہوا۔ معروف ترین حنفی مسلک...... کی اساس حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فقہی اصولوں اور ان کے فتاویٰ ہی پر ہے...... اور امام ابو حنیفہؒ اپنے تمام اساتذہ بالخصوص امام جعفر صادقؒ کے واسطے سے...... حضرت علیؓ کی ذات سے پوری طرح مستفید ہوئے جبکہ امام شافعیؒ ...... امام محمد کے واسطے سے اور امام احمد بن حنبلؒ ...... امام شافعیؒ کے واسطے سے۔ جبکہ امام مالک...... حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعدد شاگردوں، خصوصاً حضرت عروہ اور ابن شہاب زہریؒ کے واسطے سے۔ ان سے مستفید ہوئے۔

علوم القرآن میں گراں قدر خدمات

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے علوم اسلامیہ کے جو مخزن بنایا تھا، اس کا اظہار علوم القرآن میں بھی ہوا۔ حضرت علی علوم القرآن خصوصاً تفسیر القرآن، ناسخ ومنسوخ، ترتیب نزولی قراءت قرآن کریم میں بھی امامت کے منصب پر فائز ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس، جنہیں لوگ ''حبر الامۃ'' کہتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے براہ راست شاگرد ہیں اور عربی گرائمر (صرف ونحو) کے موجد ابو الاسود الدؤلی نہ صرف حضرت علیؓ کے شاگرد تھے۔ بلکہ انہیں صرف ونحو کے بنیادی اصولوں کی تعلیم بھی حضرت علیؓ نے عطا فرمائی تھی اور قراءت قرآن کریم کے کئی مکاتب آپ کی ذات سے منسوب ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: مجھ سے پوچھو! اللہ کی قسم تم مجھ سے جو بھی پوچھو گے میں اس کا ضرور جواب دوں گا اور تم مجھ سے اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بارے میں پوچھو! اللہ تعالیٰ کی قسم! قرآن مجید کی جو آیت بھی ہے میں جانتا ہوں کہ وہ دن کو اتری یا رات کو میدان میں اتری یا پہاڑ پر۔ قرآن کریم پر نقطے اور اعراب اگرچہ بعد کے دور میں لگے۔ مگر یہ تمام کام حضرت علیؓ کے شاگردوں اور ان کے شاگردوں نے انجام دیا۔ اس طرح حضرت علیؓ کی قرآنی خدمات کا پہلو بھی ان کے ''نبوغ علمی'' کا غماز اور اس پر شاہد ہے۔

تصوف واحسان

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات کو اور اللہ تعالیٰ نے جس طرح مجمع البحار بتایا تھا۔ اس کے علاوہ ایک پہلو ''علم تصوف و احسان'' میں ان کی خدمات بھی ہیں۔ اہل علم اس بات سے واقف ہیں کہ اسلام نے دنیا کو جہاں زندگی گزارنے کا عمدہ ترین نظام زندگی فراہم کیا جسے شریعت وقانون کہا جاتا ہے۔ وہاں اسلام نے دنیا کو روحانی تسکین اور ذہنی بالیدگی کا بھی

بہت اچھا نظام عطا کیا جو تصوف واحسان کے نام سے معروف ہے۔ تصوف واحسان کے چار معروف اور بنیادی طریقوں میں تین طریقے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منسوب ہیں۔ جو خواجہ حسن بصریؒ کے ذریعے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات سے مستفید ہوئے، اس طرح تصوف واحسان میں بھی حضرت علیؓ کی ذات بنیادی اہمیت کی حامل ہے۔

اسلام کا نظام حرب وضرب

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے ذہنی اور فکری اعلیٰ ترین صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ جسمانی طور پر بھی جس طرح شجاعت و بہادری کا جذبہ عطا کیا تھا۔ وہ اسلامی تاریخ کا ایک روشن باب ہے ...... انہوں نے تمام غزوات خصوصاً غزوۂ بدر، غزوۂ احد...... اور غزوۂ خیبر میں ...... بہادری اور شجاعت کے کارنامے انجام دیئے ...... وہ ناقابل فراموش حقیقت رکھتے ہیں۔ چنانچہ دور حاضر میں ...... اسلام کے نظام حرب وضرب کے سلسلے میں ہونے والے مطالعے میں...... ان کی ذات کو کلیدی اہمیت حاصل ہے...... جس میں وقت کے ساتھ ساتھ اضافہ ہو رہا ہے۔

بطور خطیب، شاعر اور ادیب

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات کو...... حق تعالیٰ نے جس طرح مجمع البحار اور جامع العلوم اور منبع صفات بنایا تھا...... اس کا اندازہ اس بات سے بھی ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ...... اپنے دور ہی کے نہیں بلکہ عرب کی تاریخ کے عظیم ترین خطیب تھے...... آپ کے خطبات سے ...... جنہیں بعد ازاں مختلف کتابوں، خصوصاً نہج البلاغہ وغیرہ میں جمع کیا گیا ہیں۔ واضح ہوتا ہے کہ آپ کو خطابت کا اعلیٰ ترین کمال حاصل تھا...... اور آپ نے خطابت کا ایک ایسا انداز متعارف کرایا۔ جس سے اس سے پہلے اور اس کے بعد...... دیکھنے میں نہیں آیا۔ (ماخوذ از خانوادۂ نبوی)

چند اہم واقعات

اولاد کو تین چیزیں ضرور سکھاؤ

امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنی اولاد کو تین خصلتوں (اور تین باتوں کے التزام) کا ادب سکھلاؤ ایک اپنے نبی کی محبت دوسری آپ کے اہل بیت (ازواج اور تمام اولاد) کی محبت تیسری قرآن مجید کا پڑھنا اس لئے کہ قرآن کے حفاظ کرام قیامت کے دن انبیاء اور اس کے برگزیدہ حضرات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سایہ میں ہوں گے جس دن اللہ (کے عرش کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا)...(دیلمی)

24 گھنٹے عبادت

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے کسی کافر نے پوچھا کہ آپ عبادت کب کرتے ہیں؟ آپ نے جواب میں فرمایا 24 گھنٹے اس کو بڑی حیرت ہوئی... اس نے پوچھا کہ آپ 24 گھنٹے عبادت کیسے کرتے ہیں؟ کیا آپکو کھانے پینے کی

ضرورت نہیں؟ کیا آپکو اٹھنے بیٹھنے اور سونے کیلئے وقت کی ضرورت نہیں؟ کیا آپکے بیوی بچے نہیں؟ کیا آپ کاروبار نہیں کرتے؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا! بھئی سب کچھ کرتا ہوں لیکن میں جو بھی عمل کرتا ہوں وہ اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے کے مطابق کرتا ہوں...اس لئے ہمارا 24 گھنٹے کا ہر لمحہ عبادت میں شمار ہوتا ہے...کاش ہم بھی زندگی کے ہر لمحہ کو عبادت کی طرح گزارنے والے بن جائیں...

صحابہ میں سب سے بہادر کون؟...شیر خدا کا فیصلہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک دن لوگوں میں بیان کر رہے تھے...انہوں نے فرمایا اے لوگو! بتاؤ لوگوں میں سب سے زیادہ بہادر کون ہے؟ لوگوں نے کہا اے امیر المؤمنین آپ...حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جو بھی میرے مقابلہ میں آیا میں تو اس پر غالب ہوا...سب سے بہادر تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں...ہم لوگوں نے (غزوۂ بدر کے موقع پر) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے چھپر بنایا تھا...پھر ہم نے کہا کہ کون حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ رہیگا تا کہ کوئی مشرک حضور صلی اللہ علیہ وسلم (پر حملہ) کا ارادہ نہ کر سکے۔

اللہ کی قسم! ہم میں سے کوئی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب نہ جا سکا بس ایک ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کی ہمت کی اور وہ ننگی تلوار لئے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے کھڑے رہے...جو کافر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آنے کا ارادہ کرتا یہ اس پر جھپٹتے...تو یہ ہیں لوگوں میں سب سے زیادہ بہادر (اخرجہ البزار)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ سے نوک جھونک

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اپنے داماد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں پہنچے گھر میں فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تنہا تھیں اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہیں تھے۔ بیٹی سے پوچھا: ''کہاں ہیں تمہارے چچا کے بیٹے؟'' بیٹی نے کہا: ''میرے اور ان کے درمیان کچھ ناگواری ہوگئی، وہ مجھ پر بگڑ گئے اور خفا ہو کر کہیں چلے گئے۔ یہاں انہوں نے قیلولہ بھی نہیں کیا۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے کہا: ''ذرا دیکھ کے تو آؤ علی کہاں ہیں؟'' اس آدمی نے بتایا: ''وہ مسجد کی دیوار سے لگے سو رہے ہیں۔'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پیچھے نکلے، دیکھا کہ وہ چت لیٹے ہوئے ہیں، چادر بھی کچھ سرک کر گر گئی ہے اور جسم پر مٹی لگ رہی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی پیٹھ سے مٹی جھاڑتے جا رہے تھے اور کہہ رہے تھے ''اُٹھ ابوتراب! اُٹھ ابوتراب!''

حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرنے کا پھل

جو انسان دین میں عقلی گھوڑے دوڑاتا ہے وہ گمراہ ہو جاتا ہے اور جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت کی نعمتوں سے مالا مال فرماتے ہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ حدیث بیان

کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتنی رات گئے گھر سے کیوں نکلے؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) بھوک نے گھر سے نکالا، نیند نہیں آرہی تھی کچھ دور آگے بڑھے تو دیکھا کہ کچھ صحابہ بھی بیٹھے ہیں ان سے جب دریافت کیا تو انہوں نے بھی یہی عذر پیش کیا، سامنے ایک کھجور کا درخت تھا سردی کا موسم تھا حالانکہ سردی کے موسم میں کھجور نہیں ہوتی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: "اے علی! اس درخت سے کہو کہ اللہ کا رسول کہتا ہے کہ ہمیں کھجوریں کھلاؤ۔" حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ درخت کے قریب گئے اور فرمایا اے درخت اللہ کا رسول کہتا ہے کہ ہمیں کھجوریں کھلاؤ۔ حدیث میں ہے کہ درخت کے پتوں سے کھجوریں گرنے لگیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دامن بھرا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔

اپنی رائے کو وحی کی طرح حق نہ سمجھے

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا اے ابوالحسن! مجھے کچھ نصیحت کرو۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا (۱) آپ اپنے یقین کو شک نہ بنائیں (یعنی مثلاً روزی کا ملنا یقینی ہے اس کی تلاش میں اس طرح اور اتنا نہ لگیں کہ گویا آپ کو اس میں کچھ شک ہے) (۲) اور اپنے علم کو جہالت نہ بنائیں (جو علم پر عمل نہیں کرتا وہ اور جاہل دونوں برابر ہوتے ہیں۔) (۳) اور اپنے گمان کو حق نہ سمجھیں (یعنی آپ اپنی رائے کو وحی کی طرح حق نہ سمجھیں)۔ اور یہ بات آپ جان لیں کہ آپ کی دنیا تو صرف اتنی ہے کہ جو آپ کو ملی اور آپ نے اسے آگے چلا دیا یا تقسیم کر کے برباد کر دیا یا پہن کر پرانا کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اے ابوالحسن! آپ نے سچ کہا۔ (اخرجہ ابن عساکر کذا فی الکنز' جلد ۸' صفحہ ۲۲۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا زہد وقناعت

حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ خزانے میں تشریف لے گئے تو سونے اور چاندی کے ڈھیر لگے ہوئے تھے "بیت المال میں لاکھوں روپیہ جمع تھا..... سونے چاندی کو خطاب کر کے فرمایا یا دنیا غوی غیری اے دنیا دھوکہ کسی اور کو دینا..... ہم تیرے دھوکہ میں آنے والے نہیں..... اور خزانچی کو اس وقت حکم دیا کہ غربا میں دولت تقسیم کی جائے رات بھر دولت تقسیم ہوئی..... اندازہ لگایا تو لاکھوں روپے تقسیم ہوئے یہ لوگ تھے جو پہلے ایک ایک پائی کے لئے جان دیتے تھے اور آج خزانے پڑے ہوئے ہیں اور اس کو خطاب کر رہے ہیں کہ ہم تجھ پر رکھنے والے نہیں..... ہم تجھ پر مرنے والے نہیں ہیں یہ کایا پلٹ کہاں سے ہوئی! اس قرآن نے ہی تو دلوں کو بدل دیا تھا روحوں کو پلٹ کر رکھ دیا تھا پہلے مال کی محبت تھی اب کمال کی محبت ہوئی پہلے مخلوق کی محبت تھی اب خالق کی محبت شروع ہوئی اور محبت میں مستغرق ہو گئے..... غرق ہو گئے..... کہاں سے کہاں پہنچ گئے..... (خطبات طیب)

صدقہ کرنے کا عجیب انداز

حضرت عبیداللہ بن محمد بن عائشہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ ایک سائل امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑا ہوا' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ یا حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اپنی والدہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ میں نے آپ کے پاس چھ درہم رکھوائے تھے اُن میں سے ایک درہم دے دو' وہ گئے اور انہوں نے واپس آ کر کہا' امی جان کہہ رہی ہیں وہ چھ درہم تو آپ نے آٹے کے لیے رکھوائے تھے...

جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کسی بھی بندے کا ایمان اس وقت تک سچا ثابت نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کو جو چیز اس کے پاس ہے اس سے زیادہ اعتماد اس چیز پر نہ ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں ہے... اپنی والدہ سے کہو کہ چھ درہم بھیج دیں... چنانچہ انہوں نے چھ درہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھجوا دیئے... جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سائل کو دے دیئے... راوی کہتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی نشست بھی نہیں بدلی تھی کہ اتنے میں ایک آدمی ان کے پاس سے ایک اونٹ لیے گزرا جسے وہ بیچنا چاہتا تھا.. حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا اونٹ کتنے میں دو گے؟ اس نے کہا ایک سو چالیس درہم میں... حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا اسے یہاں باندھ دو البتہ اس کی قیمت کچھ عرصے بعد دیں گے... وہ آدمی اونٹ وہاں باندھ کر چلا گیا.. تھوڑی دیر میں ایک آدمی آیا اور اس نے کہا یہ اونٹ کس کا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرا... اس آدمی نے کہا کہ آپ اسے بیچیں گے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں' اس آدمی نے کہا' کتنے میں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا دو سو درہم میں' اس نے کہا میں نے اس قیمت میں یہ اونٹ خرید لیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دو سو درہم دے کر وہ اونٹ لے گیا.. حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جس آدمی سے اونٹ اُدھار خریدا تھا اسے ایک سو چالیس درہم دیئے اور باقی ساٹھ درہم لا کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیئے... انہوں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا یہ وہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ہم سے وعدہ کیا ہے... "مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا" (سورۂ انعام: آیت ۱۶۰)

ترجمہ: "جو شخص نیک کام کریگا اسکو اسکے دس حصے ملیں گے" (حیاۃ الصحابہ جلد ۲ صفحہ ۲۰۲)

ایک پیچیدہ سوال کا حل

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ صحابہ میں میراث کے مسائل کے سب سے زیادہ جاننے والے علیؓ تھے .... ایک عورت حضرت علیؓ کے پاس آئی کہ آپ کے قاضی صاحب نے مجھے میراث میں ایک دینار دیا ہے .... حالانکہ میرے بھائی نے چھ سو دینار ترکہ چھوڑا ہے .... حضرت علیؓ نے سوچا پھر اس خاتون سے آپ نے کچھ سوالات پوچھے کہ مرحوم بھائی کی دو بچیاں بھی ہیں .... عورت نے ہاں میں جواب دیا فرمایا 2/3 وہ لے گئیں .... یعنی چھ میں سے

چار سو دینار پھر پوچھا کہ مرحوم کی ماں بھی زندہ ہیں.... عورت نے ہاں میں جواب دیا فرمایا 1/6 وہ لے گئی.... یعنی چھ سو میں سے ایک سو پھر پوچھا کہ مرحوم کی بیوی بھی زندہ ہے.... عورت نے ہاں میں جواب دیا فرمایا 1/8 وہ لے گئی.... یعنی چھ سو میں سے 75 دینار پھر پوچھا کہ بی بی کیا تمہارے بارہ بھائی بھی ہیں.... اس نے ہاں میں جواب دیا فرمایا 24 دینار وہ لے گئے تو آپ کا ایک دینار بنتا ہے اور قاضی صاحب کا فیصلہ صحیح ہے.... (الطریق الحکمیہ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک قبر پر گزر

کمیلؒ ایک شخص ہیں کہتے ہیں کہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ' کے ساتھ ایک مرتبہ جا رہا تھا۔ وہ جنگل میں پہنچے پھر ایک مقبرہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ اے مقبرہ والو! اے بوسیدگی والو۔ اے وحشت اور تنہائی والو! کیا خبر ہے کیا حال ہے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ ہماری خبر تو یہ ہے کہ تمہارے بعد اموال تقسیم ہو گئے اولادیں یتیم ہو گئیں۔ بیویوں نے دوسرے خاوند کر لئے۔ یہ تو ہماری خبر ہے کچھ اپنی تو کہو۔ اس کے بعد میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ کمیل! اگر ان لوگوں کو بولنے کی اجازت ہوتی اور یہ بول سکتے تو یہ لوگ جواب میں کہتے کہ بہترین توشہ تقویٰ ہے۔ یہ فرمایا اور پھر رونے لگے اور فرمایا' اے کمیل! قبر عمل کا صندوق ہے اور موت کے وقت بات معلوم ہو جاتی ہے۔ (منتخب کنز)

فائدہ: یعنی آدمی جو کچھ اچھا یا بُرا کام کرتا ہے وہ اس قبر میں محفوظ رہتا ہے جیسا کہ صندوق میں۔ متعدد احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ نیک اعمال اچھے آدمی کی صورت میں ہوتے ہیں۔ جو میت کے جی بہلانے اور اُنس پیدا کرنے کیلئے رہتا ہے اور اس کی دلداری کرتا ہے اور برے اعمال بری صورت میں بدبودار بن کر آتے ہیں۔ جو اور بھی اذیت کا سبب ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ آدمی کے ساتھ تین چیزیں قبر تک جاتی ہیں۔ اس کا مال (جیسا کہ عرب میں دستور تھا) اس کے رشتہ دار اور اعمال۔ دو چیزیں مال اور رشتہ دار دفن کر کے واپس آ جاتے ہیں۔ عمل اس کے ساتھ رہ جاتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہؓ سے ارشاد فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری مثال اور تمہارے اہل وعیال اور مال و اعمال کی مثال کیا ہے۔ صحابہؓ کے دریافت فرمانے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اسکی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص کے تین بھائی ہوں اور وہ مرنے لگے اسوقت ایک بھائی کو بلائے اور پوچھے کہ بھائی تجھے میرا حال معلوم ہے کہ مجھ پر کیا گذر رہی ہے اسوقت تو میری کیا مدد کرے گا۔ وہ جواب دیتا ہے کہ تیری تیمارداری کروں گا۔ علاج کرونگا۔ ہر قسم کی خدمت کرونگا اور جب تو مر جائے گا تو نہلاؤں گا' کفن پہناؤں گا اور کاندھے پر اُٹھا کر لے جاؤں گا اور دفن کے بعد تیرا ذکر خیر کروں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بھائی تو اہل و عیال ہیں۔ پھر وہ دوسرے بھائی سے یہی سول کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ میرا تیرا واسطہ زندگی کا ہے جب تو مر جاوے گا تو میں دوسری جگہ پر چلا جاؤں گا۔ یہ بھائی مال ہے۔ پھر وہ تیسرے بھائی کو بلا کر پوچھتا ہے۔ کہتا ہے کہ میں قبر میں تیرا ساتھی ہوں' وحشت کی جگہ تیرا دل بہلانے والا ہوں۔ جب تیرا حساب کتاب ہونے لگے تو نیکیوں کے پلڑے میں بیٹھ

کر اس کو جھکاؤں گا۔ یہ بھائی عمل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اب بتلاؤ کون سا بھائی کارآمد ہوا۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ یہی بھائی کارآمد ہے۔ پہلے دونوں تو بے فائدہ ہی رہے۔ (ایضاً)

اُحد کی لڑائی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہادری

غزوۂ اُحد میں مسلمانوں کو کچھ شکست ہوئی تھی جس کی بڑی وجہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد پر عمل نہ کرنا تھی جس کا ذکر باب ا قصہ نمبر ۲ میں گذر چکا ہے۔ اس وقت مسلمان چاروں طرف سے کفار کے بیچ میں آ گئے جسکی وجہ سے بہت سے لوگ شہید بھی ہوئے اور کچھ بھاگے بھی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی کفار کے ایک جتھے کے بیچ میں آ گئے اور کفار نے یہ مشہور کر دیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے۔ صحابہؓ اس خبر سے بہت پریشان حال تھے اور اسی وجہ سے بہت سے بھاگے بھی اور ادھر اُدھر متفرق ہو گئے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں کہ جب کفار نے مسلمانوں کو گھیر لیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میری نظر سے اوجھل ہو گئے تو میں نے حضور کو اوّل زندوں میں تلاش کیا نہ پایا۔ پھر شہداء میں جا کر تلاش کیا وہاں بھی نہ پایا تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لڑائی سے بھاگ جائیں۔ بظاہر حق تعالیٰ شانہٗ ہمارے اعمال کی وجہ سے ہم پر ناراض ہوئے اس لئے اپنے پاک رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان پر اُٹھا لیا اس لئے اب اس سے بہتر کوئی صورت نہیں کہ میں بھی تلوار لیکر کافروں کے جتھے میں گھس جاؤں یہاں تک کہ مارا جاؤں۔ میں نے تلوار لے کر حملہ کیا یہاں تک کہ کفار بیچ میں سے ہٹتے گئے اور میری نگاہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑ گئی تو بیحد مسرت ہوئی اور میں نے سمجھا کہ اللہ جل شانہٗ نے ملائکہ کے ذریعہ سے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی۔ میں حضور کے پاس جا کر کھڑا ہوا کہ ایک جماعت کی جماعت کفار کی حضور پر حملہ کیلئے آئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ علیؓ ان کو روکو۔ میں نے تنہا اس جماعت کا مقابلہ کیا۔ اور اُن کے منہ پھیر دیئے اور بعضوں کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد پھر ایک اور جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کی نیت سے بڑھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر حضرت علیؓ کی طرف اشارہ فرمایا۔ اُنہوں نے پھر تنہا اس جماعت کا مقابلہ کیا۔

اس کے بعد حضرت جبرئیل نے آ کر حضرت علیؓ کی اس جوانمردی اور مدد کی تعریف کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِنَّهٗ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْهُ بیشک علیؓ مجھ سے ہیں اور میں علیؓ سے ہوں۔ یعنی کمال اتحاد کی طرف اشارہ فرمایا تو حضرت جبرئیل نے عرض کیا وَاَنَا مِنْكُمَا میں تم دونوں سے ہوں۔ (قرۃ العیون)

فائدہ: ایک تنہا آدمی کا جماعت سے بھڑ جانا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ذات کو نہ پا کر مر جانے کی نیت سے کفار کے جمگھٹے میں گھس جانا جہاں ایک طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سچی محبت اور عشق کا پتہ دیتا ہے وہاں دوسری جانب کمال بہادری اور دلیری جرأت کا بھی نقشہ پیش کرتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سخاوت

حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ بہت بیمار ہو گئے تو حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما نے نذر (منت) مانی کہ اگر یہ تندرست ہو جائیں تو شکرانہ کے طور پر تین.... تین روزے رکھیں گے.... اللہ تعالیٰ شانہ کے فضل سے صاحبزادوں کو صحت ہو گئی.... ان حضرات نے شکرانے کے روزے رکھنے شروع فرما دیئے اگرچہ گھر میں نہ سحر کے لئے کچھ تھا نہ افطار کے لئے.... فاقہ پر روزہ شروع کر دیا.... صبح کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک یہودی کے پاس تشریف لے گئے جس کا نام شمعون تھا کہ اگر تو کچھ اون دھاگا بنانے کے لئے اجرت پر دے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی اس کام کو کر دے گی.... اس نے اون کا ایک گٹھڑ تین صاع جو کی اجرت طے کر کے دے دیا.... حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس میں سے ایک تہائی کا تا اور ایک صاع جو اجرت کے لئے ان کو پیسا اور پانچ نان اس کے تیار کئے ایک ایک اپنا میاں بیوی کا دونوں صاحبزادوں کے اور ایک باندی کا.... جس کا نام فضہ تھا.... روزہ میں دن بھر کی مزدوری اور محنت کے بعد جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھ کر لوٹے اور کھانا کھانے کے لئے دستر خوان بچھایا گیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ٹکڑا توڑا ہی تھا کہ ایک فقیر نے دروازہ سے آواز دی کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والو! میں ایک فقیر مسکین ہوں مجھے کھانا دو.... اللہ جل شانہ تمہیں جنت کے دستر خوان سے کھانا کھلائے .... حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ہاتھ روک لیا.... حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے مشورہ کیا انہوں نے فرمایا ضرور دے دیجئے.... وہ سب روٹیاں اس کو دے دیں اور گھر والے سب کے سب فاقہ سے رہے اسی حال میں دوسرے دن کا روزہ شروع کر دیا.... دوسرے دن میں پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دوسری تہائی اون کی کاتی اور ایک صاع جو کا اجرت لے کر پیسا.... روٹیاں پکائیں اور جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھ کر تشریف لائے اور سب کے سب کھانے کے لئے بیٹھے تو ایک یتیم نے دروازہ سے سوال کیا اور اپنی تنہائی اور فقر کا اظہار کیا.... ان حضرات نے اس دن کی روٹیاں اس کے حوالہ کر دیں اور خود پانی پی کر تیسرے دن کا روزہ شروع کر دیا اور صبح کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اون کا باقی حصہ کاتا اور ایک صاع جو کا جو رہ گیا تھا وہ لے کر پیسا.... روٹیاں پکائیں اور مغرب کی نماز کے بعد جب کھانے بیٹھے تو ایک قیدی نے آکر آواز دے دی اور اپنی سخت حاجت اور پریشانی کا اظہار کیا.... ان حضرات نے اس دن کی روٹیاں بھی اس کو دے دیں اور خود فاقہ سے رہے.... چوتھے دن صبح کو روزہ تو تھا نہیں لیکن کھانے کو بھی کچھ نہیں تھا.... حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں صاحبزادوں کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے.... بھوک اور ضعف کی وجہ سے چلنا بھی مشکل ہو رہا تھا.... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تمہاری تکلیف اور تنگی کو دیکھ کر مجھے بہت ہی تکلیف ہوتی ہے چلو فاطمہؓ کے پاس چلیں.... حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے وہ نماز پڑھ رہی تھیں بھوک کی شدت

سے آنکھیں گڑ گئی تھیں.... پیٹ کمر سے لگ رہا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے سینے سے لگایا اور حق تعالیٰ سے فریاد کی اس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام سورہ دہر کی آیات وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ○ (اور وہ لوگ (محض) خدا کی محبت سے غریب اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں)....لے کر آئے اور اس پروانہ خوشنودی کی مبارک باد دی....'' (فضائل صدقات)

حضرت علی رضی اللہ عنہ میں چالیس آدمیوں کی طاقت

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی کمائی کر سکتا تھا خیبر کے دروازے کو اکیلے پکڑ کر اٹھا کر پھینک دیا علی ایسے طاقتور تھے کہ خیبر کے دروازے کو جسے چالیس آدمی کھولتے تھے...اسے پکڑا اور اٹھا کر پھینک دیا گیا......

حضرت علی رضی اللہ عنہ سردی میں باہر پھر رہے ہیں پریشان ہیں اتنے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی باہر نکلے آپ نے فرمایا اے علی! سردی میں کیا کر رہے ہو؟

عرض کیا یا رسول اللہ! میں کیا کروں بھوک اتنی سخت لگی ہوئی ہے کہ گھر میں بیٹھا نہیں جاتا اور اوپر سے سردی میں بھوک بھی زیادہ لگتی ہے...

آپ نے فرمایا علی میں بھی بھوکا ہوں مجھے بھی بھوک نے گھر سے نکالا ہے...آگے چلے تو کچھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیٹھے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہاں کیا کر رہے ہو؟

کہا یا رسول اللہ! بھوک کی شدت نے گھر سے باہر نکال دیا ہے...فرمایا اچھا بھائی! اب تو کچھ کرنا ہی پڑے گا ایک کھجور کا درخت سامنے کھڑا ہے سردی کا زمانہ ہے...سردی میں کھجوریں کہاں سے آتی ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے علی جاؤ اس کھجور سے کہو کہ اللہ کا رسول کہتا ہے کہ ہمیں کھجور کھلاؤ...حضرت علی رضی اللہ عنہ دوڑے دوڑے گئے کھجور کے درخت سے کھجور گرانے کو کہا تو کھجور کے پتوں سے کھجوریں ٹپ ٹپ گرنے لگیں ہم سے تو کھجوریں ہی اچھی تھیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو مانتی تھیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جھولی بھر گئی آپ اٹھا کے لائے کہ بھائی کھاؤ...سب کو کھلایا خود بھی کھایا ان کو بھی کھلایا پیٹ بھر گیا کچھ بچ گئیں فرمایا جاؤ یہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بھی دے آؤ وہ بھی کئی دنوں سے بھوکی ہیں یوں بھوک پر امت کو اٹھایا...(ایمان افروز واقعات ص ۱۵۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور خشوع و خضوع

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ران میں تیر لگا اور تیر نوکدار تھا...اندر پھنس گیا...نکالنا چاہا نکل نہیں سکا...بڑی تکلیف ہوئی تو انہوں نے کہا چھوڑ دو...نماز پڑھیں گے تو نکال لیں گے...تشریف لائے مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے...نماز شروع کی لوگ آئے اور انہوں نے بڑے جھٹکے سے اس کو نکالا ہوگا ویسے تو نکل نہیں سکتا تھا...لیکن جسم سے روح کٹ کر اللہ سے جڑی ہوئی تھی...

سلام پھیرنے کے بعد پوچھا کہ تیر نکالنے آئے ہو؟ کہا کہ تیر تو ہم نے نکال لیا جی... کہا کہ مجھے تو پتہ ہی نہیں چلا... یقیناً ہماری نماز یہاں تک نہیں پہنچ سکتی لیکن میں قسم کھانے کو تیار ہوں کہ یہاں تک ہماری آسکتی ہے کہ اللہ اکبر سے لے کر سلام پھیرنے تک کسی کا خیال نہ آئے... ہم اس کی محنت ہی نہیں کرتے... ہماری ساری محنت کا رخ اپنے ظاہر کو بنانے پر ہے اور اپنی چیزوں کو سنوارنے پر ہے... (اصلاحی واقعات ص ۱۷۸)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اشعار پر ملال

جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا... اس سے بڑی خاتون کائنات میں کہاں سے آئے گی؟ کون سی ماں فاطمہ رضی اللہ عنہا جیسی بیٹی جن سکتی ہے... تو موت نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو باہر کھڑا کر دیا اور مٹی میں ڈال دیا فاطمہ جیسی شہزادی کو... آپ نے قبر پہ کھڑے ہو کر اشعار کہے... (جن کا ترجمہ یہ ہے)

ہر جوڑ کے لیے ٹوٹنا مقدر ہو چکا ہے... ہر جوڑ توڑ میں بدلے گا اور ہر ساتھ ٹوٹے گا... اور موت سے پہلے کا ساتھ کوئی ساتھ نہیں... وہ تو پل بھر میں ختم ہو جاتا ہے... خاک کی طرح آگے گزر جاتا ہے... میں نے پہلے احمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کھویا پہلے اپنے حبیب کو کھویا... پھر فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کھویا... یہ اس بات کی نشانی ہے کہ یہاں کسی کی یاری تو ڑ نہ نبھے گی اور اگر میں مر گیا اور کل کو قبر کے نیچے چلا گیا تو رونے والیوں کا رونا میرے کس کام کا ہے؟

ہمیں کیا جو تربت پہ میلے رہیں گے   تہہ خاک ہم تو اکیلے رہیں گے

تو اگر قبر حشر کی منزلوں کو عزت کے ساتھ اور سلامتی کے ساتھ طے کرنا ہے تو محمدی بننا پڑے گا... اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں... حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سانچے میں ڈھلنا ہوگا... اپنے سانچے توڑ دیں... (اصلاحی واقعات ص ۲۰۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایمان کامل

حضرت علی رضی اللہ عنہ عشاء کی نماز پڑھ کے گھر کی طرف نکلے تو ساتھی پہرہ دے رہے ہیں... کہا یہ کیوں پہرہ ہے کہا آپ کو خطرہ ہے اس لیے پہرہ دے رہے ہیں فرمایا کس کی وجہ سے پہرہ دے رہے ہو زمین والوں سے یا آسمان والے سے؟ کہا آسمان والے سے پہرہ کون دے سکتا ہے ہم زمین والوں سے پہرہ دے رہے ہیں... فرمایا جاؤ سو جاؤ آسمان والا جب طے کرتا ہے تو زمین والوں کے پہرے نفع نہیں دیتے جب آسمان والا طے نہیں کرتا تو یہاں تیر و تلوار کچھ اثر نہیں کرتا جاؤ آرام کرو... واپس بھیج دیا... (اصلاحی واقعات ص ۲۸۵)

تین عجیب سوال اور علی رضی اللہ عنہ کے عجیب جواب

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: اے ابوالحسن! کئی مرتبہ آپ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں موجود ہوتے تھے اور ہم غائب ہوتے تھے اور کبھی ہم موجود ہوتے تھے اور آپ غیر حاضر۔ تین باتیں میں آپ سے پوچھنا چاہتا

ہوں' کیا آپ کو وہ معلوم ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: وہ تین باتیں کیا ہیں؟

❶ ...حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایک آدمی کو ایک آدمی سے محبت ہوتی ہے حالانکہ اس نے اس میں کوئی خیر کی بات نہیں دیکھی ہوتی اور ایک آدمی کو ایک آدمی سے دوری ہوتی ہے حالانکہ اس نے اس میں کوئی بری بات دیکھی نہیں ہوتی اس کی کیا وجہ ہے؟ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ہاں اس کا جواب مجھے معلوم ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انسانوں کی روحیں ازل میں ایک جگہ اکٹھی رکھی ہوئی تھیں' وہاں وہ ایک دوسرے کے قریب آ کر آپس میں ملتی تھیں جن میں وہاں آپس میں تعارف ہو گیا ان میں یہاں دُنیا میں اُلفت ہو جاتی ہے اور جن میں وہاں اجنبیت رہی وہ یہاں دُنیا میں ایک دوسرے سے الگ رہتے ہیں......

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ایک بات کا جواب مل گیا۔

❷ ...دوسری بات یہ ہے کہ آدمی حدیث بیان کرتا ہے کبھی اسے بھول جاتا ہے' کبھی یاد آ جاتی ہے اس کی کیا وجہ ہے؟...... حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ جیسے چاند کا بادل ہوتا ہے ایسے ہی دل کے لیے بھی بادل ہے' چاند خوب چمک رہا ہوتا ہے' بادل اس کے سامنے آ جاتا ہے تو اندھیرا ہو جاتا ہے اور جب بادل ہٹ جاتا ہے چاند پھر چمکنے لگتا ہے' ایسے ہی آدمی ایک حدیث بیان کرتا ہے وہ بادل اس پر چھا جاتا ہے تو وہ حدیث بھول جاتا ہے اور جب اس سے وہ بادل ہٹ جاتا ہے تو اسے وہ حدیث یاد آ جاتی ہے...... حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: دو باتوں کا جواب مل گیا۔

❸ ...تیسری بات یہ ہے کہ آدمی خواب دیکھتا ہے تو کوئی خواب سچا ہوتا ہے کوئی جھوٹا اس کی کیا وجہ ہے؟ ......حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جی ہاں! اس کا جواب بھی مجھے معلوم ہے۔

میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو بندہ یا بندی گہری نیند سو جاتا ہے تو اس کی روح کو عرش تک چڑھایا جاتا ہے جو روح عرش پر پہنچ کر جاگتی ہے اس کا خواب تو سچا ہوتا ہے اور جو اس سے پہلے جاگ جاتی ہے اس کا خواب جھوٹا ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں ان تین باتوں کی تلاش میں ایک عرصہ سے لگا ہوا تھا' اللہ کا شکر ہے کہ میں نے مرنے سے پہلے ان کو پا لیا۔ (حیاۃ الصحابہ: ۲۴۹/۳)

ایک پیچیدہ مقدمہ اور اس کا فیصلہ

یہ واقعہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دورِ مبارک کا ہے۔ دو مسافر کافی چلنے کے بعد تھک گئے تو انہیں شدت سے بھوک محسوس ہوئی۔ دونوں ایک سایہ دار درخت کے نیچے اطمینان سے بیٹھ گئے اور اپنے اپنے توشے دستر خوان پر رکھ دیئے۔ ایک کے پاس پانچ روٹیاں تھیں اور دوسرے کے پاس تین۔ ابھی کھانا شروع بھی نہیں کیا تھا کہ ایک تیسرا مسافر پاس سے گزرا' اس نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا اور اسے کھانے کی دعوت دی' وہ بے تکلف ہو کر

شریک ہوگیا۔ تینوں نے روٹیاں برابر کھائیں، کھانا ختم ہونے کے بعد وہ صاحب کھڑے ہوئے اور ان دونوں کے پاس آٹھ درہم رکھتے ہوئے کہا: میں نے آپ دونوں صاحبان کا جو کھانا تناول کیا ہے اس کے عوض یہ درہم رکھ لیجئے۔

وہ صاحب تو دام دے کر چلے گئے مگر ان دونوں حضرات کے درمیان بٹوارے کو لے کر تنازع (جھگڑا) شروع ہوگیا۔ جن صاحب کی پانچ روٹیاں تھیں ان کا کہنا تھا کہ "پانچ درہم میرے اور تین تمہارے"......

انہوں نے یہ فیصلہ شاید اس لیے کیا کہ وہ سمجھ رہے تھے کہ رقم دینے والے نے آٹھ درہم اسی لیے دیئے کہ ہر روٹی کے عوض ایک درہم دیا جائے۔ اس لیے پانچ روٹی کے مالک اپنے حق میں پانچ درہم رکھنا چاہتے تھے اور دوسرے صاحب کو تین روٹی کے عوض تین درہم دینا چاہتے تھے۔

مگر دوسرے صاحب تین درہم لینے کے لیے تیار نہیں تھے۔

ان کا کہنا تھا کہ یہ رقم چونکہ دونوں کو ایک ساتھ دی ہے۔ اس لیے اس کے برابر حصے کیجئے اس طرح میرے حصے میں چار درہم آنے چاہئیں، وہ چار درہم لینے کے لیے بضد تھے۔ آخر باہمی گفت وشنید (کہنے سننے) سے مسئلہ حل نہ ہوسکا تو وہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں فیصلے کے لیے حاضر ہوئے۔ دونوں نے پورا واقعہ تفصیلاً بیان کردیا۔ پورا واقعہ سننے کے بعد آپ نے تین روٹی والے سے فرمایا کہ جب تمہارا ساتھی تین درہم تمہیں دینے کے لیے تیار ہے تو تم تین درہم پر راضی ہو جاؤ۔ لیکن وہ چار پر ہی اڑ گیا۔

آپ نے اس سے فرمایا: ویسے وہ تمہیں تین درہم دے کر تم پر احسان ہی کرنا چاہتا ہے ورنہ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ تمہیں ایک ہی درہم ملنا چاہیے! اس شخص نے بہت ہی ادب سے کہا سبحان اللہ! اگر انصاف کا یہی تقاضا ہے تو مجھے اس کی وجہ بتائیے میں اُسے قبول کرلوں گا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے سمجھاتے ہوئے فرمایا: روٹیاں آٹھ تھیں اور کھانے والے تین۔ ظاہر ہے کہ تین پر آٹھ برابر تقسیم نہیں ہوسکتے۔ اس لیے مانا یہ جائے گا کہ سب نے برابر روٹیاں کھائی ہیں تو سب کو مساوی کرنے کے لیے روٹیوں کے حصہ یا ٹکڑے مانے جائیں۔ ہر روٹی کو تین ٹکڑوں میں تقسیم کیا جائے۔ اس طرح آٹھ روٹیوں کے چوبیس (۲۴) ٹکڑے ہوئے۔ اس حساب سے ہر شخص نے روٹی کے آٹھ ٹکڑے کھائے۔ اب چونکہ تمہاری تین روٹیاں تھیں۔ اس لیے اس کے نو (۹) ٹکڑے ہوئے جس میں سے آٹھ ٹکڑے تم نے کھالیے۔ باقی بچا ایک ٹکڑا جو تیسرے شخص نے کھایا...... تمہارے ساتھی کے پاس پانچ روٹیاں تھیں ان کے پندرہ ٹکڑے ہوئے جن میں سے آٹھ ٹکڑے اس نے کھائے، باقی بچے سات ٹکڑے جو تیسرے صاحب نے کھائے تو معلوم ہوا کہ اس شخص نے تمہاری روٹی کا صرف ایک ہی ٹکڑا کھایا۔ اس لیے تمہارا حق صرف ایک درہم ہے اور تیسرے نے اس ساتھی کی روٹی کے سات ٹکڑے کھائے اس لیے اس کا حق سات درہم ہے۔ وہ شخص اس فیصلہ پر راضی ہوگیا...... غور فرمائیے! مقدمہ کتنا پیچیدہ تھا اور کتنی آسانی سے فیصلہ ہوگیا۔ (تاریخ الخلفاء للسیوطی: ص ۵۹)

آپ کے ساتھ خدا کی خصوصی قدرت کا مظاہرہ

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سردیوں میں ایک لنگی اور ایک چادر اوڑھ کر باہر نکلا کرتے تھے اور یہ دونوں کپڑے پتلے ہوتے تھے اور گرمیوں میں موٹے کپڑے اور ایسا جبہ پہن کر نکلا کرتے تھے جس میں روئی بھری ہوتی تھی۔ لوگوں نے مجھ سے کہا آپ کے ابا جان رات کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے باتیں کرتے ہیں آپ اپنے ابا جان سے کہیں کہ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس بارے میں پوچھیں۔ میں نے اپنے والد سے کہا ''لوگوں نے امیر المؤمنین کا ایک کام دیکھا ہے جس سے وہ حیران ہیں'' میرے والد نے کہا وہ کیا ہے؟ میں نے کہا ''وہ سخت گرمی میں روئی والے جبہ اور موٹے کپڑوں میں باہر آتے ہیں اور انہیں گرمی کی کوئی پروا نہیں ہوتی اور سخت سردی میں پتلے کپڑوں میں باہر آتے ہیں نہ انہیں سردی کی کوئی پرواہوتی ہے اور نہ وہ سردی سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں تو کیا آپ نے ان سے اس بارے میں کچھ سنا ہے؟ لوگوں نے مجھے کہا ہے کہ جب آپ رات کو ان سے باتیں کریں تو یہ بات بھی ان سے پوچھ لیں۔''

چنانچہ جب رات کو میرے والد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے تو ان سے کہا ''اے امیر المؤمنین! لوگ آپ سے ایک چیز کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہیں؟'' حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا وہ کیا ہے؟ میرے والد نے کہا ''آپ سخت گرمی میں روئی والا جبہ اور موٹے کپڑے پہن کر باہر آتے ہیں اور سخت سردی میں دو پتلے کپڑے پہن کر باہر آتے ہیں نہ آپ کو سردی کی پرواہوتی ہے اور نہ اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں؟'' حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ''اے ابولیلیٰ! کیا آپ خیبر میں ہمارے ساتھ نہیں تھے؟'' میرے والد نے کہا اللہ کی قسم! میں آپ لوگوں کے ساتھ تھا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا وہ لوگوں کو لے کر قلعہ پر حملہ آور ہوئے لیکن قلعہ فتح نہ ہو سکا' وہ واپس آ گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا وہ لوگوں کو لے کر حملہ آور ہوئے لیکن قلعہ فتح نہ ہو سکا' وہ بھی واپس آ گئے۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اب میں جھنڈا ایسے آدمی کو دوں گا جسے اللہ اور اس کے رسول سے بہت محبت ہے' اللہ اس کے ہاتھوں فتح نصیب فرمائے گا اور وہ بھگوڑا بھی نہیں ہے۔'' چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی بھیج کر مجھے بلایا' میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' میری آنکھ دُکھ رہی تھی مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری آنکھوں پر لعاب دہن لگایا اور یہ دُعا کی اے اللہ! گرمی اور سردی سے اس کی حفاظت فرما! اس کے بعد مجھے نہ کبھی گرمی لگی اور نہ کبھی سردی'' ابونعیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روایت میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دونوں ہتھیلیوں پر لعاب لگایا اور پھر دونوں ہتھیلیاں میری آنکھوں پر مل دیں اور یہ دُعا فرمائی' اے اللہ! اس سے گرمی اور سردی دور کر دے!...... اس ذات کی قسم! جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حق

دے کر بھیجا ہے اس کے بعد سے آج تک گرمی اور سردی نے مجھے کچھ تکلیف نہیں پہنچائی۔

طبرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت سوید بن غفلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہماری حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سردیوں میں ملاقات ہوئی انہوں نے صرف دو کپڑے پہن رکھے تھے۔ ہم نے ان سے کہا آپ ہمارے علاقہ سے دھوکہ نہ کھائیں ہمارا علاقہ آپ کے علاقہ جیسا نہیں ہے یہاں سردی بہت زیادہ پڑتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: مجھے سردی بہت لگا کرتی تھی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے خیبر بھیجنے لگے تو میں نے عرض کیا کہ میری آنکھیں دُکھ رہی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری آنکھوں پر لعاب لگایا اور اس کے بعد نہ مجھے کبھی گرمی لگی اور نہ کبھی سردی اور نہ کبھی میری آنکھیں دکھنے آئیں۔ (حیاۃ الصحابہ: جلد ۳ صفحہ ۳۷۰)

اللہ کے خزانے سے دس درہم لو

حضرت عبیداللہ بن محمد بن عائشہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ ایک سائل امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑا ہوا' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ یا حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اپنی والدہ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ میں نے آپ کے پاس چھ درہم رکھوائے تھے اُن میں سے ایک درہم دے دو' وہ گئے اور انہوں نے واپس آ کر کہا' امی جان کہہ رہی ہیں وہ چھ درہم رضی اللہ عنہ تو آپ نے آٹے کے لیے رکھوائے تھے۔

جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کسی بھی بندے کا ایمان اس وقت تک سچا ثابت نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کو جو چیز اس کے پاس ہے اس سے زیادہ اعتماد اس چیز پر نہ ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں ہے۔

اپنی والدہ سے کہو کہ چھ درہم بھیج دیں۔ چنانچہ انہوں نے چھ درہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھجوا دیئے۔ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سائل کو دے دیئے۔ راوی کہتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی نشست بھی نہیں بدلی تھی کہ اتنے میں ایک آدمی ان کے پاس سے ایک اونٹ لیے گزرا جسے وہ بیچنا چاہتا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا اونٹ کتنے میں دو گے؟ اس نے کہا ایک سو چالیس درہم میں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا اسے یہاں باندھ دو البتہ اس کی قیمت کچھ عرصے بعد دیں گے۔ وہ آدمی اونٹ وہاں باندھ کر چلا گیا۔ تھوڑی دیر میں ایک آدمی آیا اور اس نے کہا یہ اونٹ کس کا ہے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرا۔ اس آدمی نے کہا کہ آپ اسے بیچیں گے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں' اس آدمی نے کہا' کتنے میں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا دو سو درہم میں' اس نے کہا میں نے اس قیمت میں یہ اونٹ خرید لیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دو سو درہم دے کر وہ اونٹ لے گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جس آدمی سے اونٹ اُدھار خریدا تھا اسے ایک سو چالیس درہم دیئے اور باقی ساٹھ درہم لا کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیئے۔ انہوں نے پوچھا یہ کیا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا یہ وہ ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے

اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ہم سے وعدہ کیا ہے۔ "مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا" (سورۃ انعام: آیت ۱۶۰)

ترجمہ: "جو شخص نیک کام کرے گا اس کو اس کے دس حصے ملیں گے۔" (حیاۃ الصحابہ جلد ۲ صفحہ ۲۰۲)

پانچ مبارک کلمات

حضرت سوید بن غفلہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ایک مرتبہ فاقہ آیا تو انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا، اگر تم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر کچھ مانگ لو تو اچھا ہے۔ چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں، اس وقت حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس حضرت اُم ایمن رضی اللہ عنہا موجود تھیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دروازہ کھٹکھٹایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اُم ایمن رضی اللہ عنہا سے فرمایا یہ کھٹکھٹاہٹ تو فاطمہ کی ہے۔ آج اس وقت آئی ہے پہلے تو کبھی اس وقت نہیں آیا کرتی تھی۔ پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اندر آ گئیں اور انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ان فرشتوں کا کھانا "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، سُبْحَانَ اللّٰهِ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہنا ہے ہمارا کھانا کیا ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق دیکر بھیجا ہے! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھرانے کے کسی گھر میں تیس دن سے آگ نہیں جلی، ہمارے پاس چند بکریاں آئی ہیں اگر تم چاہو تو پانچ بکریاں تمہیں دیدوں اور اگر چاہو تو تمہیں وہ پانچ کلمات سکھا دوں جو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھے سکھائے ہیں۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا نہیں، بلکہ مجھے تو وہی پانچ کلمات سکھا دیں جو آپ کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے سکھائے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم یہ کہا کرو۔ "يَا اَوَّلَ الْاَوَّلِيْنَ وَيَا آخِرَ الْآخِرِيْنَ وَيَا ذَالْقُوَّةِ الْمَتِيْنِ وَيَا رَاحِمَ الْمَسَاكِيْنِ وَيَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ"

پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا واپس چلی گئیں۔ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا ہوا؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا میں آپ کے پاس دنیا لینے گئی تھی لیکن وہاں سے آخرت لے کر آئی ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا، پھر تو یہ دن تمہارا سب سے بہترین دن ہے۔ (حیاۃ الصحابہ جلد ۳ صفحہ ۵۶)

پانچ کلمات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیکھے

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: میں تمہیں پانچ ہزار بکریاں دے دوں یا ایسے پانچ کلمات سکھا دوں جن سے تمہارا دین اور دنیا دونوں ٹھیک ہو جائیں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ پانچ ہزار بکریاں تو بہت زیادہ ہیں لیکن آپ مجھے وہ کلمات ہی سکھا دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ کہو۔

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَوَسِّعْ لِیْ خُلُقِیْ وَطَيِّبْ لِیْ كَسَبِیْ وَقَنِّعْنِیْ بِمَا رَزَقْتَنِیْ وَلَا تُذْهِبْ

قَلْبِیْ اِلٰی شَیْءٍ صَرَّفْتَهٗ عَنِّی." ترجمہ: "اے اللہ! میرے گناہ معاف فرما اور میرا اخلاق وسیع فرما اور میری کمائی کو پاک فرما اور جو روزی تو نے مجھے عطا فرمائی اس پر مجھے قناعت نصیب فرما اور جو چیز تو مجھ سے ہٹا لے اس کی طلب مجھ میں باقی نہ رہنے دے۔" (حیاۃ الصحابہ جلد ۳ صفحہ ۲۰۸) نوٹ: آج کا مسلمان ہوتا تو کہتا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پانچ بکریاں بھی دیجئے اور پانچ کلمات بھی سکھایئے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا زُہد

قبیلہ ثقیف کے ایک صاحب بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھے عکبرا قصبہ کا حاکم بنایا اور عراق کے ان دیہات میں مسلمان نہیں رہا کرتے تھے۔ مجھ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ظہر کے وقت میرے پاس آنا میں آپ کی خدمت میں گیا مجھے وہاں کوئی روکنے والا دربان نہ ملا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے پاس پیالہ اور پانی کا ایک کوزہ رکھا ہوا تھا انہوں نے ایک چھوٹا تھیلا منگوایا۔ میں نے اپنے دل میں کہا یہ مجھے امانتدار سمجھتے ہیں اس لئے مجھے اس تھیلے میں سے کوئی قیمتی پتھر نکال کر دیں گے۔ مجھے پتہ نہیں تھا کہ اس تھیلے میں کیا ہے؟ اس تھیلے پر مہر لگی ہوئی تھی۔ انہوں نے اس مہر کو توڑا اور تھیلی کو کھولا تو اس میں ستو تھا۔ چنانچہ اس میں سے ستو نکال کر پیالے میں ڈالا اور اس میں پانی ڈالا اور خود بھی پیا اور مجھے بھی پلایا۔ میں اتنی سادگی دیکھ کر رہ نہ سکا اور میں نے کہا اے امیر المؤمنین آپ عراق میں رہ کر یہ کھا رہے ہیں حالانکہ عراق میں تو اس سے بہت زیادہ کھانے کی چیزیں ہیں (عراق میں رہ کر صرف ستو کھانا بڑی حیرانگی کی بات ہے) انہوں نے کہا ہاں۔ اللہ کی قسم! میں بخل کی وجہ سے اس پر مہر نہیں لگاتا ہوں بلکہ میں اپنی ضرورت کے مطابق ستو خریدتا ہوں (اور مدینہ سے منگواتا ہوں) ایسے ہی کھلے رہنے دوں تو مجھے ڈر ہے کہ (ادھر ادھر گر نہ جائیں اور اڑ نہ جائیں اور یوں) یہ ختم نہ ہو جائیں تو مجھے عراق کے ستو بنانے پڑیں گے۔ اس وجہ سے میں ان ستوؤں کو اتنا سنبھال کر رکھتا ہوں اور میں اپنے پیٹ میں پاک چیز ہی ڈالنا چاہتا ہوں۔

حضرت اعمشؒ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ لوگوں کو دوپہر کا اور رات کا کھانا خوب کھلایا کرتے تھے اور خود صرف وہی چیز کھایا کرتے تھے جو ان کے پاس مدینہ منورہ سے آیا کرتی تھی۔ (اخرجہ ابو نعیم فی الحلیۃ)

حضرت عبداللہ بن شریکؒ کے دادا بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مرتبہ فالودہ لایا گیا اور ان کے سامنے رکھا گیا تو فالودے کو مخاطب کر کے فرمایا اے فالودے! تیری خوشبو بہت اچھی ہے اور رنگ بہت خوبصورت ہے اور ذائقہ بہت عمدہ ہے لیکن مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ مجھے جس چیز کی عادت نہیں ہے میں خود کو اس کا عادی بناؤں۔ (اخرجہ ابو نعیم ایضاً)

حضرت زید بن وہبؒ کہتے ہیں کہ ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمارے پاس باہر آئے اور انہوں نے ایک چادر اوڑھی ہوئی تھی اور لنگی باندھی ہوئی تھی جس پر پیوند لگا رکھا تھا۔ کسی نے ان سے اتنے سادہ کپڑے پہننے کے بارے

میں کچھ کہا تو فرمایا میں یہ دو سادہ کپڑے اس لئے پہنتا ہوں کہ میں ان کی وجہ سے اکڑ سے بچا رہوں گا اور ان میں نماز بھی بہتر ہوگی اور مؤمن بندے کیلئے یہ سنت بھی ہیں (یا عام مسلمان بھی ایسے سادہ کپڑے پہننے لگ جائیں گے)

حضرت مجمع بن سمعان تیمیؒ کہتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اپنی تلوار لے کر بازار گئے اور فرمایا مجھ سے میری یہ تلوار خریدنے کے لئے کون تیار ہے؟ اگر لنگی خریدنے کے لئے میرے پاس چار درہم ہوتے تو میں یہ تلوار نہ بیچتا۔ (اخرجہ یعقوب بن سفیان کذافی البدایۃ)

حضرت عبداللہ بن زریرؒ کہتے ہیں کہ میں عیدالاضحیٰ کے دن حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گیا۔ انہوں نے ہمارے سامنے بھوسی اور گوشت کا حریرہ رکھا۔ ہم نے کہا اللہ آپ کو ٹھیک ٹھاک رکھے اگر آپ ہمیں یہ بطخ کھلاتے تو زیادہ اچھا تھا کیونکہ اب تو اللہ نے مال بہت دے رکھا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے ابن زریر! میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ خلیفہ وقت کے لئے اللہ کے مال میں سے صرف دو بڑے پیالے یعنی حلال ہیں ایک پیالہ اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے اور دوسرا پیالہ آنے والے لوگوں کے سامنے رکھنے کے لئے۔ (اخرجہ احمد کذافی البدایۃ)

آسمان کی طرف سر اٹھا کر استغفار کیجئے اللہ مسکرا کر معاف کر دینگے

حضرت علی بن ربیعہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں مجھے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے پیچھے بٹھایا اور حرہ کی طرف لے گئے، پھر آسمان کی طرف سر اٹھا کر فرمایا: اے اللہ! میرے گناہوں کو معاف فرما کیونکہ تیرے علاوہ اور کوئی گناہوں کو معاف نہیں کرتا پھر میری طرف متوجہ ہو کر مسکرانے لگے، میں نے کہا: اے امیر المومنین! پہلے آپ نے اپنے رب سے استغفار کیا پھر میری طرف متوجہ ہو کر مسکرانے لگے، یہ کیا بات ہے؟

انہوں نے فرمایا: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن مجھے اپنے پیچھے بٹھایا تھا پھر مجھے ''حرہ'' کی طرف لے گئے تھے پھر آسمان کی طرف سر اٹھا کر فرمایا: اے اللہ! میرے گناہوں کو معاف فرما کیونکہ تیرے علاوہ اور کوئی گناہوں کو معاف نہیں کرتا پھر میری طرف متوجہ ہو کر مسکرانے لگے تھے میں نے کہا یا رسول اللہ پہلے آپ نے اپنے رب سے استغفار کیا پھر میری طرف متوجہ ہو کر مسکرانے لگے، اس کی کیا وجہ ہے؟

فرمایا: میں اس وجہ سے مسکرا رہا ہوں کہ میرا رب اپنے بندے پر تعجب کر کے مسکراتا ہے (اور کہتا ہے) اس بندے کو معلوم ہے کہ میرے علاوہ اور کوئی گناہوں کو معاف نہیں کرتا۔ (حیاۃ الصحابہ: جلد ۳ صفحہ ۳۵۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سات خصوصیتیں

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے علی! میں تیرے ساتھ نبوت میں مخاصمت کرتا مگر نبوت میرے بعد نہیں ہے اور لوگ تجھ سے سات چیزوں میں جھگڑیں گے اور ان میں کوئی قریشی تیرے مقابلہ پر نہیں آئے گا تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے میں سب سے اول ہو اور ان میں اللہ تعالیٰ

کے عہد کو سب سے زیادہ پورا کرنے والے ہو اور اللہ تعالیٰ کے امر کو ان سب میں زیادہ مضبوطی سے قائم رکھنے والے ہو اور برابری میں ان سب سے زیادہ حصہ لینے والے ہو اور رعایا میں ان سب سے زیادہ عدل کرنے والے ہو اور معاملہ کی ان سب سے زیادہ فہم رکھنے والے ہو اور قیامت کے دن ان سب سے بڑے مرتبہ پر ہو گے۔

چھوہاروں کے بدلہ مزدوری

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ایک دن حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ عمامہ اوڑھے ہمارے ہاں تشریف لائے اور بتلایا کہ ایک دفعہ مدینہ منورہ میں مجھے بہت شدید بھوک لگی تو میں دیہات میں کسی کام کی تلاش میں نکلا، میں نے ایک عورت دیکھی جس نے مٹی کے ڈھیلے جمع کئے ہوئے تھے جنہیں وہ بھگونا چاہتی تھی میں اس کے پاس گیا اور ایک چھوارے کے بدلہ ایک ڈول پانی ڈالنے کا معاملہ طے کیا، پھر میں نے سترہ ڈول کھینچے یہاں تک کہ میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے پھر میں پانی پر گیا ہاتھ دھوئے اور عورت کے پاس آ کر کہا اتنے کافی ہیں (اور (روای حدیث) اسمٰعیل نے دونوں ہاتھ پھیلائے اور اکٹھے کر لئے) تو اس نے مجھے سولہ چھوارے گن کر دیئے پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو واقعہ بتلایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی میرے ساتھ چھوارے کھائے۔

حماد بن زید اپنی حدیث میں یوں بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا تو میں نے سولہ یا سترہ ڈول کھینچے، پھر اپنے ہاتھ دھوئے اور چھوہارے لیکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اچھا کہا اور میرے لئے دعا فرمئی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں میں ایک احاطہ یا باغ کی طرف گیا تو مجھے اس کے مالک نے کہا ایک ڈول اور ایک چھوارہ کے تو میں نے ایک ایک ڈول ایک ایک چھوہارہ کے بدلہ ڈالا تو میری ہتھیلیاں بھر گئیں پھر میں نے پانی پیا' پھر میں چھواروں سے بھرا ہوا چلو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا تو بعض آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھائے اور بعض میں نے۔

اہل میت سے خطاب

جعفر بن محمد اپنے والد سے اور وہ اس کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک جنازہ کے ساتھ گئے جب اسے لحد میں رکھا گیا تو اس کے گھر والوں نے چیخ و پکار اور رونا شروع کیا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تم کیوں روتے ہو؟ اللہ کی قسم جوان کی میت نے دیکھا ہے اگر یہ دیکھ لیں تو انہیں اپنی میت کے دیکھنے سے غافل کر دے گا اور یقیناً موت کو تو ان میں واپس لوٹنا ہے پھر لوٹنا ہے حتیٰ کہ ان میں سے کوئی باقی نہیں رہے گا' پھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوئے اور فرمایا اے لوگو میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں جس نے تمہارے لئے مثالیں بیان فرمائی ہیں اور تمہاری موت کے اوقات مقرر کر دیئے ہیں اور تمہارے کان بنائے ہیں جو چاہتے ہیں محفوظ کر لیتے ہیں اور آنکھیں تا کہ جو چھپایا ہوا ہے اسے ہٹا دیں اور دل بنائے جوان کی صورتوں کی ترکیب اور ان کی زندگی

کی ترکیب میں جو کچھ رکھا گیا ہے اسے سمجھتے ہیں، پس بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں بے مقصد پیدا نہیں کیا اور تمہارے ذکر سے صرف نظر نہیں فرمایا بلکہ تمہیں ہر قسم کی نعمتوں سے اعزاز بخشا اور تمہیں خوب سے خوب تر مدد پہنچائی اور اس کے احاطہ نے تمہیں گھیر رکھا ہے اور تمہارے لئے خوشحالی و تنگدستی میں جزاء رکھی، پس اللہ سے ڈرو اے اللہ کے بندو اور طلب میں کوشش کرو اور عمل کے ذریعہ خواہشات کی رکاوٹوں اور لذتوں کو توڑ کر عمل کی کوشش کرو کیونکہ دنیا کی نعمتیں ہمیشہ نہیں رہیں گی اور اس کے حادثات سے امن نہیں ہے دنیا زائل ہونے والا دھوکہ ہے اور کمزور سایہ ہے اور ہٹ جانے والا سہارا ہے کنارے ہو کر گزر جاتا ہے اور پیچھے ہو کر اپنی خواہشات اور فریب کے سہارے آگے بڑھ جاتا ہے۔

اے اللہ کے بندو! عبرتوں سے نصیحت پکڑو اور نشانیوں و علامات سے سبق سیکھو اور ڈرانے والوں سے خبردار ہو جاؤ۔ وعظ کہنے والوں سے فائدہ حاصل کرو پس گویا کہ موت تمہیں اپنے پنجہ میں لے چکی اور مٹی کے گھر نے تم کو دبا رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے صور پھونکنے، قبروں کے اکھاڑے جانے محشر کے لائے جانے اور حساب کی پیشی سے تمام کاموں کے ختم ہونے نے تمہیں گھیر رکھا ہے، ہر نفس کے ساتھ ایک چلانے والا ہے جو اسے اس کے محشر کی طرف ہانکے جا رہا ہے اور ہر نفس پر ایک گواہ ہے تو اس کے اعمال کی اس کے خلاف گواہی دے رہا ہے۔

وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ
وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ (الزمر: ٦٩)

اور زمین اپنے رب کے نور (بے کیف) سے روشن ہو جائے گی اور (سب کا) نامہ اعمال (ہر ایک کے سامنے) رکھ دیا جائے گا اور پیغمبر اور گواہ حاضر کئے جائیں گے، اور سب میں ٹھیک فیصلہ کیا جائے گا اور ان پر ذرا ظلم نہ ہوگا) اس دن کے لئے شہر کانپ اٹھے ہیں اور پکارنے والا پکار رہا ہے اور وہ ملاقات کا دن ہے اور ساق کی تجلی ظاہر ہوگی۔ سورج بے نور، چوپائے جمع کر دیئے جائیں اور بھید ظاہر ہو جائیں گے اور شریر ہلاک ہو جائیں گے، دل کانپ جائیں گے اور جہنم والوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت غضب نا کی اترے گی اور ہلاک کرنے والا عذاب اور جہنم ظاہر ہو جائے گی اس کی چنگھاڑ اور ہلاکت خیز کڑک اور غصہ، ڈراؤنا پن ہوگا۔ اس کی آگ بھڑک رہی ہوگی اور وہ کھول رہی ہوگی اور اس کی آگ جلائے گی اس میں رہنے والا سانس نہیں لے سکے گا اور اس کی حسرتیں ختم نہیں ہوں گی اور اس کی بیڑیاں نہیں کھولی جائیں گی۔ ان کے ساتھ فرشتے ہوں گے جو انہیں سخت دہکتی آگ کی مہمانی کی خوشخبری سنائیں گے، وہ اللہ تعالیٰ سے پردہ میں ہوں گے اور اللہ کے اولیاء سے الگ ہوں گے اور آگ کی طرف جا رہے ہوں گے۔ اے اللہ کے بندو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو جو چھوڑتا ہے جو ہٹ جاتا ہے اور جو ڈرتا ہے وہ گناہ چھوڑ دیتا ہے اور پرہیز کرتا ہے تو بصیرت والا ہو جاتا ہے اور خبردار ہو جاتا ہے، پھر وہ تلاش میں لگ جاتا ہے اور کوشش کر کے نجات پا لیتا ہے اور آخرت کے لئے اعمال آگے بھیجتا ہے اور سامان سفر تیار رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ انتقام لینے والا، دیکھنے والا کافی ہے اور کتاب اللہ فریق مخالف

کے طور پر جھگڑنے والی' دلائل قائم کرنے والی کافی ہے اور جنت ثواب کے طور پر کافی ہے اور جہنم عذاب وسزا کے طور پر کافی ہے' اور میں اپنے لئے اور تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتا ہے۔

حبّ علی کا انعام

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جسے یہ بات پسند ہے کہ وہ میری زندگی جیسی زندگی گزارے اور میری موت جیسی موت اور یاقوت کے اس شہر کو حاصل کرے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا پھر اسے حکم دیا کہ ہو جا تو ہو گیا، تو وہ میرے بعد علی ابن ابی طالب کا دوست رہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس کو یہ پسند ہے کہ میری زندگی گزارے اور میری موت مرے اور عدن کے اس باغ میں رہے جسے اللہ تعالیٰ نے لگایا ہے تو وہ میرے بعد علی کا دوست رہے اور اس کے دوست کا دوست رہے اور میرے بعد ائمہ کی اقتداء کرے، کیونکہ وہ میری آل ہیں، میری مٹی سے پیدا کئے گئے ہیں فراست وعلم عطا کئے گئے ہیں اور میری امت کے ان لوگوں کیلئے ہلاکت ہے جو ان کی فضیلت کو جھٹلانے والے ہیں، ان میں میرے رشتہ کو کاٹنے والے ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ میری شفاعت نہیں پہنچائیں گے۔

حضرت ابونعیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عترت طیبہ کے رشتہ کو قائم رکھنے والے وہی ہیں جو عاجزی کرنے والے، کم گو، پیشانیوں کو جھکانے والے اپنے نفسوں میں پست وفانی ہیں، دنیا کو ترجیح دینے والے سرکشوں سے جدا ہیں، وہی جنہوں نے راحتوں کو الگ کر دیا، اور شہوات کی لذتوں اور مختلف قسم کے کھانوں اور رنگارنگ مشروبوں سے دور رہے اور مرسلین اور اولیائے صدیقین کے طریقہ پر قائم رہے، اور ختم ہونے والی فانی چیز کو چھوڑ دیا اور انعام کرنے والے، فضل کرنے والے، توفیق عطاء کرنے والا اور احسان کرنے والے کے جوار میں زیادہ اور رہنے والی زندگی کے شوق میں رہے۔ (حلیۃ الاولیاء)

امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی نصیحتیں

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا اے امیر المومنین! اگر آپ کی خوشی یہ ہے کہ آپ اپنے دونوں ساتھیوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جاملیں تو آپ اپنی امیدیں مختصر کریں اور کھانا کھائیں لیکن پیٹ نہ بھریں اور لنگی بھی چھوٹی پہنیں اور کرتے پر پیوند لگائیں اور اپنے ہاتھ سے جوتی گانٹھیں اس طرح کریں گے تو ان دونوں سے جاملیں گے۔ (اخرجہ البیہقی کذا فی الکنز ۸/۲۱۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا خیر یہ نہیں ہے کہ تمہارا مال اور تمہاری اولاد زیادہ ہو جائے بلکہ خیر یہ ہے کہ تمہارا علم زیادہ ہو اور تمہاری بردباری کی صفت بڑی ہو اور اپنے رب کی عبادت میں تم لوگوں سے آگے نکلنے کی کوشش کرو۔ اگر تم سے نیکی کا کام ہو جائے تو اللہ کی تعریف کرو اور اگر برائی کا کام ہو جائے تو اللہ سے استغفار کرو اور دنیا میں صرف دو آدمیوں میں سے ایک کے لئے خیر ہے ایک تو وہ آدمی ہے جس سے کوئی گناہ ہو گیا اور پھر اس نے توبہ کر کے اس کی تلافی کر لی دوسرا وہ

آدمی جو نیک کاموں میں جلدی کرتا ہو اور جو عمل تقویٰ کے ساتھ ہو وہ کم شمار نہیں ہو سکتا کیونکہ جو عمل اللہ کے ہاں قبول ہو وہ کیسے کم شمار ہو سکتا ہے۔ (کیونکہ قرآن میں ہے کہ اللہ متقیوں کے عمل کو قبول فرماتے ہیں) (اخرجہ ابو نعیم فی الحلیۃ ۱/۷۵)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا توفیق خداوندی سب سے بہترین قائد ہے اور اچھے اخلاق بہترین ساتھی ہیں عقلمندی بہترین مصاحب ہے حسن ادب بہترین میراث ہے اور عجب وخود پسندی سے زیادہ سخت تنہائی اور وحشت والی کوئی چیز نہیں۔ (عند البیہقی وابن عساکر کذا فی الکنز ۸/۲۳۶)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسے مت دیکھو کہ کون بات کر رہا ہے بلکہ یہ دیکھو کہ کیا بات کہہ رہا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہر بھائی چارہ ختم ہو جاتا ہے صرف وہی بھائی چارہ باقی رہتا ہے جو لالچ کے بغیر ہو۔

(اخرجہ ابن السمعانی فی الدلائل)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چند ارشادات

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا (تمہیں سکھانے والے) عالم کا یہ حق ہے کہ:

❶ ...تم اس سے سوال زیادہ نہ کرو اور اسے جواب دینے کی مشقت میں نہ ڈالو یعنی اسے مجبور نہ کرو۔

❷ ...اور جب وہ تم سے منہ دوسری طرف پھیر لے تو پھر اس پر اصرار نہ کرو۔

❸ ...اور جب وہ تھک جائے تو اس کے کپڑے نہ پکڑو۔

❹ ...اور نہ ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کرو اور نہ آنکھوں سے۔

❺ ...اور اس کی مجلس میں کچھ نہ پوچھو۔ ❻ ...اور اس کی لغزش تلاش نہ کرو۔

❼ ...اور اگر اس سے کوئی لغزش ہو جائے تو تم لغزش سے رجوع کا انتظار کرو۔

❽ ...اور جب وہ رجوع کر لے تو تم اسے قبول کر لو۔ ❾ ...اور یہ بھی نہ کہو کہ فلاں نے آپ کی بات کے خلاف بات کہی۔

❿ ...اور اس کے کسی راز کا افشاء نہ کرو۔ ⓫ ...اور اس کے پاس کسی کی غیبت نہ کرو۔

⓬ ...اس کے سامنے اور اس کی پیٹھ پیچھے دونوں حالتوں میں اس کے حق کا خیال کرو۔

⓭ ...اور تمام لوگوں کو سلام کرو لیکن اسے بھی خاص طور سے کرو۔ ⓮ ...اور اس کے سامنے بیٹھو۔

⓯ ...اگر اسے کوئی ضرورت ہو تو دوسرے سے آگے بڑھ کر اس کی خدمت کرو۔

⓰ ...اور اس کے پاس جتنا وقت بھی تمہارا گزر جائے تنگدل نہ ہونا...... کیونکہ یہ عالم کھجور کے درخت کی طرح ہے جس سے ہر وقت کسی نہ کسی فائدے کے حاصل ہونے کا انتظار رہتا ہے......اور یہ عالم اس روزہ دار کے درجہ میں ہے جو اللہ کے راستے میں جہاد کر رہا ہو...... جب ایسا عالم مر جاتا ہے تو اسلام میں ایسا شگاف پڑ جاتا ہے جو قیامت تک پُر نہیں ہو سکتا۔ اور آسمان کے ستر (۷۰) ہزار مقرب فرشتے طالب علم کے ساتھ اکرام کے لیے چلتے ہیں۔ (حیاۃ الصحابہ: ۳/۲۴۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اقوال حکمت

● ....ادب بہترین کمالات اور خیرات افضل ترین عبادات سے ہے۔

● ....عقل مند اپنے آپ کو پست کر کے بلندی حاصل کرتا ہے۔ اور نادان اپنے آپ کو بڑھا کر ذلت اٹھاتا ہے۔ ہوشیاری اس کا نام ہے کہ انسان اپنے تجربہ کو محفوظ رکھے اور اس کے مطابق کام کرے۔

● ....تنگدستی جسے لوگ معیوب سمجھیں۔ اس مالداری سے اچھی ہے جس سے انسان گناہوں اور خرابی میں مبتلا ہو کر ذلیل ورسوا ہو۔ ● ....عقل منداگر خاموش رہے تو قدرت الٰہی میں فکر کرتا ہے اور جب نگاہ اٹھا کر دیکھتا ہے تو عبرت حاصل کرتا ہے۔ میزان اعمال کو خیرات کے وزن سے بھاری کرو۔

● ....اپنے دلوں سے دوستی کا حال پوچھو کیونکہ یہ ایسے گواہ ہیں۔ جو کسی سے رشوت نہیں لیتے۔

تیرے مال سے تیرا حصہ تو صرف اتنا ہے کہ جتنا تو نے آخرت کے لئے بھیج دیا اور جسے تو نے دنیا میں چھوڑ دیا، وہ تیرے وارثوں کا ہے۔ ● ....حیا کی غایت یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ سے حیا کرے۔

● ....بخشش کا کمال یہ ہے کہ جو چیز کسی کو دینی ہو۔ جلدی سے اسے دے دی جائے انتظار میں نہ رکھا جائے۔

کہاوتیں اور مثالیں عقل مندوں اور عبرت حاصل کرنے والوں کے لئے بیان کی جاتی ہیں، نادانوں کو ان سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ● ....جو شخص اپنے اقوال میں حیا ساتھ رکھتا ہے، وہ اپنے افعال میں بھی اس سے دور نہیں۔

● ....جو شخص اپنا بھید محفوظ رکھنے سے عاجز ہوتا ہے، وہ دوسروں کا راز محفوظ رکھنے سے نہایت عاجز ہوگا۔

● ....جو شخص کل کو اپنی موت کا دن سمجھتا ہے۔ موت کے آنے سے اسے کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔

● ....دشمن کے حسن سلوک پر بھروسہ مت کر۔ کیونکہ پانی کو آگ سے جتنا بھی گرم کیا جائے۔ پھر بھی وہ اس کے بجھانے کو کافی ہے۔ ● ....سچا آدمی سچائی کی بدولت اس مرتبہ کو پہنچ جاتا ہے جسے جھوٹا آدمی مکر وحیلہ سے نہیں پا سکتا۔

● ....اصل بصیرت کے لئے ہر ایک نگاہ میں عبرت اور ہر ایک تجربے میں نصیحت ہے۔

● ....سب سے بلیغ ومؤثر وعظ یہ ہے کہ انسان قبرستان دیکھ کر اس سے عبرت حاصل کرے۔ رحمت کے مستحق یہ تین اشخاص ہیں۔

❶ ...عالم جس پر جاہل کا حکم چلے۔ ❷ ...وہ شریف جس پر کمینہ حاکم ہو۔ ❸ ...وہ نیکوکار جس پر کوئی بدکار مسلط ہو۔

● ....شریف عالم تواضع اختیار کرتا ہے اور جب کمینہ باعلم ہو جائے تو بڑائی کرنے لگتا ہے۔

نوٹ ۔حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سات ہزار حکیمانہ اقوال پر مشتمل ان کی تالیف ''عزر الحکم ودرر الکلم'' کا اردو ترجمہ بنام ''خزینہ علم وحکمت'' ادارہ سے شائع شدہ ہے جو حکمت وبصیرت کے اقوال پر مشتمل جدید انسائیکلوپیڈیا ہے۔

(حکمت ونصیحت کے حیرت انگیز واقعات)

مکتوب گرامی

حضرت شیخ احمد مُجدّد اَلف ثانی رحمہ اللہ

خلفائے ثلاثہ کی خلافت کا برحق ہونا.....اور مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں مسلک حق کی ترجمانی.....مذہب اہلسنّت والجماعت کا افراط وتفریط کے درمیان توسط اور اعتدال.....مناقب اہل بیت .....اہلسنّت والجماعت اور مخالفین کے مذہب کی حقیقت.....دواہم اختلافی اُمور کے بارے میں مسلک حق کی وضاحت

(ازمکتوبات امام ربانی رحمہ اللہ)

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کا مکتوب گرامی

یہ مکتوب گرامی جو امامت کی بحث اور مذہب اہل سنت و جماعت اور مخالفوں کے مذہب کی حقیقت اور اس بیان میں کہ اہل سنت والجماعت افراط وتفریط کے درمیان جن کو رافضیوں اور خارجیوں نے اختیار کیا ہے کے درمیان توسط اور اعتدال پر ہیں۔اور اہل بیت کی تعریف پر مشتمل ہے۔جو آپ نے خواجہ محمد تقی کی طرف تحریر فرمایا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد وصلوٰۃ اور تبلیغ دعوات کے بعد واضح ہو کہ درویشوں کی محبت اور ان کے ساتھ الفت وارتباط رکھنا اور اس طائفہ علیہ کی باتوں کو سننا اور ان کے اوضاع واطوار کی خواہش رکھنا حق تعالیٰ کی اعلیٰ نعمت اور بڑی دولت ہے۔

شیخ ابوالحسن اشعری فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت باقی اُمت پر قطعی ہے۔اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ اپنی خلافت اور مملکت کے زمانہ میں جم غفیر یعنی بڑی بھاری جماعت کے سامنے فرمایا کرتے تھے کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس امت میں سب سے بہتر ہیں۔جیسے کہ امام ذہبی نے کہا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا

ہے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام لوگوں سے بہتر حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر ایک اور آدمی، پس ان کے بیٹے محمد بن حنفیہ نے کہا کہ پھر آپ' فرمایا کہ میں تو ایک مسلمان آدمی ہوں۔

غرض شیخین کی فضیلت ثقہ اور معتبر راویوں کی کثرت کے باعث شہرت اور تواتر کی حد تک پہنچ چکی ہے۔ اس کا انکار کرنا سراسر جہالت ہے یا تعصب۔ عبدالرزاق نے جو اکابر شیعہ میں سے ہے۔ جب انکار کی مجال نہ دیکھی تو بے اختیار شیخین کی فضیلت کا قائل ہو گیا۔ اور کہنے لگا کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ شیخین رضی اللہ عنہما کو اپنے اوپر فضیلت دیتے ہیں تو میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرمانے کے بموجب شیخین رضی اللہ عنہما کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا ہوں۔ اگر وہ فضیلت نہ دیتے' تو میں بھی نہ دیتا۔ یہ بڑا گناہ ہے کہ میں حضرت علیؓ کی محبت کا دعویٰ کروں اور پھر ان کی مخالفت کروں' چونکہ حضرات ختنین رضی اللہ عنہما کی خلافت کے زمانہ میں لوگوں کے درمیان بہت فتنہ اور فساد برپا ہو گیا تھا اور لوگوں کے دلوں میں کدورت پیدا ہو گئی تھی اور مسلمانوں کے دلوں میں عداوت و کینہ غالب آ گیا تھا اس لئے ختنینؓ کی محبت کو بھی اہلسنت و جماعت کے شرائط میں سے شمار کیا گیا تا کہ کوئی جاہل اس سبب سے حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب پر بدظنی نہ کرے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانشینوں کے ساتھ بغض و عداوت حاصل نہ کرے۔ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت اہل سنت و جماعت کی شرط ہے اور جو شخص یہ محبت نہیں رکھتا۔ اہلسنّت سے خارج ہے اس کا نام خارجی ہے اور جس شخص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت میں افراط کی طرف کو اختیار کیا ہے اور جس قدر کہ محبت مناسب ہے اس سے زیادہ اس سے وقوع میں آتی ہے اور محبت میں غلو کرتا ہے اور حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اصحاب کو سبّ ولعن کرتا ہے اور صحابہ اور تابعین اور سلف صالحین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے طریق کے برخلاف چلتا ہے وہ رافضی ہے۔

پس حضرت امیر المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت میں افراط وتفریط کے درمیان جن کو رافضیوں اور خارجیوں نے اختیار کیا ہے۔ اہل سنت و جماعت متوسط ہیں اور شک نہیں کہ حق وسط میں ہے اور افراط وتفریط دونوں مذموم ہیں۔ چنانچہ امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ نے حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تجھ میں حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی مثال ہے۔ جس کو یہودیوں نے یہاں تک دشمن سمجھا کہ اس کی ماں پر بہتان لگایا اور نصاریٰ نے اس قدر دوست رکھا اور اس کو اس مرتبہ تک لے گئے جس کے وہ لائق نہیں تھا۔ یعنی ابن اللہ کہا۔

پس حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ دو شخص میرے حق میں ہلاک ہوں گے ایک وہ جو میری محبت میں افراط کرے گا اور جو کچھ مجھ میں نہیں میرے لئے ثابت کرے گا اور دوسرا وہ شخص جو میرے ساتھ دشمنی کرے گا اور عداوت سے مجھ پر بہتان لگائے گا۔ پس خارجیوں کا حال یہودیوں کے حال کے موافق ہے۔ اور رافضیوں کا حال نصاریٰ کے حال کے موافق کہ دونوں حق وسط سے برطرف جا پڑے ہیں۔ وہ شخص بہت ہی جاہل ہے جو اہل سنت و

جماعت کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے محبوں سے نہیں جانتا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت کو رافضیوں کے ساتھ مخصوص کرتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت رفض نہیں ہے بلکہ خلفاء ثلاثہ سے تبرا اور بیزاری رفض ہے اور اصحاب کرام سے بیزار ہونا مذموم اور ملامت کے لائق ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ بیت:

لو کان رفضاً حب آل محمدٍ فلیشهد الثقلین انی رافض

ترجمہ بیت: اگر محبت آل محمدی سے رفض تو جن وانس گواہ ہیں کہ رافضی ہوں میں۔ یعنی آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت رفض نہیں ہے۔ جیسے کہ جاہل لوگ گمان کرتے ہیں۔ اگر اس محبت کو رفض کہتے تو پھر رفض مذموم نہیں۔ کیونکہ رفض کی مذمت دوسرے کے تبرے کے باعث ہوتی ہے' نہ کہ ان کی محبت کے باعث۔

انصاف کرنا چاہیے کہ یہ کونسی محبت ہے کہ جس کا حاصل ہونا پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانشینوں کی بیزاری اور حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کے سبّ وطعن پر موقوف ہو۔ اہل سنت کا گناہ یہی ہے کہ اہل بیت کی محبت کے ساتھ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام اصحاب کی تعظیم وتوقیر کرتے ہیں اور باوجود لڑائی جھگڑوں کے جوان کے درمیان واقع ہوئی۔ ان میں سے کسی کو برائی سے یاد نہیں کرتے۔ اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی تعظیم اور اس عزت وتکریم کے باعث جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کی کیا کرتے تھے۔ سب کو ہواو تعصب سے دور جانتے ہیں اور اس کے علاوہ اہل حق کو حق پر اور اہل باطل کو باطل پر کہتے ہیں لیکن اس کے بطلان کو ہواو ہوس سے دور سمجھتے ہیں اور رائے واجتہاد کے حوالہ کرتے ہیں۔

رافضی اس وقت اہل سنت سے خوش ہوں گے جب کہ اہل سنت بھی ان کی طرح دوسرے اصحاب سے کرام سے تبریٰ کریں اور ان دین کے بزرگواروں کے حق میں بدظن ہو جائیں جس طرح خارجیوں کی خوشنودی اہل بیت کی عداوت اور آل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بغض پر وابستہ ہے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّابُ

(یااللہ! تو ہدایت دے کر پھر ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر اور اپنی جناب سے ہم پر رحمت نازل فرما۔ تو بڑا ہی بخشنے والا ہے)

اہل سنت کے بزرگواروں کے نزدیک پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب ایک دوسرے کی لڑائی جھگڑوں کے وقت تین گروہ تھے۔ ایک گروہ نے دلیل واجتہاد کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب حقیت کو معلوم کر لیا تھا اور دوسرے گروہ نے بھی دلیل اجتہاد کے ساتھ دوسری طرف حقیت کو دریافت کر لیا تھا اور تیسرا گروہ متوقف رہا اور کسی طرف کو دلیل کے ساتھ ترجیح نہ دی۔ پس پہلے گروہ نے اپنے اجتہاد کے موافق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدد کی اور دوسرے گروہ نے اپنے اجتہاد کے جانب مخالف کی امداد کی۔ اور تیسرا گروہ توقف میں رہا۔ اس نے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا خطا سمجھا۔ پس تینوں گروہوں نے اپنے اپنے اجتہاد کے موافق عمل کیا اور جو کچھ ان پر واجب ولازم تھا بجالائے پھر ملامت کی کیا گنجائش ہے اور طعن کی کیا مناسبت ہے۔

امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اور عمر ابن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منقول ہے **تلک دماء طھر اللّٰہ عنھا ایدینا فلنطھر عنھا السنتنا**۔ یہ وہ خون ہیں جن سے ہمارے ہاتھوں کو اللہ تعالیٰ نے پاک رکھا۔ ہمیں چاہیے کہ اپنی زبانوں کو ان سے پاک رکھیں۔ اس عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ ایک کو حق پر اور دوسرے کو خطا پر بھی نہ کہنا چاہیے۔ اور سب کو نیکی سے یاد کرنا چاہیے۔

اسی طرح حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آیا ہے۔ **اذاذکر اصحابی فامسکوا** کہ جب میرے اصحاب کا ذکر ہو اور ان کی لڑائی جھگڑوں کا تذکرہ آجائے تو تم اپنے آپ کو سنبھال رکھو اور ایک کو دوسرے پر اختیار نہ کرو۔ لیکن جمہور اہل سنت اس دلیل سے جو ان پر ظاہر ہوئی ہوگی اس بات پر ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور ان کے مخالف خطا پر لیکن یہ خطا خطاء اجتہادی کی طرح طعن وملامت سے دور اور تشنیع وتحقیر سے مبرا و پاک ہے۔

حضرت علی رضی اللہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ ہمارے بھائی ہمارے باغی ہو گئے۔ یہ لوگ نہ کافر ہیں نہ فاسق۔ کیونکہ ان کے پاس تاویل ہے جو کفر وفسق سے روکتی ہے۔

اہل سنت و رافضی دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی کرنے والوں کو خطاء پر سمجھتے ہیں اور دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حقیت کے قائل ہیں لیکن اہل سنت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے محاربین کے حق میں لفظ خطا سے جو تاویل سے پیدا ہے۔ زیادہ اور کچھ اطلاق پسند نہیں کرتے اور زبان کو ان کی طعن و تشنیع سے نگاہ رکھتے ہیں اور حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق صحبت کی محافظت کرتے ہیں۔ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے **اللّٰہ اللّٰہ فی اصحابی لا تتخذوھم غرضاً** یعنی میرے اصحاب کے حق میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ تاکید کے واسطے اس کلمہ کو دوبارہ فرمایا ہے اور میرے اصحاب کو اپنی ملامت کے تیر کا نشان نہ بناؤ۔

ہندوستان کے ہندو بھی اپنے آپ کو ہندو کہلواتے ہیں اور لفظ کفر کے اطلاق سے کنارہ کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو کافر نہیں جانتے بلکہ دار حرب کے رہنے والوں کو کافر سمجھتے ہیں۔ اور یہ نہیں جانتے کہ دونوں کافر ہیں۔ اور کفر کی حقیقت سے مستحق ہیں۔ ان لوگوں نے شاید پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اہل بیت کو اپنی طرح تصور کیا ہے اور ان کو بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وحضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دشمن خیال کیا ہے۔ ان لوگوں نے تقیہ کے باعث جو خود کیا کرتے ہیں۔ اہل بیت کے بزرگواروں کو منافق اور مکار خیال کیا ہے اور حکم کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تقیہ کے طور پر خلفاء ثلاثہ کے ساتھ تیس سال تک منافقانہ صحبت رکھتے رہے اور ناحق ان کی تعظیم وتکریم کرتے رہے۔

عجب معاملہ ہے اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کی محبت رسول اللہ کی محبت کی باعث ہے تو چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو بھی دشمن جانیں اور اہل بیت کے دشمنوں کی نسبت ان کو زیادہ سبّ طعن کریں۔ ابوجہل جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہے جس نے طرح طرح کی اذیتیں اور تکلیفیں رسول اللہ کو پہنچائی ہیں۔ کبھی نہیں سنا کہ اس گروہ میں سے کسی نے اس کو سبّ وطعن کیا ہو۔ یا اس کو برا کہا ہو۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سب مردوں سے پیارے ہیں۔ اپنے خیال فاسد میں اہل بیت کا دشمن تصور کر کے ان کی سبّ ولعن میں زبان دراز کرتے ہیں اور نامناسب امور کو ان کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ یہ کونسی دیانت اور دینداری ہے۔ خدائے تعالیٰ نہ کرے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے دشمنی کریں۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کے ساتھ بغض وعداوت رکھیں۔ کیا اچھا ہوتا اگر یہ لوگ اہل بیت کے دشمنوں کو سبّ کرتے اور اصحاب کرام کے نام مقرر نہ کرتے۔ اور بزرگان دین پر بدظن نہ ہوتے۔ تاکہ ان کی مخالفت جو اہل سنت کے ساتھ ہے دور ہو جاتی' کیونکہ اہل سنت بھی اہل بیت کے دشمنوں کو دشمن جانتے ہیں اور ان کی طعن وتشنیع کے قائل ہیں۔ یہ اہل سنت کی خوبی ہے کہ شخص معین کو جو طرح طرح کے کفر میں مبتلا ہو۔ اسلام وتوبہ کے احتمال پر جہنمی نہیں کہتے اور لعن کا اطلاق اس پر پسند نہیں کرتے۔ عام طور پر کافروں پر لعنت کرتے ہیں لیکن کافر معین پر بھی لعنت پسند نہیں کرتے۔ جب تک اس کے خاتمہ کی برائی قطعی دلیل سے معلوم نہ ہو۔ لیکن رافضی بے تحاشا حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو لعنت اور اکابر صحابہ کو سبّ ولعن کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو سیدھے راستہ کی ہدایت دے۔

اس بحث میں دو مقام ہیں جن میں اہل سنت اور مخالفوں کے درمیان بڑا اختلاف ہے۔

مقام اوّل: یہ کہ اہل سنت خلفاء اربعہ کی خلافت کی حقیت کے قائل ہیں اور چاروں کو برحق خلیفے جانتے ہیں کیونکہ حدیث صحیح میں جن میں مغیبات یعنی امور غائبانہ کی نسبت خبر دی گئی ہے۔ آیا ہے کہ **الخلافة من بعدی ثلثون سنةً** خلافت میرے بعد تیس برس تک ہے اور یہ مدت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت پر تمام ہو جاتی ہے۔ پس اس حدیث کے مصداق چاروں خلیفے ہیں اور خلافت کی ترتیب برحق ہے اور مخالف لوگ خلفاء ثلاثہ کی خلافت کی حقیت کا انکار کرتے ہیں اور ان کی خلافت کو تعصب اور تغلب کی طرف منسوب کرتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سوا امام برحق کسی کو نہیں جانتے اور اس بیعت کو جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خلفاء ثلاثہ کے ہاتھ پر واقع ہوئی تھی۔ تقیہ پر حمل کرتے ہیں اور اصحاب کرام کے درمیان منافقانہ صحبت خیال کرتے ہیں اور مدارات میں ایک دوسرے کو مکار تصور کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے زعم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے موافق لوگ ان کے مخالفوں کے ساتھ تقیہ کے طور پر منافقانہ صحبت رکھتے تھے۔ اور جو کچھ ان کے دلوں میں ہوتا تھا اس کے برخلاف اپنی زبان پر ظاہر کرتے تھے اور مخالف بھی چونکہ ان کے زعم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے دوستوں کے دشمن تھے اس لئے ان کے ساتھ منافقانہ محبت کرتے تھے۔ اور دشمنی کو دوستی کے لباس میں ظاہر کرتے تھے پس ان کے خیال میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام اصحاب منافق اور مکار تھے اور جو ان کے باطن میں ہوتا تھا اس کے برخلاف ظاہر کرتے تھے۔ پس چاہیئے کہ ان کے نزدیک اس اُمت میں سے بدترین اصحاب کرام ہوں اور تمام صحبتوں میں سے بدتر صحبت حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت ہو۔ جہاں سے یہ اخلاق ذمیمہ پیدا ہوئے ہیں اور تمام قرنوں میں سے برا اصحاب کرام کا قرن

ہو۔ جونفاق وعداوت وبغض وکینہ سے پُر تھا حالانکہ حق تعالیٰ اپنی کلام مجید میں ان کو رحماء بینھم فرماتا ہے اعاذنا اللہ سبحانہ عن معتقداتھم السوء (اللہ تعالیٰ ہم کو ان کے برے عقائد سے بچائے) یہ لوگ جب اس امت کے سابقین کو اس قسم کے اخلاق ذمیمہ سے موصوف کرتے ہیں۔ تو لواحقین میں کیا خیریت پائیں گے۔ ان لوگوں نے شاید ان آیات قرآنی اور احادیث نبوی کو جو حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحبت کی فضیلت اور اصحاب کرام کی افضیلت اور اس امت کی خیریت کے بارہ میں وارد ہوئی ہیں۔ نہیں دیکھا یا دیکھا ہے۔ مگر ان کے ساتھ ایمان نہیں رکھتے۔ قرآن واحادیث اصحاب کرام کی تبلیغ سے ہم تک پہنچا ہے۔ جب اصحاب مطعون ہوں گے تو وہ دین جو ان کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے۔ نیز مطعون ہوگا۔ نعوذ باللہ من ذٰلک۔

ان لوگوں کا مقصود دین کا ابطال اور شریعت عزا کا انکار ہے۔ ظاہر میں اہل بیت رسول اللہ علیہ السلام کی محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ مگر حقیقت میں رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کا انکار کرتے ہیں۔ کاش کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے دوستوں کو مسلم رکھتے اور تقیہ کے ساتھ جو اہل مکہ اور نفاق کی صفت ہے۔ متصف نہ کرتے۔ وہ لوگ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دوست ہوں یا دشمن۔ جب تیس سال تک ایک دوسرے کے ساتھ نفاق ومکر وفریب کے ساتھ زندگانی بسر کرتے رہے ہوں تو ان میں کیا خیریت ہوگی۔ اور وہ کس طرح اعتماد کے لائق ہوں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو جو طعن کرتے ہیں۔ نہیں جانتے کہ اس کی طعن میں نصف احکام شرعیہ پر طعن آتا ہے۔ کیونکہ علماء مجتہدین نے فرمایا ہے کہ احکام کی تین ہزار حدیث وارد ہوئی ہیں۔ یعنی تین ہزار احکام شرعیہ ان احادیث سے ثابت ہوئے ہیں جن میں سے ایک ہزار پانچ سو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہوئی ہیں۔ پس اس کا طعن نصف احکام شرعیہ کا طعن ہے۔ اور امام بخاریؒ کہتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے راوی آٹھ سو صحابہ کرام اور تابعین سے زیادہ ہیں۔ جن میں سے ایک ابن عباس رضی اللہ عنہ ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہ بھی اسی سے روایت کرتا ہے اور جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور اَنس بن مالک رضی اللہ عنہ بھی اسی کے راویوں میں سے ہیں۔ اور وہ حدیث جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے طعن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں۔ وہ جھوٹی حدیث ہے جیسے کہ علماء نے اس کی تحقیق کی ہے اور وہ حدیث کہ جس میں آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حق میں فہم کے لئے دعا کی ہے۔ علماء میں مشہور ومعروف ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنی چادر بچھائے تا کہ میں اس میں اپنی کلام گراؤں اور پھر وہ اس کو اپنے بدن سے لگائے۔ تو اس کو کوئی چیز نہ بھولے گی۔ پس میں نے اپنی چادر کو بچھا دیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کلام اس میں گرائی اور میں نے چادر کو اٹھا کر اپنے سینے سے لگایا۔ اس کے بعد مجھے کچھ نہ بھولا۔ پس صرف اپنے ظن ہی سے دین کے ایک بزرگ شخص کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دشمن جاننا اور اس کے حق میں سبّ وطعن ولعن جائز رکھنا انصاف سے دور ہے۔

یہ سب افراط محبت کی باتیں ہیں جن سے ایمان کے دور ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

اگر بالفرض حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں تقیہ جائز بھی سمجھا جائے۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ان اقوال میں کیا کہیں گے جو بطریق تواتر شیخین رضی اللہ عنہما کی افضیلت میں منقول ہیں اور ایسے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ان کلمات قدسیہ میں کیا جواب دیں گے۔ جو ان کی خلافت و مملکت کے وقت خلفاء ثلاثہ کی خلافت کے حق ہونے میں صادر ہوئے ہیں کیونکہ تقیہ اسی قدر ہے کہ اپنی خلافت کی حقیت کو چھپا لے۔ اور خلفاء ثلاثہ کی خلافت کا باطل ہونا ظاہر نہ کرے۔ لیکن خلفاء ثلاثہ کی خلاُفت کے حق ہونے کا اظہار کرنا اور شیخین رضی اللہ عنہما کی افضیلت کا بیان کرنا اس تقیہ کے سوا ایک علیحدہ امر ہے جو صدق و ثواب کے سوا کوئی تاویل نہیں رکھتا۔ اور تقیہ کے ساتھ اس کا دور کرنا ناممکن ہے۔

نیز وہ صحیح حدیثیں حد شہرت کو پہنچ چکی ہیں۔ بلکہ متواتر المعنیٰ ہوگئی ہیں۔ جو حضرات خلفاء ثلاثہ کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں اور ان میں اکثر کو جنت کی بشارت دی گئی ہے ان حدیثوں کا جواب کیا کہیں گے کیونکہ تقیہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں جائز نہیں اس لئے تبلیغ پیغمبروں پر لازم ہے۔

نیز وہ آیات قرآنی جو اس بارہ میں نازل ہوئی ہیں ان میں بھی تقیہ متصور نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو انصاف دے۔ دانا لوگ جانتے ہیں کہ تقیہ جبانت یعنی بزدلی اور نامردی کی صفت ہے۔ اسد اللہ کے ساتھ اس کو نسبت دینا نامناسب ہے۔ بشریت کے رو سے ایک ساعت یا دو ساعت یا ایک دو دن کے لئے مگر تقیہ جائز سمجھا جائے تو ہو سکتا ہے۔ اسد اللہ میں تیس سال تک اس بزرگی کی صفت کا ثابت کرنا اور تقیہ پر مصر سمجھنا بہت برا ہے۔ اور جب صغیرہ پر اصرار کرنا کبیرہ ہے تو پھر بھلا دشمنوں اور منافقوں کی صفات میں سے کسی صفت پر اصرار کرنا کیسا ہوگا۔ کاش کہ یہ لوگ اس امر کی برائی سمجھتے۔ شیخین رضی اللہ عنہما کی تقدیم و تعظیم سے اس لئے بھاگے ہیں کہ اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اہانت ہے اور تقیہ اختیار کر لیا ہے' اگر تقیہ کی برائی جو ارباب نفاق کی صفت ہے سمجھتے تو ہرگز تقیہ کو جائز قرار نہ دیتے اور دو بلاؤں میں سے آسان کو اختیار کرتے' بلکہ ہم کہتے ہیں کہ شیخین رضی اللہ عنہما کی تقدیم و تعظیم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کچھ اہانت نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی حقیت بھی بجائے خود ہے۔ اور ان کی ولایت کا درجہ اور ہدایت و ارشاد کا رتبہ بھی اپنے حال پر ہے۔ اور تقیہ کے ثابت کرنے میں نقص و توہین لازم ہے۔ کیونکہ یہ صفت ارباب نفاق کے خاصوں اور مکاروں اور فریبیوں کے لوازم سے ہے۔

مقام دوم: یہ کہ اہل سنت والجماعت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم حضرت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کی لڑائی جھگڑوں کو نیک وجہ پر محمول کرتے ہیں اور ہوا و تعصب سے دور جانتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نفوس حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں پاک ہو چکے تھے اور ان کے روشن سینے عداوت و کینہ سے صاف ہو گئے تھے۔ حاصل کلام یہ کہ جب ہر ایک صاحب رائے اور صاحب اجتہاد تھا اور ہر مجتہد کو اپنی رائے کے موافق عمل کرنا واجب ہے اس لئے بعض

امور میں رائوں کے اختلاف کے باعث ایک دوسرے کے ساتھ مخالفت و منازعت واقع ہوئی اور ہر ایک کے لئے اپنی رائے کی تقلید بہتر تھی۔ پس ان کی مخالفت موافقت کی طرح حق کے لئے تھی نہ کہ نفس امارہ کی ہوا و ہوس کے لئے۔

اہل سنت کے مخالف لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑنے والوں کو کافر کہتے ہیں اور طرح طرح کے طعن و تشنیع ان کے حق میں جائز سمجھتے ہیں۔ جب اصحاب کرام بعض امور اجتہادیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخالفت کرلیا کرتے تھے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے برخلاف حکم کیا کرتے تھے۔ اور ان کا یہ اختلاف مذموم اور قابل ملامت نہ ہوتا تھا اور باوجود نزول وحی کے ممنوع نہ سمجھا جاتا تھا۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بعض امور اجتہادیہ میں مخالفت کرنا کیوں کفر ہو۔ اور ان کے مخالف کیوں اسلام اور مطعون ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی کرنے والے مسلمان ایک جم غفیر ہیں۔ جو سب کے سب اصحاب کبار ہیں۔ جن میں سے بعض کو جنت کی بشارت دی گئی ہے ان کو کافر اور برا کہنا آسان نہیں۔ کبرت كلمة تخرج من افواههم۔ (چھوٹا منہ بڑی بات) قریباً نصف دین اور شریعت کو انہی نے تبلیغ کیا ہے۔ اگر ان پر طعن آئی تو نصف دین سے اعتماد دور ہو جاتا ہے۔ یہ بزرگوار کس طرح قابل طعن ہو سکتے ہیں۔ جب کہ ان میں سے کسی کی روایت کو کسی امیر اور وزیر نے رد نہیں کیا۔ صحیح بخاری جو کتاب اللہ کے بعد تمام کتابوں سے صحیح ہے اور شیعہ بھی اس کو مانتے ہیں۔

(فقیر نے احمد تبتی کی نسبت جو اکابر شیعہ میں سے تھا سنا ہے کہ وہ کہا کرتا تھا کہ کتاب بخاری کتاب اللہ کے بعد اصح کتاب ہے) اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دوستوں کی بھی روایتیں ہیں۔ اور مخالفوں کی بھی۔ اور موافقت و مخالفت کے باعث کسی کو راجح و مرجوح نہیں جانا، جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے۔ اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی۔ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور اس کی روایت میں کسی قسم کا طعن ہوتا تو ہرگز اس کی روایت اپنی کتاب میں درج نہ کرتا۔ اسی طرح سلف میں جو حدیث کے نقاد اور صراف گذرے ہیں۔ کسی نے اس وجہ سے حدیث کی روایت میں فرق نہیں کیا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت کو طعن کا باعث نہیں بنایا۔

جاننا چاہیے کہ یہ بات ضروری نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تمام امور خلافیہ میں حق پر ہوں اور ان کے مخالف خطا پر۔ اگرچہ محاربہ میں حق بجانب امیر تھا۔ کیونکہ اکثر ایسا ہوا ہے کہ صدر اول کے احکام خلافیہ میں علماء و تابعین اور ائمہ مجتہدین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غیر کا مذہب اختیار کیا ہے اور ان کے مذہب پر حکم نہیں کیا۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب ہی حق مقرر ہوتا تو ان کے برخلاف حکم نہ کرتے۔

قاضی شریح نے جو تابعین میں سے ہے اور صاحب اجتہاد ہوا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مذہب پر حکم نہیں کیا اور حضرت امام حسن علیہ الرضوان کی شہادت کو نسبت نبوت یعنی فرزندی نسبت کے باعث منظور نہیں کیا۔ اور مجتہدین نے قاضی شریح کے قول پر عمل کیا ہے اور باپ کے واسطے بیٹے کی شہادت جائز نہیں سمجھتے۔ اس قسم کے اور

بھی بہت سے مسائل ہیں جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے برخلاف اقوال جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے کے مخالف ہیں۔ اختیار کئے گئے ہیں جو منصف تابعدار پر مخفی نہیں ہیں۔ان کی تفصیل دراز ہے پس حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں۔اور ان کے مخالف لعن وملامت کے لائق نہیں ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو حبیب رب العلمین کی محبوبہ تھیں اور لبِ گور تک حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مقبولہ ومنظورہ رہیں۔اور مرض موت کے ایام بھی انہی کے حجرے میں بسر کئے۔اور انہی کی گود میں جان دی۔اور انہی کے پاک حجرے میں مدفون ہوئے۔اس شرف وفضیلت کے علاوہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا مجتہدہ بھی تھیں۔پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آدھا دین ان کے حوالہ کیا تھا اور اصحاب کرام مشکلات میں ان کی طرف رجوع کیا کرتے تھے اور ان سے مشکلات کا حل طلب کیا کرتے تھے۔اس قسم کی صدیقہ مجتہدہ رضی اللہ عنہا کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت کے باعث طعن اور ناشائستہ حرکات کو ان کی طرف منسوب کرنا بہت نامناسب اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ و السلام پر ایمان لانے سے دور ہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ اگر پیغمبر علیہ السلام کے داماد اور چچا کے بیٹے ہیں۔تو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ مطہرہ اور محبوبہ مقبولہ ہیں۔

پس وہ آزار وایذا جو حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سبب سے پہنچتی ہے وہ اس آزار وایذا سے زیادہ ہے۔جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے پہنچتی ہے۔منصف عقلمندوں پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہے لیکن یہ بات اس صورت میں ہے جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت اور تعظیم پیغمبر علیہ السلام کی محبت و تعظیم اور قرابت کے باعث ہو۔اگر کوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت کو مستقل طور پر اختیار کرے اور حضرت پیغمبر علیہ السلام کی محبت کو اس میں دخل نہ دے تو ایسا شخص محبت سے خارج ہے۔اور گفتگو کے لائق نہیں۔اس کی غرض دین کا باطل کرنا اور شریعت کا گرانا ہے۔ایسا شخص چاہتا ہے کہ حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطہ کے بغیر کوئی اور راستہ اختیار کرے۔اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف آجائے۔یہ سراسر کفر اور زندقہ ہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ اس سے بیزار اور اس کے کردار سے آزار میں ہیں۔پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب اور اصہار (سسر) اور ختنین (دامادوں) کی دوستی بعینہ حضرت پیغمبر علیہ السلام کی دوستی ہے اور ان کی عزت و تکریم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم کے باعث ہے۔

رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے، **فمن احبھم فبحبی احبھم** (جس نے ان کو دوست رکھا اس نے میری محبت کے باعث ان کو دوست رکھا) ایسے ہی جو شخص ان کا دشمن ہے وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی کے باعث ان کو دشمن جانتا ہے۔جیسے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے **فمن ابغضھم فببغضی ابغضھم** (جس نے ان سے بغض رکھا اس نے میرے بغض کے باعث ان سے بغض رکھا) یعنی وہ محبت جو میرے اصحاب سے متعلق ہے۔وہ وہی محبت ہے جو مجھ سے تعلق رکھتی ہے۔اسی طرح ان کا بغض بھی بعینہ میرا بغض ہے۔

طلحہ وزبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اصحاب کبار (اور عشرہ مبشرہ میں سے ہے۔ ان پر طعن و تشنیع کرنا نامناسب ہے۔ اور ان کی لعن وطردلعنت کرنے والے پر لوٹ آتی ہے۔ طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما وہ صحابہ ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلافت کو چھ شخصوں کے مشورہ پر چھوڑا اور ان میں حضرت طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہما کو داخل کیا۔ اور ایک دوسرے پر ترجیح دینے کے لئے کوئی دلیل واضح نہ پائی۔ تو طلحہؓ وزبیرؓ نے اپنے اختیار سے خلافت کا حصہ چھوڑ دیا اور ہر ایک نے ترکت حظی (میں نے اپنا حصہ ترک کیا) کہہ دیا۔ اور یہ وہی طلحہؓ ہے جس نے اپنے باپ کو اس بے ادبی کے باعث جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اس سے صادر ہوئی تھی قتل کر کے اس کے سر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آیا تھا۔ قرآن مجید میں اس فعل پر اس کی تعریف وثناء بیان کی گئی ہے اور یہ وہی زبیرؓ ہے۔ جس کے قاتل کے لئے مخبر صادق علیہ وعلیٰ وآلہ والصلوٰۃ والسلام نے دوزخ کی وعید فرمائی ہے۔ اور یوں فرمایا ہے قاتل زبیر فی النار کہ زبیر کا قاتل دوزخ میں ہے۔ حضرت زبیرؓ پر لعن وطعن کرنے والے قاتل سے کم نہیں ہیں۔ پس اکابر دین اور بزرگواران اسلام کی طعن ومذمت سے ڈرنا چاہیے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام کے بول بالا کرنے اور حضرت سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امداد میں سر توڑ کوششیں کی ہیں اور رات دن ظاہر وباطن میں دین کی تائید میں مال وجان کی پروا نہیں کی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں اپنے خویش واقارب اور مال و اولاد۔ گھر بار۔ وطن۔ کھیتی باڑی۔ باغ ودرخت۔ ونہروں کو چھوڑ دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کو اپنی جانوں پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کو اپنے اموال واولاد اور اپنی جانوں کی محبت پر اختیار کیا۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے شرف صحبت حاصل کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں برکات نبوت سے مالا مال ہوئے۔ وحی کا مشاہدہ کیا۔ اور فرشتہ کے حضور سے مشرف ہوئے۔

اور خوارق ومعجزات کو دیکھا۔ حتیٰ کہ ان کا غیب شہادت اور ان کا علم عین ہو گیا اور ان کو اس قسم کا یقین نصیب ہوا جو آج تک کسی کے نصیب نہیں ہوا حتیٰ کہ دوسروں کا اُحد جتنا سونا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا ان کے ایک آدھ مد جو خرچ کرنے کے برابر نہیں ہوتا۔ یہ وہ لوگ جن کی اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں بایں الفاظ تعریف کرتا ہے۔ رضی اللّٰہ عنہم و رضوانہ (یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے۔)

(توریت اور انجیل میں ان کی مثال اس بیج کی طرح دی ہے جس کی بے شمار شاخیں نکل کر مضبوط ہو جائیں اور اس کے تنے خوب موٹے ٹکڑے مضبوط ہو جائیں۔ جن کو دیکھ کر زراعت کرنے والے خوش ہوں اور کفار غیظ وغضب میں آئیں) ان پر غصہ اور غضب کرنے والوں کو کفار فرمایا ہے۔ پس جس طرح کفر سے ڈرتے ہیں اس طرح ان کے غیظ وغضب سے بھی ڈرنا چاہیے۔ واللّٰہ سبحانہ الموفق۔ وہ لوگ جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کی نسبت درست کی ہو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منظور اور مقبول ہوں۔ تو اگر بعض امور میں ایک دوسرے

کے ساتھ مخالفت اور لڑائی جھگڑا کریں اور اپنی اپنی رائے و اجتہاد کے موافق عمل کریں۔ تو طعن و اعتراض کی مجال نہیں۔ بلکہ اس وقت اختلاف اور اپنی رائے کے سوا غیر کی تقلید نہ کرنا ہی حق و صواب ہے۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے لئے درجہ اجتہاد تک پہنچنے کے بعد امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید خطا ہے۔ اس کے لئے بہتری اپنی رائے کی تقلید میں ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کسی صحابی کے قول کو خواہ صدیقہ رضی اللہ عنہا خواہ امیر رضی اللہ عنہ اپنی رائے پر مقدم نہیں کرتا اور اپنی رائے کے موافق اگرچہ قول صحابی کے مخالف ہو۔ عمل کرنا بہتر جانتا ہے۔ جب امت کے مجتہد اصحاب کے آراء کی مخالفت کر سکتے ہیں تو اگر اصحاب ایک دوسرے کی مخالفت کریں تو کیوں مطعون ہوں۔ حالانکہ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم نے اُمور اجتہادیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خلاف کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے برخلاف حکم کیا ہے۔ اور باوجود نزول وحی کے ان کے خلاف پر مذمت نہیں آئی۔ اور ان کے اختلاف پر منع وارد نہیں ہوا۔ جیسے کہ گزر چکا۔

اگر یہ اختلاف حق تعالیٰ کے نزدیک ناپسند اور نامقبول ہوتا۔ تو البتہ منع ہوتا اور اختلاف کرنے والوں پر وعید نازل ہوتی۔ کیا نہیں جانتے کہ وہ لوگ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گفتگو کرنے میں بلند آواز کیا کرتے تھے۔ ان کے اس بلند آوازے کو کس طرح منع کیا گیا اور اس پر کیسی وعید مترتب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ فرمایا ہے۔:

(اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو نبیؐ کی آواز پر بلند نہ کرو۔ اور اس کو بلند آواز سے اس طرح نہ پکارو، جس طرح تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ ورنہ تمہارے اعمال نیست و نابود ہو جائیں گے اور تم کو معلوم نہ ہوگا۔)

بدر کے قیدیوں کے بارے میں اختلاف عظیم پڑ گیا تھا۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ اور سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ نے ان قیدیوں کو قتل کرنے کا حکم کیا تھا اور دوسروں نے ان کو چھوڑ دینے اور فدیہ لینے کا حکم دیا تھا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بھی یہی رائے مقبول تھی کہ ان کو چھوڑ دیا جائے اور فدیہ لے لیا جائے۔ اس قسم کے اختلاف کے مقام اور بھی بہت سے ہیں اور وہ اختلاف بھی اس قسم کا تھا۔ جو کاغذ کے لانے میں کیا گیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض موت میں کاغذ طلب فرمایا تھا تاکہ ان کے لئے کچھ لکھیں۔ بعض نے کہا کہ کاغذ لانا چاہیے اور بعض نے کاغذ لانے سے منع کیا۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی انہی لوگوں میں سے تھے جو کاغذ کے لانے میں راضی نہ تھے۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا حسبنا کتاب اللہ ہمارے لئے اللہ کی کتاب کافی ہے۔ اس سبب سے طعن لگانے والوں نے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ پر عیب لگایا ہے اور طعن و تشنیع کی زبان دراز کی ہے۔ حالانکہ درحقیقت کوئی محل طعن نہیں کیونکہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے معلوم کر لیا تھا کہ وحی کا زمانہ ختم ہو گیا ہے اور آسمانی احکام تمام ہو چکے ہیں اور احکام کے ثبوت میں رائے و اجتہاد کے سوا کسی امر کی گنجائش نہیں رہی۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ لکھیں گے۔ امور اجتہادیہ میں سے ہوگا۔ جس میں دوسرے بھی شریک ہیں بحکم

فاعتبرو ایا اولی الابصار داناؤں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے۔

پس بہتری اسی بات میں دیکھی کہ اس قسم کی سخت درد میں حضور صلی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تکلیف نہ دینی چاہیے اور دوسروں کی رائے واجتہاد پر کفایت کرنی چاہیے۔ **حسبنا کتاب اللّٰہ** یعنی قرآن مجید جو قیاس واجتہاد کا ماخذ ہے۔ احکام کے نکالنے والوں کے لئے کافی ہے۔ احکام وہاں سے نکال لیں گے۔ کتاب اللہ کے ذکر کی خصوصیت اسی واسطے ہوسکتی ہے۔ جب کہ قرائن سے معلوم کیا ہو کہ یہ احکام جن کے لکھنے کے درپے ہیں۔ ان کا ماخذ کتاب میں ہے نہ سنت میں۔ تاکہ سنت کا ذکر کیا جاتا۔

پس حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا منع کرنا شفقت ومہربانی کے باعث تھا۔ تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شدت درد میں کسی امر کی تکلیف نہ اٹھائیں۔ جس طرح کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کاغذ لانے کے لئے فرمانا بھی استحسان کے لئے تھا نہ کہ وجوب کے لئے۔ تاکہ دوسرے لوگ استنباط کے رنج سے آسودہ ہو جائیں۔ اور اگر امر ایتونی وجوب کے لئے ہوتا۔ تو اس کی تبلیغ میں مبالغہ فرمانے اور صرف اختلافات ہی سے اس سے روگردانی نہ کرتے۔

حاصل کلام یہ کہ قرن اول کے اصحاب تکلفات سے بری اور عبادتوں کی آرائش سے مستغنی تھے۔ ان کی کوشش ہمہ تن باطن کے درست کرنے میں ہوتی تھی اور ظاہر کی طرف سے نظر ہٹا رکھی تھی۔ اس زمانہ میں حقیقت ومعنے کے طور پر آداب بجالاتے تھے۔ نہ فقط صورت ولفظ کے اعتبار پر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کا بجالانا ان کا کام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے بچنا ان کا معاملہ تھا۔ ان لوگوں نے اپنے ماں باپ اور اولاد وازدواج کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا کر دیا تھا اور کمال اعتقاد واخلاص کے باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لعاب مبارک کو زمین پر نہ گرنے دیتے تھے بلکہ آبِ حیات کی طرح اس کو پی جاتے تھے اور فصد کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خون مبارک کو کمال اخلاص سے پی جانے کا ارادہ کرنا مشہور ومعروف ہے۔ اگر اس قسم کی عبارت جو اس زمانہ کے لوگوں کے نزدیک کہ کذب ومکر سے پُر ہے۔ بے ادبی کا موجب ہو۔ ان بزرگواروں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت صادر ہوئی ہو۔ تو اس پر نیک ظن کرنا چاہیے۔ اور عبارت کے مطلب کو دیکھنا چاہیے اور الفاظ خواہ کسی قسم کے ہوں ان سے قطع نظر کرنی چاہیے۔ سلامتی کا طریق یہی ہے۔

ہم اس مکتوب کو ایک عمدہ خاتمہ پر ختم کرتے ہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل بیت کے فضائل درج ہیں۔ ابن عبداللہ المعروف باابن عبیداللہ رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ (جس نے علی رضی اللہ عنہ کو دوست رکھا اس نے مجھے دوست رکھا اور جس نے اس سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور جس نے علی رضی اللہ عنہ کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی)

بریدہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے مجھے چار آدمیوں کے ساتھ محبت کرنے کا امر

کیا ہے اور یہ بھی بتلایا کہ اللہ تعالیٰ آپ بھی ان سے محبت رکھتا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ان کے نام کیا ہیں تو آپ نے فرمایا کہ ایک ان میں سے علی رضی اللہ عنہ ہے۔اس بات کو تین بار کہا۔دوسرے ابوذر۔تیسرے مقداد اور چوتھے سلمان ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے علی رضی اللہ عنہ کی طرف نظر کرنا عبادت ہے۔

براء سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ امام حسن رضی اللہ عنہ آپ کے کندھوں پر ہیں اور آپ فرما رہے ہیں یا اللہ میں اس کو دوست رکھتا ہوں تو بھی اس کو دوست رکھ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تھے۔

اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ آپ کے پہلو میں تھے اور کبھی آپ لوگوں کی طرف دیکھتے اور کبھی اس کی طرف اور فرماتے (یہ میرا بیٹا سردار ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے سبب مسلمانوں کے دونوں گروہوں کے درمیان صلح کردے گا) اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ امام حسن وحسین رضی اللہ عنہما آپ کی ران پر ہیں اور فرما رہے ہیں یہ دونوں میرے بیٹے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں یا اللہ میں ان کو دوست رکھتا ہوں، تو ان کو دوست رکھ اور جو لوگ ان سے محبت رکھیں ان کو بھی دوست رکھ۔

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اہل بیت میں سے کون کون آپ کو زیادہ عزیز ہیں تو آپ نے فرمایا کہ الحسن والحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

اور مسور بن مخرمہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فاطمہ میرا جگر گوشہ ہے جس نے اس سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور ایک روایت میں ہے کہ جو چیز اس کو متردد کرے وہ مجھے بھی متردد کرتی ہے اور جس چیز سے اس کو ایذا پہنچے مجھے بھی پہنچتی ہے) اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا فاطمہ مجھے تجھ سے زیادہ پیاری ہے اور تو میرے نزدیک اس سے زیادہ عزیز ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہے کہ لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دن اپنے تحائف وہدایا لے آتے تھے اور اس سبب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی طلب کرتے تھے۔اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ازدواج دو گروہ تھیں۔ایک وہ گروہ تھا جس میں حضرت عائشہ وحفصہ و سودہ وصفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن تھیں اور دوسرے گروہ میں حضرت ام سلمہ اور باقی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔تو ام سلمہ والے گروہ نے ام سلمہ کو کہا کہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہہ دے کہ وہ لوگوں کو کہہ دیں۔کہ جہاں میں ہوا کروں وہیں تحائف لایا کریں۔پس ام سلمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات کہہ دی تو رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے ام سلمہ اس بارے میں مجھے ایذا نہ دے۔کیونکہ عائشہ کے کپڑے کے سوا اور کسی

عورت کے کپڑے میں میرے پاس وحی نہیں آئی۔

اُم سلمہ نے اس بات کو سن کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں اس بات سے توبہ کرتی ہوں پھر ام سلم کے گروہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بلایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تا کہ وہ یہی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہیں۔ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے میری بیٹی۔ کیا تو اس چیز کو دوست نہیں رکھتی جس کو میں دوست رکھتا ہوں۔ عرض کیا کہ کیوں نہیں۔ پھر فرمایا کہ اس کو یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا کو دوست رکھ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ فرمایا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عورتوں میں سے کسی پر اتنی غیرت نہیں کی جتنی کہ خدیجہ رضی اللہ عنہا پر کی۔ حالانکہ میں نے اس کو دیکھا نہیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا اکثر ذکر کیا کرتے تھے اور بسا اوقات بکری ذبح کر کے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کو بھیج دیا کرتے تھے اور جب کبھی میں کہتی کہ کیا خدیجہ جیسی عورت دنیا میں نہیں ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ وہ تھی جیسی کہ تھی اور اسی سے میری اولاد تھی۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (عباس میرا ہے اور میں عباس کا ہوں) اور دیلمی نے ابوسعید سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر سخت غضب فرماتا ہے جس نے مجھے میری اولاد کے حق میں ایذا دی اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے اچھا وہ شخص ہے جو میرے بعد میری اہل بیت کے ساتھ بھلائی کرے اور ابن عساکر نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری اہل بیت کے ساتھ احسان کیا۔ میں اس کو قیامت کے دن اس کا بدلہ دوں گا اور ابن عدی اور دیلمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے صراط پر وہ شخص زیادہ ثابت قدم ہوگا جس کی میری اہل بیت اور صحاب کے ساتھ زیادہ محبت ہوگی۔

دایا بحق بنی فاطمہ ... کہ برقول ایماں کنی خاتمہ
اگر دعوتم ردکنی در قبول ... من ودست و دامان آل رسول
خدایا بحق بنی فاطمہ ... کہ ایمان پر ہو میرا خاتمہ
دعا کہ میری رد کر یا قبول ... مجھے بس ہے دامان آل رسول

(انتخاب از مکتوبات امام ربانی جلد دوم مکتوب نمبر ۳۶)

دوسرا مکتوب گرامی

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: یقینی طور پر تصور فرمائیں کہ بدعتی کی صحبت کا فساد کافر کی صحبت کے فساد سے زیادہ تر ہے۔ تمام بدعتی فرقوں میں بدتر اس گروہ کے لوگ ہیں جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب کے ساتھ بغض رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں ان کا نام کفار رکھتا ہے۔

لیغیظ بھم الکفار قرآن اور شریعت کی تبلیغ اصحاب رضی اللہ عنہم ہی نے کی ہے اور اگر ان میں طعن لگائیں تو قرآن اور شریعت پر طعن آتا ہے۔ قرآن کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمع کیا ہے اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مطعون ہیں تو قرآن مجید بھی مطعون ہے۔

حق تعالیٰ ان زندیقوں کے ایسے برے اعتقاد سے بچائے۔ مخالفت اور جھگڑے جو اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے درمیان واقع ہوئے ہیں۔

نفسانی خواہشوں پر محمول نہیں ہیں۔ کیونکہ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں ان کے نفسوں کا تذکیہ ہو چکا تھا اور امارہ پن سے آزاد ہو گیا تھا۔ اس قدر جانتا ہوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس بارہ میں حق پر تھے اور ان کے مخالف خطا پر لیکن یہ خطا اجتہادی ہے۔ جو فسق کی حد تک نہیں پہنچاتی بلکہ اس قسم کی خطا میں ملامت کی بھی مجال نہیں۔ کیونکہ ایسی خطا کرنے والے کو بھی ایک درجہ ثواب کا حاصل ہے اور کمبخت یزید اصحاب سے نہیں ہے۔ اس کی بدبختی میں کس کو کلام ہے۔

جو کام اس بدبخت نے کیا ہے کوئی کافر فرنگ بھی نہیں کرتا۔ اہل سنت و جماعت سے میں بعض علماء نے اس کے لعنت کرنے میں جو توقف کیا ہے تو اس لحاظ سے نہیں کیا ہے کہ وہ اس سے راضی ہیں بلکہ اس کی رجوع اور توبہ کے احتمال پر کیا ہے۔

(انتخاب از مکتوبات امام ربانی جلد اوّل مکتوب نمبر ۵۳)

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی باہمی محبت ویگانگت

اعلان علی المرتضیٰ: چونکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت وفضیلت کا قضیہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں شروع ہوا تھا۔ اس لئے انہوں نے اس ضمن میں دوسرا اعلان یہ فرمایا کہ:

''جو لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں ساتھیوں، وزیروں، قریش کے سرداروں اور مسلمانوں کے اکابر کو برائی کے ساتھ یاد کرتے ہیں اور جو ان کو برائی کے ساتھ یاد کرے گا میں ایسے شخص سے بری اور بیزار ہوں اور اس پر دنیا اور آخرت کی سزائیں لازم وملزوم ہیں۔ (حلیۃ الاولیاء، لابی نعیم اصفہانی جلد ۷ ص ۲۰۱)

چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ایسے فتنہ پردازوں کے لئے اسی درے سزا مقرر فرما دی۔ ان کو ساقط الشہادت یعنی نا قابل اعتبار قرار دیا اور بعض کو اس جرم میں شہر بدر کر دیا۔ معروف شیعہ کتاب اطواق الحمامۃ از امام موید باللہ یحییٰ بن حمزۃ الزیدی میں اعلان بالا تفصیل کے ساتھ مزید درج ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ابو بکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کی تنقیص کی خبر پا کر اسی وقت اٹھے مسجد میں تشریف لے گئے اور:

''اپنی سفید داڑھی مبارک پر ہاتھ رکھا۔ آپ کے آنسو بہنے لگے۔ ریش چشم گریاں سے تر ہو رہی تھی۔ پھر آپ نے خطبہ دیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت بیان کرنے کے بعد فرمایا۔ اس ذات کی قسم جس نے دانہ اور روح کو پیدا کیا۔ بلند درجہ کا مومن ہی اللہ کے ساتھ محبت رکھتا ہے اور بے نصیب اور دین سے بے بہرہ شخص ہی ان کے ساتھ بغض وعداوت رکھتا ہے۔ ان کے ساتھ دوستی، نیکی، خدا کی نزدیکی ہے۔ اور ان کے ساتھ عداوت وبدگمانی دین سے خارج ہونا ہے''۔ (منقول از تحفہ اثناء عشریہ باب سوم)

تنبیہ ائمہ کرام

امام باقر نے بھی اس طبقہ کو یہی درس دیا کہ: ''جو چیز تمہارے سامنے آئے وہ اگر قرآن کے موافق پائی جائے تو اس کو اخذ کرو اگر وہ قرآن کے موافق نہیں ہے تو اسے رد کر دو''۔ (امالی شیخ طوسی شیعی جلد ۱ ص ۲۳۷ طبع نجف اشرف)

حضرت امام جعفر صادق نے ایسے کذابوں کو سختی سے ڈانٹتے ہوئے فرمایا: ''خدا سے ڈرو! جو چیز کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ علیہ السلام کے برخلاف ہو اس کو ہماری طرف منسوب کر کے مت قبول کرو۔''

(شیعی کتاب رجال کشی ص ۱۹۵ طبع جدید تہران ایران)

ثالثی علی المرتضیٰ: ''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک روز روم کے بادشاہ کی طرف ایک ایلچی روانہ کرنے لگے تو ان کی بیوی ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے چند دینار کی خوشبو خرید کر دو شیشیوں میں ڈالی اور شاہ روم کی عورت کی طرف پیغام رساں کے ہاتھ تحفۃً ارسال کر دی۔ جب پیغام رساں واپس آیا تو اس خوشبو کے عوض میں دونوں شیشیاں جواہر سے بھری ہوئی لا کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچا دیں۔

جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ گھر میں داخل ہوئے تو ان کی زوجہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا جواہر کو گود میں لئے بیٹھی تھیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا یہ جواہر کہاں سے حاصل کئے۔ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے تمام قصہ بیان کر دیا۔ جس پر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہ جواہر قبضہ میں لے لئے اور فرمایا یہ تو تمام مسلمانوں کے ہیں۔ ام کلثوم نے کہا وہ کس طرح؟ یہ تو میرے ہدیہ کے عوض میں آئے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے اور تیرے درمیان جو تیرا باپ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ فیصلہ کر دے وہ معتبر ہوگا۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ فرمایا۔ کہ اے ام کلثوم! اس تحفہ کی خریداری میں جسقدر تیرے درہم یا دینار صرف ہوئے تھے۔ جواہر سے اتنی مقدار لے سکتی ہو۔ باقی جواہر تمام مسلمانوں یعنی بیت المال کے لئے ہیں۔ اس لئے کہ عامۃ المسلمین کا ایلچی ان کو اٹھا کر لایا ہے۔ (شرح نہج البلاغہ حدیدی شیعی جلد ۴ ص ۵۷۶، ۵۷۵ طبع بیروت)

محمد بن حنیفہ رضی اللہ عنہ ذکر کرتے ہیں کہ میں اپنی بہن ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھا تھا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ گھر تشریف لائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (از راہ شفقت) مجھے گلے لگا لیا اور ام کلثوم سے فرمانے لگے کہ اے ام کلثوم اس عزیز کے ساتھ لطف اور مہربانی سے پیش آنا۔ (کنز العمال جلد ۷ ص ۸۸ طبع دکن)

ایک مرتبہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ملنے ان کے گھر گئے۔ وہ اندر کسی کام میں مصروف تھے جس پر وہ واپس آ گئے۔ بعدہٗ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی وجہ پوچھی۔ تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں آپ سے ملنے کے لئے گیا تھا لیکن آپ کے پسر عبدالرحمٰن بن عمر رضی اللہ عنہ کو بھی اس وقت اجازت نہ ملی تھی اس وجہ سے میں واپس چلا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا کہ آپ ابن عمر کے درجہ میں نہیں۔ اسکا اور مقام ہے۔ آپ کا اور مرتبہ ہے۔ یہ جو کچھ ہمیں عزت نصیب ہے یہ سب آپ حضرات کی وجہ سے حاصل ہے۔ (شرح نہج البلاغہ حدیدی شیعی جلد ۳ ص ۱۶۱، ۱۶۲ طبع بیروتی)

اقدام ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما

''اس پر ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سعد رضی اللہ عنہ کو کہا کہ اٹھو! علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پاس چلیں اور ان کو خواستگاری فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے تیار کریں۔ اگر ان کی تنگدستی مانع ہو تو ان کی مدد کریں۔ سعد رضی اللہ عنہ نے کہا اے ابوبکر رضی اللہ عنہ! آپ نے بالکل ٹھیک تجویز کی ہے وہ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے اور امیر المؤمنین کے گھر چلے گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت گھر میں موجود نہ تھے۔ بلکہ اپنا اونٹ لیکر ایک انصاری کے باغ میں اجرت پر آب کشی کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ یہ تینوں حضرات اسی باغ میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ کیسے

آنا ہوا؟ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا آپ نیک خصلتوں میں دوسرے لوگوں سے سبقت لئے ہوئے ہیں اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کا نسبی رشتہ بھی قریب تر ہے۔ ہمنشینی بھی دائمی نصیب ہے۔

آپ کو خواستگاری فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کون سے امر مانع ہے؟ میرا گمان ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رشتہ آپ کے لئے رکھا ہوا ہے۔ دوسروں کو اس سے منع کر دیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب یہ بات سنی تو آپ کے آنسو جاری ہو گئے۔ فرمانے لگے اے ابو بکر رضی اللہ عنہ! تم نے میرے غم کو تازہ کر دیا۔ میرے سینہ کی پوشیدہ آرزو کو برانگیختہ کر دیا۔ فرمایا کون شخص ہے جو اس خواستگاری کے لئے خواہاں نہ ہو۔ لیکن تنگدستی کی وجہ سے میں اس چیز کے اظہار میں شرم محسوس کرتا ہوں"۔

پس ان تینوں (ابو بکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، سعد رضی اللہ عنہ) نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کام کے لئے آمادہ کیا۔ اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خواستگاری کی خاطر جانے کے لئے رضامند کر لیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنا اونٹ کھولا اور باغ سے گھر تشریف لے گئے۔ اونٹ باندھ دیا اور پاپوش پہن کر حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر تشریف لے گئے"۔ (جلاء العیون مصنفہ ملا باقر مجلسی شیعی صفحہ ۱۲۱، ۱۲۲ باب تزویج فاطمہ باامیر المؤمنین طبع تہران مطبوعہ ۱۳۳۴ھ)

اس ضمن میں دوسری روایت امالی طوسی شیعی میں ضحاک بن مزاحم کی زبانی منقول ہے کہ: "میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ میرے پاس ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ آئے اور کہنے لگے یہ بڑی عمدہ بات تھی کہ آپ خواستگاری فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے رسول خدا کے پاس تشریف لے جاتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس کے بعد میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا تو ہنس کر فرمایا علی! کیسے آنا ہوا؟ میں نے اپنی قرابت نسبی اور دیرینہ قبولیت اسلام اور نصرت دینی اور جہاد میں مساعی کا ذکر کیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو کچھ تو نے کہا ہے تو اس سے بھی بہتر ہے۔ پھر میں نے عرض کیا۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا نکاح میرے ساتھ کر دیں تو بہتر ہوگا"۔ (کتاب الامالی الشیخ ابی جعفر طوسی جلد ا ص ۳۸)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تحریک نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمراہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ نہ صرف بڑے بڑے شیعہ مورخین و مصنفین اور علماء کی کتابوں میں موجود ہے بلکہ اسے شیعہ شعراء نے نظم بھی کیا ہے۔ اس ضمن میں مرزا رفیع باذلی ایرانی نے اپنی کتاب "حملہ حیدری" جلد اول ص ۶۱ مطبوعہ قدیم ۱۲۷۶ھ میں محرکین نکاح حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کا نام بنام تذکرہ اپنی طویل نظم میں کیا ہے اور ان کو یاران علی رضی اللہ عنہ قرار دیا ہے۔

بہ ترغیب یاران علی ولی بروز دگر رفتہ نزد نبی

غرض کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خواہش نکاح پر سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم انہیں وہیں بٹھا کر گھر تشریف لے گئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے تیرے نکاح کے متعلق ذکر کیا ہے تیرا کیا خیال ہے؟

تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی پسندیدگی یا بے رخی کا اظہار کیے بغیر خاموش رہیں اور سرکار دو جہاں نے اپنی صاحبزادی کی خاموشی کو اقرار اور رضامندی کی علامت تصور کرتے ہوئے اس کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کر دینے کا فیصلہ فرمایا۔

صدیقی خدمات

اعلان نکاح کے بعد جہیز اور نکاح کی تیاری کا مسئلہ شروع ہوا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم فرمایا کہ اٹھو اور مصارف شادی کے لئے اپنی زرہ بیچ ڈالو۔ میں نے جا کر زرہ بیچ دی اور اس کی قیمت لا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں ڈال دی۔ نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ کتنے درہم ہیں اور نہ میں نے خود بتلایا کہ یہ اتنے درہم ہیں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال کو بلا کر ایک مٹھی بھر کر دی۔ کہ فاطمہ کے لئے خوشبو خرید کر لائے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ بھر کر ابو بکر رضی اللہ عنہ کو دیئے کہ فاطمہ کے لئے مناسب کپڑے اور دیگر سامان جو درکار ہے وہ خرید لائیں۔ اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اور دیگر احباب کو ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ روانہ کیا۔ پھر سب حضرات بازار پہنچے۔ وہ جس چیز کے خریدنے کا ارادہ کرتے تھے۔ پہلے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کرتے اگر وہ اس چیز کا خریدنا درست خیال کرتے تو اسے خرید لیتے۔ چنانچہ انہوں نے سات درہم کا ایک قمیص چار درہم کی ایک اوڑھنی ایک خیبری سیاہ چادر، ایک بنی ہوئی چارپائی، بستر کے دو گدے۔ ایک کھجور کی چھال کا بھرا ہوا، دوسرا بھیڑ کی اون سے بھرا ہوا، گھاس کی بھری ہوئی ایک بالین ایک صوف کا کپڑا۔ ایک چمڑے کا مشکیزہ، دودھ کے لئے لکڑی کا پیالہ۔ سبز قسم کا ایک گھڑا اور مٹی کے کوزے خرید کیے۔ جب یہ تمام سامان خرید ا گیا۔ تو اس میں سے کچھ سامان خود ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اٹھایا باقی چیزیں دوسروں نے اٹھائیں اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لا کر پیش کیا۔ جسے ملاحظہ کرنے کے بعد آپ نے دعا فرمائی۔ کہ اللہ تعالیٰ اس میں اہل بیت کے لئے برکت عطاء فرمائے۔ (کتاب الامالی الشیخ ابی جعفر الطوسی شیعی جلد اول ص ۳۹ مطبوعہ جدید نجف اشرف)

اس طرح اس مبارک شادی کا اہتمام تمام تر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں انجام پذیر ہوا۔

عثمانی عطیہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ تنگدستی کی وجہ سے اس رشتہ کی درخواست نہ کر رہے تھے۔ جب ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کی تحریک پر یہ مرحلہ طے ہو گیا تو شادی کے لئے ضروری سامان خریدنے کا سوال پیدا ہوا۔ شیعہ کتب کشف الغمہ اور ملا باقر مجلسی کی بحار الانوار میں اس کی تفصیل یوں درج ہے۔

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف متوجہ ہو کر مجھے حکم فرمایا کہ جا کر اپنی زرہ بیچ ڈالیے اور وہ دام میرے پاس لایئے۔ تا کہ تمہارے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے ضرورت کی جو چیزیں ہوں ان کی تیاری کی جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے زرہ اٹھالی اور بازار مدینہ میں چلا گیا۔ یہ زرہ میں نے

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ چار سو درہم میں فروخت کر دی۔ جب میں نے یہ دام لے لئے اور عثمان رضی اللہ عنہ نے زرہ اپنے قبضے میں کر لی تو عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے مجھے کہا کہ اب زرہ ہذا کا میں آپ سے زیادہ حقدار ہوں اور ان دراہم کے آپ مجھ سے زیادہ حقدار ہو گئے ہیں۔ میں نے کہا بالکل ٹھیک ہے۔ اس پر عثمان رضی اللہ عنہ بولے۔ تو لیجئے یہ زرہ میری طرف سے آپ کے لئے ہدیہ ہے"۔ (یہ آپ لے جائیں)

"حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے زرہ اور دراہم دونوں چیزیں لے لیں اور حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر زرہ اور دراہم دونوں چیزیں آپ کے سامنے رکھ دیں اور سارا واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیان کر دیا جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں دعائے خیر کے کلمات فرمائے"

(کشف الغمہ جلد اول ص ۴۸۵،۶ ،۷ ۴ طبع جدید تہران و بحار الانوار جلد عاشر ص ۳۹۰ طبع قدیم ایران)

نکاح علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

شیعہ کتب المناقب للخوارزمی۔ کشف الغمہ اور بحار الانوار ملا باقر مجلسی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا یہ بیان درج ہے کہ: "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نکاح فاطمہ کی گفتگو کرنے کے بعد جب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے باہر آیا تو فرحت و مسرت سے میں مسرور تھا۔ سامنے سے ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ آ رہے تھے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ کیا بات ہے تو میں نے بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اطلاع دی ہے۔ کہ آسمانوں پر اللہ نے میرا نکاح فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کر دیا ہے۔ اور اب حضور گھر سے باہر تشریف لا کر تمام لوگوں کے سامنے اس نکاح کا اعلان فرمانے والے ہیں"

یہ خبر سن کر ابو بکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے اور میرے ساتھ ہو کر اسی وقت مسجد نبوی میں آ گئے۔ ابھی درمیان مسجد میں نہ پہنچے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی فرط و انبساط کی حالت میں پیچھے سے آ پہنچے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔ پھر بلال رضی اللہ عنہ کو بلا کر فرمایا کہ مہاجرین و انصار کو جمع کر لاؤ۔

مذکورۃ الصدر واقعہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی زبانی بالفاظ ذیل شیعہ کتاب المناقب للخوارزمی میں موجود ہے۔

"حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی۔ نزول وحی کے بعد حضور علیہ السلام نے مجھے ارشاد فرمایا کہ اے انس! تو جانتا ہے کہ صاحب العرش کی طرف سے جبرئیل کیا پیغام لایا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا مجھے حکم ہوا ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ تزویج کر دوں۔ بس جاؤ ابو بکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر رضی اللہ عنہم کو بلاؤ اور اتنی ہی تعداد میں انصار کو بلاؤ ان کے آنے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے۔ حمد و ثناء کے بعد جبرئیل کے آنے اور خبر تزویج سنانے سے سب حاضرین کو آگاہ فرمایا۔ نکاح کی اہمیت بیان

کرنے کے بعد اعلان فرمایا کہ میں سب حاضرین مجلس کو اس چیز کا گواہ اور شاہد قرار دیتا ہوں کہ میں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کا علی ابن ابی طالب کے ساتھ چار صد مثقال مہر کے عوض نکاح کر دیا ہے۔

(کشف الغمہ اربلی جلد اول ص ۴۷۶، ۴۷۷ طبع جدید تہران، کتاب بحار الانوار ملا باقر مجلسی جلد عاشر ص ۳۸، ۳۷، مناقب خوارزمی ص ۲۴۲)

اس ضمن میں محب الدین طبری کی کتاب میں مزید یہ مدرج ہے کہ:

''اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کا تھال منگا کر سب کے سامنے رکھ دیا اور فرمایا اس کو لوٹ لو۔ آپس میں جھپٹ کر کھاؤ۔ تو ہم جھپٹ چھین کر کھانے لگے۔ (ریاض النظرۃ جلد ثانی ص ۲۴۱)

اہتمام رُخصتی

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے سلسلہ میں حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو والہانہ کردار ادا کیا اس کی تفصیل گزشتہ اوراق میں گزر چکی ہے۔ اب یہ دیکھئے کہ اس باپ کی بیٹی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اس معاملہ میں کیا کردار رہا۔ اس کی تفصیل خود شیعہ کتب امالی، شیخ طوسی جلد ثانی اور مناقب خوارزمی میں موجود ہے۔ شیعہ خوارزمی کی روایت میں ام ایمن رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ

''میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں علی رضی اللہ عنہ کو بلا لائی۔ وہ تشریف لائے پھر فرمایا۔ میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں تشریف فرما تھے۔ میرے آنے پر ازواج مطہرات اٹھ کر دوسرے کمرہ میں چلی گئیں۔ میں حضور علیہ السلام کے سامنے حیاء کی وجہ سے سرنگوں بیٹھ گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تمہیں پسند ہے کہ تمہاری اہلیہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تمہارے ہاں رخصت کر دیں۔ تو میں نے عرض کیا میرے باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں۔ درست ہے۔ بڑی مہربانی اور نوازش ہوگی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ آج رات کو ہی یا کل رات ہم رخصتی کر دیں گے۔ اس فرحت و سرور میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے میں واپس آنے لگا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو ارشاد فرمایا کہ رخصتی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تیاری کریں۔ عمدہ لباس زیب تن کرائیں۔ خوشبو لگائیں۔ فاطمہ کے لئے ان کے رخصتی کے مکان میں بستر بنائیں۔ پس ازواج مطہرات نے اس فرمان نبوی کے مطابق عمل درآمد کر دیا۔ (مناقب خوارزمی ص ۲۵۴)

اس واقعہ کی مزید تفصیل شیخ ابو جعفر طوسی شیعی کی امالی میں یوں درج ہے۔

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کون کون یہاں موجود ہیں؟ تو ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا موجود ہوں۔ یہ زینب رضی اللہ عنہا ہیں۔ یہ فلاں فلاں بیٹھی ہیں۔ فرمایا کہ میری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا اور چچا زاد برادر علی رضی اللہ عنہ کے لئے تیاری کریں۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے

عرض کیا کونسے حجرہ میں؟ فرمایا تیرے مکان میں۔ پھر ازواج مطہرات کو حکم دیا کہ جگہ مزین کریں اور ٹھیک طرح دیدہ زیب بنائیں۔ (امالی، شیخ ابی جعفر طوسی ص ۴۰ جلد ا مطبوعہ عراق)

روابط فاطمہ و عائشہ رضی اللہ عنہما

مسند ابو داؤد کی ایک روایت کے مطابق: ''ابن ابی لیلیٰ کا بیان ہے کہ مجھے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو چکی پیستے پیستے ہاتھ پر آبلے پڑ گئے ہیں۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی تکلیف بیان کرنے گئیں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسوقت گھر پر موجود نہ تھے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملکر اپنی ضرورت بیان کی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں بتایا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس ضرورت کے لئے آئی تھیں۔ جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ جس چیز کا تم نے مطالبہ کیا ہے اس سے بہتر چیز تم کو تعلیم کرتا ہوں۔ جس وقت اپنے بستر پر آرام کرنے لگو اس وقت ۳۴ بار اللہ اکبر ۳۳ بار سبحان اللہ اور ۳۳ بار الحمد للہ پڑھا کرو۔ یہ تمہارے لئے خادم سے بہتر چیز ہے۔ (مسند ابی داؤد جلد اول ص ۱۶)

بیعت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

صہیب بن ابی ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں تشریف رکھتے تھے۔ اطلاع ملی کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بیعت خلافت کیلئے مسجد میں تشریف فرما ہوئے ہیں۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بلا تاخیر فی الفور ضروری لباس میں گھر سے باہر تشریف لائے اور مجلس بیعت میں پہنچ کر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور اسی جگہ ان کی خدمت میں بیٹھ گئے۔ وہاں سے آدمی بھیج کر اوپر اوڑھنے والی چادر وغیرہ گھر سے منگوائی اور مجلس میں حاضر رہے''۔ (تاریخ ابن جریر طبری جلد ۳ ص ۲۰۱)

مستند شیعہ کتاب نہج البلاغہ میں حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کا فرمان ان الفاظ میں موجود ہے کہ:

''اللہ کی تقدیر و قضاء پر ہم اللہ کے لئے راضی ہو گئے اور ہم نے اللہ کے لئے اس کے امیر کو تسلیم کر لیا میں نے اپنے معاملہ میں فکر و نظر کی۔ تو اس مسئلہ (خلافت) میں میرا تابعداری کرنا میرے بیعت کرنے سے سبقت کر چکا ہے۔ اور میرے غیر یعنی ابو بکر رضی اللہ عنہ کے حق میں میری گردن میں عہد و پیمان لازم ہو چکا تھا'' (شرح نہج البلاغہ طبع مصری جلد ا ص ۸۹)

''ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے جب اہل دین نے نماز کے لئے صف باندھی تو اس صف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ شیر خدا بھی شریک ہو کر کھڑے ہوئے'' (حملہ حیدری۔ مرزا رفیع باذل ایرانی جلد دوم ص ۲۵۶ طبع قدیم ایران)

گیارھویں صدی کے مجتہد ملا محمد باقر مجلسی اصفہانی نے بھی اپنی تصنیف میں اس امر کو تسلیم کیا ہے کہ:

''حضرت علی مسجد نبوی میں تشریف لائے اور ابو بکر کے پیچھے نماز ادا کی'' (مراۃ العقول شرح اصول ص ۳۳۸ طبع قدیم ایران)

مخلصانہ مشورہ

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنے دورِ خلافت کے آغاز میں سب سے پہلے مرتدین اور مانعین زکوٰۃ سے واسطہ پڑا۔ ابن السمان کے حوالہ سے حافظ محبّ الدین طبری لکھتے ہیں کہ: ’’ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مرتدین کے قتال کے بارے میں دیگر صحابہ سے مشورہ کرنے کے بعد علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے رائے لینے کے لئے سوال کیا اے ابوالحسن! آپ اس کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ (مرتدین و مانعین زکوٰۃ سے) جو کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وصول فرمایا کرتے تھے اس سے اگر آپ نے کچھ بھی چھوڑ دیا تو آپ نے پیغمبر خدا کے خلاف کر ڈالا۔ یہ سن کر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ نے چونکہ یہ مشورہ دیا ہے تو اگر ہم سے وہ اونٹ کی ایک رسی بھی روکیں گے تو میں ضرور ان سے قتال اور جنگ کروں گا۔‘‘ (ذخائر العقبیٰ المحب الطبری ص ۹۷)

عملی تعاون

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے مرتدین سے قتال کرنے کا صرف مشورہ ہی نہ دیا اس جہاد میں بنفس نفیس حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک بھی رہے۔ جس کا نہج البلاغہ ابن میثم بحرانی شیعی اور درہ نجفیہ میں ذکر ہے کہ صدیقی دور خلافت کے اوائل میں پیش آمدہ اہم واقعات میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے معین و معاون رہے۔ خود حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ’’رسول اللہ کے بعد مرتدین عرب کی سرکوبی کے لئے میں اٹھ کھڑا ہوا یہاں تک کہ یہ فتنے ختم ہو گئے اور دین اسلام آرام کرنے لگا۔‘‘ (نہج البلاغہ جلد ۲ ص ۱۱۹ طبع مصری)

سفارت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

امام ابن سیرینؒ سے کنز العمال میں یہ واقعہ منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو نجران کا حاکم اور والیء بنا کر بھیجا اور انہیں مندرجہ ذیل خط لکھ دیا: ’’امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ نے اہل نجران کی طرف تحریر کیا کہ میں علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو آپ لوگوں کی طرف خاص وصیت کر کے روانہ کرتا ہوں کہ جو شخص تم میں سے اسلام لائے اس کے ساتھ بہتر و خوش تر معاملہ کیا جائے۔ اور ان کو میں حکم دیتا ہوں کہ زمین کی کاشت و کارکردگی کی صورت میں اس کی آمد کا نصف دیا کریں۔ اور اس زمین سے میں تمہارے اخراج کا ارادہ نہیں رکھتا۔ جب تک کہ تم معاملہ کو درست رکھو گے۔ تمہاری کارکردگی پسندیدہ رہے گی۔ (کنز العمال جلد ۲ ص ۳۱۳ طبع قدیم)

اعتراف علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کہتے ہیں کہ جب آپ دشمن (رومی) کی طرف جائیں گے اور بذات خود اس سے مقابلہ و مقاتلہ کریں گے تو ممکن ہے آپ پر کوئی مصیبت یعنی موت آ جائے۔ تو پھر مسلمانوں کو اپنے آخری شہروں

تک جائے پناہ نہ ملے گی۔ کیونکہ آپ کے بعد کوئی شخصیت ایسی نہیں ہے جس کی طرف مسلمان رجوع کریں۔ لہٰذا آپ کسی تجربہ کار شخص کو ان کی جانب بھیجیں اور اس کے ساتھ پختہ عمل آزمودکار اور لوگوں کے خیرخواہ کو روانہ کیجئے۔ اللہ تعالیٰ ان کو غلبہ دے گا۔ یہی آپ کا مقصود و مطلوب ہے۔ اور اگر کوئی صورت شکست پیش آ گئی تو آپ مسلمانوں کے لئے جائے پناہ اور جائے رجوع موجود ہیں''۔ (کچھ فکر نہ ہوگا)۔ (نہج البلاغہ مع حواشی شیخ عبدہٗ جلد ۱ ص ۱۵۳)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا

''تم اس نیک طریقہ کو مت توڑو جس پر اس امت کے اگلے لوگوں نے عمل کیا ہے۔ جس کے سبب سے الفت اور محبت جمع ہوئی اور جس کے سبب رعیت کی اصلاح ہوئی''۔ (نہج البلاغہ اردو ص ۴۹ عربی ۲/۹۲)

ادب واحترام

شارح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید شیعی لکھتے ہیں کہ ''حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس وقت سے جب سے وہ خلیفہ ہوئے ان کی کنیت سے مخاطب نہ کرتے تھے بلکہ امیر المؤمنین کہہ کر خطاب کرتے تھے اور یہ بات اسی طرح کتب حدیث وکتب سیر و تاریخ میں بیان ہوئی ہے۔ (شرح نہج البلاغہ حدیدی جلد ۲ ص ۶۲۵ مطبوعہ ایران)

مزاح و بے تکلفی

یہ ان ہی خوشگوار تعلقات کا نتیجہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۱۲ھ میں مسماۃ عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی کی اور دعوت ولیمہ میں دیگر دوست احباب کے ہمراہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھی مدعو کیا جو شریک ولیمہ ہوئے اور خورد و نوش سے فارغ ہونے کے بعد از راہ مزاح و بے تکلفی: ''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ عاتکہ (یعنی آپ کی اہلیہ) سے کلام و تکلم کی اجازت ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ٹھیک ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خانگی پردہ سے باہر رہتے ہوئے عاتکہ کو اس کے چند اشعار یاد دلائے۔ جو اس نے اپنے سابقہ خاوند عبداللہ بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی وفات پر از راہ غم کہے تھے۔ ان کے پہلے شعر کا یہ مطلب تھا کہ اے زوج میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ ''میری آنکھ تجھ پر ہمیشہ غمناک رہے گی اور میرا جسم ہمیشہ غبار آلود رہے گا'' تو عاتکہ اس یاد دہانی پر رونے لگیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کہا اے ابوالحسن عورتیں تو اسی طرح کیا کرتی ہیں۔ (یعنی سابقہ چیز کو فراموش کر کے نیا معاملہ کر لیتی ہیں)۔ (کتاب نسب قریش مصعب زبیری جلد ۱ ص ۳۶۵ وغیرہ)

حسن ویقین

جنگ جمل کے وقتی سانحہ کے باوجود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے دل میں بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ویسا ہی ادب واحترام رہا۔ جیسا کہ ان کے والد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ شریح نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مسح خفین کا مسئلہ دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے جا کر پوچھئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہ سفر کیا کرتے تھے۔ اس مسئلہ میں وہ مجھ سے زیادہ واقف ہیں۔ پھر میں نے یہی مسئلہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ سے پوچھا انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسافر کے لئے تین دن تین راتیں موزوں پر مسح کرنا درست ہے اور مقیم (گھر میں رہنے والے) کے لئے ایک دن رات صحیح ہے۔ (الاستیعاب جلد۳ ص ۴۰)

تردید تقیہ

جو لوگ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کو شیخین کے خلاف اکساتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ انہیں دشمن اسلام گردانتے تھے۔ ایک مرتبہ ابو معاویہ رضی اللہ عنہ کے والد ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عار دلاتے ہوئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مخالفت پر آمادہ کرنے کی کوشش کی۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ برہم ہوئے اور بگڑ کر فرمایا اے ابو سفیان! تم اسلام اور مسلمانوں کے پرانے دشمن ہو۔ تم ایسی باتوں سے اسلام کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ ہم نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلافت کا اہل پایا ہے۔ (ابن جریر طبری جلد۲ ص ۴۴۹)

ایک دوسرے موقع پر جب ابو سفیان نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے خلافت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تسلیم کرنے پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اگر ہم ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اہل نہ سمجھتے تو خلیفہ نہ بناتے۔ اے ابو سفیان! مسلمان آپس میں خیر خواہ اور معین و مددگار ہوتے ہیں۔ اگر چہ ان کے جسم اور وطن دور دور ہوں۔ اور منافق ایک ساتھ رہ کر بھی ایک دوسرے کو فریب دیتے ہیں۔ اگر ہم ظاہر میں ابو بکر سے بیعت کر لیں اور دل سے ناپسند کریں تو یہ اسلام کی تعلیم اور مسلمان قوم کی خصوصیات کے بالکل منافی ہے۔ یہ تو کھلا ہوا نفاق ہے۔ (موافقۃ بین اہل بیت والصحابہ از علامہ زمخشری)

خوف حساب

خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں ایک روز گھوڑے پر سوار اسے دوڑائے جا رہے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس طرح برق رفتاری سے جانے کی وجہ پوچھی۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ

"بیت المال کے اموال سے صدقہ کا ایک اونٹ فرار ہو گیا ہے۔ اس کی تلاش کرنے جا رہا ہوں۔ (یہ سن کر) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمانے لگے۔ آپ نے اپنے بعد کے خلفاء اور قائم مقام لوگوں کو مذلت اور مشقت میں ڈال دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے ابوالحسن یہ چیز قابل ملامت نہیں ہے۔ اس ذات کی قسم جس نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو رسالت و نبوت عطاء کی۔ اگر بکری کا ایک بچہ بھی فرات کے کنارے جا کر گم ہو جائے تو بروز قیامت اس کی بھی عمر رضی اللہ عنہ سے باز پرس ہو گی۔ (البدایہ ابن کثیر جلد۷ صفحہ ۱۳۶)

اجرائے حدود

شیعہ علماء اس امر کو تسلیم کرتے ہیں کہ خلفاء ثلاثہ کے دور میں حدود اللہ جاری کرنے کا کام حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سپرد تھا۔ کتاب قرب الاسناد میں حضرت جعفر صادق کی یہ روایت بسند درج ہے کہ:

''حضرت جعفر صادق اپنے اباؤ اجداد سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ حدیں جاری کرنے کے مقدمات حضرت علی المرتضیٰ کے سپرد کر دیتے تھے''۔ (قرب الاسناد عبداللہ بن جعفر الحمیری ص ۱۳۲ طبع تہران)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا:

''لوگ فتنوں کے دریا میں غرق ہو گئے ہیں۔ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے آنکھ بند کر لی ہے۔ اور بدعتوں کو اختیار کر لیا ہے۔ اہل ایمان نے سکوت اختیار کر لیا ہے۔ دروغ گو اور گمراہ بولنے لگے ہیں۔''

فقیہ و مفتی

طبقات ابن سعد میں لکھا ہے کہ: ''عبدالرحمان بن القاسم نے اپنے والد قاسم سے روایت کی ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب صاحب الرائے اور صاحب فہم لوگوں کے مشورہ کی ضرورت پڑتی تو مہاجرین و انصار اور بالخصوص عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو بلاتے تھے۔ یہ تمام حضرات دور خلافت کے مفتیوں میں سے تھے۔ فتویٰ حاصل کرنے کے لئے لوگ ان حضرات کی طرف رجوع کرتے تھے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں یہ طریقہ جاری رکھا۔ پھر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے۔ وہ بھی مشوروں کی خاطر ان ہی بزرگوں کو مدعو کرتے تھے''۔

(طبقات ابن سعد جلد ۳ ص ۱۰۹ طبع لندن یورپ)

شعبی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ جب کوفہ تشریف لائے تو فرمایا کہ جو گرہ عمر رضی اللہ عنہ نے لگا دی ہے میں اس کو نہیں کھولوں گا یعنی اس کے نظام کار کو نہیں بدلوں گا''۔ (بحوالہ صدر و کتاب الاموال لابی عبید قاسم بن سلام ص ۲۳۲ طبع مصر)

تصدیق ''صدیق''

خود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ہے کہ: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ وہ شخص ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل اور رسول خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان پر ان کا نام ''صدیق'' رکھا ہے وہ نماز میں رسول خدا کے خلیفہ و قائم مقام ٹھہرے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کو ہمارے دین کے لیے پسند کیا تو ہم اپنے دنیاوی معاملات کے لیے بھی ان پر رضامند ہو گئے''

(اسد الغابہ لابن اثیر الجزری جلد ۳ ص ۳۱۶ مطبوعہ ایران)

اعتراف افضلیت

شیعی شارحین نہج البلاغہ نے اپنی کتابوں میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ایک خط نقل کیا ہے اس میں علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں کہ:

اسلام میں سب سے افضل جیسا کہ تم نے لکھا ہے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ اخلاص رکھنے والے خلیفہ صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور خلیفہ کے خلیفہ فاروق تھے۔ مجھے اپنی زندگی کی قسم! یقیناً اسلام میں ان دونوں کا مقام عظیم ہے انکو موت کی مصیبت پہنچ جانا اسلام کے لیے شدید زخم تھا۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں پر رحم فرمائے اور ان دونوں کو ان کے بہترین اعمال کے موافق جزائے خیر عطا فرمائے۔ (شرح نہج البلاغہ لابن میثم البحرانی ص ۴۸۶ طبع قدیم ایران)

مسندات علی میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد گرامی درج ہے کہ:

"حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس طرح جنت میں جوانان جنت کے سردار حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ ہوں گے اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے ماسوا پختہ عمر یا عمر رسیدہ لوگوں کے سردار جنت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فاروق ہوں گے" (مسند امام احمد مسندات علی)

اعزاز ابوبکر وعمر فاروق رضی اللہ عنہما

"ایک شخص نے زین العابدین (علی بن الحسین رضی اللہ عنہما) کے پاس حاضر ہو کر کہا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا قرب حاصل تھا؟ تو زین العابدین نے فرمایا کہ جو نزدیکی اور قرب ان کی قبروں کو حاصل ہے بحالت حیات بھی ان کو یہی قرب نصیب تھا۔ (تہذیب التھذیب لابن حجر عسقلانی جلد ۷ ص ۳۰۶ و مسند امام احمد جلد ۴ ص ۷۷)

اعتراف علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر قاتلانہ حملہ کے بعد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ان کی طبع پرسی کے لیے پہنچے تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پہلے سے وہاں موجود تھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ازراہ تسلی کے لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

آپ کو خوشخبری ہو۔ اللہ کی قسم!

❶ آپ کا اسلام لانا مسلمانوں کے لیے باعث عزت ہوا۔ ❷ آپ کا ہجرت کرنا وجہ کشائش ہوا۔
❸ آپ کی خلافت سراسر عدل تھی۔ ❹ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اور ہم نشین تھے۔
❺ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے رضامندی کی حالت میں انتقال فرمایا۔
❻ پھر آپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہم نشین تھے وہ بھی رضامند ہو کر آپ سے رخصت ہوئے۔
❼ آپ کی خلافت پر دو شخصوں نے بھی اختلاف نہیں کیا۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے ابن عباس رضی اللہ عنہ تو اس چیز کی گواہی دیتا ہے؟ تو ابن عباس رضی اللہ عنہ بھی...... کہہ ہی رہے تھے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جو پاس بیٹھے تھے فرمایا ہاں ہم اس بات کے گواہ ہیں۔ (آپ تردد نہ فرمائیں)

(شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید شیعی جلد۳ ص ۵۱۲۔ ۶۱۲ طبع بیروت)

رشک علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

امام محمد بن حسن کتاب الآ ثار میں لکھتے ہیں۔

"امام ابوحنیفہ نے امام محمد باقر سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ حضرت علی المرتضیٰ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نعش پر حاضر ہوئے تو فرمایا کہ میرے نزدیک اس کفن پوش سے بہتر کوئی شخص نہیں (میں چاہتا ہوں) کہ جب میں اللہ تعالیٰ کی جناب میں حاضر ہوں تو میرا بھی اعمال نامہ ایسا ہو جیسا کہ اس کا اعمال نامہ ہے" (کتاب الآثار امام محمد باقر ص ۱۴۶)

تمنائے علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

حضرت جعفر صادق اپنے والد محترم امام باقر سے روایت کرتے ہیں کہ:

"منبر نبوی اور قبر شریف کے درمیان بدری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تشریف رکھا کرتے تھے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ پر جب قاتلانہ حملہ ہوا تو انہوں نے ان حضرات کی طرف آدمی بھیج کر کہلا بھیجا کہ تمہیں قسم دے کر عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ دریافت کرتے ہیں۔ کہ تم ایسے واقعہ پر رضامند ہو؟ یا یہ تمہاری رضامندی سے ہوا ہے؟ تو وہاں پر موجود تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر گریہ طاری ہو گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمانے لگے کہ ہرگز نہیں! ہم تو ان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دوست رکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہماری زندگیوں میں سے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو زندگی دے دی جائے اور ان کی عمر دراز ہو۔" (حلیۃ الاولیاء لابی نعیم اصفہانی جلد۳ ص ۱۹۹ تذکرہ امام جعفر صادق طبع مصر)

خصوصی رعایت

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بنی ہاشم اور اہل بیت نبوت کا خصوصی خیال رکھتے تھے جیسا کہ ان کی مندرجہ ذیل عبارت سے ظاہر ہے کہ: "جب ہمارے پاس عراق فتح ہونے پر خمس آئے گا تو ہم ہر غیر شادی شدہ ہاشمی کی شادی کر دیں گے۔ اور جس ہاشمی کے پاس بھی خادمہ نہ ہوگی اس کو خدمت کے لیے خادمہ دیں گے۔ (الریاض النظرۃ جلد۲ ص ۲۸)

نیز حضرت فاروق اعظم حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خمس وغیر خمس سے بھی عطیات دیا کرتے تھے۔

(کتاب الاموال ص ۳۲۵ طبع مصر)

فاروقی عطیہ

سولہ ہجری میں جب کسریٰ کا پایہ تخت مدائن فتح ہوا تو وہاں سے کافی اشیاء از قسم ملبوسات زیورات و زیب و

زینت کا سامان سعد بن ابی وقاص نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں روانہ کیا جو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس مال میں سے بیش قیمت بچھونے (فرش پوش) کا ایک ٹکڑا حصہ میں ملا۔ جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیس ہزار درہم میں فروخت کیا۔ (البدایہ لابن کثیر جلد ۷ ص ۶۷)

حسن احترام

جنگ جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف لڑنے والی فوج کی سربراہ تھیں ان کا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بطریق ذیل ادب و احترام فرمایا: جنگ ہارنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے وہ سلوک نہ کیا جس کا دشمن مستحق ہوتا ہے بلکہ خاتمہ جنگ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ بنفس نفیس حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ملاقات کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کی ضرورت کا ہر سامان جو ان کی شان کے شایان تھا اسی وقت مہیا کر دیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو مدینہ جانے کی اجازت دے دی یہاں تک کہ ان کے جو آدمی لقمہ اجل ہونے سے بچ گئے تھے ان کو قیدی بنانے کی بجائے اذن عام دے دی کہ جو یہاں ٹھہرنا چاہیں وہ یہاں ٹھہر جائیں اور جو جانا چاہیں وہ بے شک چلے جائیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اکیلا جانا برداشت نہ ہو سکا۔ اس لئے آپ نے بصرہ کی مشہور چالیس عورتوں کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جانے کے لئے تیار کیا تا کہ ان کا دل لگا رہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روانگی کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو الوداع کہنے آئے تو اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''اے میرے فرزندو! دیکھو!! ایک دوسرے پر کوئی ملامت نہ کرے۔ میرے اور علی رضی اللہ عنہ کے درمیان صرف اتنی سی چشمک رہی جتنی کہ ایک عورت اور سسرال والوں میں ہوا کرتی ہے۔ میری اس چشمک کے باوجود ان (علی رضی اللہ عنہ) کا شمار اخیار (اچھے لوگوں) میں ہوتا ہے''۔

اس کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ''بخدا! انہوں نے سچ کہا میرے اور ان کے درمیان بس اتنی سی چشمک تھی اور وہ دنیا و آخرت دونوں میں تمہارے نبی کی زوجہ ہیں''۔

وسعت قلبی

یہ اسی بھائی چارہ کا نتیجہ تھا کہ جنگ صفین کے موقع پر دن میں تو فریقین میں جنگ ہوتی اور رات کے وقت ایک لشکر کے لوگ دوسرے لشکر میں جا کر مقتولین کی تجہیز و تکفین میں حصہ لیا کرتے تھے۔ اس تاریخی اور سنہری واقعہ کو متعدد مؤرخین نے نقل کیا ہے۔ جس سے ثابت ہے کہ بدوران جنگ نہ صرف قائدین بلکہ ان کی پیروی کرنے والے لشکریوں کے دل بھی ایک دوسرے سے صاف تھے۔ اور ان میں وہ بغض و عناد نظر نہ آتا تھا جو ان کے محبین کے دل میں پایا جاتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں ایسے لوگ بھی تھے جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے لڑنا نہیں چاہتے تھے اور انہیں یہ

جنگ ناگوار تھی۔ آپ نے نہ ان کا کورٹ مارشل کیا نہ کوئی ان پر جبر کیا بلکہ فرمایا: ''تم میں جو شخص ہمارے ساتھ ہو کر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ قتال پسند نہیں کرتا وہ اپنی عطا لے لے اور دیلمیوں کی طرف جا کر ان سے جنگ کرے''۔

مرہ ہمدانی کا بیان ہے کہ میں انہی میں تھا جنہوں نے دوسری صورت پسند کی۔ ہم نے عطائیں لے لیں اور الدیلم کی جانب روانہ ہو گئے۔ ہماری تعداد ۵ ہزار تھی۔ (فتوح البلدان بلاذری جلد اص ۴۵۸)

اس سلسلے میں حضرت امام زین العابدین کی روایت میں مزید درج ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ کے لئے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کہا کہ آگے تشریف لائیے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اے ابوالحسن! آپ کی موجودگی میں؟ انہوں نے کہا کہ ہاں۔ آپ آگے تشریف لائے اللہ کی قسم آپ کے بغیر کوئی دوسرا شخص فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جنازہ نہیں پڑھائے گا۔ پس ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ پڑھائی اور رات کو دفن کر دی گئیں۔ (ریاض النظر جلد اص ۱۵۶)

گریہ علی المرتضیٰ بر وفات صدیق اکبر رضی اللہ عنہما

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت یافتہ اسید بن صفوان کہتے ہیں کہ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اہل مدینہ گریہ وزاری سے مضطرب ہو گئے اور اس طرح متحیر اور پریشان ہوئے۔ جس طرح وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے روز لوگ مدہوش ہو گئے تھے۔ اس وقت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بعجلت گریہ کی حالت میں انا للہ و انا الیہ راجعون کہتے ہوئے پہنچے اور فرمانے لگے۔ آج روز نبوت کی (بلا فصل) خلافت و نیابت ختم ہو گئی۔ جس مکان میں ابوبکر رضی اللہ عنہ رکھے گئے تھے اس کے دروازے پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ اے ابوبکر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم و کرم فرمائے۔ آپ تمام قوم سے اسلام لانے میں سابق تھے۔ اور ایمان میں مخلص تھے اور یقین میں زیادہ تھے۔ (ریاض النظر محب الطبری)

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خطاب کرتے ہوئے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اللہ جل شانہ کی قسم! آپ دین کے لئے ابتدائی مراحل میں سبقت کرنے والے اور پیشرو تھے۔ جس دور میں لوگ دین سے متنفر تھے اور آخر دور میں بھی آپ پیش رو رہے۔ جبکہ لوگ ضعیف اور بزدل ہو رہے تھے۔ آپ دین کے معاملات میں بھی اس پہاڑ کی طرح مضبوط رہے جس کو سخت تر ہوائیں متحرک نہ کر سکیں اور توڑ ڈالنے والی آندھیاں اپنی جگہ سے زائل نہ کر سکیں'' (کتاب الفائق جار اللہ زمخشری جلد اول ص ۲۸۴)

انتقال نبوی کے بعد فتنہ ارتداد کے دوران حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو استقامت اور ثابت قدمی دکھائی اس سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اتنے متاثر تھے کہ ان کی وفات پر اس کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکے۔

تعزیت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

خلیفہ اوّل کے انتقال کے بعد جب خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو یہ خبر وفات سنتے ہی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اظہار تعزیت کے لئے پہنچے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

جنگ ناگوار تھی۔ آپ نے نہ ان کا کورٹ مارشل کیا نہ کوئی ان پر جبر کیا بلکہ فرمایا: ”تم میں جو شخص ہمارے ساتھ ہو کر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ قتال پسند نہیں کرتا وہ اپنی عطالے لے اور دیلمیوں کی طرف جا کر ان سے جنگ کرے“۔

مرہ ہمدانی کا بیان ہے کہ میں انہی میں تھا جنہوں نے دوسری صورت پسند کی۔ ہم نے عطائیں لے لیں اور الدیلم کی جانب روانہ ہو گئے۔ ہماری تعداد ۵ ہزار تھی۔ (فتوح البلدان بلاذری جلد اص ۴۵۸)

اس سلسلے میں حضرت امام زین العابدین کی روایت میں مزید درج ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ کے لئے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کہا کہ آگے تشریف لائیے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اے ابوالحسن! آپ کی موجودگی میں؟ انہوں نے کہا کہ ہاں۔ آپ آگے تشریف لائے اللہ کی قسم آپ کے بغیر کوئی دوسرا شخص فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جنازہ نہیں پڑھائے گا۔ پس ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نماز جنازہ پڑھائی اور رات کو دفن کر دی گئیں۔ (ریاض النضر جلد اص ۱۵۶)

گریہ علی المرتضیٰ بروفات صدیق اکبر رضی اللہ عنہما

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت یافتہ اسید بن صفوان کہتے ہیں کہ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اہل مدینہ گریہ وزاری سے مضطرب ہو گئے اور اس طرح متحیر اور پریشان ہوئے۔ جس طرح وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے روز لوگ مدہوش ہو گئے تھے۔ اس وقت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ عجلت گریہ کی حالت میں انا للہ و انا الیہ راجعون کہتے ہوئے پہنچے اور فرمانے لگے۔ آج روز نبوت کی (بلا فصل) خلافت و نیابت ختم ہو گئی۔ جس مکان میں ابوبکر رضی اللہ عنہ رکھے گئے تھے اس کے دروازے پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ اے ابوبکر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم و کرم فرمائے۔ آپ تمام قوم سے اسلام لانے میں سابق تھے۔ اور ایمان میں مخلص تھے اور یقین میں زیادہ تھے۔ (ریاض النضر محب الطبری)

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خطاب کرتے ہوئے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”اللہ جل شانہ کی قسم! آپ دین کے لئے ابتدائی مراحل میں سبقت کرنے والے اور پیشرو تھے۔ جس دور میں لوگ دین سے متنفر تھے اور آخر دور میں بھی آپ پیش رو رہے۔ جبکہ لوگ ضعیف اور بزدل ہو رہے تھے۔ آپ دین کے معاملات میں بھی اس پہاڑ کی طرح مضبوط رہے جس کو سخت تر ہوائیں متحرک نہ کر سکیں اور توڑ ڈالنے والی آندھیاں اپنی جگہ سے زائل نہ کر سکیں“ (کتاب الفائق جار اللہ زمخشری جلد اول ص ۲۸۴)

انتقال نبوی کے بعد فتنہ ارتداد کے دوران حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو استقامت اور ثابت قدمی دکھائی اس سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اتنے متاثر تھے کہ ان کی وفات پر اس کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکے۔

تعزیت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

خلیفہ اوّل کے انتقال کے بعد جب خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو یہ خبر وفات سنتے ہی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اظہار تعزیت کے لئے پہنچے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"وفات کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ چار پائی پر رکھے گئے تو لوگ گرد و پیش جمع ہو گئے وہ ان کے حق میں دعائیہ کلمات کہہ رہے تھے۔ کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خطاب کر کے فرمانے لگے کہ میرا گمان یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ تجھے اپنے دونوں دوستوں یعنی نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ہمنشین اور ساتھی بنائے گا۔ اس لئے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اکثر سنا کرتا تھا آپ فرماتے تھے کہ میں ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ فلاں کام کے لئے چلے گئے اور میں، ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ فلاں مقام میں داخل ہوئے۔ میں اور ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ فلاں جگہ سے رخصت ہوئے۔ اس چیز سے میں یہی خیال کرتا تھا کہ ان دونوں حضرات کے ساتھ آپ کو معیت و صحبت ہمیشہ نصیب رہے گی"۔ (المستدرک للحاکم جلد ۳ ص ۶۸۰)

شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے محاصرہ کے دوران حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ حویلی کے باہر دروازہ پر بغرض حفاظت موجود تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سن کر اضطراب کی حالت میں:

"حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹوں کو فرمایا کہ امیر المؤمنین کیسے قتل ہو گئے؟ حالانکہ تم حویلی کے دروازے پر موجود تھے۔ اور ان کو ضرب و شتم کیا۔ حسن رضی اللہ عنہ کو طمانچہ مارا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سینے پہ مارا۔ ابن طلحہ رضی اللہ عنہ و ابن زبیر رضی اللہ عنہ کو سخت سست کہا۔" (انساب الاشراف احمد بن یحییٰ جلد ۵ ص ۶۹، ۷۰ طبع یورو شلم عقیدۃ السفارینی جلد دوم ص ۳۶۲ طبع مصر)

گریہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

جب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جام شہادت پی چکے تو "حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے ہاں پہنچے اور روتے ہوئے ان پر بے ساختہ گر گئے (ان کی وارفتگی کی حالت دیکھ کر) دیکھنے والے گمان کرنے لگے کہ علی رضی اللہ عنہ بھی عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ لاحق ہوتے ہیں یعنی ان کا بھی دم یہیں نکلتا ہے۔ (البدایہ جلد ۷ ص ۱۹۳)

گریہ دختران علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

"ایک روز حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنی بیٹیوں کے ہاں تشریف لے گئے۔ تو وہ رو رہی تھیں اور اپنے آنسوؤں کو صاف کر رہی تھیں۔ آپ نے ان سے دریافت فرمایا کیوں رو رہی ہو؟ صاحبزادیوں نے فرمایا مظلومیت عثمان رضی اللہ عنہ پہ رو رہی تھیں۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ خود رو پڑے اور فرمایا کہ ان پر رو سکتی ہو۔ (انساب الاشراف بلاذری جلد ۵ ص ۱۰۳)

نماز جنازہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

شیعی مؤرخ ابن ابی حدید نے مزید یہ لکھا ہے کہ:

"حضرت عثمان کے گھر والے چند آدمی ان کو دفن کرنے کے لئے گھر سے باہر لائے۔ ان لوگوں کے ساتھ

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور ابوجہم رضی اللہ عنہ وغیرہ بھی تھے۔ مغرب و عشاء کے درمیان جنت البقیع کے باہر "حش کوکب" نامی مقام پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھی"۔ (شرح نہج البلاغہ لابن ابن الحدید الشیعی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خدا اس شخص پر رحم کرے جس نے حکمت کا کوئی کلمہ سنا تو اسے گرہ میں باندھ لیا۔ ہدایت کی طرف اسے بلایا گیا تو دوڑ کر قریب ہوا۔ صحیح راہبر کا دامن تھام کر نجات پائی۔ اللہ کو ہر وقت نظروں میں رکھا۔ گناہوں سے خوف کھایا۔ عمل بے ریا پیش کیا۔ نیک کام کئے۔ ثواب کا ذخیرہ کیا۔ بری باتوں سے اجتناب برتا۔ صحیح مقصد کو پالیا اپنا اجر سمیٹ لیا۔ خواہشوں کا مقابلہ کیا۔ امیدوں کو جھٹلایا۔ صبر کو نجات کی سواری بنایا۔ موت کے لئے تقویٰ کا ساز و سامان کیا۔ روشن راہ پر سوار ہوا۔ حق کی شاہراہ پر قدم جمائے۔ زندگی کی مہلت کو غنیمت جانا۔ موت کی طرف قدم بڑھائے اور عمل کا سرمایہ ساتھ لیا۔ (نہج البلاغہ ۲۲۱ مطبوعہ امامیہ کتب خانہ لاہور)

ذلت و خواری

ابوحکیمہ کا بیان ہے کہ: "ہم مسجد میں بیٹھے تھے ایک شخص آیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ کی شان میں تنقیص کرنے لگا اور عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں گالیاں بکنے لگا۔ میں اٹھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں چلا گیا اور عرض کیا کہ مسجد میں ایک شخص نے اس طرح کہا ہے۔ آپ نے فرمایا اس شخص کو میرے پاس لاؤ۔

چنانچہ وہ لایا گیا۔ آپ نے پوچھا کہ اس امر کا کون گواہ ہے کہ اس شخص نے اس طرح کہا ہے۔ تو میں نے بھی گواہی دی اور میرے ساتھیوں نے بھی شہادت دی۔ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اس کو پاؤں میں مسل دیا جائے یعنی زدوکوب کیا جائے۔ ذلیل و خوار کیا جائے۔ پھر اس کو بازار میں لے جاؤ۔ تا کہ عام لوگ اس کی حالت کو دیکھ لیں۔ نیز حکم دیا کہ اس کو شہر سے نکال دو۔ یہ میرے شہر میں نہ رہے" (کتاب الکنی دولابی جلد ۱ ص ۱۵۵ طبع دکن)

سزائے غلط بیانی

"جو شخص مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا ہے اس پر مفتری اور کذاب کی سزا جیسی ہو گی۔ اس کی شہادت ساقط کر دی جائے گی اور گواہی غیر معتبر ہو گی" (کنز العمال جلد ۶ ص ۳۶۶)

اللہ کے دشمن

حضرت امام باقر رحمہ اللہ نے جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا۔ "مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ عراق میں ایک قوم ہے وہ لوگ ہماری محبت اور دوستی کے دعوے دار ہیں۔ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق کمی بیشی (طعن و تشنیع) کرتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ میں نے ان کو اس چیز کا امر کیا ہے لہٰذا ان کو اطلاع کر دو کہ اللہ تعالیٰ شاہد و گواہ ہیں کہ میں ان سے بری اور بیزار ہوں۔ جس ذات کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس کی قسم ہے کہ اگر مجھے اس قوم پر حکومت حاصل ہو

جائے تو ان کی خون ریزی وقتل کر کے اس کے ہاں تقرب ونزدیکی حاصل کروں۔ مجھے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ہی نصیب نہ ہو اگر میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لئے استغفار نہ کروں۔ اور ان کے حق میں ترحم ودعا کے کلمات نہ کہوں۔ اللہ کے دشمن ان دونوں کے مقام سے غافل ہیں۔'' (حلیۃ الاولیاء اصفہانی جلد ۳ ص ۱۸۵)

دُعا علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ

حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے دل میں شیخین کی کتنی محبت اور رغبت تھی اس کا اندازہ ان کے حسب ذیل فرمان سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے۔ حضرت علی شیر خدا فرماتے ہیں کہ: ''نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمانوں نے اپنی جماعت سے اپنے دو امیر (ابوبکر رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ یکے بعد دیگرے) تجویز کئے۔ جو نیک اور صالح افراد تھے۔ پس ان دونوں نے کتاب وسنت پر عمل کیا اور ان کی سیرت وکردار بہت عمدہ تھا۔ سنت نبوی سے انہوں نے تجاوز نہیں کیا۔ پھر وہ اسی حالت میں فوت ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں پر اپنی رحمت فرمائے''۔ (شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید شیعی جلد اول ص ۲۹۵ جز ششم طبع ایران قدیم)

بیزاری امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ

سالم ابن ابی حفصہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ

:''سیدنا جعفر صادق رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے جد اور نانا ہیں۔ کوئی شخص اپنے آباؤاجداد کو گالی دیتا ہے؟ نبی اقدس کی شفاعت ہی مجھے نصیب نہ ہو اگر میں ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے تولی اور دوستی نہ رکھوں اور میں ان کے دشمنوں سے بیزاری اختیار نہ کروں۔

(سیرۃ عمر بن الخطاب لابن جوزی ص ۳۲ طبع مصر)

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی سخاوت

حضرت جعفر طیارؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور حضرت علیؓ کے حقیقی بھائی ہیں۔ اوّل تو یہ سارا ہی گھرانہ اور خاندان بلکہ آل اولاد سخاوت، کرم، شجاعت، بہادری میں ممتاز رہے اور ہیں۔ لیکن حضرت جعفرؓ مساکین کیساتھ خاص تعلق رکھتے تھے اور زیادہ اٹھنا بیٹھنا غرباء ہی کے ساتھ ہوتا تھا۔

کفار کی تکالیف سے تنگ ہو کر اول حبشہ کی ہجرت کی اور کفار نے وہاں بھی پیچھا کیا تو نجاشی کے یہاں اپنی صفائی پیش کرنا پڑی۔ وہاں سے واپسی پر مدینہ طیبہ کی ہجرت کی اور غزوۂ موتہ میں شہید ہوئے۔ ان کے انتقال کی خبر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے گھر تعزیت کے طور پر تشریف لے گئے اور ان کے صاحبزادوں عبداللہ اور عون اور محمد کو بلایا۔ وہ سب کم عمر تھے۔ اُن کے سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعاء فرمائی۔

ساری ہی اولاد میں باپ کا رنگ تھا مگر عبداللہ میں سخاوت کا مضمون بہت زیادہ تھا اسی وجہ سے ان کا لقب قطب السخاء سخاوت کا قطب تھا۔ سات برس کی عمر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت ہوئی۔ انہی عبداللہ بن جعفرؓ سے کسی شخص نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے یہاں سفارش کرائی۔ اُنکی سفارش پر اس کا کام ہو گیا تو اس نے نذرانہ کے طور پر چالیس ہزار درہم بھیجے۔ انہوں نے واپس کر دیئے کہ ہم لوگ اپنی نیکی کو فروخت نہیں کرتے۔ ایک مرتبہ کہیں سے دو ہزار درہم نذرانہ میں آئے۔ اسی مجلس میں تقسیم فرما دیئے ایک تاجر بہت سی شکر لے کر آیا مگر بازار میں فروخت نہ ہوئی۔ اس کو فکر و رنج ہوا۔ عبداللہ بن جعفرؓ نے اپنے کارندوں سے کہا کہ ساری شکر اس سے خرید لو اور لوگوں میں مفت لٹا دو۔ رات کو قبیلہ میں جو مہمان آجاتا تھا۔ وہ اُن کے یہاں سے کھانا پینا ہر قسم کی ضروریات پوری کرتا۔ (اصابہ)

حضرت زبیر ایک لڑائی میں شریک تھے ایک دن اپنے بیٹے عبداللہ کو وصیت فرمائی کہ میرا خیال یہ ہے کہ آج میں شہید ہو جاؤں گا تم میرا قرض ادا کر دینا اور فلاں فلاں کام کرنا۔ یہ وصیتیں کر کے اسی دن شہید ہو گئے۔ صاحبزادہ نے قرضہ کو جوڑا تو بائیس لاکھ درہم تھے اور قرضہ بھی اس طرح ہوا تھا کہ امانت دار بہت مشہور تھے۔ لوگ اپنی اپنی امانتیں بہت کثرت سے رکھتے یہ فرما دیتے کہ رکھنے کی جگہ تو میرے پاس نہیں یہ رقم قرض

ہے۔ جب تمہیں ضرورت ہو لے لینا۔ یہ کہہ کر اس کو صدقہ کر دیتے اور یہ بھی وصیت کی کہ جب کوئی مشکل پیش آئے تو میرے مولیٰ سے کہہ دینا۔ عبداللہ کہتے ہیں کہ میں مولیٰ کو نہ سمجھا۔

میں نے پوچھا کہ آپ کے مولیٰ کون؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ۔ چنانچہ حضرت عبداللہؓ نے تمام قرضہ ادا کر دیا۔ کہتے ہیں کہ جب کوئی وقت پیش آتی میں کہتا کہ اے زبیرؓ کے مولیٰ فلاں کام نہیں ہوتا۔ وہ فوراً ہو جاتا۔ یہ عبداللہ بن زبیر کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ ان عبداللہ بن جعفرؓ سے کہا کہ میرے والد کے قرضہ کی فہرست میں تمہارے ذمہ دس لاکھ درہم لکھے ہیں۔ کہنے لگے کہ جب چاہو لے لو۔

اس کے بعد معلوم ہوا کہ مجھ سے غلطی ہوئی میں دوبارہ گیا۔ میں نے کہا کہ وہ تو تمہارے اُن کے ذمہ ہیں۔ کہنے لگے کہ میں نے معاف کر دیئے۔ میں نے کہا کہ میں معاف نہیں کراتا۔ کہنے لگے جب تمہیں سہولت ہو دیدینا۔ میں نے کہا کہ اس کے بدلہ میں زمین لے لو۔ غنیمت کے مال میں بہت سی زمین آئی ہوئی ہے۔ عبداللہ بن جعفرؓ نے کہا اچھا۔ میں نے ایک زمین ان کو دے دی۔ جو معمولی حیثیت کی تھی۔ پانی وغیرہ بھی اس میں نہیں تھا۔ اُنہوں نے فوراً قبول کر لی اور غلام سے کہا کہ اس زمین میں مصلیٰ بچھا دے۔ اُس نے مصلیٰ بچھا دیا۔ دو رکعت نماز پڑھی اور بہت دیر تک سجدہ میں پڑے رہے۔ نماز سے فارغ ہو کر غلام سے کہا کہ اس جگہ کو کھودو۔ اُس نے کھودنا شروع کیا۔ ایک پانی کا چشمہ وہاں سے اُبلنے لگا۔ (اسد الغابہ)

فائدہ

ان حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے یہاں یہ اور اس قسم کی چیزیں کوئی بڑی بات نہ تھی۔ ان حضرات کی عام عادتیں ایسی ہی تھیں۔

بُوبکر و عُمر، عُثمان و علی رضی اللہ عنہم

اَصحابِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق کے ولی
بُوبکرؓ و عُمرؓ، عثمانؓ و علیؓ

یارانِ نبیؐ میں سب سے جلی
بُوبکرؓ و عُمرؓ، عثمانؓ و علیؓ

وُہ شمعِ حَرم کے پروانے
وُہ خَتمِ رُسُل کے دیوانے
بُوبکرؓ و عُمرؓ، عثمانؓ و علیؓ
بُوبکرؓ و عُمرؓ، عثمانؓ و علیؓ

اِسلام نے جن کو عِزّت دی
اِسلام کو قُوّت جن سے مِلی
اِیماں کی روایت جن سے چلی
بُوبکرؓ و عُمرؓ، عثمانؓ و علیؓ

ترتیبِ خلافت بھی ہے یہی
ترتیبِ فضیلت بھی ہے یہی
لگتی ہے یہی ترتیب بَھلی
بُوبکرؓ و عُمرؓ، عثمانؓ و علیؓ

اِس نظم کی خُوشبُو پھیلے گی
یہ خُوشبُو ہر سُو پھیلے گی
گُونجے گا یہ نغمہ گلی گلی
"بُوبکرؓ و عُمرؓ، عثمانؓ و علیؓ"

یہ کتبہ حَرم کی زینت ہے
یہ لَوح و قلم کی زینت ہے
لِکھ شاہ نفیسؔ اَب اِس کو جَلی
بُوبکرؓ و عُمرؓ، عثمانؓ و علیؓ

○

(۲۰ ربیع الاوّل ۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کے دیگر قریبی عزیز واقارب

- .....عم مکرم سیدنا عباس رضی اللہ عنہ
- .....چچازاد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ
- .....عم مکرم سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ
- .....خال المؤمنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عم مکرم

سیدنا حضرت عباس رضی اللہ عنہ

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

خصائل: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں دو سال آگے تھے۔ ان کی والدہ کا نام نتیلہ بنت خباب تھا۔ یہ پہلی عربی خاتون تھیں جنہوں نے بیت الحرام کو حریر اور دیباج کا لباس پہنایا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ جاہلیت میں بھی رئیس قریش تھے۔ عمارۃ المسجد الحرام اور سقایہ ان ہی سے متعلق تھی۔ سقایہ کے معنی تو مشہور ہی ہیں (پیاؤ لگوانا) مگر عمارت سے مطلب یہ ہے کہ بیت الحرام کے اندر کسی شخص کو گالی گفتار نہ ہونے دیتے تھے اور کوئی شخص خانہ کعبہ کے اندر بیہودہ بات زبان پر نہ لاسکتا تھا۔

جنگ بدر میں قید ہونا

جنگ بدر میں یہ قریش کی جانب تھے اور پکڑے گئے تھے۔ ان کی مشک بندی زور سے کردی گئی تھی جس کی تکلیف سے وہ ہائے پکار کرتے تھے۔ یہ آواز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سمع مبارک تک آتی تھی اور آپ ادھر سے ادھر کروٹیں بدلتے تھے۔ کسی نے عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم آرام کیوں نہیں فرماتے۔ فرمایا عباس کے کراہنے سے مجھے نیند نہیں آتی۔ تھوڑی دیر ہو چکی تو یہ آواز حضور نے نہ سنی۔ فرمایا عباس کا کیا حال ہے۔ اس نے عرض کیا کہ میں نے ان کی مشک بندی کھول دی ہے فرمایا جاؤ سب اسیروں کے ساتھ یہی برتاؤ کرو۔

اسلام: حجاج بن علاط کی حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت عباس قدیم الاسلام تھے۔ لیکن انہوں نے اپنا اسلام چھپا رکھا تھا اور حکم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مکہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ کفار کی خبریں حضور تک پہنچایا کرتے اور غریب مسلمانان مکہ کی امداد فرمایا کرتے۔ اظہار اسلام کے بعد حنین طائف اور تبوک کے غزواۃ میں شامل ہوئے۔

اظہار اسلام سے پیشتر بیعت عقبہ ثانیہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں حاضر تھے۔ بدر میں عقیل اور نوفل برادر زادوں اور حارث برادر خود کا فدیہ انہوں نے خود ادا کیا تھا۔ جنگ حنین میں حضرت عباس برابر رکاب نبویؐ سے چمٹے رہے۔

فضائل و مناقب: اسلام کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی نہایت حرمت و عزت فرمایا کرتے اور ارشاد فرماتے ھذا عمی و صنوابی (یہ میرے چچا ہیں اور میرے باپ کے برابر ہیں)۔

حضرت عباس جواد و مطعم اہل قرابت سے سلوک کرنے والے صاحب رائے و تدبیر اور صاحب دعائے مستجاب تھے۔

وفات: انہوں نے ۱۲ رجب (یا رمضان) ۳۲ھ میں بعمر ۸۸ سال وفات پائی حضرت عثمان غنی نے نماز جنازہ ادا کی اور جنۃ البقیع میں مدفون ہوئے۔

اولاد

ان کے فرزند یہ ہیں۔ فضل، عبداللہ، عبیداللہ، معبد، قثم، عبدالرحمٰن (ام حبیب دختر) یہ سب توام الفضل کے بطن سے ہیں اور عون بن عباس ایک دوسری ماں سے اور تمام وکثیر ایک اور ماں سے حارث ایک اور ماں سے ہیں۔

❶ فضل بن عباس سب سے بڑے ہیں۔ باپ کی کنیت ابوالفضل اور ان کی ماں (لبابۃ الصغریٰ) کی کنیت ام الفضل انہی کے نام پر ہے۔ یہ غزوہ حنین میں شریک اور حجۃ الوداع میں حاضر ہوئے اور غسل نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شامل تھے اور علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر پانی ڈالتے تھے۔ خلافت صدیقی ۱۳ھ یا فاروقی ۱۸ھ میں شہید ہوئے۔ ایک لڑکی ام کلثوم باقی چھوڑی۔ اس کا نکاح اول امام حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ پھر ابوموسیٰ اشعری کے ساتھ ہوا تھا۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور ابوہریرہ نے ان سے روایت کی ہے۔

❷ عبداللہ بن عباس حضرت عباس کے فرزندوں میں سب سے زیادہ مشہور، حبر امت اور ربی امت کے لقب سے ملقب ہیں۔ ۶۸ھ میں ستر سال کی عمر میں طائف میں وفات پائی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ اللھم علمه الحكمة و تاويل القرآن ایک حدیث میں دوسرے الفاظ دعائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ہیں: اللھم بارک فيه و انشر منه واجعله من عبادک الصالحين

مسروق کہتے ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر میں کہتا تھا کہ سب سے زیادہ حسین ہیں۔ گفتگو سن کر یقین ہوتا تھا کہ یہ سب سے زیادہ فصیح ہیں اور ان کی روایات سن کر معلوم ہوتا تھا کہ یہ سب سے بڑھ کر عالم ہیں۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کو حاکم بصرہ مقرر کیا تھا۔ جنگ جمل وصفین ونہروان میں یہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مع اپنے فرزندان حسن وحسین اور محمد کے حاضر رہے تھے۔ آخر عمر میں ان کی آنکھیں جاتی رہی تھیں۔ اس پر ان کے اشعار ہیں۔

ان يا خذالله من عيني نور هما ففي لساني و قلبي منهما نور
قلبي ذكي و عقلي غير ذي دخل و في فمي صارم كالسيف ماثور

علوم شعر وانساب اور ایام عرب اور وقائع عرب اور علم حدیث وفقہ وتفسیر میں امام تھے۔ خلفاء عباسیہ انہی کی اولاد ہیں ابن عباس نے ڈیڑھ ہزار سے کچھ زائد احادیث کی روایت کی ہے۔ خلفائے بغداد جن کی حکومت ۱۳۲ھ سے ۶۵۰ھ تک رہی انہی کی نسل سے تھے۔ بہاولپور کے عباسی نواب اسی شاخ عالی سے ہیں۔

❸ عبیداللہ بن عباس، یہ اپنے بھائی عبداللہ سے ایک سال چھوٹے تھے۔ علی مرتضیٰ نے ان کو اپنے عہد خلافت

میں حاکم یمن بنایا تھا اور ۳۶ھ و ۳۷ھ میں یعنی دو سال تک حضرت علی مرتضیٰ کے حکم سے امیر الحاج بھی بنے رہے۔ ۵۸ھ میں وفات پائی۔ اجود الناس مشہور تھے۔

❹ معبد عہد نبوی میں پیدا ہوئے اور ۳۵ھ میں بعہد خلافت عثمان غنی ملک افریقہ میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے ان سے کوئی حدیث مروی نہیں۔

❺ قثم بن عباس، عبداللہ بن جعفر سے روایت ہے کہ میں، عبیداللہ اور قثم کھیل رہے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گزرے۔ مجھے آگے اور قثم کو اپنے پیچھے سوار کرلیا اور ہمارے لئے دعا بھی فرمائی۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اپنے عہد خلافت میں حاکم مکہ کردیا تھا اور شہادت مرتضوی تک یہ اسی جگہ مامور ہے۔ قثم سعید بن عثمان غنی کے ساتھ سمرقند کے جہاد کو گئے تھے۔ وہیں شہید ہوئے۔ ایک شاعر ان کی مدح میں لکھتا ہے

کم صارخ بک مکروب و صارخة   یدعوک یا قثم الخیرات یاقثم

ترجمہ: ''بہت سے مصیبت زدہ مرد اور عورتیں، قثم سخی قثم کو پکارا کرتے ہیں۔''

سب سے آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہی الگ ہوئے تھے۔ یعنی لحد مبارک میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لٹانے کے بعد سب سے آخر میں یہی باہر نکلے تھے۔

❻ کثیر، وفات نبوی سے چند ماہ پیشتر ۱۰ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ فقیہ ذکی وفاضل تھے ان کی ماں رومیہ (یورپین) تھیں۔

❼ تمام، کثیر کے مادرزاد بھائی اولاد عباس میں سب سے چھوٹے ہیں۔ بڑے بہادر حملہ آور تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب سے حاکم مدینہ بھی رہے۔ ان کی اولاد باقی ہے۔

❽ عبدالرحمٰن عہد نبوی میں پیدا ہوئے اور اپنے بھائی معبد کے ساتھ افریقہ میں شہید ہوئے۔

❾ اُم حبیب، دختر عباس رضی اللہ عنہا کا نکاح اسود بن سفیان عبدالاسد مخزومی سے ہوا تھا۔ سفیان ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا حقیقی برادر ہے۔ (جدید سیرت النبی)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا ایثار

بصرہ کے چند قاری حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارا ایک پڑوسی ہے جو بہت کثرت سے روزے رکھنے والا ہے، بہت زیادہ تہجد پڑھنے والا ہے اس کی عبادت کو دیکھ کر ہم میں سے ہر شخص رشک کرتا ہے اور اس کی تمنا کرتا ہے اس کی سی عبادت ہم بھی کیا کریں۔ اس نے اپنی لڑکی کا نکاح اپنے بھتیجے سے کر دیا ہے لیکن غریب کے پاس جہیز کے لئے کوئی چیز نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان حضرات کو لے کر اپنے گھر تشریف لے گئے اور ایک صندوق کھولا جس میں چھ توڑے (روپیہ یا اشرفی کی تھیلی توڑا کہلاتی ہے) نکالے اور ان حضرات کے حوالہ کر دیئے کہ اس کو دے دیں۔ یہ لے کر چلنے لگے تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے فرمایا کہ ہم لوگوں نے اس کے ساتھ انصاف کا برتاؤ نہیں کیا۔ یہ مال اس کے حوالہ اگر کر دیا جائے گا تو اس غریب کو بڑی دقت ہوگی وہ اس جہیز کے انتظام کے جھگڑے میں لگ جائے گا جس سے اس کی مشغولی بڑھ جائے گی۔

اس کی عبادت میں حرج ہوگا، اس دنیا کم بخت کا ایسا درجہ نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے ایک عبادت گزار مؤمن کا حرج کیا جائے، ہماری اس میں کیا شان گھٹ جائے گی کہ ایک دین دار کی خدمت ہم ہی کر دیں لہٰذا اس مال سے شادی کا سارا انتظام ہم سب مل کر کر دیں اور سامان تیار کر کے اس کے حوالہ کر دیں۔ وہ حضرات بھی اس پر راضی ہوگئے اور سارا سامان اس رقم سے مکمل تیار کر کے اس فقیر کے حوالہ کر دیا۔ (احیاء)

خدمت خلق کیلئے اعتکاف ختم کر دیا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ مسجد نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام میں معتکف تھے آپ کے پاس ایک شخص آیا اور سلام کر کے (چپ چاپ) بیٹھ گیا... حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے فرمایا کہ میں تمہیں غمزدہ اور پریشان دیکھ رہا ہوں کیا بات ہے اُس نے کہا اے رسول اللہ کے چچا کے بیٹے میں بیشک پریشان ہوں کہ فلاں کا مجھ پر حق ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس قبر والے کی عزت کی قسم میں اس حق کے ادا کرنے پر قادر نہیں... حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اچھا کیا میں اس سے تیری سفارش کروں اس

نے عرض کیا کہ جیسے آپ مناسب سمجھیں...ابنِ عباس رضی اللہ عنہ یہ سُن کر جوتہ پہن کر مسجد سے باہر تشریف لائے اس شخص نے عرض کیا کہ آپ اپنا اعتکاف بھول گئے فرمایا بھولا نہیں ہوں بلکہ میں نے اس قبر والے (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سُنا ہے اور ابھی زمانہ کچھ زیادہ نہیں گذرا...

(یہ لفظ کہتے ہوئے) ابن عباس رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ جو شخص اپنے بھائی کے کسی کام میں چلے پھرے اور کوشش کرے اس کیلئے دس برس کے اعتکاف سے افضل ہے اور جو شخص ایک دن کا اعتکاف بھی اللہ کی رضا کیواسطے کرتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ...اس کے اور جہنم کے درمیان تین خندقیں آڑ فرما دیتے ہیں جن کی مسافت آسمان اور زمین کی درمیانی مسافت سے بھی زیادہ چوڑی ہے اور جب ایک دن کے اعتکاف کی یہ فضیلت ہے تو دس برس کے اعتکاف کی کیا کچھ ہوگی...(رواہ الطبرانی)

فائدہ: اس حدیث سے دو مضمون معلوم ہوئے...اوّل یہ کہ ایک دن کے اعتکاف کا ثواب یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ...اس کے اور جہنم کے درمیان تین خندقیں حائل فرما دیتے ہیں اور ہر خندق اتنی بڑی ہے جتنا سارا جہاں اور ایک دن سے زیادہ جس قدر زیادہ دنوں کا اعتکاف ہوگا اتنا ہی اجر زیادہ ہوگا...

علامہ شعرانی رحمہ اللہ نے کشف الغمہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص عشرہ رمضان کا اعتکاف کرے اس کو دو حج اور دو عمروں کا اجر ہے اور جو شخص مسجد جماعت میں مغرب سے عشاء تک کا اعتکاف کرے کہ نماز...قرآن کے علاوہ کسی سے بات نہ کرے حق تعالیٰ شانہ...اس کے لئے جنت میں ایک محل بناتے ہیں...

دوسرا مضمون جو اس سے بھی زیادہ اہم ہے وہ مسلمانوں کی حاجت روائی کہ دس برس کے اعتکاف سے افضل ارشاد فرمایا ہے اسی وجہ سے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے اعتکاف کی پرواہ نہیں فرمائی کہ اس کی ادائیگی پھر بھی ہو سکتی ہے اور اس کی قضا ممکن ہے اسی وجہ سے صوفیاء کا مقولہ ہے کہ اللہ جل شانہ...کے یہاں ٹوٹے ہوئے دل کی جتنی قدر ہے اُتنی کسی چیز کی نہیں...یہی وجہ ہے کہ مظلوم کی بددُعا سے احادیث میں بہت ڈرایا گیا ہے...

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو حاکم بنا کر بھیجتے تھے اور نصائح کے ساتھ **واتق دعوة المظلوم**..بھی ارشاد فرماتے تھے کہ مظلوم کی بددعا سے بچو۔

مسئلہ: اس جگہ ایک مسئلہ کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ کسی مسلمان کی حاجت روائی کے لئے بھی مسجد سے نکلنے سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے اور اگر اعتکاف واجب ہو تو اس کی قضاء واجب ہوتی ہے...نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ضرورتِ بشری کے علاوہ کسی ضرورت سے بھی مسجد سے باہر تشریف نہیں لاتے تھے...حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کا یہ ایثار کہ دوسرے کی وجہ سے اپنا اعتکاف توڑ دیا...ایسے ہی لوگوں کے مناسب ہے کہ دوسروں کی خاطر خود پیاسے تڑپ تڑپ کر مر جاویں مگر پانی کا آخری قطرہ اس لئے نہ پئیں کہ دوسرا زخمی جو پاس لیٹا ہوا ہے وہ اپنے سے اہم ہے...یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کا یہ اعتکاف نفلی اعتکاف ہو...(فضائل اعمال)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عجیب نصیحت

ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے جو شخص ہر طرف سے کھنچ کر اللہ کا ہو جائے... اللہ اس کی ہر مشکل میں اس کی کفالت کرتا ہے اور بے گمان روزیاں دیتا ہے اور جو خدا سے ہٹ کر دُنیا ہی کا ہو جائے، اللہ بھی اُسے اسی کی طرف سونپ دیتا ہے... مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی سواری پر آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو آپ نے فرمایا:

بچے! میں تمہیں چند باتیں سکھاتا ہوں: سنو! تم اللہ کی یاد رکھو وہ تمہیں یاد رکھے گا، اللہ کے حکم کی حفاظت کرو تو اللہ کو اپنے پاس بلکہ اپنے سامنے پاؤ گے، جب کچھ مانگنا ہو تو اللہ ہی سے مانگو، جب مدد طلب کرنی ہو اسی سے مدد چاہو کہ تمام اُمت مل کر تمہیں نفع پہنچانا چاہے اور خدا کو منظور نہ ہو تو ذرا سا بھی نفع نہیں پہنچا سکتی اور اسی طرح سارے کے سارے جمع ہو کر تجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہیں تو بھی نہیں پہنچا سکتے... اگر تقدیر میں نہ لکھا ہو، قلمیں اُٹھ چکیں اور صحیفے خشک ہو گئے... ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے... امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اسے حسن صحیح کہتے ہیں... مسند احمد کی ایک اور حدیث میں ہے جسے کوئی حاجت ہو اور وہ لوگوں کی طرف لے جائے تو بہت ممکن ہے کہ وہ سختی میں پڑ جائے اور کام مشکل ہو جائے اور جو اپنی حاجت اللہ کی طرف لے جائے اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مراد پوری کرتا ہے یا تو جلدی اسی دُنیا میں ہی یا دیر کے بعد یعنی موت کے بعد... (تفسیر ابن کثیر جلد پنجم صفحہ ۳۷۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اپنے غلام کے پاؤں میں بیڑی ڈالنا

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے غلام حضرت عکرمہؒ مشہور علماء میں ہیں۔ کہتے ہیں کہ میرے آقا حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے قرآن اور حدیث اور شریعت کے احکام پڑھانے کیلئے میرے پاؤں میں بیڑی ڈال دی تھی کہ کہیں آؤں جاؤں نہیں۔ وہ مجھے قرآن شریف پڑھاتے اور حدیث شریف پڑھاتے۔ (بخاری۔ ابن سعد)

فائدہ: حقیقت میں پڑھنا اسی صورت سے ہو سکتا ہے۔ جو لوگ پڑھنے کے زمانہ میں سیر و سفر اور بازار کی تفریح کے شوق میں رہتے ہیں وہ بیکار اپنی عمر ضائع کرتے ہیں۔ اسی چیز کا اثر تھا کہ پھر عکرمہ غلام حضرت عکرمہؒ بن گئے کہ بحر الامۃ اور حبر الامۃ کے القاب سے یاد کئے جانے لگے۔ قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ تمام تابعین میں زیادہ عالم چار ہیں جن میں سے ایک عکرمہ ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بچپن میں حفظ قرآن

خود حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے تفسیر پوچھو میں نے بچپن میں قرآن شریف حفظ کیا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ میں نے دس برس کی عمر میں اخیر کی منزل پڑھ لی تھی۔ (بخاری۔ فتح)

صحابہ میں قرآن کی تعلیم کا طریقہ: فائدہ: اُس زمانہ کا پڑھنا ایسا نہیں تھا جیسا کہ اس زمانہ میں ہم لوگ غیر زبان

والوں کا، بلکہ جو کچھ پڑھتے تھے وہ مع تفسیر کے پڑھتے تھے۔ اسی واسطے حضرت ابن عباس تفسیر کے بہت بڑے امام ہیں کہ بچپن کا یاد کیا ہوا بہت محفوظ ہوتا ہے چنانچہ تفسیر کی حدیثیں جتنی حضرت عبداللہ بن عباس سے نقل ہیں بہت کم دوسرے حضرات سے اتنی نقل ہوں گی۔ عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ قرآن کے بہترین مفسر ابن عباسؓ ہیں۔

ابو عبدالرحمٰنؒ کہتے ہیں کہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہم کو قرآن شریف پڑھاتے تھے وہ کہتے تھے کہ صحابہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دس آیتیں قرآن کی سیکھتے تھے۔ اسکے بعد دوسری دس آیتیں اسوقت تک نہیں سیکھتے تھے جب تک پہلی دس آیتوں کے موافق علم اور عمل نہیں ہو جاتا تھا۔ (منتخب کنز)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاء

تیرہ سال کی عمر تھی جس وقت کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا۔ اس عمر میں جو درجہ تفسیر و حدیث میں حاصل کیا وہ کھلی کرامت اور قابل رشک ہے کہ امام تفسیر ہیں اور بڑے بڑے صحابہؓ تفسیر ان سے دریافت کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی دُعاء کا ثمرہ تھا کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم استنجے کے لئے تشریف لے گئے۔ باہر تشریف لائے تو لوٹا بھرا ہوا رکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا یہ کس نے رکھا ہے عرض کیا کہ ابن عباسؓ نے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خدمت پسند آئی اور دُعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ دین کا فہم اور کتاب اللہ کی سمجھ عطا فرمائیں۔ اس کے بعد ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نوافل پڑھ رہے تھے یہ بھی نیت باندھ کر پیچھے کھڑے ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ سے کھینچ کر برابر کھڑا کر لیا کہ ایک مقتدی اگر ہو تو اس کو برابر کھڑا ہونا چاہئے۔ اس کے بعد حضور نماز میں مشغول ہو گئے، یہ ذرا سا پیچھے کو ہٹ گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد دریافت فرمایا۔ عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ آپ کے برابر کس طرح کھڑا ہو سکتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علم و فہم کے زیادہ ہونے کی دُعا دی۔ (اصابہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا نماز کی وجہ سے آنکھ نہ بنوانا

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی آنکھ میں جب پانی اُتر آیا تو آنکھ بنانے والے حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ اجازت ہو تو ہم آنکھ بنا دیں۔ لیکن پانچ دن تک آپس کو احتیاط کرنا پڑے گی کہ سجدہ بجائے زمین کے کسی اونچی لکڑی پر کرنا ہوگا۔ انہوں نے فرمایا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا واللہ ایک رکعت بھی مجھے اس طرح پڑھنا منظور نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مجھے معلوم ہے کہ جو شخص ایک نماز بھی جان کر چھوڑے وہ حق تعالیٰ شانہٗ سے اس طرح ملے گا کہ حق سبحانہٗ وتقدس اس پر ناراض ہونگے۔ (درمنثور)

فائدہ: اگرچہ شرعاً نماز اس طرح سے مجبوری کی حالت میں پڑھنا جائز ہے اور یہ صورت نماز چھوڑنے کی وعید میں داخل نہیں ہوتی مگر حضرات صحابہؓ کو نماز کے ساتھ جو شغف تھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل

کرنی کی بس قدر اہمیت تھی اس کی وجہ سے حضرت ابن عباسؓ نے آنکھ بنوانے کو بھی پسند نہ کیا کہ ان حضرات کے نزدیک ایک نماز پر ساری دنیا قربان تھی آج ہم بے حیائی سے جو چاہے ان مر مٹنے والوں کی شان میں منہ سے نکال دیں۔ جب کل اُن کا سامنا ہوگا اور یہ فدائی میدانِ حشر کی سیر کے لطف اڑا رہے ہونگے جب حقیقت معلوم ہوگی کہ یہ کیا تھے اور ہم نے ان کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی نصیحت

وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ظاہری بینائی جانے کے بعد میں اُن کو لئے جارہا تھا وہ مسجد حرام میں تشریف لے گئے وہاں پہنچ کر ایک مجمع سے کچھ جھگڑے کی آواز آرہی تھی۔ فرمایا مجھے اس مجمع کی طرف لے چلو۔ میں اس طرف لے گیا۔ وہاں پہنچ کر آپؓ نے سلام کیا۔ ان لوگوں نے بیٹھنے کی درخواست کی تو آپ نے انکار فرما دیا اور فرمایا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ کے خاص بندوں کی جماعت وہ لوگ ہیں جن کو اسکے خوف نے چپ کرا رکھا ہے حالانکہ نہ وہ عاجز ہیں نہ گونگے بلکہ فصیح لوگ ہیں، بولنے والے ہیں سمجھدار ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کی بڑائی کے ذکر نے اُن کے عقلوں کو اُڑا رکھا ہے۔ اُن کے دل اسکی وجہ سے ٹوٹے رہتے ہیں اور زبانیں چپ رہتی ہیں اور جب اس حالت پر اُن کو پختگی میسر ہو جاتی ہے تو اس کیوجہ سے نیک کاموں میں وہ جلدی کرتے ہیں تو ہم لوگ اُن سے کہاں ہٹ گئے۔ وہبؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے دو آدمیوں کو بھی ایک جگہ جمع نہیں دیکھا۔

فائدہ: حضرت ابن عباس اللہ کے خوف سے اس قدر روتے تھے کہ چہرہ پر آنسوؤں کے ہر وقت بہنے سے دو نالیاں سی بن گئی تھیں۔ اُوپر کے قصہ میں حضرت ابنِ عباسؓ نے نیک کاموں پر اہتمام کا ایک سہل نسخہ بتلایا کہ اللہ کی عظمت اور اس کی بڑائی کا سوچ کیا جائے کہ اس کے بعد ہر قسم کا نیک عمل سہل ہے اور پھر وہ یقیناً اخلاص سے بھرا ہوا ہوگا۔ رات دن کے چوبیس گھنٹوں میں اگر تھوڑا سا وقت بھی ہم لوگ اس سوچنے کی خاطر نکال لیں تو کیا مشکل ہے؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مثالی سخاوت

حضرت حبیب بن ابی ثابت کہتے ہیں کہ حضرت ابوایوب (انصاری) رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے اپنے قرضے کی شکایت کی (کہ قرضہ ادا کرنے کے لئے کچھ دے دیں) لیکن حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے (تعاون کا) وہ رخ نہ دیکھا جسے وہ چاہتے تھے بلکہ (بے رخی کا) وہ انداز دیکھا جو انہیں پسند نہ تھا تو انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ (اے انصار) تم میرے بعد دیکھو گے کہ دوسروں کو تم پر ترجیح دی جائے گی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے کیا کہا تھا؟ انہوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ صبر کرنا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا تو پھر صبر کرو۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے کہا

اللہ کی قسم! آج کے بعد تم سے کبھی کوئی چیز نہیں مانگوں گا۔ پھر حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ بصرہ گئے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہاں ٹھہرے۔ انہوں نے حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کو اپنا مکان خالی کر کے دے دیا اور کہا میں تمہارے ساتھ ویسا ہی معاملہ کروں گا جیسا تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا تھا۔ چنانچہ اپنے گھر والوں سے کہا وہ سب گھر سے باہر آ گئے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے کہا کہ گھر میں جتنا سامان ہے وہ بھی سارا آپ کا ہے اور انہیں چالیس ہزار اور بیس غلام بھی مزید دیئے۔ (اخرجہ الرویانی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی احتیاط

حضرت طاؤس رحمۃ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو "لبیک" پڑھتے ہوئے سنا۔ اس وقت ہم لوگ عرفات میں کھڑے تھے۔ ایک آدمی نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرفات سے کب کوچ فرمایا؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا' مجھے معلوم نہیں (یہ انہوں نے احتیاط کی وجہ سے فرمایا) لوگ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس احتیاط سے بہت حیران ہوئے۔ (حیاۃ الصحابہ جلد ۲ صفحہ ۷۶۹)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو دعا

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں (ایک رات) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر پانی کے برتن کی طرف گئے، وضو کیا اور کھڑے کھڑے ہی پانی پیا، میں نے کہا اللہ کی قسم جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے میں بھی ضرور ویسا ہی کروں گا تو میں اٹھا، وضو کیا اور کھڑے کھڑے پانی پیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کی صف میں کھڑا ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اشارہ کیا کہ آپ کے برابر دائیں جانب کھڑا ہو جاؤں میں نے انکار کیا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ لی تو فرمایا تمہیں میرے ساتھ کھڑا ہونے سے کس چیز نے روکا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ میری نظر میں بہت عظیم ہیں اور آپ اس سے بلند ہیں کہ میں آپ کے برابر کھڑا ہوں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے اللہ! اسے حکمت عطا فرما۔" حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ کے سر پر اپنا ہاتھ مبارک رکھا اور فرمایا: "اے اللہ! اسے حکمت عطا فرما اور علم تفسیر سکھا۔" پھر اپنا ہاتھ مبارک ان کے سینہ پر رکھا تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس کی ٹھنڈک اپنی پیٹھ میں محسوس کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے اللہ! اس کا پیٹ حکمت و علم سے بھر دے۔" چنانچہ آپ کسی آدمی کے سوال سے کبھی آپؓ کا دل گھبرایا نہیں اور آپ اس امت کے سب سے بڑے عالم کی حیثیت سے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو موت دیدی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لئے خیر کثیر کی دعا فرمائی اور فرمایا تم قرآن کریم کے بہت خوب ترجمان ہو۔"

امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مجلس مشاورت کی رکنیت

آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجھے بدری بزرگوں کے ساتھ اپنے ہاں کی مجلس میں داخل کرتے تو ان میں سے کسی نے کہا آپ اس نوجوان کو ہمارے ساتھ کیوں بلاتے ہیں حالانکہ اسی عمر کے ہمارے بچے ہیں؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ ان (صاحب علم) لوگوں میں سے جنہیں تم جانتے ہو۔

پھر ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان بزرگوں کو بھی بلایا اور ساتھ مجھے بھی اور میرا خیال ہے اس دن تو فقط انہیں میرا علم دکھانے کے لئے ہی مجھے بلایا۔ پھر فرمایا:

آپ لوگ اذا جاء نصر الله والفتح ......آخر تک کے بارے میں کیا فرماتے ہو؟

بعض نے کہا اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی مدد آئے اور فتح حاصل ہو تو ہم اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کریں اور اس سے استغفار کریں۔

بعض نے کہا ہم نہیں جانتے اور بعض کچھ بھی نہیں بولے۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے ابن عباس! کیا تم بھی ایسا ہی کہتے ہو؟

میں نے کہا نہیں فرمایا تو پھر کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا میں کہتا ہوں کہ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی وفات کی اطلاع دی ہے کہ جب فتح مکہ ہو جائے تو یہ آپ کی وفات کی علامت ہے۔

لہٰذا فسبح بحمد ربک واستغفرہ انہ کان توابا [النصر:۳] (تو اپنے رب کی خوبیاں کے ساتھ اس کی پاکی بیان کر اور اس سے بخشش طلب کر بے شک وہ معاف کرنے والا ہے)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں بھی اس سورۃ سے یہی سمجھتا ہوں جو تم سمجھتے ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عم مکرم

سید الشہداء سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ

لے چل، منجدھار میں لے چل، ساحل ساحل کیا چلنا
میں خوگر ہوں طوفانوں کا، سو انجام سے کیا ڈرنا

رشتے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا، خالہ زاد بھائی اور رضاعی بھائی تھے بڑے شمشیر زن، تیر انداز، غیور اور جسور تھے شکار کے بڑے شوقین تھے، انہی مردانہ مشاغل میں مگن رہتے تھے، کئی سال تک دعوت اسلام کی طرف کان نہ دھرا۔ غالباً بعثت کے چھٹے سال اسلام قبول کیا اس وقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ دارارقمؓ میں رہتے تھے۔ اسی سال حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا تلوار لے کر چلے تو کسی اور ارادے سے تھے، آگے آئے تو ان کی دنیا ہی بدل گئی۔ کلمہ پڑھنے کے بعد عرض کیا اے اللہ کے رسول کیوں نہ ہم کعبے چل کر اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی۔ صحابہ کرام دو قطاریں بنا کر باہر نکلے ایک کے آگے آگے حضرت حمزہؓ تھے، دوسری کے آگے حضرت عمرؓ۔ کفار نے یہ منظر دیکھا تو ان پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔

ہجرت مدینہ کے بعد رمضان ۲ھ میں بدر کا معرکہ پیش آیا اس میں حضرت حمزہؓ کی مردانگی اور شمشیر زنی کے جوہر خوب خوب کھلے۔ صفیں آمنے سامنے ہوئیں تو مشرکین مکہ میں سے عتبہ، شیبہ دو بھائی اور عتبہ کا بیٹا ولید نکل کر آگے آئے اور بڑی آن بان سے گردنیں اکڑا کر ھل من مبارز کا چیلنج دیا۔ ادھر سے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ عوفؓ اور معوذؓ تین انصاری نکلے، مگر قریشی فراعنہ نے کڑک کر کہا محمد! یہ کھیتی باڑی کرنے والے ہمارا کیا مقابلہ کریں گے ہمارے قریشی بھائی، ہمارے مقابلے میں نکالو۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت حمزہؓ اور دو چچازاد بھائیوں حضرت علیؓ اور حضرت عبیدہ بن حارثؓ کو آگے بڑھنے کا حکم دیا یہ تینوں ہاشمی جنگل کے شیروں کی مانند بڑھے اور چند ہی لمحات میں تینوں فرعونوں کی لاشیں خاک وخون میں تڑپ رہی تھیں۔ اب دونوں طرف سے نبرد آزما پل پڑے۔ اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شیر، حضرت حمزہؓ جس طرف رخ کرتے، صفوں کو چیرتے ہوئے آگے نکل جاتے تھوڑی دیر میں مشرکین ستر لاشیں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے ان کے ستر آدمی گرفتار ہوئے مشرکین کی زبان پر یہ جملہ تھا کہ آج ہمیں سب سے زیادہ نقصان عبدالمطلب کے بیٹے حمزہؓ نے پہنچایا ہے۔

۳ھ میں مشرکین مکہ دلوں میں انتقام کی آگ لئے ہوئے، مدینہ پر چڑھ آئے طعیمہ نامی ایک مشرک نے اپنے غلام وحشی سے کہہ رکھا تھا، اگر تم حمزہؓ کو قتل کر دو تو تم آزاد۔ وحشی موقعہ کی تاک میں تھا جب جنگ کا رخ پلٹا تو اتفاق کی

بات کہ حضرت حمزہؓ کو ایک جگہ ٹھوکر لگی، گرے تو زرہ پیٹ سے ہٹ گئی، وحشی نے نیزہ پھینک کر مارا، اس کا وار کاری ہوا اور انجام کار آپؓ شہید ہو گئے۔ دشمن نے آپؓ کا مثلہ کیا، ناک کان کاٹ لئے، ھندہ زوجہ ابی سفیان نے آپؓ کا کلیجہ نکالا اور چبا کر پھینک دیا۔ جنگ کا غبار چھٹا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کی لاش دیکھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑی رقت طاری ہوئی گریہ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چیخ نکل گئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا **حمزة سید الشهداء** (حمزہ شہیدوں کے سردار ہیں) یہ سیادت حقیقی ہے یا اضافی؟ یہاں اس بحث کا موقعہ نہیں ہے۔

امام ابن عبدالبر نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

دخلت البارحة الجنة فاذا فيها جعفر يطير مع الملائكة واذا حمزة مع اصحابه (استیعاب ص۸۲)

کل رات میں جنت میں داخل ہوا تو جعفرؓ اس میں فرشتوں کے ساتھ پرواز کر رہے تھے اور حمزہؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ موجود تھے۔ (کاروان جنت)

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کفن

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ غزوۂ اُحد میں شہید ہو گئے اور بیدرد کافروں نے آپؓ کے کان، ناک وغیرہ اعضا کاٹ دیئے اور سینہ چیر کر دل نکالا اور طرح طرح کے ظلم کیے۔ لڑائی کے ختم پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے صحابہؓ شہیدوں کی لاشیں تلاش فرما کر ان کی تجہیز و تکفین کا انتظام فرما رہے تھے کہ حضرت حمزہؓ کو اس حالت میں دیکھا۔ نہایت صدمہ ہوا اور ایک چادر سے ان کو ڈھانک دیا۔

اتنے میں حضرت حمزہؓ کی حقیقی بہن حضرت صفیہؓ تشریف لائیں کہ اپنے بھائی کی حالت کو دیکھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیال سے کہ آخر عورت ہیں ایسے ظلموں کے دیکھنے کا تحمل مشکل ہوگا۔ اُن کے صاحبزادہ حضرت زبیرؓ سے ارشاد فرمایا کہ اپنی والدہ کو دیکھنے سے منع کرو۔ اُنہوں نے والدہ سے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھنے کو منع فرما دیا۔ اُنہوں نے کہا کہ میں نے یہ سنا ہے کہ میرے بھائی کے ناک، کان وغیرہ کاٹ دیئے گئے۔ اللہ کے راستے میں یہ کونسی بڑی بات ہے۔ ہم اس پر راضی ہیں میں اللہ سے ثواب کی اُمید رکھتی ہوں اور ان شاء اللہ صبر کروں گی۔ حضرت زبیرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر اس کلام کو ذکر کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جواب کو سن کر دیکھنے کی اجازت عطا فرما دی۔ آ کر دیکھا۔ انا للہ پڑھی اور اُن کے لئے استغفار اور دعا کی۔

ایک روایت میں ہے کہ غزوۂ اُحد میں جہاں نعشیں رکھی ہوئی تھیں ایک عورت تیزی سے آ رہی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دیکھو، عورت کو روکو۔ حضرت زبیرؓ کہتے ہیں، میں نے پہچان لیا کہ میری والدہ ہیں۔ میں جلدی سے روکنے کے لئے بڑھا مگر وہ قوی تھیں ایک گھونسا میرے مارا اور کہا۔ پرے

ہٹ۔ میں نے کہا کہ حضور نے منع فرمایا ہے تو فوراً کھڑی ہو گئیں۔

اس کے بعد دو کپڑے نکالے اور فرمایا کہ میں اپنے بھائی کے کفن کے لئے لائی تھی کہ میں اُن کے انتقال کی خبر سن چکی تھی۔ ان کپڑوں میں ان کو کفنا دینا۔ ہم لوگ وہ کپڑے لے کر حضرت حمزہؓ کو کفنانے لگے کہ برابر میں ایک انصاری شہید پڑے ہوئے تھے جن کا نام حضرت سہیلؓ تھا۔

ان کا بھی کفار نے ایسا ہی حال کر رکھا تھا جیسا کہ حضرت حمزہؓ کا تھا۔ ہمیں اس بات سے شرم آئی کہ حضرت حمزہؓ کو دو کپڑوں میں کفن دیا جائے اور انصاری کے پاس ایک بھی نہ ہو۔ اس لئے ہم نے دونوں کے لئے ایک ایک کپڑا تجویز کر دیا۔ مگر ایک کپڑا ان میں بڑا تھا دوسرا چھوٹا۔ تو ہم نے قرعہ ڈالا کہ قرعہ میں جو کپڑا جن کے حصہ میں آئے گا وہ اُن کے کفن میں لگایا جائے۔

قرعہ میں بڑا کپڑا حضرت سہیلؓ کے حصہ میں آیا۔ اور چھوٹا حضرت حمزہؓ کے حصہ میں آیا۔ جو اُن کے قد سے بھی کم تھا کہ اگر سر کو ڈھانکا جاتا تو پاؤں کھل جاتے اور پاؤں کی طرف کیا جاتا تو سر کھل جاتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سر کو کپڑے سے ڈھانک دو۔ اور پاؤں پر پتے وغیرہ ڈال دو (خمیس) ابنِ سعدؒ کی روایت میں ہے کہ حضرت صفیہؓ جب دو کپڑے لیکر حضرت حمزہؓ کی نعش پر پہنچیں تو اُن کے قریب ہی ایک انصاری اسی حال میں پڑے ہوئے تھے تو ایک ایک کپڑے میں دونوں کو کفن دیا گیا۔ حضرت حمزہؓ کا کپڑا بڑا تھا یہ روایت مختصر ہے اور خمیس کی روایت مفصل ہے۔

فائدہ: یہ دو جہان کے بادشاہ کے چچا کا کفن ہے وہ بھی اسی طرح کہ ایک عورت اپنے بھائی کے لئے دو کپڑے دیتی ہیں اس میں یہ گوارا نہیں کہ دوسرا انصاری بے کفن رہے۔ ایک ایک کپڑا بانٹ دیا جاتا ہے اور پھر چھوٹا کپڑا اس شخص کے حصہ میں آتا ہے جو کئی وجہ سے ترجیح کا استحقاق بھی رکھتا ہے۔ غریب پروری اور مساوات کے دعویدار اگر اپنے دعوؤں میں سچے ہیں تو ان پاک ہستیوں کا اتباع کریں جو کہہ کر نہیں بلکہ کر کے دکھلا گئے۔ ہم لوگوں کو اپنے لئے اُن کا پیرو کہنا بھی شرم کی بات ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم زلف، کاتب وحی

خال المومنین سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بعثت نبوی سے پانچ سال قبل آپ کی ولادت ہوئی، بچپن ہی سے آپ میں اولوالعزمی اور بڑائی کے آثار نمایاں تھے۔ آپ نے اپنے والد کے ہمراہ فتح مکہ کے موقع پر اپنے اسلام لانے کا اعلان کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بدر، احد، خندق اور غزوہ حدیبیہ میں آپ کفار کی جانب سے شریک نہ ہوئے حالانکہ اس وقت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جوان تھے۔

جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان ہونے کے لیے حاضر ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوشی کا اظہار فرمایا اور ان کے مسلمان ہونے پر ان کو مبارکباد دی۔

اگرچہ عام طور سے یہی دیکھنے میں آیا ہے کہ بیٹا اپنی عادات واطوار میں باپ جیسا ہوتا ہے یا کم از کم باپ کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتا ہے جیسے ولید کا بیٹا خالد اور ابوجہل کا بیٹا عکرمہ، دونوں حالت کفر میں اسلام کے ایسے ہی دشمن تھے جیسے ان کے باپ اشد ترین مخالف تھے مگر اس کے برخلاف ہم معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں یہ بات نہیں دیکھتے۔ اگرچہ ان کے باپ اور ان کی ماں اسلام کے سخت ترین دشمن تھے لیکن تاریخ میں ہمیں کوئی شہادت نہیں ملتی جس سے ثابت ہو کہ جوان ہو کر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے باپ کے ساتھ مل کر اسلامی فوج کا مقابلہ کیا۔ چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہم نہ جنگ بدر میں دیکھتے ہیں نہ جنگ احد میں ان کا پتا ملتا ہے، نہ غزوہ احزاب میں وہ نظر آتے ہیں اور نہ صلح حدیبیہ میں وہ دکھائی دیتے ہیں۔

اس طرز عمل سے یہ خیال ہوتا ہے کہ زمانہ کفر میں معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسلام سے وہ تعصب نہیں تھا جو ان کے باپ اور ان کی ماں کو تھا، نہ صرف یہ بلکہ اس تمام عرصہ میں اپنے ماں باپ سے اس سلسلہ میں الگ رہنا اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ شروع جوانی سے ان کو اسلام کی طرف رغبت تھی۔ اگرچہ وہ اس کا اظہار اپنے والدین کی اسلام دشمنی کے باعث علی الاعلان نہ کر سکتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کاتبین میں سب سے زیادہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہے اور اس کے بعد دوسرا درجہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تھا۔ یہ دونوں حضرات دن رات آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ لگے رہتے اور اس کے سوا کوئی کام نہ کرتے تھے۔

جب ۱۱ ہجری میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوگئی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ

عنہ خلیفہ ہوئے اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے جوہر اور اپنی لیاقت دکھانے کا عمدہ موقع ملا۔ چنانچہ شام کے معرکوں میں وہ ہمیشہ آگے آگے رہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت میں ۴ برس تک حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دمشق کے گورنر رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی مغز بیداری، دور اندیشی، معاملہ فہمی اور ملکی نظام میں ماہر ہونے کے باعث ان کی بڑی قدر کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کو ''کسریٰ عرب'' کے لقب سے یاد فرمایا کرتے تھے۔ ان کا دماغ سیاسی مسائل اور ملکی معاملات میں بڑی جولانی طبع دکھاتا تھا اور بہت سے مشکل سیاسی امور ان کے ناخن تدبیر سے باآسانی طے ہو جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا مدبر اور ہوش مند انسان حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اتنی محبت کرتا تھا اور اسی وجہ سے شام کا سب سے اہم مقام دمشق آپ کے سپرد کیا گیا تھا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جنگی لیاقت اور حربی قابلیت کو دیکھ کر تمام ملک شام کی ولایت ان کے سپرد کر دی۔ ۲۰ سال گورنری اور ۲۰ سال بادشاہت کرنے کے بعد یہ دنیا کا نہایت اولوالعزم انسان ماہِ رجب ۶۰ھ ۶۸۰ء میں دنیا سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گیا۔

مرتے وقت سب سے آخری حکم یہ دیا کہ ''میرے تمام مال کا جائزہ لیا جائے اور جتنا مال ثابت ہو اس کا نصف بیت المال میں داخل کر دیا جائے۔'' چنانچہ انتقال کے بعد اس حکم کی تعمیل ہوئی۔

وفات کے وقت ایک کرتہ نکالا اور کہا ''یہ کرتہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے مرحمت فرمایا تھا اور میں نے اب تک اس کو اپنی جان کے برابر حفاظت سے رکھا ہے، اب یہی مرا کفن ہوگا۔ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ ناخن ترشے ہوئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ریش مبارک کے کچھ بال میں نے ایک شیشی میں رکھ چھوڑے ہیں یہ میری آنکھوں پر رکھ دینا۔''

یزید کو یہ وصیت کی ''میرے بعد اگر حسین ابن علی تیرے مقابلہ پر آئیں اور تجھے ان پر فتح حاصل ہو جائے تو ان سے درگزر اور چشم پوشی کیجیو۔ ان کے ہم پر بڑے حق ہیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قریبی اور ہمارے عزیز ہیں اور اس خاندان کے ہم پر احسان بھی بہت ہیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کتاب اللہ کی روشنی میں

قرآن کریم میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اوصاف مختلف مقامات پر مختلف اسلوب بیان استعمال کر کے بیان فرمائے گئے ہیں۔ مثلاً:

لَا يَسْتَوِىْ مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُوْلَٰٓئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ أَنفَقُوْا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ٥ (الحدید:۱۰)

''تم میں سے جس شخص نے فتح مکہ سے پہلے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کیا اور جنگ کی اس کے برابر کوئی نہیں؛ یہ لوگ ان کے مقابلے میں بہت بلند درجے کے ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کیا اور جنگ کی۔ہاں دونوں فریقوں کے ساتھ اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ جنتی ہیں۔''

اس آیت سے ظاہر ہے کہ قبولیت، عظمت اور فضیلت کے اعتبار سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے پھر ان کا تقابل کیا ہے کہ جن صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فتح مکہ سے پہلے مالی اور جانی قربانیاں دین کی خاطر دی ہیں وہ ان سے افضل ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد یہی قربانیاں دی ہیں۔قرآن کریم کی اس آیت نے ان کا بھی اکرام واحترام کیا ہے اور ان کے لیے بھی مغفرت ورحمت کا وعدہ دیا ہے۔

اس آیت سے اصولی طور پر معلوم ہوا کہ تمام صحابہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودی کا اظہار فرمایا ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوسرے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے ''وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى'' کا اطلاق ان کی ذات پر بھی ہوتا ہے۔آیت زیر بحث میں اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں باہمی درجات کا تفاضل ذکر کیا گیا ہے لیکن آخر میں فرمایا''وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى''یعنی باوجود باہمی فرق مراتب کے اللہ تعالیٰ نے حسنیٰ یعنی جنت ومغفرت کا وعدہ سب ہی کے لیے کرلیا ہے۔یہ وہ وعدہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ان دو طبقوں کے لیے ہے جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے یا بعد میں اللہ کی راہ میں دولت خرچ کی اور مخالفین اسلام کا مقابلہ کیا۔اس میں تقریباً صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی پوری جماعت شامل ہوجاتی ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کریم نے اس کی ضمانت دیدی کہ حضرات صحابہ سابقین وآخرین میں سے کسی سے بھی اگر عمر بھر میں کوئی گناہ سرزد ہو بھی گیا تو وہ اس پر قائم نہ رہے گا، توبہ کرلے گا یا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت ونصرت اور دین کی خدمات عظیمہ اور ان کی بے شمار حسنات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمادے گا اور ان کی موت اس سے پہلے نہ ہوگی کہ ان کا گناہ معاف ہوکر وہ صاف وبیباق ہوجائیں۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ۝

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمشیرہ حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ مطہرہ تھیں۔نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کسی عورت کا ازدواجی رشتہ ہونا افراد اُمت کے ساتھ بھی ایک رشتہ قائم کردیتا ہے۔چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:''ایمان والوں کو اپنی جان سے زیادہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے لگاؤ ہے اور نبی کی بیویاں اہل ایمان کی مائیں ہیں۔''

جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بیوی اُم المؤمنین ہوئی تو اُم المؤمنین کا بھائی خال المؤمنین ہوا۔احتجاج طبرسی کے حاشیہ پر اس کا محشی لکھتا ہے:

''یعنی امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خال المؤمنین اس وجہ سے کہتے ہیں کہ صفیہ بنت ابی سفیان زوجہ رسول تھیں اور ازواج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تمام کی تمام اُمہات المؤمنین ہیں۔ لہٰذا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خال المؤمنین کہتے ہیں۔''

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

''یعنی تم سب اُمتوں سے بہتر ہو جو بھیجی گئی عالم میں حکم کرتے ہو، تم اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کاموں سے اور اللہ پر تم ایمان لاتے ہو۔''

اللہ تعالیٰ نے تمام اُمم پر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے خیر ہونے کو ثابت کیا اور ان کے حق میں اللہ تعالیٰ کی شہادت کے برابر اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ جب صحابہ کے خیر الامم ہونے کی اللہ تعالیٰ نے شہادت دے دی تو ہر شخص پر اس چیز کا اعتقاد و یقین رکھنا لازم ہے ورنہ (العیاذ باللہ) وہ اللہ تعالیٰ کی خبروں کی تکذیب کرنے والا ہوگا۔

پس یہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی بہت بڑی فضیلت اور عزت افزائی ہے اور حضرت امیر معاویہ سمیت تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس میں داخل ہیں۔ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تمام صحابہ کرام قطعی طور پر جنتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فرمایا ہے کہ صحابہ کرام چاہے فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے ہوں یا فتح مکہ کے بعد، سب بے شک اہل جنت ہیں اور ان میں سے کوئی ایک بھی دوزخ میں داخل نہیں ہوگا۔

جو شخص بھی کتاب اللہ کے ساتھ ایمان رکھتا ہے اس کے لیے تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حق میں اہل جنت ہونے کا یقین رکھنا لازم ہے اور ان تمام حضرات سے ہر قسم کی سوءظنی اور بدگمانی سے اجتناب کرنا واجب ہے۔

صحابہ بنی اُمیہ بھی قطعاً اور یقیناً اس بشارت میں داخل ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ ''اَلْعِبْرَةُ لِعُمُوْمِ الْاَلْفَاظِ لَا لِخُصُوْصِ الْمَوَارِدِ''، پس ان فضائل و مکارم کے مصداق جس طرح دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہیں۔ اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں۔ نیز جنت کی بشارت کے حق دار جیسے باقی صحابہ کرام ہیں، اسی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مژدہ جنت کے مستحق ہیں۔

کلام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور مقام امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

احادیث سے سرکارِ دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تعلق اور اس سے آپ کی فضیلت صاف ظاہر ہے۔

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنجناب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بعض خصوصی امور میں خاص خادم تھے اور آنجناب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق اسلامی خدمات سرانجام دیتے تھے۔ اس بناء پر ان کے حق میں وقتاً فوقتاً نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دعائیہ کلمات بھی ارشاد فرمائے جو جناب باری تعالیٰ میں یقیناً مقبول و منظور ہوئے اور ان دعاؤں کی برکات کی بناء پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بہت اہم دینی خدمات

سرانجام دینے کی عمدہ توفیق نصیب ہوئی۔

چنانچہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں آنجناب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ نبوت سے متعدد دعائیں اپنے اپنے مواقع میں صادر ہوئی ہیں اور ان کو محدثین و مؤرخین نے اپنی اپنی تصانیف میں بے شمار مقامات پر متعدد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے نقل کیا ہے۔

یہ دعائیں ایک ''مستقل فضیلت'' کا باب ہے، جس شخص کے حق میں زبانِ نبوت سے یہ دعائیں صادر ہوئی ہیں وہ یقیناً بڑا خوش بخت اور صاحبِ فضیلت ہے۔ چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں ان دعاؤں کے اثرات یقیناً پائے گئے اور ان کو ان دعاؤں کی برکات کی وجہ سے اسلامی و دینی خدمات کی بہترین توفیق نصیب ہوئی۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مُّهْدِيًّا وَاهْدِهٖ وَاهْدِبِهٖ

یعنی ارشاد فرمایا کہ ''اے اللہ! معاویہ کو (لوگوں کے لیے) ہادی بنا اور ہدایت یافتہ فرما۔ یا اللہ! ان کو ہدایت سے اور ان کے ذریعے دوسروں کو ہدایت نصیب فرما۔''

ان ''کلماتِ دعائیہ'' کی برکات سے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ لوگوں کے لیے دال علی الخیر ہیں اور فی نفسہ اپنے مقام میں ہدایت یافتہ ہیں اور مخلوق کے لیے باعث ہدایت ہیں۔

اَللّٰهُمَّ عَلِّمْ مُعَاوِيَةَ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ وَقِهِ الْعَذَابَ

''یعنی اے اللہ! معاویہ کو کتاب اور حساب کا علم عنایت فرما اور اسے عذاب سے محفوظ فرما۔''

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حمص کے علاقہ پر عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ (صحابی) کو والی مقرر فرمایا، پھر کچھ عرصہ بعد ان کو اس منصب سے الگ کر کے ان کی جگہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حمص کا حاکم بنا دیا۔ اس وقت لوگ اس تبدیلی پر اعتراض کرنے لگے۔ اس موقع پر عمیر بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں درج ذیل روایت ذکر کی:

لَا تَذْكُرُوْا مُعَاوِيَةَ اِلَّا بِخَيْرٍ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ (ﷺ) يَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ اهْدِهٖ

''یعنی عمیر کہتے ہیں کہ معاویہ (بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا تذکرہ خیر و خوبی کے سوا مت کرو کیونکہ میں نے آنجناب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معاویہ کے حق میں فرماتے تھے کہ اے اللہ! انہیں ہدایت نصیب فرما۔''

ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سواری پر سوار ہوئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے پیچھے بٹھایا، تھوڑی دیر بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اے معاویہ! تمہارے جسم کا کون سا حصہ میرے جسم کے ساتھ مل رہا ہے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرا پیٹ (اور سینہ) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک کے ساتھ ملا ہوا ہے۔

یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دُعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ املاه علمًا "اے اللہ! اس کو علم سے بھر دے۔"

مشہور صحابی حضرت عمرو بن العاص بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا:

اَللّٰهُمَّ علمه الكتاب ومكن له فى البلاد وقه العذاب

"اے اللہ! معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کتاب سکھلا دے اور شہروں میں اس کے لیے ٹھکانا بنا دے اور اس کو عذاب سے بچالے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کی امارت وخلافت کی اپنی حیات میں ہی پیشین گوئی فرمادی تھی اور اس کے لیے دُعا بھی فرمائی تھی۔ جیسا کہ مذکورہ حدیث سے ظاہر ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود بھی بیان کرتے ہیں کہ ایک بار میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے وضو کا پانی لے کر گیا' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانی سے وضو کیا اور وضو کرنے کے بعد میری طرف دیکھا اور فرمایا:

"اے معاویہ! اگر تمہارے سپرد امارت کی جائے (اور تمہیں امیر بنادیا جائے) تو تم اللہ سے ڈرتے رہنا اور انصاف کرنا۔" مذکورہ بالا حدیث کے بارے میں علامہ ابن حجر المکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

والحديث حسن كما علمت فهو مما يحتج به على فضل معاويه.

یہ حدیث درجہ حسن میں ہے جیسا کہ معلوم ہے اور یہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل میں قابل استدلال ہے۔ یہ واضح امر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے شخص کے حق میں یہ دُعائیں ارشاد فرمائیں جسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا اہل اور مستحق سمجھا' کسی نااہل اور غیر مستحق کے لیے نہیں فرمائیں۔

ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ آنجناب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دُعا یقیناً مستجاب ہوتی ہے تو جس شخص کے حق میں یہ دُعائیں ہوئی ہیں اس کے حق میں قبولیت میں کس طرح شبہ کیا جاسکتا ہے؟

ان ہی دعاؤں کی برکات سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دینی خدمات سرانجام دینے کی بہتر توفیق نصیب ہوئی اور انہوں نے ایک مدت دراز تک اسلام کی سربلندی وسرفرازی کے لیے مساعی کیں اور دین اسلام کے غالب ہونے کا باعث ہوئے۔ ان روایات سے صاف واضح ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دربارِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کیا مرتبہ حاصل تھا؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے کتنی محبت فرماتے تھے؟

فضائل ومناقب...نسبی روابط' خاندانی رشتہ' قرابت نبوی

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خاندانی تعلق جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر خاندان بنی ہاشم کے ساتھ بہت قریب پایا جاتا ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

مبارک خاندان کے ساتھ نسبی روابط ہیں۔ مثلاً:

(الف) جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ اُم المؤمنین اُم حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہ جن کا اسم گرامی رملۃ ہے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خواہر ہمشیرہ ہیں۔ اس اعتبار سے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے برادرِ نسبتی ہونے کا شرف حاصل ہے۔

(ب) علماء انساب نے لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سردارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم زلف بھی ہیں کیونکہ جناب اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہمشیرہ جن کا نام ''قریبۃ الصغریٰ'' ہے وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں تھیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ علی بن الحسین کی والدہ لیلیٰ بنت ابی مرہ کے سگے ماموں ہیں کیونکہ سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سگی بھانجی یعنی خواہرزادی تھی۔

شرفِ صحابیت

اسلام میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی عظمت کے سلسلہ میں یہ چیز بڑی قابل قدر ہے کہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کے شرف کو ایک نعمت غیر مترقبہ اور نعمت کبریٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کے برابر کوئی چیز نہیں ہے۔ عشرہ مبشرہ کے صحابی سیدنا سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

اللہ کی قسم! صحابہ کرام میں سے کسی شخص کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں کسی جنگ میں شریک ہونا جس میں ان کا چہرہ غبار آلود ہو جائے، غیر صحابہ سے ہر شخص کی ساری عمر کی عبادت اور عمل سے بہتر ہے۔ اگر چہ اس کو عمر نوح عطا ہو جائے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نہ صرف صحابی بلکہ ایک فقیہ اور مجتہد صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونا بذاتِ خود ایک عظیم فضیلت ہے اور فضائل صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں قرآن کی جتنی آیات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جتنی احادیث موجود ہیں وہ سب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ایک مستقل باب فضیلت رکھتی ہیں۔ ان فضائل کے ہوتے ہوئے اگر دوسرے فضائل نہ بھی ہوں تو اس سے آپ کی شان میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوتی۔

حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''وہ تمام صحیح و مسلم مناقب جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور قریش کے لیے کتاب وسنت میں علی العموم موجود ہیں، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان میں داخل ہیں۔''

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جاننا چاہیے کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک شخص تھے، اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے اور زمرۂ صحابہ میں بڑے صاحب فضیلت تھے، تم کبھی ان کے حق میں بدگمانی نہ کرنا اور ان کی بدگوئی میں مبتلا نہ ہونا ورنہ تم حرام کے مرتکب ہو گے۔''

روایت حدیث

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں خصوصی طور پر علمائے کرام نے ایک دیگر چیز یہ بھی ذکر کی ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یک صد تریسٹھ احادیث حاصل کر کے اُمت مسلمہ کو پہنچائی ہیں۔

کاتب الوحی

کاتب الوحی ہونا بڑی فضیلت اور بڑا کمال ہے کیونکہ کاتب الوحی تو خدا اور رسول کے درمیان سفارت کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ لہٰذا ایمان اور امانت میں اس کا قابل اعتماد اور صاحب کمال ہونا ضروری ہے۔ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک کامل ایمان اور کامل الدیانت تھے۔ اسی لیے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخر وقت تک انہیں کاتب الوحی کے منصب پر قائم رکھا۔

آپ کا کاتب وحی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ عالیہ سے جاری شدہ خطوط وفرامین کا کاتب ہونا آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بڑی عظیم فضیلت ہے۔ سیرت کی کتابوں میں جہاں کاتبان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ ہے وہاں آپ رضی اللہ عنہ کا نام نامی اسم گرامی بھی ہے۔ روایات میں یہاں تک آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ منصب حکم خداوندی سے عطا فرمایا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

یا محمد أقری معاویة السلام واستوص به خیرا فانه امین اللّٰه علیٰ کتابه ووحیه ونعم الامین.

"اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سلام کہیے اور ان کو نیکی کی تلقین فرمائیے کیونکہ وہ اللہ کی کتاب اور اس کی وحی کے امین ہیں اور بہترین امین ہیں۔"

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو "کاتب وحی" بنانے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے مشورہ فرمایا تو انہوں نے کہا:

استکتبه فانه أمین. "آپ ان کو کاتب (وحی) بنالیں کیونکہ وہ امین ہیں۔"

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ "سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک عرصہ تک دربارِ رسالت میں کتابت وحی کے فرائض انجام دیئے اور بحیثیت کاتب ایک سو تریسٹھ (۱۶۳) احادیث کے راوی ہیں۔"

ان کاتبین کی فہرست میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کیا مقام تھا؟ مولانا شاہ معین الدین ندوی مرحوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: دینی علوم کے علاوہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرب کے مروجہ علوم میں بھی ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ چنانچہ کتابت میں جس سے عرب تقریباً ناآشنا تھے، معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پوری مہارت تھی اور اسی وصف کی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنا خاص کاتب مقرر فرمایا تھا۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کام ہی صرف یہ تھا کہ یہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیٹھ کر ''وحی'' اور غیر وحی (یعنی بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جاری ہونے والے خطوط اور فرامین) لکھا کرتے تھے۔اس کے سوا ان کا کوئی دوسرا کام نہیں تھا۔

خدمت نبوی

خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سعادت کے آگے ساری دنیا کی دولت ہیچ ہے' حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بار بار یہ سعادت میسر آئی۔حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں:

عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ عن معاویہ قال قصرت عن رأس رسول اللّٰہ بمشقص

''ایک مرتبہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال مشقص (لوہے کا خاص قسم کا آلہ) کے ساتھ کاٹے۔''

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کچھ بال مبارک اور ناخن مبارک بھی بطور تبرک موجود و محفوظ تھے جسے آپ نے اپنے کفن میں رکھنے کی وصیت کی تھی جو پوری ہوئی۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حجۃ الوداع میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔پیر سید محمد کرم شاہ الازہری رقم طراز ہیں: ''پھر ظہر سے پہلے سرکارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ کی طرف اپنی ناقہ پر سوار ہو کر روانہ ہوئے' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے پیچھے حضرت معاویہ بن سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بٹھایا ہوا تھا اور جا کر طواف افاضہ کیا۔اسی کو طوافِ صدر اور طوافِ زیارت بھی کہتے ہیں۔

خلافت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ اور طبرانی نے عبدالملک بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ کے زبانی لکھا ہے۔حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ ''اے معاویہ! جب تمہیں اقتدار نصیب ہو تو لوگوں سے حسن سلوک کرنا' اس وقت سے مجھے اُمید تھی کہ میں خلیفہ ضرور بنوں گا۔''

جب سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کی تو بعض کم فہم لوگوں نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس اقدام کو موجب قدح جان کر آپ کو مطعون کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے برا مت کہو کیونکہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے:

لا تذھب الایام واللیالی حتّٰی یملک معاویۃ

''رات اور دن کی گردش اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک معاویہ حکمران نہ ہو جائیں۔''

حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

ما رایت رجلا کان اخلق بالملک معاویة

''میں نے معاویہ (رضی اللہ عنہ) سے بڑھ کر سلطنت اور فرمانروائی کے لائق کسی کو نہ پایا۔''

ایک اور روایت میں ہے کہ: **مارأیت احدا کان احق بالملک معاویة**

''میں نے معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے بڑھ کر حکمرانی کے لائق کسی کو نہ پایا۔''

اسی طرح سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کی خبر پہنچنے پر فرمایا:

اما واللّٰہ ما کان مثل من قبلہ ولا یاتی بعدہ مثلہ

''بخدا معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اپنے پیش رو خلفاء کی مثل تو نہیں تھے لیکن ان کے بعد ان کا مثل نہیں آئے گا۔'' سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

ایھا النّاس! لاتکرھوا أمارۃ معاویہ، واللّٰہ! (لو فقد تموہ) لقد رأیتم الرؤس تندر من تو اھلھا کانھا الحنظل.

''اے لوگو! تم معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امارت کو برا مت جانو کیونکہ اللہ کی قسم! اگر تم نے انہیں کھو دیا تو تم دیکھو گے کہ سر اپنے شانوں سے یوں جدا ہوں گے جس طرح حنظل کا پھل اپنے درخت سے (ٹوٹ کر) گرتا ہے۔''

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

مارأیت احدًا بعد رسول اللّٰہ (ﷺ) اسود من معاویہ.

''میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑھ کر لائق حکمرانی (یعنی امورِ مملکت کا ماہر) کسی کو نہیں دیکھا۔'' نیز

فقیل لہ ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللّٰہ عنھم فقال: کانوا، واللّٰہ خیرا من معاویہ و افضل معاویہ اسود.

''اللہ کی قسم! ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہتر اور افضل تھے لیکن حکمرانی میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فائق اور بہتر تھے۔''

حضرت کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **قال کعب لمن یملک أحد من ھذہ الامة ما ملک معاویة**

''اُمت میں معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑھ کر اور بہتر حکمرانی کسی نے نہیں کی۔''

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اسلامی بحریہ کے بانی

آپ نے مسلمانوں کی تاریخ میں پہلی بار بحری بیڑہ تیار کرایا اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت کے ہمراہ ۲۷ ہجری میں قبرص کی جانب روانہ ہوئے۔ مسلمانوں کی تاریخ میں بحری بیڑہ کی تیاری اور بحری جنگ کا یہ پہلا واقعہ تھا۔

ابن خلدون لکھتے ہیں: حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے بحری بیڑہ تیار کرایا اور مسلمانوں کو اس کے ذریعے جہاد کی اجازت دی۔

جنگی جہازوں کا یہ بیڑہ اس قدر زبردست اور اتنا عظیم الشان تھا کہ دنیا کی بڑی سے بڑی سلطنت بھی اس کا مقابلہ نہ کرسکتی تھی۔ زیادہ سے زیادہ جنگی جہاز جو قیصرِ روم مسلمانوں کے مقابلہ میں لاسکا' ان کی تعداد چھ سو تھی اور یہ اس سلطنت کے جہازوں کی تعداد تھی جو اس وقت اپنی عظمت اور اپنی شوکت کے لحاظ سے سب سے بڑی حکومت شمار ہوتی تھی مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو بیڑہ تیار کیا تھا اس میں جہازوں کی تعداد ایک ہزار سات سو تھی۔

پہلی بار بحری بیڑہ تیار کرانا حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محض ایک تاریخی خصوصیت ہی نہیں ہے بلکہ اس لحاظ سے نہایت عظیم سعادت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلا بحری جہاد کرنے والوں کے حق میں جنت کی بشارت دی تھی۔ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل فرمایا ہے:

''میری اُمت کے پہلے لشکر نے جو بحری لڑائی لڑے گا' اپنے اوپر جنت واجب کرلی ہے۔''

امیر المؤمنین حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تاریخ اسلام کی ان عظیم شخصیات میں سے ہیں جنہوں نے اسلامی ریاست کی توسیع وترقی اور دنیا میں اسلام کے غلبہ واستحکام کے لیے شاندار خدمات سرانجام دی ہیں اور ان کا بیس سالہ دورِ خلافت جہاں ملت اسلامیہ کی وحدت کی علامت ہے وہاں اسلام کی دعوت اور دائرہ اثر کو دنیا کے مختلف اطراف میں پھیلانے کا ذریعہ بھی ہے۔ وہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں' کاتب وحی ہیں' جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برادرِ نسبتی ہیں اور ان کا شمار دنیائے عرب کے ممتاز دانشوروں اور سیاست دانوں میں ہوتا ہے۔ ان کا حلم' بردباری اور معاملہ فہمی ہمیشہ مسلم رہی ہے اور انہوں نے جس تدبر ودانش کے ساتھ بیس برس تک پوری اُمت مسلمہ کی قیادت کی ہے وہ اسلامی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ وہ ایک حاکم اور قائد ہونے کے ساتھ ساتھ مجتہد بھی تھے جن کے اجتہادی مقام ومرتبہ کا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ہاں بھی اعتراف پایا جاتا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا برتاؤ اپنی رعیت کے ساتھ بہترین حکمران کا برتاؤ تھا اور آپ کی رعایا آپ سے محبت کرتی تھی اور بخاری ومسلم (کی احادیث) سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا' تمہارے امراء میں سے بہترین امیر وہ ہیں کہ تم ان سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت کرتے ہوں' تم ان کے حق میں (رحمت کی) دُعا کرتے ہو اور وہ تمہارے حق میں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ.... صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی نظر میں

جلیل القدر صحابہ سے بھی متعدد اقوال مروی ہیں جن سے ان کی نظر میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقام بلند کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

آپ کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے' تم قیصر وکسریٰ اور ان کے علم ودانش کی تعریف کرتے ہو

حالانکہ خود تم میں معاویہ رضی اللہ عنہ موجود ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نظر میں آپ کا مرتبہ اور مقام اس سے ظاہر ہے کہ انہوں نے آپ کے بھائی زید بن ابی سفیان کے انتقال کے بعد آپ کو شام کا گورنر مقرر کیا۔ دنیا جانتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گورنروں اور والیوں کے تقرر کے معاملہ میں انتہائی محتاط تھے اور جب تک کسی شخص پر مکمل اطمینان نہ ہو جاتا اسے کسی مقام اور علاقہ کا امیر مقرر نہ کرتے تھے۔ پھر جس شخص کو گورنر بناتے اس کی پوری نگرانی فرماتے اور جب کبھی معیار مطلوب سے فروں محسوس ہوتا اسے معزول فرما دیتے تھے۔ ان کا آپ کو شام کا گورنر مقرر کرنا اور آخر حیات تک انہیں اس عہدے پر باقی رکھنا ظاہر کرتا ہے کہ انہیں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر مکمل اعتماد تھا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں اگر چہ وقتی طور پر سیاسی اختلافات رونما ہوئے اور قتال تک نوبت پہنچی تاہم آں موصوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت اور ان کی امارت کے متعلق ہدایت فرماتے تھے کہ اس کو مکروہ نہیں جاننا چاہیے یہ مذمت کے قابل نہیں۔

جن ایام میں ''جمل وصفین'' کے واقعات پیش آچکے تھے اس کے بعد بعض لوگ اہل جمل وصفین کے حق میں غلو کرنے لگے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو جب یہ معلوم ہوا تو ان کے جواب میں فرمایا:

ان لوگوں (اہل جمل وصفین) کے حق میں کلمہ خیر کے بغیر کچھ نہ کہو۔ مطلب یہ ہے کہ اگر چہ وقتی طور رپ ان کے اور ہمارے درمیان اختلاف رائے واقع ہوا تھا اور حالات برگشتہ ہو گئے تھے لیکن اب تم انہیں برائی سے یاد نہ کرو۔

خلفائے راشدین کے علاوہ دیگر اجلۂ صحابہ کرام کو دیکھئے کہ ان کی نگاہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کیا قدر و منزلت تھی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ایک فقہی مسئلہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شکایت کی گئی تو آپ نے فرمایا: انه فقيه. ''یقیناً معاویہ فقیہ ہیں۔''

جو کچھ انہوں نے کیا اپنے علم وفقہ کی بناء پر کیا ہوگا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے جواب میں فرمایا:

انه قد صحب رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم ''کہ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کا شرف اُٹھایا ہے اس لیے ان پر اعتراض بے جا ہے۔''

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت کا شرف اُٹھانا ہی اتنی بڑی فضیلت ہے کہ کوئی فضیلت اس کے برابر نہیں ہوسکتی۔ ان چند روایات سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ کے متعلق کیا رائے رکھتے تھے؟ اور ان کی نگاہ میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مرتبہ کیا تھا؟

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اکابرین اُمت کی نگاہ میں

تابعین کرام میں آپ کی حیثیت کیا تھی؟ اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دورِ خلافت میں کبھی کسی کو کوڑوں سے نہیں مارا مگر ایک شخص جس نے حضرت معاویہ پر زبان درازی

کی تھی اس کے متعلق انہوں نے حکم دیا کہ اسے کوڑے لگائے جائیں۔

اکابر تابعین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سمیت اکابر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حق میں عقیدت مندی اور حسن ظن رکھنے کی تلقین فرماتے ہیں؛ وراس چیز کو یوم آخرت میں مواخذہ ومحاسبہ سے نجات کا باعث قرار دیتے ہیں۔

سعید بن المسیب نہایت ثقہ تابعی اور معتمد بزرگ ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مقام کے متعلق ابن شہاب الزہری کے سوال کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ ''جو شخص خلفاء اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے محبت رکھے اور عشرہ مبشرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے جنتی ہونے کی گواہی دے اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں رحمۃ اللہ علیہ کہے' اُمید ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس شخص سے حساب کتاب کا مناقشہ نہیں فرمائے گا اور محاسبہ سے درگزر فرمائے گا۔

جناب عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کبار علماء اُمت میں شمار ہوتے ہیں اور ان کی جلالت شان اور ثقاہت جمہور علماء میں تسلیم شدہ ہے۔ انہی عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مرتبہ کسی نے سوال کیا کہ یہ بتلائیے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ میں کون افضل ہیں؟ سوال کرنے والے نے ایک جانب اس صحابی کو رکھا جس پر طرح طرح کے اعتراضات کیے گئے تھے اور دوسری طرف اس جلیل القدر تابعی کو جس کی جلالت شان پر تمام اُمت کا اتفاق ہے۔ یہ سوال سن کر عبداللہ ابن المبارک غصہ میں آ گئے اور فرمایا: تم ان دونوں کی آپس میں نسبت پوچھتے ہو' خدا کی قسم! نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ رہ کر امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھوڑے کی ناک میں جو غبار راہ اٹکا' اس کی شان بھی سینکڑوں عمر بن عبدالعزیز سے بلند ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو سب وشتم کرے تو اس کی تادیب کی جائے۔ نیز فرمایا کہ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے کسی ایک صحابی حضرت ابوبکر' عمر' عثمان' معاویہ یا عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہم کے حق میں کہے کہ یہ حضرات گمراہی میں تھے تو اسے قتل کیا جائے لیکن اگر اس لفظ کے بغیر عام لوگوں کی گالیوں کی طرح سب وشتم کرے تو اس کو سخت سزا دی جائے۔ گویا حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عمر بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں بدکلامی کرنا خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے متعلق سبّ کرنے کے مترادف ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ علماء ہند میں ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں: معلوم ہونا چاہیے کہ معاویہ ابن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے ہیں اور فضیلت جلیلہ کے حامل اصحاب میں شامل ہیں۔ فرماتے ہیں:

خبردار! معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں بدگمانی نہ کرنا اور سب وطعن کے چکر میں پڑ کر حرام فعل کا ارتکاب نہ کرنا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میرے اصحاب کو سب وشتم مت کرو' اللہ کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے' اگر تمہارا ایک آدمی احد پہاڑ کے برابر زر کثیر صدقہ کرے تو وہ ان کے (صحابہ کرام رضی اللہ

تعالیٰ عنہم کے) ایک مد (قریباً ایک سیر) کے برابر بلکہ اس کے نصف کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا۔

غوث اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا گیا کہ اگر سڑک کے کنارے ننگے سر بیٹھا ہوا ہوں اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے گھوڑے پر سوار اس راہ سے گزریں اور گھوڑے کے سموں سے غبار اُڑ کر میرے سر پر پڑے تو میں سمجھوں گا کہ میں جنتی ہو گیا ہوں۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک مرتبہ ایک سائل نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت اور مقام کے متعلق تحریراً سوال کیا تو اس کے جواب میں مولانا صاحب موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے درج ذیل جواب ذکر کیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود صحابی ہیں اور ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند ہیں ان کے صحابی ہونے اور ان کی فضیلت اور شان میں کسی کو کلام نہیں مگر یہ کہ وہ شخص رافضی ہو۔ حضرت کا لقب اور رضی اللہ عنہ کے ''تحیہ وتحفہ'' کے ساتھ ان کا ذکر کرنا اہلسنّت والجماعت کا شعار ہے اور جو شخص ان کے حق میں اپنی زبان پر طعن و تشنیع کے کلمات لاتا ہے وہ شعبہ رفض سے خالی نہیں۔

مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق راہِ اعتدال

اہلسنّت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں جو تنازعات پیش آئے ہیں ان کی وجہ سے کسی پر طعن کرنا منع ہے۔ اگرچہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ان میں سے کون حق پر تھا۔ وجہ یہ ہے کہ یہ باہمی جنگ وجدال ''اجتہاد'' کی بناء پر تھا (نہ کہ عناد کی بناء پر) اور اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اجتہاد میں خطا کرنے والوں کو معاف کر دیا ہے بلکہ یہ ثابت شدہ ہے کہ مجتہد مصیب کو دو اجر اور مجتہد مخطی کو ایک اجر ملتا ہے۔ اہلسنّت والجماعت کا کوئی محقق عالم ایسا نہیں ہے جس نے اس اختلاف کو ''اجتہادی اختلاف'' کے بجائے ''عنادی اختلاف'' کہا ہو اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فعل کو اجتہادی خطا سے زیادہ کچھ کہا ہو۔ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

جس طرح اُمت کا اس پر اجماع ہے کہ دونوں فریق کی تعظیم واجب ہے' دونوں فریق میں سے کسی کو برا کہنا ناجائز ہے اسی طرح اس پر بھی اجماع ہے کہ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق پر تھے اور ان کے مقابل حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اصحاب خطا پر' البتہ ان کی خطاؤں کو اجتہادی خطا قرار دیا گیا جو شرعاً گناہ نہیں جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہو بلکہ اصول اجتہاد کے مطابق اپنی کوشش صرف کرنے کے بعد بھی اگر ان سے خطا ہو گئی تو ایسے خطا کرنے والے بھی ثواب سے محروم نہیں ہوتے۔ ایک اجر ان کو بھی ملتا ہے' باجماع اُمت ان حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اختلاف کو بھی اسی طرح کا اجتہادی اختلاف قرار دیا گیا ہے جس سے کسی فریق کے بھی حضرات کی شخصیتیں مجروح نہیں ہوتیں۔ اس طرح ایک طرف خطا وصواب کو بھی واضح کر دیا گیا۔ دوسری طرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقام اور درجہ کا پورا احترام بھی ملحوظ رکھا گیا اور مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں کف لسان

اور سکوت کو اسلم قرار دے کر اس کی تاکید کی گئی ہے۔ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ:

فلا جرم خطاء معاویہ خیرا من صوابھا ببرکۃ الصحبہ

صحبت نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی برکت سے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خطا بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز اور حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کے صواب سے بہتر ہے۔

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوذرعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

ایک شخص نے ان سے کہا میں معاویہ سے بغض رکھتا ہوں' آپ نے فرمایا کیوں؟ کہنے لگا کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قتال کیا۔ امام ابوذرعہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تیرے لیے ہلاکت ہو' معاویہ کا رب مہربان اور مقابل کریم ہے' سوان دونوں سے اللہ راضی ہو چکا' ان کے درمیان تو کون ہے دخل دینے والا۔

رویائے صالحہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

فطری طور پر رویائے صالحہ اور مبشرات صادقہ سے ایک گونا اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ آخر میں ہم اہل صفین کے حق میں بطور بشارت عظمیٰ کچھ رویائے صالحہ (جن کو اکابر علمائے اعلام اور محدثین عظام رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنی معتمد کتب میں جگہ دی ہے) کو ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الرویا الحسنۃ من الرجل الصالح جزأ من ستۃ و اربعین جزأ من النبوۃ

"مردِ صالح کو اچھے خواب آنا نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔"

خلیفہ صالح حضرت سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا رویائے صالحہ

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وعنہم ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ جب میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھ گیا تو ناگہاں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو لایا گیا اور ایک مکان میں داخل کر کے اس کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے دیکھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے باہر تشریف لائے کہ رب کعبہ کی قسم میرے حق میں فیصلہ ہوا ہے پھر جلد ہی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ باہر تشریف لائے۔ اس حالت میں کہ وہ فرما رہے تھے کہ رب کعبہ کی قسم! مجھے معاف کر دیا گیا۔

اب ایک خواب حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شانِ اقدس میں ایک پیر صاحب کا سنئے جو خواب میں متنبہ ہونے کے بعد تائب ہوئے۔ جناب سید محمد باقر علی شاہ صاحب (سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت کیلیانوالہ شریف ضلع گوجرانوالہ) اپنا خواب ذکر کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں۔

آپ لوگ شان امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کتب سے بیان کرتے ہیں اور اس پر دلائل قائم کرتے ہیں لیکن میں

اپنی آپ بیتی خود پر وارد ہوئی بات بتلانا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ ایک دن دس بجے دن ایک آدمی سے میں نے دورانِ گفتگو کہا' امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مقابلہ کیا۔

اس میں انہوں نے بڑی زیادتی کی' اتنا کہا اور اس کے ساتھ ہی میرے دل میں خیال آیا کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں میں نے غلط الفاظ کہے ہیں اور معاً اس کے ساتھ روحانی فیض بند ہو گیا۔

سارا دن پریشانی میں گزرا جب رات پڑی اور میں سو گیا' خواب میں پرانی بیٹھک دیکھی' قبلہ والد ماجد حضرت خواجہ نور الحسن شاہ صاحب خلیفہ حضرت شیر ربانی قبلہ میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ نے تمام زندگی اسی بیٹھک میں روحانی سلسلہ جاری رکھا اور یہیں وصال فرمایا۔

اچانک خواب میں ہی کسی نے بیٹھک کا دروازہ کھٹکھٹایا' دروازے کو دھکا دے کر کھولا تو اچانک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اندر تشریف لائے' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے پیچھے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

تینوں حضرات اس طرح کھڑے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دائیں طرف حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما وعنہم تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاموش کھڑے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ناراضگی میں مجھے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا:

''جھگڑا میرا اور معاویہ کا تھا' اس میں تمہیں دخل دینے کا کیا حق ہے؟ آپ نے یہی جملہ تین مرتبہ فرمایا۔ میں نے معافی مانگی لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ پھر تینوں حضرات تشریف لے گئے۔

اس واقعہ کے چھ ماہ بعد نہ تو حضرت شرقپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اور نہ ہی قبلہ والد ماجد مرشدی کی زیارت نصیب ہوئی اور ہر قسم کا روحانی فیض بند رہا۔ یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی اور فیض کا سلسلہ جاری ہو گیا۔

ایک سید صاحب امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سخت دشمن تھے' ان پر اعتراض کرتے رہتے تھے۔ ایک روز جب حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات کا مطالعہ کر رہے تھے۔ ایک جگہ اس میں انہوں نے کہیں امیر معاویہ کی تعریف وتوصیف لکھی دیکھی' دشمن تو تھے ہی غصہ آ گیا اور غصہ بھی اتنا کہ محض اس تعریف کی بناء پر مکتوبات کی جلد کو ہاتھ سے پھینک دیا۔

اسی رات کو سید صاحب نے خواب دیکھا کہ حضرت مجدد صاحب تشریف لائے اور ان کے دونوں کان پکڑ کر کہا: ''بے ادب! تو میرے لکھے پر اعتراض کرتا ہے حالانکہ میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ بالکل صحیح لکھا ہے اور اگر تجھے یقین نہیں تو میں تجھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں لے چلتا ہوں' خود ان سے پوچھ لینا۔

چنانچہ حضرت اسے کھینچتے ہوئے دربارِ مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں لے گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ حضور محترم! دیکھئے یہ شخص امیر معاویہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا دشمن ہے اور ان کی دشمنی کی بناء پر میرے مکتوبات کو بھی اس نے اُٹھا کر پھینک دیا ہے اور باز نہیں آتا۔" حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا:

"دیکھو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کا بہت بڑا مرتبہ ہے ان سے عداوت ہرگز نہ کرنی چاہیے اور نہ ان کی برائی کرنی چاہیے۔ شیخ احمد نے معاویہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے ٹھیک ہے۔"

یہ سن کر سید صاحب بہت متحیر ہوئے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی "لغزشیں" پیش کر کے حجت کرنے لگے۔ اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ابھی اس جاہل کے قلب میں حقیقت کی روشنی پیدا نہیں ہوئی۔ اس کے سینہ پر ایک سیلی (مکا) مارو تا کہ یہ معاویہ کی برائی اور عداوت کے گناہ سے توبہ کرے۔ چنانچہ شیخ احمد نے تعمیل ارشاد کی، اس پر توبہ کر لی۔ صبح جو اُٹھے تو سید صاحب کے سینہ میں درد بھی تھا اور چوٹ کا نشان بھی۔

حرفِ آخر

یہ ہے مختصر تذکرہ اس انسان کا جو اپنے وقت کا سب سے بڑا آدمی تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کاتبِ وحی رہ چکا تھا جو فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے مدبر فرمانروا کا نہایت قابل گورنر تھا جو عقل وفراست اور سیاست میں اپنے عہد کا بے نظیر شخص مانا گیا اور جو اس عظیم الشان سلطنت کا بانی تھا جس نے مشرق ومغرب تک بڑی شان وشوکت سے ایک صدی تک حکومت کی۔

حضرت ربیع بن نافع فرماتے ہیں:

"حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پردہ ہیں جب کوئی شخص اس پردہ کو کھول دے گا تو اس کے پیچھے کے لوگوں پر اس کی جرأتیں بڑھ جائیں گی۔"

(تبلیغی واصلاحی خطبات)

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چند واقعات

اُخلاق ومروت

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حضر موت میں زمین کا ایک ٹکڑا بطور جاگیر عطا فرمایا اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے ساتھ بھیجا تھا کہ وہ زمین ان کے حوالے کر دیں۔

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ "حضر موت" کے بڑے نواب اور بڑے سردار تھے، واقعہ لکھا ہے کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے ساتھ "حضر موت" کی طرف روانہ کیا تو حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اونٹ پر سوار تھے اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کوئی سواری نہیں تھی اس لیے وہ پیدل ان کے ساتھ روانہ ہوئے راستے میں جب صحرا (ریگستان) میں دھوپ تیز ہوگئی اور گرمی بڑھ گئی تو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاؤں جلنے لگے انہوں نے حضرت وائل بن حجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ گرمی بہت ہے اور میرے پاؤں جل رہے ہیں تم مجھے اپنے اونٹ پر پیچھے سوار کر لو تا کہ میں گرمی سے بچ جاؤں تو انہوں نے جواب میں کہا: "لست من ارداف الملوک." (تم بادشاہوں کے ساتھ ان کے پیچھے بیٹھنے کے قابل نہیں ہو)

لہٰذا تم ایسا کرو کہ میرے اونٹ کا سایہ زمین پر پڑ رہا ہے تم اس سایہ میں چلتے ہوئے میرے ساتھ آجاؤ۔ چنانچہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ منورہ سے یمن تک پورا راستہ اسی طرح قطع کیا اس لیے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھ جانے کا حکم دیا تھا چنانچہ وہاں پہنچ کر ان کو زمین دی پھر واپس تشریف لے آئے۔

بعد میں اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود خلیفہ بن گئے اس وقت یہ حضرت وائل بن حجر، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کے لیے یمن سے دمشق تشریف لائے تو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باہر نکل کر ان کا استقبال کیا اور ان کا بڑا اکرام کیا اور حسن سلوک فرمایا۔ (درس ترمذی: جلد ۴ صفحہ ۳۴۷)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حسن رضی اللہ عنہ کے لیے وظیفہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا وظیفہ مقرر تھا ایک لاکھ درہم تو ایک ماہ وظیفہ آنے میں دیر ہوگئی اور آئی بڑی تنگی تو خیال آیا کہ خط لکھ کر یاد دلاؤں قلم اور دوات منگوایا پھر یک دم قلم کاغذ سرہانے رکھ کر سو گئے... خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا حسن میرے بیٹے ہو کر مخلوق سے مانگتے

ہو؟ کہا تنگی آئی... تو فرمایا تو میرے اللہ سے کیوں نہیں مانگتا؟ کہا کہ کیا مانگوں؟

فرمایا یہ مانگو اے اللہ میرے دل میں یقین بھر دیں وقتر رجائی عمن سواک ساری مخلوق سے میری امیدوں کو کاٹ دیں کہ یا اللہ تو ہی میرے دل اور دماغ میں سما جائے باقی ساری مخلوق سے میری امیدیں کٹ جائیں اللھم مادعوت عنه قوتی ویقصر عنه عملی ولم تنتهی الیه رغبتی و تبلغ مسئلتی ولم یجری علی لسانی مما اعطیت احد الاولین والآخرین من القین تخصه عنی به یا رب العالمین... یا اللہ تیرے اوپر توکل کا وہ درجہ جس کو میں طاقت سے نہ لے سکا اپنی امید اور تصور بھی اس کو قائم نہ کر سکا... میرا سوال ابھی تک اس تک نہ پہنچ سکا میری زبان پر بھی یقین کا وہ درجہ نہ آ سکا وہ اتنا اونچا درجہ ہے یقین کا جو میری زبان پر بھی نہ آیا میرے دائرہ محنت میں نہ آیا وہ درجہ یا اللہ تو نے اپنے بندوں میں سے کسی کو دیا ہے وہ درجہ مجھے بھی نصیب فرما دے کیا زبردست دعا ہے... بیٹا یہ دعا مانگ... چند دن کے بعد ایک لاکھ کے بجائے پندرہ لاکھ پہنچ گیا... (اصلاحی واقعات ص ۲۸۶)

زرقاء بنت عدی سے ملاقات

اسلامی تاریخ میں جن نامور اور بہادر خواتین کا تذکرہ آیا ہے ان میں زرقاء بنت عدی بن غالب بن قیس ہمدانیہ کا ذکر بھی ہے۔ یہ کوفہ کی رہنے والی تھیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پُر جوش حامی تھیں۔ اپنے رشتہ داروں سمیت جنگ صفین میں شامل تھیں۔ انہوں نے لڑائی کے دوران فوجیوں سے متعدد بار خطاب کیا اور فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیئے جس سے فوجی اور زیادہ جوش وخروش سے لڑنے لگے۔ ان کے حوالے سے تاریخ نے ایک دلچسپ مگر سبق آموز واقعہ محفوظ کیا۔ آیئے صنف نازک سے تعلق رکھنے والی ایک خاتون کی جواں مردی اور حق گوئی کا مطالعہ کیجئے۔

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۴۱ھ میں خلافت سنبھال چکے تھے۔ مسلمانوں میں صلح ہو چکی تھی، کبھی کبھار جنگوں کے حوالے سے بعض مجالس میں تذکرہ ہو جاتا۔ ایک رات حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بعض خاص ساتھیوں کے ہمراہ مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اچانک کسی نے جنگ صفین کا تذکرہ کر دیا۔ اہل کوفہ کی جواں مردی کا تذکرہ ہوا تو زرقاء کا بھی نام لیا گیا۔ کسی نے کہا کہ اس روز اس عورت نے بڑی زوردار تقاریر کیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھیوں کو جوش دلایا۔ ان کے عزم و استقلال کو جلا بخشی اور پُر جوش طریقے سے فوجیوں سے خطاب کیا کہ بزدل سے بزدل آدمی بھی اگر سن لے تو میدانِ کارزار میں آگے بڑھتا چلا جائے۔ چنانچہ اس خطاب کی وجہ سے کتنے ہی لوگ جو میدانِ جنگ سے پلٹ رہے تھے لوٹ آئے، جو صلح و آتشی کی طرف مائل تھے میدانِ کارزار میں گھس گئے۔ اس کے الفاظ کیا تھے ایک جادو تھا، نہایت ہی کاٹ دار فقرے، پاٹ دار آواز، اس کی وجہ سے متزلزل قدم جم گئے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی گفتگو سے محفوظ ہو رہے تھے۔ اتنی عظیم عورت! یہ درست ہے کہ وہ مخالف گروپ سے تعلق رکھتی تھی مگر اس نے ایک عورت ہونے کے باوجود پامردی کا ثبوت دیا۔ اس کے استقلال اور ثابت قدمی سے وہ خاصے متاثر تھے۔ اچانک سوال کیا، ساتھیو! اس عورت کی تقریروں کے اقتباسات کسی کو یاد ہیں، بہت

سوں نے جواب دیا' ہاں کیوں نہیں! وہ الفاظ کوئی بھولنے والے نہیں تھے۔ کم وبیش سب کو یاد ہیں۔ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک اور سوال کر دیا "فَمَا تُشِيرُونَ عَلَيَّ فِيهَا" "اس عورت کے بارے میں مجھے کیا مشورہ دیتے ہو؟"

بہت سوں نے اس عورت کے قتل کا مشورہ دیا مگر امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو عرب کے نہایت ذہین وفطین آدمی تھے' یوں گویا ہوئے:

"بِئْسَ مَا أَشَرْتُمْ بِهِ وَقُبْحًا لِّمَا قُلْتُمْ! أَيَحْسُنُ أَنْ يَّشْتَهِرَ عَنِّيْ أَنَّنِيْ بَعْدَ مَا ظَفِرْتُ وَقَدَرْتُ قَتَلْتُ امْرَأَةً وَقَتْ لِصَاحِبِهَا' اِنِّيْ اِذَنْ لَّلَئِيْمٌ' لَا وَاللّٰهِ! لَا فَعَلْتُ ذٰلِكَ أَبَدًا ط"

ترجمہ...... "جو کچھ تم لوگوں نے کہا ہے تمہارا یہ مشورہ اور قول بہت ہی برا اور نامناسب ہے! کیا یہ اچھا ہوگا کہ میرے متعلق مشہور ہو جائے کہ میں نے زمام اقتدار ہاتھ میں آ جانے کے بعد ایک ایسی خاتون کو قتل کر دیا جس نے اپنے ساتھی (حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ساتھ نہایت ہی وفاداری کا ثبوت دیا؟ اللہ کی قسم! میں ہرگز ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ ایسی صورت میں یہ میری خست اور کمینگی کی دلیل ہوگی۔"

اس کے بعد امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاکم کوفہ کو ایک خط لکھا جس کا مضمون تھا "أَنْ أَنْفِذْ إِلَيَّ الزَّرْقَاءَ بِنْتَ عَدِيٍّ مَّعَ نَفَرٍ مِّنْ عَشِيْرَتِهَا وَفُرْسَانٍ مِّنْ قَوْمِهَا' وَمَهِّدْ لَهَا وِطَآءً لَيِّنًا وَّمَرْكَبًا ذَلُوْلًا ط"

ترجمہ...... "زرقاء بنت عدی کو اس کے خاندان کے چند افراد اور اس کی قوم کے چند شہسواروں کے ہمراہ میری خدمت میں روانہ کریں۔ اس کے لیے نرم گدے اور آرام دہ سواری کا بندوبست کرنا نہ بھولیں۔"

حاکم کوفہ نے جب زرقاء بنت عدی کو امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خط سے آگاہ کیا تو اس نے حکم کی تعمیل میں جلدی کی اور کہنے لگی "امیر المؤمنین کی طاعت وفرماں برداری واجب ہے میں اعراض نہیں کر سکتی۔"

چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم کے مطابق حاکم کوفہ نے زرقاء کو ان کی خدمت میں روانہ کر دیا۔ جب زرقاء امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں پہنچی تو انہوں نے پُرتپاک استقبال کیا اور پوچھنے لگے "خالہ! کیا حال ہے؟ آپ کا سفر کیسا رہا؟ کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔" زرقاء بنت عدی نے عرض کیا "رَبِيْبَةَ بَيْتٍ أَوْ طِفْلًا مُّمَهَّدًا" مفہوم یہ ہے کہ الحمد للہ میں خیریت سے ہوں۔ مجھے گھر کی مالکن کی طرح باعزت لایا گیا ہے یا پھر گہوارے والے بچے کی طرح محفوظ طریقے سے آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا در اصل میں نے یہ حکم دے رکھا تھا' آپ کو معلوم ہے کہ میں نے کس لیے یہاں آنے کی زحمت دی ہے؟ زرقاء بنت عدی نے کہا

"وَاَنّٰى لِيْ بِعِلْمِ مَالَمْ اَعْلَمْ؟ لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى ط"

"بھلا جس بات کی مجھے خبر نہیں اس کے بارے میں کیا جانوں! غیب کا علم تو صرف اللہ ہی کو ہے۔"

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا "صفین کی جنگ میں تم نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھیوں کو میرے خلاف جنگ پر اُبھارا تھا اور انہیں اپنے پُرجوش خطاب سے غیرت دلا رہی تھیں اور تم ہی وہ عورت ہو

جس کی چرب زبانی نے نہ جانے کتنے بزدلوں کو ہمت و شجاعت سے بہرہ ور کر دیا جو میرے خلاف اندھا دُھند تلواریں چلانے لگیں، تمہیں یہ کہتے ہوئے بھی سنا گیا کہ سورج کی تابناک روشنی میں چراغ کی کوئی اہمیت نہیں اور چاند کا مقابلہ تارے نہیں کر سکتے۔ اس لیے اب تم مردانہ وار لڑو، صبر و استقلال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو، اسی میں تمہاری سربلندی ہے، جیو تو شان سے، مرو تو شان سے!!! اور جان لو "اِنَّ خِضَابَ النِّسَآءِ الْحِنَّاءُ وَخِضَابُ الرِّجَالِ الدِّمَآءُ"

ترجمہ...... "عورتوں کا خضاب مہندی ہے جبکہ مردوں کا خضاب خون ہے!!"

پھر امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا "زرقا! میں نے تمہارے حوالے سے جو کچھ کہا ہے کیا یہ سچ نہیں ہے؟" زرقاء بنت عدی نے اثبات میں جواب دیا۔ امیر معاویہ کہنے لگے "لَقَدْ شَارَکْتِ عَلِیًّا فِیْ کُلِّ دَمٍ سَفَکَہٗ"

"گویا کہ تم ہر اُس خون میں علی کی شریک ہو جو انہوں نے بہایا ہے۔"

زرقاء بنت عدی نے جواب دیا امیر المومنین! اللہ تعالیٰ آپ کی بات کو شرف قبولیت سے نوازے کیونکہ یہ میرے لیے بشارت سے کم نہیں۔ بلاشبہ میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھی اور ان کی طرف سے بہائے گئے ہر ایک خون میں میری شرکت میرے لیے قابل فخر ہے۔ آپ کا شکریہ جو آپ نے مجھے اس خوشخبری سے نوازا!!!

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس عورت کی ہمت و شجاعت اور بے خوفی و بے باکی کو دیکھ کر ہنس پڑے اور کہنے لگے "وَاللّٰہِ لَوَفَاؤُکُمْ بَعْدَ مَوْتِہٖ أَعْجَبُ عِنْدِیْ مِنْ حُبِّکُمْ لَہٗ فِیْ حَیَاتِہٖ ط"

ترجمہ...... "اللہ کی قسم! حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موت کے بعد تم لوگ ان کے ساتھ جو بے انتہا وفاداری کا ثبوت پیش کر رہے ہو، مجھے یہ بات ان کی زندگی میں تمہاری محبت سے زیادہ تعجب خیز لگ رہی ہے۔"

پھر امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے کہا "تمہاری کوئی ضرورت ہو تو پیش کرو، میں حاضر ہوں۔"

زرقاء بنت عدی کہنے لگیں: "یَآ اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِنِّیْ اٰلَیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ أَلَّا أَسْأَلَ أَحَدًا أَعَنْتُ عَلَیْہِ أَبَدًا ط"

ترجمہ...... "امیر المؤمنین! میں نے اپنے بارے میں قسم کھا رکھی ہے کہ میں نے جس شخص کے خلاف (میدانِ جنگ میں) کردار ادا کیا ہے اس کے آگے کبھی دستِ سوال نہیں دراز کروں گی۔"

امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا "مجھے چند لوگوں نے آپ کے قتل کا مشورہ دیا ہے۔"

زرقاء کہنے لگی "مشورہ دینے والے کم ظرف لوگ ہیں آپ اگر ان کی بات مان کر مجھے قتل کر دیں گے تو پھر آپ کا شمار بھی ان ہی جیسے لوگوں میں ہوگا۔"

چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فراخ دلی سے کام لیتے ہوئے اس عورت کو معاف کر دیا اور خلعت کے ساتھ درہم و دینار سے بھی نوازا۔ مزید اُسے ایک ایسی جاگیر سے نوازا جس سے سالانہ دس ہزار درہم کی آمدنی ہوتی تھی اور اسے اس کے خاندان والوں کے ساتھ صحیح سلامت کوفہ روانہ کر دیا۔ حاکم کوفہ کو خط بھی لکھا کہ اس خاتون اور اس کے خاندان کا خاص خیال رکھا جائے۔ (دیکھئے من قصص العرب ۲۳۷، العقد الفرید ۲/۱۰۶، بلاغات النساء ۳۷)

ذکرِ حسنین رضی اللہ عنہما

دوشِ نبیؐ کے شاہسواروں کی بات کر
کون و مکاں کے راج دُلاروں کی بات کر

جن کے لیے ہیں کوثر و تسنیم موجزن
اُن تشنہ کام بادہ گساروں کی بات کر

خُلدِ بریں ہے جن کے تقدُّس کی سیرگاہ
اُن خوں میں غرق غرق نگاروں کی بات کر

کلیوں پہ کیا گزر گئی پھولوں کو کیا ہُوا
گُلزارِ فاطمہؓ کی بہاروں کی بات کر

جن کے نفس نفس میں تھے قرآں کھُلے ہُوئے
اُن کربلا کے سینہ فگاروں کی بات کر

شمرِ لعیں کا ذِکر نہ کر میرے سامنے
شیرِ خدا کے مرگ شِعاروں کی بات کر

(۲۳-۱۳۷۵ھ/ ۵۴-۱۹۵۶ء کے درمیان کہی گئی)

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولادِ مبارک

- ....حضرت قاسم رضی اللہ عنہ
- ....حضرت زینب رضی اللہ عنہا
- ....حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا
- ....حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا

....جگر گوشۂ رسول حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا

(تفصیلی حالات وایمان افروز واقعات)

- ....حضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت سراپا رحمت خُسر
- ....حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ

اولادِ مبارک

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کے بارے میں اقوال مختلف ہیں سب سے زیادہ معتبر اور مستند قول یہ ہے کہ تین صاحبزادے اور چار صاحب زادیاں تھیں۔

قاسم، عبداللہ جن کو طیب اور طاہر کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ ابراہیم، زینب، رقیہ، ام کلثوم، فاطمۃ الزہرہ صاحبزادیوں کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔ بالاتفاق چار تھیں چاروں بڑی ہوئیں۔ بیاہی گئیں۔ اسلام لائیں۔ ہجرت کی۔

حضرت ابراہیم کے بارے میں بھی کوئی اختلاف نہیں۔ یہ بالاتفاق آپ کی ام ولد ماریہ قبطیہ کے بطن سے تھے اور بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔ حضرت ابراہیم کے سوا تمام اولاد حضرت خدیجہ ہی کے بطن سے ہے اور کسی بیوی سے آپ کو کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

حضرت خدیجہ کے بطن سے جس قدر لڑکے پیدا ہوئے وہ سب بچپن ہی میں داغ مفارقت دے گئے۔ اس لئے ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔ جمہور علماء سیر کا قول یہ ہے کہ حضرت خدیجہ کے بطن سے دو صاجبزادے پیدا ہوئے ایک قاسم اور دوسرے عبداللہ اور حضرت عبداللہ ہی کا دوسرا نام طیب و طاہر بھی تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ طیب اور طاہر آپ کے دو صاجبزادے تھے جو حضرت قاسم اور حضرت عبداللہ کے علاوہ تھے۔ اس قول کی بناء پر حضرت خدیجہ کے بطن سے لڑکوں اور لڑکیوں کی تعداد برابر ہو جاتی ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ حضرت خدیجہ کے بطن سے چھ صاحب زادے ہوئے، پانچویں اور چھٹے صاحب زادے کا نام مطیب اور مطہر تھا۔ واللہ اعلم

حضرت قاسم

آپ کی اولاد میں سب سے پہلے حضرت قاسم پیدا ہوئے اور بعثت نبوی سے پیشتر ہی انتقال کر گئے۔ صرف دو سال زندہ رہے اور بعض کا قول ہے کہ سن تمیز کو پہنچ کر وفات پائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم انہی کے انتساب سے تھی۔

❁❁❁

حضرت زینب رضی اللہ عنہا

پیدائش: حضرت زینب آپ کی صاحبزادیوں میں بالاتفاق سب سے بڑی ہیں۔ بعثت سے دس سال پہلے پیدا ہوئیں اور اسلام لائیں۔

شادی، ہجرت اور وفات

بدر کے بعد ہجرت کی اپنے خالہ زاد بھائی ابوالعاص بن ربیع سے بیاہی گئیں۔ حضرت زینب کی ہجرت کا مفصل واقعہ اسیران بدر کے بیان میں گزر چکا ہے۔ شروع ۸ ہجری میں انتقال کیا۔

اولاد

ایک لڑکا اور ایک لڑکی اپنی یادگار چھوڑی۔ لڑکے کا نام علی تھا اور لڑکی کا نام امامہ تھا۔ علی کے متعلق روایتیں مختلف ہیں۔ مشہور قول یہ ہے کہ سن تمیز کو پہنچ کر اپنے والد ابوالعاص کی حیات ہی میں انتقال کر گئے اور ایک قول یہ ہے کہ معرکہ یرموک میں شہید ہوئے۔

امامہ رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت

امامہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت محبت فرماتے تھے۔ امامہ آپ سے بہت مانوس تھیں۔ بعض اوقات نماز میں آپ کے دوش مبارک پر چڑھ جاتی تھیں۔ آپ آہستہ سے ان کو اُتار دیتے تھے۔

ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہدیہ میں سونے کا ایک ہار آیا۔ تمام ازواج مطہرات اس وقت جمع تھیں۔ اور امامہ گھر کے ایک گوشہ میں مٹی سے کھیل رہی تھیں۔ آپ نے فرمایا یہ ہار میں اپنے محبوب ترین اہل کو دوں گا۔ سب کا گمان یہ تھا کہ حضرت عائشہ کو عطا فرمائیں گے۔ لیکن آپ نے امامہ کو بلایا اور اول ان کی آنکھوں کو اپنے دست مبارک سے پونچھا اور پھر وہ ہار ان کے گلے میں ڈالا۔

حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کا نکاح

حضرت فاطمہ کے انتقال کے بعد حضرت علی نے امامہ سے نکاح کیا اور جب حضرت علی نے شہادت پائی تو مغیرہ بن نوفل کو وصیت کی کہ تم امامہ سے نکاح کر لینا۔ بعض کہتے ہیں کہ مغیرہ کے حضرت امامہ سے ایک لڑکا ہوا جس کا نام یحییٰ تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ امامہ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اور حضرت امامہ نے مغیرہ کے یہاں وفات پائی۔

حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا

ابولہب اوراس کے بیٹوں کی بدبختی

حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم۔ آپ کی یہ دونوں صاحبزادیاں ابولہب کے بیٹوں سے منسوب تھیں۔ رقیہ عتبہ بن ابی لہب سے اورام کلثوم عتیبہ بن ابی لہب سے فقط نکاح ہوا تھا۔ عروسی نہیں ہوئی تھی۔ جب تبت یدا ابی لہب وتب نازل ہوئی۔ ابی لہب نے بیٹوں کو بلا کر کہا کہ اگر تم محمد کی بیٹیوں کو طلاق نہ دو گے تو سمجھ لو کہ تمہارے ساتھ میرا سونا اور بیٹھنا حرام ہے۔ دونوں بیٹوں نے باپ کے حکم کی تعمیل کی اور عروسی سے پہلے ہی آپ کی دونوں صاحبزادیوں کو طلاق دیدی۔

نکاح، ہجرت اور اولاد

آپ نے حضرت رقیہ کا نکاح حضرت عثمان سے کردیا۔ حضرت عثمان نے جب حبشہ کی طرف ہجرت کی تو حضرت رقیہ بھی آپ کے ہمراہ تھیں۔ کچھ عرصہ تک آپ کو ان دونوں کی کچھ خبر معلوم نہ ہوئی۔ ایک عورت آئی اور اس نے یہ خبر دی کہ میں نے دونوں کو دیکھا ہے آپ نے فرمایا۔ اللہ ان دونوں کے ساتھ ہو تحقیق عثمان لوط علیہ السلام کے بعد پہلا شخص ہے، جس نے مع اہل وعیال کے ہجرت کی ہے۔ وہاں جا کر ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ چھ سال زندہ رہ کر انتقال کر گیا۔

وفات

جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ بدر کے لئے روانہ ہوئے تو حضرت رقیہ بیمار تھیں اسی وجہ سے حضرت عثمان غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے ان کی تیمارداری میں رہے۔ عین اسی روز کہ جس روز حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ اسلام کی فتح اور مشرکین کی ہزیمت کی بشارت اور خوشخبری لے کر مدینہ آئے۔ حضرت رُقیہ رضی اللہ عنہا نے انتقال فرمایا۔ حضرت رقیہ کی علالت کی وجہ سے اسامہ بن زید بھی بدر میں شریک نہیں ہوئے صاحبزادی کے دفن میں مشغول تھے کہ یکا یک تکبیر کی آواز سنائی دی۔ حضرت عثمان نے پوچھا اے اسامہ یہ کیا ہے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ زید بن حارثہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناقہ پر سوار ہیں اور مشرکین کے قتل کی بشارت لے کر آئے ہیں۔ انتقال کے وقت بیس سال کی عمر تھی۔

ابوجہل، ولید عتبہ وغیرہ کو بددعا

حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ شریف کے پاس نماز ادا فرمارہے تھے اور ابوجہل اور اس کے رفقاء جو وہاں جمع تھے ان میں سے کسی نے ایک اونٹ ذبح کیا تھا اس کی اوجھڑی وہاں پڑی

ہوئی تھی... ابو جہل بولا تم میں سے ہے کوئی شخص جو اٹھ کر اس اونٹ کی اوجھڑی لے آئے اور جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کریں تو ان کے شانوں پر جا کر رکھ دے... آخر جوان میں سب سے زیادہ بدنصیب تھا اس نے یہ ہمت کی اور جب آپ سجدہ میں تشریف لے گئے تو اس نے وہ اوجھڑی لا کر آپ کے شانوں پر ڈال دی پھر کیا تھا ایک قہقہہ لگا کہ ہنسی کے مارے ایک دوسرے پر جا جا کر گرنے لگا... میں یہ سب ماجرا کھڑا دیکھ رہا تھا... کاش میرے ساتھ کوئی چھوٹی سی جماعت بھی ہوتی تو میں آپ کے شانوں سے اس کو اٹھا کر پھینک دیتا ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدستور سر بسجود تھے اور اپنا سر مبارک نہ اٹھاتے تھے... اتنے میں کسی نے جا کر حضرت فاطمہؓ کو اس کی خبر کی' یہ اس وقت بہت کم سن تھیں بھاگ کر آئیں اور آپؐ کے شانوں سے وہ اوجھڑی اٹھا کر پھینک دی پھر ان بدکرداروں کو برا بھلا کہنے لگیں...

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہو گئے تو آواز بلند ان پر بددعا فرمائی.. اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور مبارک یہ تھا کہ جب بددعا فرماتے تو تین بار فرماتے اسی طرح جب کوئی دعا مانگتے تو تین بار مانگتے پھر تین بار فرمایا الٰہی قریش سے انتقام لے"... جب انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ کلمہ سنا تو ان کی سب ہنسی خوشی غائب ہو گئی اور سہم کر رہ گئے... اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لے لے کر بددعائیں فرمائیں الٰہی ابوجہل' عتبہ' شیبہ' ولید' امیہ اور عقبہ سے اور ایک ساتویں شخص کا نام لیا جو اس وقت مجھ کو یاد نہیں رہا.. انتقام لے اس ذات کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دین حق دے کر بھیجا ہے جن جن مشرکین کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نام لئے تھے میں نے ان میں سے ایک ایک کو جنگ بدر کے میدان میں مقتول پڑا ہوا دیکھا اس کے بعد وہ گھسیٹ کر وہاں ایک کنویں میں ڈال دیئے گئے... (بخاری و مسلم)

جب ابولہب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہو گیا تو اس نے اپنے دونوں بیٹوں کو حکم دیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں صاحبزادیوں رقیہؓ اور ام کلثومؓ کو رخصتی سے قبل ہی طلاق دیدیں... تو عتیبہ نے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جا کر بدتمیزی سے یوں کہا کہ میں تمہارے دین کو نہیں مانتا اور میں نے تمہاری لڑکی کو چھوڑ دیا کہ نہ وہ میرے بلانے پر آئے نہ میں اس کے بلانے پر آؤں... (یا نہ وہ مجھے جواب دے نہ میں اسے جواب دوں) پھر اس بدبخت نے حضورؐ کو ایذا دینے کا قصد کیا اور آپ کا پیراہن مبارک پھاڑ دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا فرمائی کہ اے میرے اللہ! اس پر اپنے کتوں میں سے کوئی کتا مسلط کر دیجئے... کچھ دنوں کے بعد قریش کے ایک قافلہ کے ساتھ وہ لڑکا کسی سفر کو نکلا... ملک شام میں ایک مقام پر جس کا نام زرقا تھا وہ قافلہ رات کو اترا... ایک شیر رات میں ان کے پاس سے گھوم گیا تو عتیبہ کہنے لگا اے بھائی بڑا غضب ہو گیا... یہ شیر بخدا مجھے کھا جائے گا... جیسا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھ پر بددعا کی ہے حالانکہ وہ اس وقت مکہ میں ہیں اور میں شام میں ہوں... بس پھر اس شیر نے قافلہ کے بیچ میں سے گزر کر اسی پر حملہ کیا اور اس کا سر پکڑا اور اسے مار ڈالا... اور ہشام نے اپنے والد عروہ سے یوں روایت کی ہے کہ جب شیر اس رات میں ان کے پاس سے گھوم گیا تو قافلے والے اٹھ بیٹھے اور وہ عتیبہ کو بیچ میں کر کے چاروں طرف خود پھیل گئے تو وہ شیر سب کے بیچ میں سے گزرتا ہوا آگے آیا اور اس نے عتیبہ کا سر پکڑا اور اسے توڑ ڈالا... اہل سیر کے یہاں اسی طرح مشہور ہے... ابن تیمیہؒ نے اس کا ذکر الجواب الصحیح میں کیا ہے...

حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا

نام

اُم کلثوم رضی اللہ عنہا اسی کنیت کے ساتھ مشہور تھیں۔
بظاہر یہ کنیت ہی آپ کا نام تھا۔ اس کے علاوہ آپ کا کوئی نام ثابت نہیں۔

نکاح

حضرت رُقیہ کی وفات کے بعد ماہ ربیع الاول ۲ ہجری حضرت عثمان کے نکاح میں آئیں۔
چھ سال حضرت عثمان کے ساتھ رہیں اور کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

وفات

ماہ شعبان ۹ ہجری میں انتقال کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی۔
حضرت علی اور فضل بن عباس اور اسامہ بن زید نے قبر میں اُتارا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبر کے کنارہ پر بیٹھے ہوئے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

عتیبہ کی بدبختی

حضرت اُم کلثوم، پہلے ابولہب کے بیٹے عتیبہ سے منسوب تھیں۔ باپ کے کہنے پر طلاق دیدی۔ طلاق تو دوسرے بیٹے عتبہ نے بھی حضرت رقیہ کو دیدی تھی۔ مگر عتیبہ نے فقط طلاق پر اکتفا نہ کی بلکہ طلاق دیکر آپ کے پاس آیا اور یہ کہا۔
کہ میں آپ کے دین کا منکر ہوں اور آپ کی بیٹی کو طلاق دیدی ہے وہ مجھ کو پسند نہیں کرتی اور میں اس کو پسند نہیں کرتا۔ اس کے بعد آپ پر حملہ کیا اور آپ کا پیراہن چاک کر دیا۔ آپ نے بددعا فرمائی کہ اے اللہ اس پر کوئی درندہ اپنے درندوں میں سے مسلط فرما۔ چنانچہ ایک مرتبہ قریش کا تجارتی قافلہ شام کی طرف گیا جا کر مقام زرقاء میں اترا ابولہب اور عتیبہ بھی اس قافلہ میں تھے۔ رات کے وقت ایک شیر آ گیا وہ شیر قافلہ والوں کے چہروں کو دیکھتا جاتا تھا اور سونگھتا جاتا تھا۔ جب عتیبہ پر پہنچا تو فوراً اس کا سر چبا لیا۔ عتیبہ کا اسی وقت دم نکل گیا اور شیر ایسا غائب ہوا کہ کہیں اس کا پتہ نہ چلا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی عظمت

حضرت ام کلثوم کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ اگر میرے دس لڑکیاں بھی ہوتیں تو یکے بعد دیگرے عثمان کی زوجیت میں دیتا رہتا۔

جگر گوشۂ رسول

سیدہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اولاد میں سب سے زیادہ محبوب، لاڈلی اور چہیتی صاحبزادی۔ ان کی کنیت ام ابیھا...... اور لقب الزہراء تھا...... بعض سوانح نگاروں نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سب سے چھوٹی صاحبزادی کون تھیں۔ اگرچہ...... بعض سیرت نگاروں نے حضرت رقیہ کا نام بھی درج کیا ہے لیکن سوانح نگاروں کی اکثریت کا اس بات پر اتفاق اور قریب قریب اجماع ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہراء...... ہی آپ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں...... اور حافظ ابن عبدالبر نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ اس کے خلاف جو ضروری ہے کہ اس کے علاوہ جو آراء ہیں ان کی طرف توجہ نہ دی جائے۔

اُنہوں نے لکھا ہے کہ متواتر روایات سے یہ ثابت ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سب سے بڑی حضرت زینب رضی اللہ عنہا ان سے چھوٹی حضرت رقیہ اور ان سے چھوٹی حضرت اُم کلثوم اور سب سے چھوٹی حضرت فاطمۃ الزہراء تھیں۔ اسی طرح ایسے لوگوں کی رائے بھی حقیقت اور صحت کے خلاف ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سوا آپ کی بیٹیاں...... حضرت خدیجہ کے سابق خاوندوں سے تھیں...... حقیقت یہ ہے کہ...... یہ چاروں کی چاروں صاحبزادیاں، جگر گوشۂ رسول، آپ کی لخت جگر...... اور چشم و چراغِ خانوادۂ نبوی تھیں۔ لیکن چونکہ ان کی وفات۔ ہجرت کے بعد آپ کی حیات طیبہ ہی میں ہوگئی تھی۔ اس لیے ان کے بارے میں...... آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت...... دنیا کے سامنے نہ آسکی......

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ولادت

حضرت فاطمہ کی ولادت کے سال میں بھی مورخین اور سیرت نگاروں کے مابین اختلاف ہے۔ معروف مغازی وسیرت نگار...... محمد بن عمر الواقدی نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ان کی ولادت تعمیر خانہ کعبہ کے وقت ہوئی۔ اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۳۵ برس تھی......

اسی طرح ابن سعد نے بھی لکھا ہے کہ ان کی ولادت اعلانِ نبوت سے پانچ برس قبل ہوئی۔

بعض روایات کی رُو سے ان کی وِلادت اعلانِ نبوت کے بعد ہوئی اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی واحد

صاحبزادی ہیں جو زمانہ اسلام میں پیدا ہوئیں۔

اسی طرح ابو عمر نے عبید اللہ بن محمد بن سلیمان بن جعفر الہاشمی سے روایت کی ہے کہ ان کی ولادت اس وقت ہوئی جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۴۱ برس تھی۔ اور اس طرح وہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پانچ برس بڑی تھیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب ہوش کی آنکھیں کھولیں۔ تو اس وقت آپ پر نزول وحی کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ چنانچہ اُنہوں نے...... ہوش سنبھالتے ہی اپنے چاروں طرف اسلام کو ضوفشاں دیکھا۔

ان کی عمر مبارک اُس وقت محض پانچ (یا کم وبیش) برس کی ہوگی۔ جب ان کی بڑی بہن حضرت رقیہ نے...... اپنے خاوند حضرت عثمان کے ہمراہ حبشہ کی طرف ہجرت کی...... اور خاندان نبوی کو حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی جدائی کا غم...... برداشت کرنا پڑا۔ لیکن چونکہ اُس وقت ابھی ان کی والدہ حیات تھیں اس لیے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اُسے زیادہ محسوس نہ کیا ہوگا...... ابھی سیدہ زہراء کی عمر مبارک محض ۱۰ (یا ۱۵) برس کی ہوگی۔ جب انہیں اپنی شفیق وغم گسار...... والدہ حضرت خدیجہ کی وفات کا صدمہ برداشت کرنا پڑا...... اس وقت حضرت زینبؓ اور حضرت رقیہؓ دونوں اپنے اپنے سسرال میں تھیں اور گھر میں صرف حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمۃ الزہراء تھیں۔

چونکہ یہ دونوں قدسی صفات خواتین ابھی کم عمر تھیں اور انہیں دیکھ بھال کے لیے کسی بڑی خاتون کی ضرورت تھی۔ اسی لیے...... آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے...... ان کی خاطر) فوری طور پر۔ ایک بڑی عمر کی خاتون اُم المومنین حضرت سودہؓ بنت زمعہ سے شادی کر لی...... چنانچہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنی یہ ذمہ داری حسن طریقے پر انجام دی...... اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی وجہ سے اپنی بچیوں کی تربیت سے بےفکر ہو گئے تھے...... تاہم چھوٹی اور کم عمر ہونے کی وجہ سے سیدہ فاطمۃ الزہراء...... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ لاڈلی اور زیادہ پیاری تھیں اور وہ بھی اپنے باوا جان کا بہت زیادہ خیال رکھتی تھیں۔ چنانچہ...... ایک مرتبہ جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور جناب ابو طالب کی وفات کے بعد...... آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک پر عین اس وقت جب آپ صحن کعبہ میں نماز کی ادائیگی میں مصروف تھے، اُونٹ کی گندی اور بدبودار اوجھڑی لا کر رکھ دی گئی اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی وجہ سے سجدہ مبارک سے سر اُٹھا نہ پا رہے تھے اور دشمن مارے ہنسی کے لوٹ لوٹ ہو رہے تھے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو اس تکلیف سے نجات دلائی اور کفار کو بُرا بھلا کہا تھا۔ اسی طرح ایک اور موقع پر...... جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر کی طرف تشریف لا رہے تھے تو...... کسی بدبخت نے...... کوڑا کرکٹ آپ کے جسم مبارک پر ڈال دیا تھا تو اس موقع پر بھی...... حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی نے آپ کے سر مبارک سے مٹی صاف کی تھی...... اور آپ کو اس اذیت سے نجات دلائی تھی۔

اس طرح حضرت خدیجہ الکبری رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا اپنے اباجان کے بہت زیادہ قریب ہو گئی تھیں اور گھر میں آپ کے کھانے پینے کے علاوہ آپ کے ساتھ غم گساری...... بھی آپ ہی فرماتی تھیں۔

حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کی ہجرت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کی تو اس وقت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا دونوں صاحبزادیاں مکہ مکرمہ میں رہ گئی تھیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں لانے کے لیے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ اور ابورافع کو مکہ معظمہ بھیجا جو اُم المومنین حضرت سودہؓ بنت زمعہ اور آپ کی دونوں صاحبزادیوں کو ہمراہ لے کر مدینہ طیبہ آئے۔ ان کا یہ سفر بخیر وعافیت مکمل ہوا...... اور دورانِ سفر کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا۔

حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کی خانہ آبادی

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا...... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر نے...... مدینہ منورہ کے بعد...... جب جوانی کی حدود میں قدم رکھا...... تو...... حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما جیسے باثروت لوگوں نے...... ان کے لیے پیغام بھیجے...... مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ اللہ کے فیصلے کا انتظار کرو، آپ...... حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حالات کے ضمن میں اُوپر گذر چکا ہے کہ ابھی وہ کم عمر تھے کہ...... مکہ مکرمہ میں...... قحط سالی کی بنا پر...... حالات میں تنگی پیدا ہوگئی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خود اپنی آغوش میں لے لیا...... جبکہ حضرت جعفر کے متعلق حضرت عباس بن عبدالمطلب کو ترغیب دی کہ وہ انہیں اپنی آغوش میں لے لیں...... چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تمام تر تعلیم و تربیت...... آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں...... اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ہوئی۔ اس لیے...... ان کی شادی کرنا بھی...... آپ ہی کی ذمہ داری تھی...... تاہم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ کسی بھی معاملے میں جبر و اکراہ کے قائل نہ تھے...... اس لیے آپ یہ چاہتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خود اپنی زبان سے اپنی خواہش کا اظہار کریں، جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ...... اس بنا پر...... اپنی خواہش ظاہر کرنے میں...... ہچکچا رہے تھے کہ...... وہ ایک درویش انسان تھے۔ ان کے پاس کھانے پینے اور گھر کے اخراجات چلانے کا کوئی باقاعدہ بندوبست نہ تھا لیکن...... دربارِ رسالت...... ان تمام باتوں سے مستثنیٰ تھا...... حضرت علی رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں:

"میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام دینا چاہتا تھا لیکن میں نے اپنے دل میں سوچا بخدا میرے پاس تو کچھ نہیں ہے لیکن پھر میں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے ساتھ شفقت اور محبت کے متعلق سوچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو...... پیغام دے دیا"۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تو جیسے اس لمحے کا انتظار فرما رہے تھے...... پوچھا...... تمہارے پاس مہر میں دینے کے لیے کیا ہے انہوں نے کہا کچھ نہیں۔ فرمایا تمہاری وہ حطمی زرہ کہاں ہے جو میں نے تمہیں دی تھی...... حضرت علیؓ نے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دی تو آپ نے اس زرہ کے مہر پر ان کا اپنی بیٹی سے نکاح کر دیا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے...... حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے پیغام ملنے کے بعد...... اپنی بیٹی سے بھی رائے لی اور فرمایا بیٹی...... علی رضی اللہ عنہ تیرا تذکرہ کر رہا تھا۔ یہ سن کر خاتون جنت خاموش رہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے رضا مندی قرار دیا...... اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ...... حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا سادگی کے ساتھ نکاح کر دیا...... یہ واقعہ غزوۂ بدر کے بعد...... ماہ صفر ۳ ہجری (دوسری روایت کی رو سے ذوالقعدہ ذوالحجہ ۲ ہجری) کا ہے جبکہ حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کی رُخصتی...... غزوۂ اُحد ۳ ھ کے بعد ہوئی۔ نکاح کے وقت حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کی عمر مبارک ۱۵ برس پانچ ماہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اکیس برس اور پانچ ماہ تھی۔

حضرت فاطمہؓ کا نکاح مسجد نبوی میں ہوا نکاح کے بعد...... حاضرین کو شہد اور شربت پلایا گیا اور کھجوریں تقسیم کی گئیں۔

نکاح کے بعد...... حضرت علیؓ نے...... کرایے پر مکان لیا اور حضرت فاطمہؓ کو پہلے وہاں رکھا...... بعد ازاں...... جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ملنے آئے۔ تو حضرت فاطمۃ الزہراءؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہماری رہائش کے سلسلہ میں...... حارثہ بن النعمان سے بات کیجیے...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ...... حارثہ میرے کہنے پر اتنی بار...... مکان چھوڑ کر منتقل ہو چکا ہے کہ مجھے اب اس سے بات کرتے ہوئے حیا آتی ہے۔

اس کی اطلاع جب حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ کو ہوئی تو انہوں نے...... آپ کی خدمت میں آ کر عرض کیا یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ مجھے وہ مکانات جو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چھوڑے ہیں ان مکانات کے مقابلے میں جو آپؐ نے میرے لیے چھوڑ دیئے ہیں۔ زیادہ عزیز ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے جس پر حارثہ نے اپنا مکان چھوڑ دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ اس مکان میں منتقل ہو گئے۔

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کا مہر

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے مہر میں اختلاف ہے.... زیادہ تر روایات میں ہے جب حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہ الزہرؓ کے لیے پیغام دیا۔ تو آپ نے پوچھا کہ اے علیؓ! تمہارے پاس مہر میں دینے کے لیے کیا ہے! انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں فقیر آدمی ہوں۔ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں۔ آپ نے فرمایا: تمہاری وہ حطمی زرہ کہاں ہے، جو میں نے تمہیں دی تھی۔ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! وہ تو میرے پاس موجود ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنی وہی زرہ مہر میں دیدو...... چنانچہ...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زرہ پر...... دونوں کا نکاح کر دیا۔ اس زرہ کی قیمت چار سو درہم تھی۔ جبکہ دوسری روایت کی رو سے حضرت علیؓ نے ایک جواں عمر اونٹ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو مہر نکاح میں دیا تھا جس کی قیمت چار سو درہم تھی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو چار سو اسی درہم مہر دیا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس میں سے...... ایک

تہائی رقم سے خوشبو خریدی جائے...... جبکہ نامور مؤرخ اور سیرت نگار ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مہر چار سو اسی درہم تھا۔ اور انہوں نے زرہ...... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس وقت دی تھی۔ جب حضرت علیؓ نے...... حضرت فاطمہؓ سے ملاقات کرنا چاہی تھی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی یہ انتہائی سعادت تھی کہ ان کی شادی کی تیاری اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے فرمائی تھی...... انہوں نے صحرائی زمین سے حاصل کی گئی نرم و گداز مٹی کا فرش بچھایا۔ اس کے کناروں پر نرم گھاس کے دو تکیے لگائے۔ انہیں اپنے ہاتھوں سے دھنکا۔ کھجور اور خشک انگور کو ملا کر کھانا تیار کیا اور میٹھا پانی رکھا پھر ایک لکڑی لی اور اُسے گھر کی طرف رکھ دیا تا کہ اس پر کپڑے اور مشکیزہ لٹکایا جا سکے۔

مقررہ دن پر یعنی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی رُخصتی کا دن آنے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا: میرا انتظار کرنا...... چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہؓ کے ہمراہ ان کے مکان پر تشریف لائے...... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگوایا اور اس میں سے وضو کیا اور بقیہ پانی ان دونوں پر برکت کیلئے چھڑک دیا اور فرمایا:

"اللّٰهم بارک فیهما و بارک علیهما و بارک لهما فی نسلهما."

اے اللہ! ان دونوں میں ان کے اوپر اور ان کی آل و اولاد میں برکت عطا فرما۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی اپنے گھر پر آمد کے بعد...... اپنی والدہ فاطمہ سے کہا: کہ آپ گھر سے باہر کے کاموں مثلاً پانی لانے...... گھر آنے والے مہمانوں وغیرہ کی ذمہ دار ہونگی۔ اور حضرت فاطمہ آٹا گوندھنے، روٹی بنانے اور آٹا پیسنے کی ذمہ دار ہوں گی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جہیز

عربی زبان میں جہیز یا جہاز اس سامان کو کہا جاتا ہے، جو کہ مسافر اپنے لیے یا کوئی دوسرا شخص اس کے لیے تیار کرتا ہے۔ اس مناسبت سے والدین اپنی بیٹیوں کو رخصتی کے موقع پر جو سامان دیتے ہیں۔ اسے بھی "جہیز" کہہ دیا جاتا ہے۔ اس حوالے سے یہ بات واضح ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لختِ جگر کو بہت ہی سادہ مگر باوقار سامان دیا تھا۔ بقول حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تخت خواب دو توشکیں، ایک گرم چادر، ایک تکیہ اور پانی کا ایک چھاگل وغیرہ پر مشتمل سامان دیا تھا۔

حضرت فاطمۃ الزہراءؓ نے...... حضرت علیؓ کے گھر میں...... نہایت سادہ...... اور محنت و مشقت والی زندگی بسر فرمائی۔ مگر کبھی بھی...... کوئی حرف شکایت زبان پر نہ لائیں...... وہ تسلیم و رضا کا پیکر اور صبر و شکر کا مجسمہ تھیں...... ایک مرتبہ...... انہیں اطلاع ملی کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ غلام آئے ہیں...... حضرت علیؓ کے کے ایما پر وہ بارگاہ نبوت میں گئیں۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مصروف و مشغول دیکھ کر...... بلا کچھ کہے سنے...... واپس آ گئیں......

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت ان کے ہاں تشریف لائے۔ اس وقت وہ دونوں آرام کے لیے لیٹ گئے تھے۔ کمبل اتنا چھوٹا تھا کہ اگر سر کو ڈھانپا جاتا، تو پاؤں نکل جاتے اور پاؤں ڈھانپے جاتے تو سر نکل جاتا۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم...... دونوں کے درمیان آ کر بیٹھ گئے کہ حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے آپ کے پاکیزہ قدموں کی ٹھنڈک اپنے سینے پر محسوس ہوئی...... خاتونِ جنت یہاں بھی کچھ نہ بتا سکیں......

تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہی ماجرا عرض کیا: حضرت علیؓ کے جسم پر پانی کے ڈول کھینچنے کی بنا پر اور حضرت فاطمہؓ کے ہاتھوں پر چکی پیسنے کی بنا پر نشان پڑ گئے تھے...... اس لیے وہ یہ چاہتی تھیں کہ آپ انہیں ایک خادم/ خادمہ دے دیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خادم یا خادمہ تو نہیں مل سکتی کیوں کہ ابھی تک بدر کے شہداء کے گھروں کا بندوبست نہیں ہوسکا تھا۔ البتہ...... سوتے وقت ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھنے کا تحفہ عطا کیا اور فرمایا: یہ عمل تمہارے لیے خادم/ خادمہ کے ملنے سے بہتر ہے۔ دونوں نے اس پر بڑی شدت سے عمل کیا کہ کسی رات بھی ناغہ نہ ہوا۔ حتیٰ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگ صفین کی رات میں بھی۔ (جب تمام رات لڑائی جاری رہی اور سونے کی نوبت نہ آئی تھی)۔"

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جب "رحمت عالم" بن کر دنیا میں تشریف لائے۔ اس وقت لوگ بیٹیوں، ان کی پرورش اور ان کی اولاد سے محبت کرنے کو بے حد معیوب خیال کرتے تھے...... اللہ تعالیٰ نے اپنی خصوصی حکمت و مشیت کے تحت اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اگرچہ دونوں طرح کی اولاد دی، مگر آپ کی نرینہ اولاد یکے بعد دیگرے انتقال کر گئی۔ البتہ آپ کی چاروں صاحبزادیاں حیات رہیں۔ مگر...... اولاد صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زندہ رہی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم عربوں کے رواج کے برخلاف...... اپنی چاروں بیٹیوں سے بے پناہ محبت...... اور ان کی بے حد عزت فرماتے تھے...... لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تینوں بڑی صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے انتقال فرما گئیں۔ تو آپ کی تمام محبت اور توجہ کا مرکز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر حضرت فاطمہؓ...... اور ان کی اولاد قرار پائی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہؓ سے کتنی محبت فرماتے اور ان کی کس قدر عزت فرماتے تھے اس کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے...... کہ آپ جب سفر پر جاتے۔ تو سب کے بعد حضرت فاطمہؓ سے ملتے اور جب سفر سے واپس آتے۔ تو سب سے پہلے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات فرماتے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب آپ سے ملنے کے لیے آتیں۔ تو آپ کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتے۔ اور ان کا ماتھا چومتے اور اپنی چادر مبارک بچھا کر انہیں اس پر بٹھاتے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد سے اپنی حقیقی اولاد کی طرح محبت فرماتے۔

ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے...... حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی حیات میں ابو جہل کی بیٹی سے، جو مسلمان ہوگئی تھی۔ شادی کرنا چاہی، تو آپ نے...... سخت ترین الفاظ میں ناراضگی کا اظہار کیا اور فرمایا: فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا...... اور محمد کی بیٹی اور ابو جہل کی بیٹی...... ایک ہی شخص کے نکاح میں اکٹھی نہیں ہوسکتیں۔ اگر علی رضی اللہ عنہ دوسرا نکاح کرنا چاہتا ہے تو اسے میری بیٹی کو طلاق دینا ہوگی...... مگر حضرت علیؓ نے ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پا کر یہ ارادہ ملتوی فرما دیا۔

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے فضائل و مناقب

کسی بھی خاتون کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت کا ہونا...... دنیا کا سب سے بڑا اعزاز ہے۔ جب کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تو جگر گوشہ رسول تھیں۔ اسی لیے تمام محدثین ان کے فضائل و مناقب پر متفق ہیں آپ نے حضرت فاطمہ کے بارے میں فرمایا کہ وہ سیدہ مریم کے سوا تمام جنتی عورتوں کی سردار ہیں۔"

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے...... تو حضرت فاطمۃ الزہراؓ نے...... ان سے باغ فدک اور دوسرے اموال میں سے اپنا حصہ مانگا۔ مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا موقف یہ تھا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ان اموال سے۔ اپنے تمام گھر والوں...... بشمول حضرت فاطمۃ الزہراؓ...... کی کفالت فرماتے تھے...... اور وہ بھی...... یہ سلسلہ جاری رکھیں گے۔ جہاں تک آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کا تعلق ہے تو انہوں نے فرمایا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ہم انبیاء کی وراثت نہیں ہوتی ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے...... اس پر حضرت فاطمہؓ ان سے ناراض ہوگئیں اور اپنی وفات تک انہوں نے ان سے کلام نہیں کیا۔

دوسری روایت میں ہے کہ ان کی وفات سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور ان سے گفتگو کی تو انہوں نے ان سے اپنی ناراضگی ختم کردی۔

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی وفات

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا...... کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وصال سے چند گھڑیاں پہلے بتا دیا تھا کہ وہ آپ کے گھر والوں میں سب سے پہلے...... آپ سے ملاقات کریں گی۔ چنانچہ...... ایسے ہی ہوا کہ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا...... چند روز بیمار رہنے کے بعد ۲۳ رمضان المبارک ۱۱ھ/ ۶۳۳ء کو انتقال فرما گئیں اس وقت آپ کی عمر مبارک ۲۹ برس تھی۔ ان کو غسل دینے کے بارے میں ایک روایت یہ ہے کہ انہیں حضرت اسماءؓ بنت عمیس نے دوسری روایت کی رو سے حضرت علیؓ اور تیسری روایت کے مطابق انہوں نے وفات سے قبل خود غسل کرلیا

تھا اور وصیت کی تھی کہ انہیں وفات کے بعد غسل نہ دیا جائے۔

انہوں نے وصیت کی تھی کہ ان کی وفات کی لوگوں کو اطلاع نہ دی جائے اور انہیں رات کے وقت اس طرح دفن کیا جائے کہ یہ اندازہ نہ ہو کہ یہ جنازہ کسی مرد کا ہے یا عورت کا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ انہیں جب حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ حبشہ کی عورتوں کا جنازہ اس طرح اٹھایا جاتا ہے کہ لاش کے آس پاس لکڑیاں کھڑی کر کے ان پر چادر ڈال دی جاتی ہے۔تو خاتون جنت نے......اپنا جنازہ اسی طرح اٹھانے کی وصیت فرمائی۔

چنانچہ ان کا جنازہ اسی طرح اٹھایا گیا......

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور انہیں جنت البقیع میں دفن کیا۔دوسری روایت کی رو سے ان کا نماز جنازہ حضرت عباس بن عبدالمطلب نے پڑھائی۔

حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی اولاد

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ازدواجی زندگی بہت مختصر تھی۔۲ھ میں نکاح۔۳ھ میں رخصتی ہوئی اور رمضان المبارک ۱۱ھ میں انتقال ہوا......

مگر اللہ تعالیٰ نے......انہیں تین صاحبزادے (حضرت حسن رضی اللہ عنہ،حضرت حسین رضی اللہ عنہ،حضرت محسن رضی اللہ عنہ) اور دو صاحبزادیاں (حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا) عطا فرمائیں۔حضرت محسن بچپن میں انتقال فرما گئے تھے جبکہ حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما سے آپ کی اولاد کا سلسلہ پوری دنیا میں پھیل چکا ہے۔(ماخوذ از خانوادۂ نبوی)

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے چند اہم واقعات

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بے مثال موت

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جب انتقال ہونے لگا تو آپ بیمار تھیں... حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی کام سے باہر گئے ہوئے تھے... اپنی خادمہ کو بلا کر فرمایا میرے لیے پانی تیار کر... پانی تیار کیا... پھر فرمایا مجھے غسل کروا... غسل کروایا... پھر اس کے بعد کپڑے پہنے... پھر فرمایا میری چارپائی درمیان میں کر دے... اس نے چارپائی کو درمیان میں کر دیا... پھر لیٹ گئیں اور قبلے کی طرف منہ کر لیا... پھر فرمایا اب میں مر رہی ہوں... میرا غسل ہو چکا ہے... خبردار! میرے جسم کو کوئی نہ دیکھے... بس یہی میرا غسل ہے اور یہ کہہ کر انتقال فرما گئیں... (اصلاحی واقعات ص ۳۰۰)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ذوق عبادت

سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے بارے میں آتا ہے کہ سردیوں کی لمبی رات تھی، عشاء کی نماز پڑھ کر دو رکعت نفل کی نیت باندھ لی... طبیعت میں ایسا سرور تھا، ایسا مزہ تھا، ایسی حلاوت نصیب ہوئی تلاوت قرآن میں پڑھتی رہیں، پڑھتی رہیں، حتیٰ کہ جب سلام پھیرا تو دیکھا کہ اب تو صبح کا وقت ہونے کو ہے... تو رونے بیٹھ گئیں اور یہ دعا کرنے لگیں کہ اے اللہ! تیری راتیں بھی کتنی چھوٹی ہو گئیں کہ میں نے دو رکعت کی نیت باندھی اور تیری رات ختم ہو گئی... (دین و دانش)

خاتون جنت کی حالت زار

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی لخت جگر فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئے... بیمار تھیں... دروازے پر آئے... بیٹا اندر آ جاؤں... ایک صحابی میرے ساتھ ہیں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ... انہوں نے عرض کیا... یا رسول اللہ میرے گھر میں تو کپڑا کوئی نہیں... پردہ کس چیز سے کروں؟

چہرہ چھپانے کے لیے جنت کی عورتوں کی سردار کے گھر میں کپڑا کوئی نہیں... ابھی تو منبر پہ بھی سارے پردے پڑے ہوئے... دریاں بچھی پڑی... اور ادھر ایک چندی... ایک اوڑھنی سر چھپانے کو کوئی نہیں ہے... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر اندر دی... بیٹا اس سے پردہ کر لو اور اندر آئے... بیٹی نے پردہ کیا... کیا حال ہے بیٹا؟

یا رسول اللہ! پہلے بھوک تھی... اب بیماری آ گئی... دو مصیبتیں آ گئیں... تو آپ اپنی بیٹی کے آنسو دیکھ کر اپنے آنسو

روک نہ سکے اور گلے سے لگا کر آپ بھی رونے لگے... اے میری پیاری بچی... صبر کر... ،والذی بعث ایاک مابک من ثلثة ایام فواقا... اس ذات کی قسم جس نے تیرے باپ کو نبی بنایا ہے... تین دن گزر چکے ہیں... ایک لقمہ میں نے بھی نہیں کھایا... تجھے بھوک ہے تو تیرے باپ کو بھی بھوک ہے... اے فاطمہ رضی اللہ عنہا! تجھے یہ عزت کافی ہے کہ تو جنت کی عورتوں کی سردار ہے... تو اللہ تک پہنچنے کا راستہ اللہ کے حبیب کا طریقہ ہے... وہ بلال حبشی رضی اللہ عنہ اپنائے گا تو اس کے قدموں کی چاپ جنت میں سنائی دے گی... اگر ابولہب چچا ہو کر چھوڑے گا تو جہنم کی وادیوں میں گھسیٹا جائے گا... حسب نسب ٹوٹ گئے... (اصلاحی واقعات ص ۱۸۳)

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی گھریلو زندگی

افلاس سے تھا سیدہ پاک کا یہ حال — گھر میں کوئی کنیز نہ کوئی غلام تھا
گھس گھس گئی تھی ہاتھ کی دونوں ہتھیلیاں — چکی کے پیسنے کا جو دن رات کام تھا
سینے پہ مشک بھر کے جولاتی تھیں بار بار — گونور سے بھرا تھا مگر نیل فام تھا
اٹ جاتا تھا لباس مبارک غبار سے — جھاڑو کا مشغلہ بھی جو ہر صبح و شام تھا
آخر گئیں جناب رسولؐ خدا کے پاس — یہ بھی کچھ اتفاق کہ واں اذن عام تھا
محرم نہ تھے جو لوگ تو کچھ کرسکیں نہ عرض — واپس گئیں کہ پاس حیا کا مقام تھا
پھر جب گئیں دوبارہ تو پوچھا حضورؐ نے — کل کس لئے تم آئیں تھیں کیا خاص کام تھا
غیرت یہ تھی کہ اب بھی نہ کچھ منہ سے کہہ سکیں — حیدرؓ نے ان کے منہ سے کہا جو پیام تھا
ارشاد یہ ہوا کہ غریبان بے وطن! — جن کا کہ صفہ نبوی میں قیام تھا!
میں ان کے بندوبست سے فارغ نہیں ہنوز — ہر چند اس میں خاص مجھے اہتمام تھا
جو جو مصیبتیں کہ اب ان پر گزرتی ہیں — میں ان کا ذمہ دار ہوں میرا یہ کام تھا
کچھ تم سے بھی زیادہ مقدم تھا ان کا حق — جن کو کہ بھوک پیاس سے سونا حرام تھا
خاموش ہو کے سیدہ پاک رہ گئیں — جرأت نہ کرسکیں کہ ادب کا مقام تھا
یوں کی ہے اہل بیت مطہر نے زندگی — یہ ماجرہ دختر خیر الانام تھا

برکت کا نزول

مسند حافظ ابو یعلیٰ میں حدیث ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کئی دن بغیر کچھ کھائے گزر گئے، بھوک سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہونے لگی، آپ اپنی سب بیویوں کے گھر ہو آئے لیکن کہیں بھی کچھ نہ پایا۔
حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور دریافت فرمایا کہ بچی! تمہارے پاس کچھ ہے کہ میں کھالوں؟

مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے، وہاں سے بھی یہی جواب ملا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ قربان ہوں! کچھ بھی نہیں، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے نکلے ہی تھے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی نے دو روٹیاں اور گوشت کا ٹکڑا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اسے لے کر لگن میں رکھ لیا اور فرمانے لگیں: گو مجھے، میرے خاوند اور بچوں کو بھی بھوک ہے لیکن ہم سب فاقہ سے گزار دیں گے اور اللہ کی قسم! آج تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی دوں گی۔

پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ یا حسین رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا لائیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم راستے ہی میں تھے لوٹ آئے، کہنے لگیں: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، خدا تعالیٰ نے کچھ بھجوا دیا ہے جسے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چھپا کر رکھ دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پیاری بچی! لے آؤ۔ اب جو کونڈا کھولا تو دیکھتی ہیں کہ برتن روٹی اور گوشت سے بھرا ہوا ہے، دیکھ کر حیران ہو گئیں، لیکن فوراً سمجھ گئیں کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اس میں برکت نازل ہو گئی ہے۔ اللہ کا شکر ادا کیا، خدا تعالیٰ کے نبی پر درُود پڑھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لا کر پیش کر دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسے دیکھ کر خدا کی تعریف کی اور دریافت فرمایا کہ بیٹی! یہ کہاں سے آیا ہے؟ جواب دیا کہ ابا جان! خدا تعالیٰ کے پاس سے وہ جسے چاہے بے حساب روزی دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اے پیاری بچی! تجھے بھی اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی تمام عورتوں کی سردار (یعنی حضرت مریم علیہا السلام) جیسا کر دیا۔ انہیں جب کبھی اللہ تعالیٰ کوئی چیز عطا فرماتا اور ان سے پوچھا جاتا تو یہی جواب دیا کرتی تھیں کہ خدا تعالیٰ کے پاس سے ہے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور حضرت علیؓ حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سب ازواج مطہرات اور اہل بیت نے خوب شکم سیر ہو کر کھایا، پھر بھی اتنا ہی باقی رہا جتنا پہلے تھا، جو آس پاس کے پڑوسیوں کے ہاں بھیجا گیا۔ یہ تھی خیر کثیر اور برکت خدائے تعالیٰ کی طرف سے۔ (تفسیر ابن کثیر اُردو: جلد ا صفحہ ۴۰۶)

فائدہ: اس واقعے سے ایک طرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھوک کی شدت اور فاقہ برداشت کرنے کا سبق ملا۔ دوسری طرف نیک اور دین دار عورتوں کے لیے یہ سبق بھی ہے کہ جب کہیں سے اللہ کی نعمت ملے اور کوئی پوچھے کہ کس نے دیا؟ تو جواب میں کہیں: "هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ط اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ" (آل عمران آیت ۳۷)

ترجمہ:... "یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم..... بحیثیت سراپا رحمت خُسر

ایک بار حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے خسر جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا ''یا رسول اللہ! آپ اپنی بیٹی (فاطمہ) اور اپنے داماد (یعنی مجھ علی) دونوں میں سب سے زیادہ کس سے محبت کرتے ہیں؟'' عجیب وغریب سوال تھا مگر ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بڑا عجیب وغریب جواب دیا

''فرمایا تم سے زیادہ مجھے فاطمہ محبوب ہے اور فاطمہ سے زیادہ تم مجھے عزیز ہو...''

حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے درمیان کسی بات پر ایک بار کچھ خفگی ہوگئی... حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ذرا سخت رویہ اختیار کیا، فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا روٹھ کر اپنے شفیق باپ کے یہاں پہنچیں کہ باپ کو اپنا غم سنا کر دل کا کچھ بوجھ ہلکا کریں... پیچھے پیچھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد بھی گھبرائے ہوئے پہنچے اور آڑ میں کھڑے ہوگئے... خدانخواستہ خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوگئے تو دین وذُنیا تباہ ہوجائیں گے...

فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر کی سختی اور غصہ کی شکایت کی، ان کی زیادتی کا حال سنایا اور زار وقطار رونے لگیں... شفیق باپ نے اس طرح بیٹی کو روتے دیکھا تو ان کا دل بھر آیا، آبدیدہ ہوگئے مگر داماد کے حق میں کوئی جملہ کہنے کے بجائے بیٹی کو سمجھاتے ہوئے شفیق باپ نے کہا ''بیٹی! میں نے تمہارا نکاح اس شخص سے کیا ہے جو قریش کے جوانوں میں اور اسلام لانے والوں میں سب سے افضل ہے...''

''بیٹی! میاں بیوی میں کبھی کبھی ایسی باتیں ہو ہی جاتی ہیں، وہ کون سے میاں بیوی ہیں جن کے درمیان کبھی کوئی رنجش کی بات نہ ہو اور بیٹی یہ کیسے ممکن ہے کہ مرد سارے کام ہمیشہ عورت کی مرضی کے مطابق ہی کیا کرے اور اپنی بیوی سے کچھ نہ کہے، بیٹی! جاؤ اپنے گھر جاؤ، خدا تمہیں ہمیشہ خوش اور آباد رکھے اور میں تم دونوں کو خوش دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کروں...'' بیٹی کے دل سے کبیدگی دور ہوگئی... ادھر علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے مہربان خُسر کی مشفقانہ گفتگو سنی تو ان کا دل بھی بھر آیا، سامنے آئے، آنکھوں میں آنسو تھے...

رقت کے انداز میں فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا: ''خدا کی قسم! آئندہ تم ایسی بات نہ دیکھو گی جس سے تمہارے نازک دل کو دُکھ پہنچے...'' فاطمہ رضی اللہ عنہا کا دل بھی بھر آیا، بولیں ''نہیں، غلطی تو میری ہی تھی''...

اور دونوں ایک دوسرے کی محبت سے سرشار، خوش خوش اپنے گھر لوٹ گئے...

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تیرنے لگے اور پھر یہ محبت اس قدر بڑھی کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی تو آپ روزانہ ان کی قبر پر بے تابانہ پہنچتے اور یہ اشعار آپ کی زبان پر ہوتے...

''اے اللہ! یہ میری کیا حالت ہوگئی کہ میں روزانہ قبر پر سلام کرنے آتا ہوں... لیکن میرے حبیب کی قبر مجھے کوئی جواب ہی نہیں دیتی، اے قبر! تجھے کیا ہوا کہ پکارنے والے کی پکار کا کوئی جواب نہیں دیتی... کیا تو احباب کی محبت سے کبیدہ خاطر ہوگئی ہے؟

دلچسپ واقعہ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اپنے داماد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہاں پہنچے' گھر میں فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تنہا تھیں اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہیں تھے... بیٹی سے پوچھا: ''کہاں ہیں تمہارے چچا کے بیٹے؟'' بیٹی نے کہا: ''میرے اور ان کے درمیان کچھ ناگواری ہوگئی' وہ مجھ پر بگڑ گئے اور خفا ہو کر کہیں چلے گئے... یہاں انہوں نے قیلولہ بھی نہیں کیا...'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی سے کہا: ''ذرا دیکھ کے تو آؤ علی کہاں ہیں؟'' اس آدمی نے بتایا: ''وہ مسجد کی دیوار سے لگے سو رہے ہیں...'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پیچھے نکلے' دیکھا کہ وہ چت لیٹے ہوئے ہیں' چادر بھی کچھ سرک کر گر گئی ہے اور جسم پر مٹی لگ رہی ہے... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی پیٹھ سے مٹی جھاڑتے جا رہے تھے اور کہہ رہے تھے ''اُٹھ ابوتراب! اُٹھ ابوتراب!''

تسبیحات فاطمہ رضی اللہ عنہا

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ (ایک بار) حضرت فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور چکی پیسنے کے نشان جو ان کے ہاتھوں میں تھے ان کو دکھا کر اپنی تکلیف ظاہر کرنے کا ارادہ کیا (مقصد یہ تھا کہ کوئی غلام، باندی مل جائے) اور وجہ یہ تھی کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سنا تھا کہ آج کل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ غلام آئے ہوئے ہیں...

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت کدہ پر پہنچیں، تو وہاں آپ تشریف نہ رکھتے تھے، لہٰذا ملاقات نہ ہوسکی (جس کی وجہ سے) اپنی معروض حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہہ آئیں...

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کر دیا، کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائی تھیں وہ ایسی ایسی بات کہہ گئی ہیں (کہ مجھے چکی پیسنے کی وجہ سے تکلیف ہے، اگر خدمت کیلئے کوئی غلام باندی مل جائے تو محنت کے کام سے نجات مل جائے)... حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ بات سن کر آپ رات کو ہمارے پاس تشریف لائے، اس وقت ہم (دونوں میاں بیوی) سونے کیلئے لیٹ چکے تھے، (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احترام کے لئے) اٹھنے لگے، تو فرمایا:

تم دونوں اپنی اپنی جگہ پر رہو، ہمارے قریب تشریف لائے اور میرے اور سیدہ فاطمہؓ کے درمیان تشریف فرما ہو گئے، اور اتنے قریب مل کر بیٹھ گئے کہ مبارک قدم کی ٹھنڈک مجھے اپنے پیٹ پر محسوس ہو گئی...

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا میں تم دونوں کو اس سے بہتر نہ بتا دوں جو تم نے مجھ سے سوال کیا؟ تم ایسا کیا کرو کہ (رات کو) سونے کیلئے لیٹو تو ۳۳ مرتبہ **سبحان اللہ** اور ۳۳ مرتبہ **الحمدللہ** اور ۳۴ مرتبہ **اللہ اکبر**، کہہ لیا کرو، یہ تمہارے لئے خادم سے بہتر ہے..." (مشکوٰۃ شریف، ص ۲۰۹، از بخاری و مسلم)

تشریح: مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس موقع پر (فرض) نماز کے بعد بھی یہ تسبیحات پڑھنے کو ارشاد فرمایا، فرض نماز کے بعد اور سوتے وقت ان تسبیحات کو پابندی سے پڑھنا چاہئے، بزرگوں نے بتایا ہے اور تجربہ کیا گیا ہے کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خادم دینے کے بجائے سوتے وقت ان تسبیحات کے پڑھنے کو ارشاد فرمایا تھا، اس لئے سوتے وقت ان کے پڑھنے سے ایک طرح کی قوت حاصل ہوتی ہے، اور دن بھر کی تھکن محنت اور کام کاج کی دُکھن دور ہو جاتی ہے...

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر کا کام کاج خود کرتی تھیں

ایک روایت میں ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے ہاتھوں پر چکی پیسنے کے نشانات دکھا کر غلام یا باندی حاصل کرنے کے لئے بارگاہ رسالتؐ میں حاضر ہوئی تھیں، دوسری روایات میں ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا صرف چکی ہی نہیں پیستی تھیں، بلکہ پانی کا مشکیزہ بھی بھر کر لاتی تھیں، جس کے نشانات ان کے سینے میں پڑ گئے تھے، اور اپنے گھر میں جھاڑو بھی خود ہی دیتی تھیں، جس سے کپڑے غبار میں بھر جاتے تھے اور ہانڈی کے نیچے آگ بھی خود جلاتی تھیں جس سے ان کے کپڑوں کا رنگ دھویں کے اثر سے سیاہی مائل ہو جاتا تھا۔ (ابوداؤد...۱۲)

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی محنت و مشقت اور تکلیف کی شکایت کر کے غلام یا باندی کی درخواست کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نہ باندی عطا فرمائی نہ غلام دیا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ جو غلام باندی آئے تھے وہ تم سے پہلے شہداء بدر کے یتیم بچے لے گئے... (ابوداؤد، باب التسبیح عندالنوم)

دوسری روایت میں یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ و فاطمہؓ سے فرمایا خدا کی قسم ایسا نہ کروں گا کہ یہ غلام باندی تم کو دے دوں اور اصحاب صفہؓ کو چھوڑ دوں، جن کے پیٹ بھوک سے پیچ و تاب کھا رہے ہیں، ان کی قیمت اصحاب صفہ پر خرچ کروں گا، پھر ان کے پاس رات کو تشریف لے گئے اس وقت دونوں ایک ایسی چھوٹی چادر میں لپٹے ہوئے تھے کہ سر ڈھانکتے تھے تو پاؤں کھل جاتے تھے، اور پاؤں ڈھانکتے تھے تو سر کھل جاتے تھے....

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر دونوں اٹھنے لگے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی اپنی جگہ رہو اور فرمایا، کیا تمہیں اس چیز سے بہتر نہ بتا دوں جو تم نے سوال کیا ہے؟ عرض کیا ضرور ارشاد فرمایئے، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے نماز کے بعد اور سوتے وقت مذکورہ تسبیحات پڑھنے کو بتائیں...(الاصابہ)

حافظ منذری کی کتاب ''الترغیب والترہیب'' میں یہ بھی ہے کہ ایک خادم مل جانے کی آرزو ظاہر کرنے پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:...اتقی اللہ یا فاطمة وادی فریضة ربک واعملی عمل اهلک. ''یعنی اے فاطمہؓ! اللہ سے ڈرو، اور اپنے رب کے فرائض ادا کرتی رہو اور اپنے شوہر کے کام کاج میں لگی رہو...''

گھر میں سامان کی کمی کوئی عیب نہیں

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر کا کام کاج خود ہی کرتی تھیں، جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث سے ثابت ہوا، کھانے پینے کی بھی کمی رہتی تھی، گھر میں سامان بس بہت ہی معمولی تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ دیکھا کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے زینت کیلئے عمدہ قسم کے کپڑے کا پردہ دروازہ پر لٹکا رکھا ہے تو اس پر خفگی کا اظہار فرمایا اور ارشاد ہوا کہ یہ میرے گھر والے ہیں میں یہ پسند نہیں کرتا کہ اپنے حصہ کی عمدہ چیزیں اسی زندگی کے اندر کھالیں...(مشکوۃ)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فقر اختیاری تھا، اپنے گھر والوں کیلئے بھی اسی کو پسند فرماتے تھے...ایک مرتبہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حاضر خدمت ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہؐ میرے اور علیؓ کے پاس صرف مینڈھے کی ایک کھال ہے، جسم پر ہم رات کو سوتے ہیں، اور دن کو اس پر اونٹ کو چارہ کھلاتے ہیں...آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے میری بیٹی صبر کر، کیونکہ موسیٰ (علیہ السلام) نے دس برس تک اپنی بیوی کے ساتھ قیام کیا، اور دونوں کے پاس صرف ایک عبا تھی، (اسی کو اوڑھتے اور اسی کو بچھاتے تھے)...(شرح مواہب لدنیہ)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اگر چاہتے تو اپنی صاحبزادی کو ایک غلام یا باندی عنایت فرما دیتے، مگر آپؐ نے ضرورت کا احساس فرمایا اور آپ کی خداداد رحمت ورأفت نے اسی پر آپ کو آمادہ کیا، کہ صفہ میں رہنے والے میری بیٹی سے زیادہ ضرورت مند ہیں کسی نہ کسی طرح دکھ تکلیف سے محنت ومشقت کرتے ہوئے صاحبزادی کی زندگی گذر تو رہی ہے، مگر صفہ والے تو بہت ہی بدحال ہیں، جن کو فاقوں پر فاقے گذر جاتے ہیں ان کی رعایت مقدم ہے، اور صاحبزادی کو ایسا عمل بتایا جو آخرت میں بے انتہا اجر وثواب کا ذریعہ بنے، دنیا کی فنا ہونے والی تکلیف آخرت کے لئے بے انتہا انعامات کے مقابلہ میں بہت ہی بے حقیقت ہے، اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر حضرت سیدہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور اپنے شوہر کا کام انجام دیتی رہو، اور اپنے رب کا فریضہ ادا کرتی رہو، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب میں عرض کیا، کہ میں اللہ (کی تقدیر) اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم (کی تجویز) پر راضی ہوں'' شاید ڈرنے کو اس لئے فرمایا کہ دنیاوی راحت وآرام کا سامان طلب کرنا ان کے بلند مرتبہ کے خلاف تھا، واللہ اعلم...

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں سے محبت وحُسنِ سلوک

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا ایک بڑا حصہ ملا...چنانچہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتیں...تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا ہاتھ پکڑ کر چوم لیتے اور اپنی خاص

مجلس میں بٹھاتے اور اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس جاتے تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھ کو پکڑ کر چومتیں اور اپنی خاص مجلس میں بٹھاتیں...(سنن ابوداؤد، ترمذی اور نسائی)

بیٹیوں کی اس قدر محبت اور عزت کے باوجود بھی جب یہ آیت "تَبَّتْ يَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ" نازل ہوئی تو ابولہب کے دونوں بیٹے عتبہ اور عتیبہ سے صبر اور احتساب کرتے ہوئے اپنی دونوں بیٹیوں رُقیہ اور اُم کلثوم کی طلاق پر راضی ہو گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کو بالکل ہی ناپسند کیا کہ دین کی مہم کو چھوڑ دیں یا اس سے پھر جائیں... قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھمکیاں دیں اور ڈرایا...

یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں بیٹیوں کو طلاق بھی دے دی گئی... پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت قدم رہ کر صبر سے کام لیا اور دعوتِ دین کے مشن کو جاری رکھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی بیٹی کیلئے بہترین استقبال اور خوش دلی کی صورتوں میں سے ایک یہ بھی ہے جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان فرمائی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب بیویاں جمع ہوئیں اور کوئی بھی باقی نہ رہی...

پھر حضرت فاطمہ آئیں... بالکل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ان کی چال تھی... آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:...."مرحبا میری بیٹی! اور ان کو اپنے دائیں یا بائیں طرف بٹھالیا۔" (صحیح مسلم)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی بیٹیوں پر شفقت اور محبت میں سے ایک یہ بھی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی زیارت، خبر گیری اور ان کو درپیش مشکلات کو حل فرماتے...

ایک مرتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا چکی پیستے پیستے جو ہاتھوں کا حال ہو گیا تھا تو اس کی شکایت کرنے اور خادم مانگنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں... اتفاق سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ملے تو یہ سب حال حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہہ دیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کر دیا...

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ہمارے پاس تشریف لائے کہ ہم سونے کے لیے اپنے بستر پر جا چکے تھے... ہم نے اُٹھ کھڑا ہونا چاہا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں! اپنی جگہ پر رہو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم آ کر میرے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے درمیان بیٹھ گئے... یہاں تک کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کی ٹھنڈک کو اپنے سینے میں محسوس کیا...

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"کیا میں تمہیں لونڈی اور غلام سے بہتر بات نہ بتاؤں؟ جب تم اپنے بستر پر سونے کیلئے جاؤ تو ۳۴ بار اللہ اکبر ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ الحمد للہ کہو... یہ تم دونوں کیلئے لونڈی اور غلام سے بہتر ہے۔" (صحیح بخاری)

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ

پیدائش، عقیقہ

حضرت ابراہیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری اولاد ہیں۔ جو ماریہ قبطیہ کے بطن سے ماہ ذی الحجہ ۸ ہجری میں پیدا ہوئے۔ ساتویں روز آپ نے عقیقہ کیا۔ عقیقہ میں دو مینڈھے ذبح کرائے سر منڈوایا گیا۔ بالوں کے برابر چاندی تول کر صدقہ کی گئی اور بال زمین میں دفن کئے گئے اور ابراہیم نام رکھا۔

رضاعت

اور عوالی میں ایک دودھ پلانے والی کے حوالے کیا۔
کبھی کبھی آپ تشریف لے جاتے اور گود میں لے کر پیار کرتے۔

انتقال

تقریباً پندرہ سولہ مہینہ زندہ رہ کر ۱۰ ہجری میں انتقال کیا۔ جس روز انتقال ہوا اتفاق سے اس روز سورج گہن ہوا۔ عرب کا یہ عقیدہ تھا کہ جب کوئی بڑا شخص مرتا ہے تو سورج گہن ہوتا ہے۔
اس لئے آپ نے اس عقیدۂ فاسدہ کے رد کرنے کے لئے خطبہ دیا کہ چاند اور سورج اللہ کی نشانیاں ہیں کسی کے مرنے یا جینے سے ان کو گہن نہیں لگتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے کہ جب ایسا دیکھو تو نماز پڑھو اور دعا کرو۔ اور صدقہ دو۔ (سیرت المصطفیٰ ج ۲)

اُسوۂ شبّیر رضی اللہ عنہ

گُونج اُٹھے اَرض و سما، نعرۂ تکبیر کے ساتھ
رَن میں نِکلا کوئی سُونتی ہُوئی شمشیر کے ساتھ

ایک بجلی سی چمکتی ہے پسِ پردۂ اَبر
ایک ظُلمت سی اُلجھنے کو ہے تنویر کے ساتھ

ہر قدم اُٹھتا ہے اِسلام کی عظمت کے لیے
دَم بَدم بڑھتا ہے اللہ کی تکبیر کے ساتھ

یہ تو پھر خُونِ جگر گوشۂ پیغمبرؐ ہے
عرش ہِل جاتا ہے اِک آہ کی تاثیر کے ساتھ

خاک اور خُون میں لِتھڑے ہُوئے جانبازوں سے
پیش آتی ہے مَشیّت بڑی توقیر کے ساتھ

اپنے اللہ کا صد شُکر اَدا کرتا ہُوں
جس نے وابستہ کیا دامنِ شبّیر کے ساتھ

(۷۱-۱۳۷۴ھ/۵۲-۱۹۵۵ء)

تذکرہ حسنین رضی اللہ عنہما

سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے فرزند

● ..... حضرت سیدنا حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سیرت مبارکہ... اَخلاق وعادات... اور مثالی واقعات
● ..... حضرت سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سیرت مبارکہ... اوصافِ حمیدہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے نواسوں سے محبت وشفقت
اُسوۂ حسینی یعنی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا مکمل مفصل واقعہ
میدانِ کربلا میں جامِ شہادت نوش کرنے والے
حضرات اہل بیت علیہم الرضوان اور دیگر حضرات کے اسماء گرامی

سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ

حضرت حسن رضی اللہ عنہ

خانوادہ نبوی کی فہرست میں جو معزز و محترم ہستیاں شامل ہیں، ان میں ایک نام حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما کا بھی ہے۔ حضرت حسنؓ کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تین پشتوں سے وراثت میں ملی تھی۔ حضرت حسنؓ کے پڑدادا جناب عبدالمطلب، دادا جناب ابوطالب اور والد گرامی حضرت علیؓ...... آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت رکھتے تھے اور والدہ ماجدہ...... جگر گوشہ رسول حضرت فاطمہؓ اور ان کی والدہ محترمہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی طرف سے بھی یہ محبت متوارث ہوئی تھی...... حضرت حسنؓ کے نہاں خانہ دل میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے محبت کا یہ پھول بچپن سے ہی بہاریں دکھا رہا تھا اور پھر انہوں نے اپنا بچپن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی گود میں کھیلتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی شفقتوں کے زیر سایہ پرورش پاتے گزارا تھا، اس لیے یہ محبت دوگونہ بلکہ سہ گونہ تھی۔

ولادت باسعادت

حضرت امام حسن بن علی بن ابی طالب الہاشمی المطلبی ۱۵ رمضان المبارک ۳ھ/۶۲۴ کو پیدا ہوئے...... بعض روایات کی رو سے ۱۵، شعبان، ۳ھ میں اور بعض کی رو سے ۱۵، شعبان، ۴ھ میں ولادت ہوئی...... اسی طرح سال وفات کے متعلق بھی ۴۹ھ اور ۵۱ھ کی روایات ملتی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ دونوں نواسے (حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ) اس وقت پیدا ہوئے، جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑھاپے کے آثار نمودار ہونا شروع ہو گئے تھے...... اور خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صاحبزادیوں کی نرینہ اولادیں...... بچپن ہی میں اللہ کو پیاری ہو گئی تھیں، اسی لیے حضرات حسنینؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں سے اتنی محبت اور شفقت ملی جو خاندان کے کسی اور فرد کو نصیب نہیں ہوئی۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو یہ بھی امتیاز حاصل ہے کہ وہ نہ صرف اپنی عادتوں میں اپنے عظیم نانا کے مشابہ تھے، بلکہ جسمانی طور پر بھی...... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھتے تھے...... چنانچہ حضرت ابوجحیفہ (وہب بن عبداللہ بن اسعد رحمہ اللہ) فرماتے ہیں: کان یشبہ جدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وہ اپنے نانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔ اسی طرح ایک دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نماز عصر پڑھائی...... پھر وہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اکٹھے باہر نکلے، دیکھا تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انہیں گود میں اٹھالیا اور فرمایا: بابی شبیه بالنبی لیس شبیه بعلی میرے باپ کی قسم! یہ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم شکل ہے، علی کے نہیں، یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ مسکرا دیئے۔

مختصر حالات زندگی

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جس وقت آنکھ کھولی، اس وقت دنیا ان کے نانا کی ''نورانیت سے منور'' تھی حضرت علیؓ نے ان کا نام ''حرب'' رکھنا چاہا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''حسن'' نام رکھ دیا۔ اس سے دونوں بزرگوں کی ترجیحات میں فرق واضح ہوتا ہے، حضرت علیؓ کو اسلام کی حمایت اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جنگ پسند تھی، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''عمدہ اور حسین انداز واطوار محبوب تھے، تا کہ لوگ مسلمانوں کا حسن اخلاق دیکھ کر...... لڑے بغیر مسلمان ہوجائیں...... ان کے کانوں میں جو پہلی آواز گونجی وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اذان کی آواز تھی۔

پیدائش کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں اپنے اس بیٹے کی طرف سے قربانی (عقیقہ) کروں؟ فرمایا، نہیں، بلکہ تم اس کے سر کے بالوں کو مونڈھ کر، ان کے وزن کے برابر چاندی صدقہ کردو، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا، ان کی طرف سے عقیقہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وشفقت

اللہ تعالیٰ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہکو جو اعزازات عطا فرمائے ان میں سب سے اہم یہ تھا کہ انہیں تربیت اور پرورش کے لیے اس عظیم ہستی کی گود نصیب ہوئی جو اس دنیا کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ''رحمت'' بن کر آئی تھی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور ان کے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ذریعے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان پدرانہ اور مشفقانہ اوصاف وشمائل کا اظہار ہوا، جو دنیا بھر کے انسانوں کے لیے اسوۂ حسنہ اور مثال بن گئیں، تمام روایات اس بات پر متفق ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بے پناہ محبت فرمایا کرتے تھے، چند روایات ملاحظہ ہوں:

❶ ...عبدالرحمان بن ابی غنم سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''حسنؓ اور حسینؓ دونوں میری دنیا میں خوشبوئیں ہیں۔

❷ ...اسی طرح نامور صحابی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ! آپ کے گھر والوں میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ فرمایا حسن اور حسین، رضی اللہ عنہما۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہؓ سے کہا کرتے تھے کہ: میرے بیٹوں کو بلاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کو سونگھتے اور پھر انہیں اپنے ساتھ چمٹا لیتے۔

❸ ...حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسنؓ کے متعلق فرمایا: اے اللہ! مجھے اس سے محبت ہے، پس تو بھی اس سے محبت رکھ اور جو کوئی اس سے محبت رکھے اس سے بھی محبت رکھ، کہتے ہیں کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے سینے سے لگالیا۔

❹ ...حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دن میں کسی کام سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شے کو چھپا رکھا تھا، مجھے علم نہ تھا کہ وہ کیا شے ہے؟ کہتے ہیں کہ جب میں اپنے کام سے فارغ ہوگیا، تو میں نے پوچھا یارسول اللہ! یہ کیا شے ہے، جسے آپ نے چادر میں چھپایا ہوا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب چادر کھولی، تو میں نے دیکھا کہ وہ حسنؓ اور حسینؓ ہیں، جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں پہلوؤں پر اٹھا رکھا تھا۔ فرمایا یہ میرے نواسے ہیں۔ اے اللہ! میں ان سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان سے اور جو کوئی ان دونوں سے محبت رکھے، اس سے محبت رکھ۔"

❺ ...حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں مدینہ منورہ کے بازار میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا، آپ وہاں سے آئے تو میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ واپس چلا آیا، آپ حضرت فاطمہؓ کے مکان کے قریب آئے تو آپ نے حضرت حسنؓ کو آواز دی، اے لڑکے! اے لڑکے" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ تین مرتبہ فرمایا۔

❻ ...حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز ہمیں خطبہ دے رہے تھے، اس وقت حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپ کی گود میں تھے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوتے اور کبھی حضرت حسنؓ کی طرف اور ان کا بوسہ لیتے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا یہ بیٹا سردار ہے اگر یہ زندہ رہا تو مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کرائے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعائیں

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے لیے درج ذیل تعوذ پڑھا کرتے تھے "اعیذ کما بکلمة الله التامة من کل شیطان وهامة و من کل عین لامة" ......(میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے کلمہ کامل کے ساتھ ہر ایک شیطان، زہریلے جانور اور ہر ملامت کرنے والی آنکھ سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں) اور پھر فرماتے میرے جدامجد حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے صاحبزادوں اسماعیلؑ اور اسحاق کے لیے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا کرتے تھے۔

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز دن چڑھے گھر سے نکلے۔ راستے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کلام کیا اور نہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام

کیا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنو قینقاع کے بازار میں آ گئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کے ساتھ واقع صحن میں آ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: کیا یہاں چھوٹا بچہ ہے؟ حضرت حسنؓ کو ان کی والدہ نے کسی وجہ سے روک لیا، میرا گمان یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ نے ان کے گلے میں ہار ڈالنا تھا یا انہیں نہلانا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت حسنؓ بھاگتے ہوئے آئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گلے سے چمٹ گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! تو اس سے اور جو اس سے محبت رکھتا ہے اس سے بھی محبت رکھ۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے پکڑ کر اپنی ایک ران پر بٹھاتے اور حضرت حسنؓ بن علیؓ کو دوسری ران پر اور پھر دونوں کو ایک دوسرے سے ملا دیتے اور فرماتے، ”اے اللہ ان دونوں پر رحم فرما، اس لیے کہ میں ان سے شفقت رکھتا ہوں“۔

حضرت عطاء سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ ایک شخص نے انہیں بتلایا کہ اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو گود میں اٹھائے ہوئے تھے اور فرما رہے تھے ”اے اللہ میں ان سے محبت رکھتا ہوں تو بھی ان سے محبت رکھ“۔

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں

حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو بارگاہِ نبوت سے سب سے بڑا اعزاز یہ ملا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے لیے نہ صرف جنت کی شہادت دی، بلکہ انہیں جنتی نوجوانوں کا سردار قرار دیا۔ چنانچہ حضرت ابوسعید الخذری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حسنؓ اور حسینؓ جنتی نوجوان کے سردار ہیں اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حسنؓ اور حسینؓ جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں اور ان کے والد ان دونوں سے بہتر ہیں، جبکہ حضرت ابوسعید الخذریؓ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حسن اور حسین جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں اور فاطمہ رضی اللہ عنہا تمام جنتی عورتوں کی سردار ہیں، سوائے مریم بنت عمران کے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی زندگی کے اہم واقعات

حضرت حسن رضی اللہ عنہ ابھی ساڑھے چھ برس کے تھے ان کے نانا (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دنیا سے پردہ فرمالیا اور ابھی سات برس کے تھے...... کہ رمضان المبارک ۳/ ۱۱ھ/ ۶۳۳ء کو آپ کی مہربان اور شفیق والدہ نے دنیا کو الوداع کہہ دیا...... اُنہوں نے جب جوانی کی حدود میں قدم رکھا اُس وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حکومت تھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرؓ دونوں ان سے بے حد محبت کرتے تھے حضرت عمرؓ نے ان کا وظیفہ پانچ ہزار درہم سالانہ مقرر کیا جو کہ بدری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے برابر تھا۔

حضرت حسنؓ کی عمر مبارک ۳۳ برس کی تھی، جب انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر پہرہ دیا اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد ان کے والد محترم خلیفہ منتخب ہوئے اور ان کی عمر مبارک کا ۳۷واں سال تھا جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد انہیں مسلمانوں کا خلیفہ منتخب کیا گیا اور تقریباً چھ ماہ تک وہ اس منصب پر فائز رہے۔ اس کے بعد وہ اُمت کے وسیع تر مفاد میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دست بردار ہو گئے اور یوں آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیش گوئی کو پورا کیا جو آپ نے تقریباً ۳۱ برس پہلے فرمائی تھی اور فرمایا تھا۔ کہ ''میرا یہ بیٹا سردار ہے اور مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو عظیم لشکروں میں صلح کروائے گا''۔

اس سلسلے میں حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی روایات درج ذیل ہیں:

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ''وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایسے لشکروں کے ساتھ مقابلہ کرنے کے لیے نکلے جو پہاڑ کی طرح تھے۔

اس پر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا: میں ایسے لشکر دیکھ رہا ہوں، جو اس وقت تک واپس نہ ہوں گے، جب تک وہ اتنی ہی بڑی تعداد میں لوگوں کو قتل نہ کر دیں گے۔ یہ سن کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو اللہ کی قسم ان دو آدمیوں میں بہتر تھے، کہا: ''اے عمرو! اگر یہ لوگ اور وہ لوگ سارے قتل ہو گئے تو لوگوں کے معاملات کون سنبھالے گا؟ ان کی عورتوں کا کفیل کون ہوگا؟ ان کی جائیدادیں کس کے لیے ہوں گی؟ چنانچہ انہوں نے قبیلۂ قریش میں سے بنو عبد شمس کے دو آدمیوں عبدالرحمٰن بن سمرہ اور عبداللہ بن عامر بن کریز کو یہ پیغام دے کر بھیجا کہ تم دونوں (حضرت) حسن رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان کے سامنے صلح کی پیشکش کرو۔ ان سے بات کرو اور ان کا مطالبہ سنو۔ یہ دونوں حضرات ان کے پاس آئے اور انہوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے بات چیت کی اور ان کے مطالبات سنے۔ ان سے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم خاندان عبدالمطلب کے لوگ ہیں ہمارا مالی نقصان ہوا ہے اور یہ اُمت خون ریزی سے بے حال ہو چکی ہے۔ ان دونوں نے کہا: پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تمہارے سامنے یہ یہ باتیں پیش کرتے ہیں اور آپ رضی اللہ عنہ سے فلاں فلاں باتوں کا مطالبہ کرتے ہیں۔

انہوں نے کہا: ان اُمور کے متعلق ان کی طرف سے کون ضامن ہوگا؟ انہوں نے کہا: ہم دونوں اس کے ضامن ہیں، حضرت حسن رضی اللہ عنہ ان سے جو بھی مطالبہ کرتے، تو وہ کہتے ''اس کے ہم دونوں ضامن ہیں۔ اس پر انہوں نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر لی۔ پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر نبوی پر تشریف فرما تھے، اس وقت حسن بن علی رضی اللہ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں تھے اور آپ کبھی لوگوں کی طرف متوجہ ہوتے اور کبھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما رہے تھے: ''یہ میرا بیٹا سردار ہے، شاید اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے، مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان صلح کرا دے''۔

خلافت و امارت سے دست برداری کے بعد، انہوں نے خود کو عوام کی خدمت اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے وقف کر دیا...... انہوں نے ۲۵ حج پیدل کیے، حالانکہ ان کے گھوڑے ان کے ہمراہ ہوتے تھے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے ۴۹ھ یا ۵۰ھ میں انتقال کیا، ان کی خواہش تھی کہ انہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجرۂ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا میں دفن کیا جائے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اجازت دے دی تھی، مگر مدینہ منورہ کے اموی گورنر مروان بن الحکم نے اجازت نہ دی، چنانچہ انہیں جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

بطور محدث اور فقیہ

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا شمار اصاغر صحابہ میں ہوتا ہے...... انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بچپن کے زمانے میں دیکھا تھا، عام طور پر یہ دور ذہن اور علم کی پختگی کا نہیں ہوتا مگر حضرت حسن رضی اللہ عنہ اس دور میں بھی ذہن رسا رکھتے تھے۔ اسی لیے ان کا شمار کم روایت کرنے والے صحابہ میں ہوتا ہے، ان سے کل تیرہ احادیث مروی ہیں جبکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے آٹھ احادیث روایت کی ہیں۔

جہاں تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا تعلق ہے...... تو یہ دونوں بزرگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی شکل و شباہت میں سب سے زیادہ مشابہہ تھے...... اور پھر یہ کہ ان حضرات سے محبت و شفقت سیرت مبارکہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا اہم ترین موضوع ہے، ان دونوں بزرگوں کے ذریعے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفتِ شفقت و رحمت کا جس طرح اظہار ہوا اور اپنی اولاد سے محبت و شفقت کرنے کا جو اسوۂ حسنہ معلوم ہوا، وہ محتاج تعارف نہیں اسی بنا پر سیرت کی کوئی کتاب بھی ان کے پاکیزہ تذکرے کے بغیر مکمل نہیں ہوتی۔

اُمت کیلئے بے پناہ ہمدردی

حضرت امام حسنؓ کا شمار ایسے لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی ذات اور اپنے گھر کے لیے سوچنے کے بجائے امت کے لیے سوچنے کا اسوہ قائم کیا...... کتب سیرت و تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ جب انہوں نے خلافت و امارت سے دست برداری اختیار کی۔ اس وقت اہل عراق کی تمام ہمدردیاں ان کے ساتھ تھیں۔ حضرت علیؓ کی شہادت نے ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے۔ کہ تمام لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے تھے...... اور جب وہ امیر معاویہؓ کے حق میں دستبردار ہوئے۔ اس وقت ایک طاقت ور اور بہت بڑی فوج ان کے پاس تھی۔ جسے تاریخ نگاروں نے پہاڑوں جیسی افواج قرار دیا ہے...... وہ اگر چاہتے تو جنگ کے ذریعے حالات کا رُخ پلٹ سکتے تھے...... اور اہل کوفہ کی یہ شدید خواہش تھی کہ وہ لڑیں تاکہ وہ...... اپنی سابقہ کوتاہیوں کی تلافی کر سکیں لیکن اس کے باوجود انہوں نے محض امت کے وسیع تر مفاد میں...... خلافت سے دست برداری اختیار کی۔ جو یقیناً امت پر ان کا بہت بڑا احسان ہے۔

دنیا کی تاریخ میں...... ایسی مثالیں تو ملتی ہیں کہ لوگوں نے تخت و تاج حاصل کرنے کے لیے سب کچھ قربان کر

دیا۔ لیکن ایسی کوئی مثال موجود نہیں کہ تمام تر قوت وشوکت حاصل ہونے کے باوجود کسی نے محض امت کو خون ریزی اور فساد سے بچانے کے لیے...... تخت سے دست برداری اختیار کی ہو۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے خلاف غلط پروپیگنڈہ

یہ بھی تاریخ کی ایک ستم ظریفی ہے کہ خانوادہ نبوی کے اس گلِ سرسبد نے امت کو انتشار اور خون ریزی سے بچانے کے لیے اتنی بڑی قربانی دی، مگر...... دوسری طرف ...... اسی دور میں حضرت حسنؓ کے خلاف منفی پروپیگنڈہ شروع ہو گیا تھا۔ اور ان پر طرح طرح کے الزامات لگائے جانے لگے تھے۔ جن میں سے ایک کثرت از دواج کا تھا......

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی سیرت وکردار کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان کے متعلق جو یہ کہا جاتا ہے کہ وہ شادیوں کے بے حد شوقین تھے۔ یہ ان پر سراسر بہتان اور تہمت ہے۔

ایک سے زیادہ شادیوں کا رواج ...... اس زمانے کا عام معمول تھا۔ اور ہر ایک صحابی ...... یا تابعی کے ہاں یہ معمول نظر آتا ہے اور انہوں نے ...... اس معمول سے الگ یا اس سے ہٹ کر کوئی شادی نہیں کی۔ نہ ہی کوئی ایسا واقعہ ملتا ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے ...... صبح شادی کر کے شام کو طلاق دے دی ہو۔

اس لیے ان کے خلاف یہ باتیں محض مذموم اور بے اصل پروپیگنڈے کے سوا کچھ نہیں۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ.... امام صبر وتحمل

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے صبر وتحمل کا پیکر اتم بنایا تھا۔ انہوں نے جس طرح تخت خلافت سے دستبرداری اختیار کی اور اس پر اپنوں اور بیگانوں کی طرف سے طعن وتشنیع کو برداشت کیا...... اس کی تاریخ میں بہت کم کوئی مثال ملتی ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ...... بنوامیہ کے دورِ حکومت میں...... خطبات جمعہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام لے کر بُرا بھلا کہا جاتا تھا...... انہوں نے...... حکمرانوں کے اس طرز عمل کو بھی برداشت کیا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے جو معاہدہ کیا تھا اس پر وہ قائم ودائم رہے۔ حالانکہ اگر چاہتے تو...... اس طرز عمل پر معاہدہ توڑنے اور حکومت کے خلاف بغاوت کرنے میں وہ حق بجانب ہوتے۔ لیکن انہوں نے ...... امت کو انتشار اور خون ریزی سے بچانے کے لیے حکمرانوں کی طرف سے ہونے والی ان تمام زیادتیوں کو برداشت کیا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اطاعت امیر کا جو حکم دیا تھا اس پر پوری طرح کار بند رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے۔ (ماخوذ از خانوادۂ نبوی)

مزید حالات واہم واقعات

حضرت حسن رضی اللہ عنہ.....ایک مبارک شخصیت

سنہ ہجری کے تیسرے روز سال رمضان المبارک کے مہینہ میں معدن نبوت کا یہ گوہر شب چراغ استغناو بے نیازی کی اقلیم کا تاجدار، صلح ومسالمت کی پرسکون مملکت کا شہنشاہ، عرش خلافت کا مسند نشین، دوشِ نبوت کا سوار، فتنہ وفساد کا بیخ کن، سردار دو عالم کی بشارت کا پورا کرنے والا، اُمت مسلمہ کا محسن اعظم، نورافزائے عالم وجود ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ولادت باسعادت کی خبر ہوئی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے اور فرمایا میرے بچے کو دکھانا، کیا نام رکھا گیا، عرض کیا گیا، حرب، فرمایا نہیں، اس کا نام حسن رضی اللہ عنہ ہے۔ پیدائش کے ساتویں دن عقیقہ کیا۔ اور دو مینڈھوں کی قربانی کر کے سر کے بال اتروائے اور ان کے ہم وزن چاندی خیرات کی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو غیر معمولی محبت تھی۔ وہ کم خوش قسمتوں کے حصہ میں آئی ہوگی۔ آپ نے بڑے ناز ونعم سے ان کی پرورش فرمائی، کبھی آغوش شفقت میں لیے ہوئے نکلتے، کبھی دوش مبارک پر سوار کیے ہوئے برآمد ہوتے ان کی ادنیٰ ادنیٰ تکلیف پر بے قرار ہو جاتے۔ بغیر حسن رضی اللہ عنہ کو دیکھے ہوئے نہ رہا جاتا تھا۔ ان کو دیکھنے کے لیے روزانہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے جاتے تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ بھی آپ سے بے حد مانوس ہو گئے تھے، کبھی نماز کی حالت میں پشت مبارک پر چڑھ کر بیٹھے جاتے، کبھی رکوع میں ٹانگوں کے درمیان گھس جاتے، کبھی ریش مبارک سے کھیلتے، غرض طرح طرح کی شوخیاں کرتے، جانثار نانا نہایت پیار اور محبت سے ان طفلانہ شوخیوں کو برداشت کرتے اور کبھی تادیباً بھی نہ جھڑکتے، بلکہ ہنس دیا کرتے تھے۔ ابھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ آٹھ ہی سال کے تھے کہ یہ بابرکت سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اپنے لیے مخصوص کرالیا تھا، اس لیے شروع سے آخر تک آپ نے بڑی راحت وآرام کی زندگی بسر فرمائی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی عمر آٹھ سال سے زیادہ نہ تھی۔ ظاہر ہے کہ اتنی سی عمر میں براہ راست فیضان نبوی سے زیادہ بہرہ یاب ہونے کا کیا موقع مل سکتا ہے۔ تاہم آپ جس خانوادہ کے چشم وچراغ تھے اور جس باپ کے آغوش میں تربیت پائی تھی وہ علوم مذہبی کا سرچشمہ اور علم وعمل کا مجمع البحرین تھا۔ اس لیے قدرۃً اس آفتاب علم کے پرتو سے حسن رضی اللہ عنہ بھی مستنیر ہوئے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کی وفات کے بعد مدینہ میں جو جماعت علم وافتا کے منصب پر فائز تھی۔اس میں ایک آپ کی ذات گرامی بھی تھی۔البتہ آپ کے فتاویٰ کی تعداد بہت کم ہے۔

آپ کی مرویات کی تعداد کل تیرہ ہے اور ان میں سے بھی زیادہ تر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ہند سے مروی ہیں۔، آپ کے زمرہ رواۃ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حسن بن حسنؓ، عبداللہ، ابو جعفرؒ، جبیر بن نضیر، عکرمہ، محمد بن سیرین اور سفیان بن لیل وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

مذہبی علوم کے علاوہ آپ کو اس زمانہ کے مروجہ فنون میں بھی درک تھا خطابت اور شاعری اس زمانہ کے بڑے کمالات تھے۔حضرت حسن رضی اللہ عنہ عرب کے اخطب الخطباء کے فرزند تھے۔اس لیے خطابت آپ کو ورثہ میں ملی تھی، اور آپ میں بچپن ہی سے خطابت کا مادہ تھا۔اس زمانہ میں ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ سے کہا، کہ تم خطبہ دو۔میں اس کو سنوں۔حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کہا۔آپ کے سامنے خطبہ دیتے ہوئے حجاب معلوم ہوتا ہے۔یہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ آڑ میں چلے گئے، اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر نہایت فصیح و بلیغ خطبہ دیا۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سن کر فرمایا۔کیوں نہ ہو، بیٹے میں باپ کا اثر ہوتا ہی ہے۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا بچپن میں علمی مشغلہ

سید السادات حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیدائش جمہور کے قول کے موافق رمضان ۳ھ میں ہے اس اعتبار سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت اُن کی عمر سات برس اور کچھ مہینوں کی ہوئی۔سات برس کی عمر ہی کیا ہوتی ہے جسمیں کوئی علمی کمال حاصل کیا جا سکتا لیکن اسکے باوجود حدیث کی کئی روایتیں اُن سے نقل کی جاتی ہیں۔

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایات: ابو الحوراؒ ایک شخص ہیں انہوں نے حضرت حسنؓ سے پوچھا کہ تمہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات یاد ہے۔اُنہوں نے فرمایا۔ہاں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا راستہ میں صدقہ کی کھجوروں کا ایک ڈھیر لگ رہا تھا میں نے اس میں سے ایک کھجور اُٹھا کر منہ میں رکھ لی۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کخ کخ (ہاہا) فرمایا اور میرے منہ سے نکال دی اور یہ ارشاد فرمایا کہ ہم صدقہ کا مال نہیں کھاتے اور میں نے پانچوں نمازیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھی ہیں (مسند احمد) حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ مجھے وتر میں پڑھنے کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دُعا بتائی تھی:

اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ وَبَارِکْ لِیْ فِیْمَا اَعْطَیْتَ وَقِنِیْ شَرَّمَا قَضَیْتَ فَاِنَّکَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْکَ اِنَّہٗ لَا یَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ

ترجمہ: ''اے اللہ تو مجھے ہدایت فرما منجملہ اُن کے جن کو تو نے ہدایت فرمائی اور مجھے عافیت عطا فرما۔اُن لوگوں کے ذیل میں جن کو تو نے عافیت بخشی اور تو میرے کاموں کا متولی بن جا جہاں اور بہت سے لوگوں کا متولی ہے اور جو

کچھ تو نے مجھے عطا فرمایا اس میں برکت عطا فرما اور جو کچھ تو نے مقدر فرمایا ہے اس کی برائی سے مجھے بچا کہ تو تو جو چاہے طے فرما سکتا ہے تیرے خلاف کوئی شخص کچھ بھی فیصلہ نہیں کر سکتا اور جس کا تو والی ہے وہ کبھی ذلیل نہیں ہو سکتا۔ تیری ذات بابرکت ہے اور سب سے بلند ہے۔''

امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ جو شخص صبح کی نماز کے بعد سے طلوع آفتاب تک اسی جگہ بیٹھا رہے وہ جہنم کی آگ سے نجات پائیگا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے کئی حج پیدل کئے اور ارشاد فرماتے تھے کہ مجھے اس سے شرم آتی ہے کہ مرنے کے بعد اللہ سے ملوں اور اس کے گھر پاؤں چل کر نہ گیا ہوں۔ نہایت حلیم مزاج تھے اور پرہیز گار۔ مسند احمد میں متعدد روایات اُن سے نقل کی گئی ہیں اور صاحب تلقیح نے ان صحابہؓ میں ان کو ذکر فرمایا ہے جن سے تیرہ حدیثیں روایت کی جاتی ہیں۔ سات برس کی عمر ہی کیا ہوتی ہے۔ اس وقت کی اتنی احادیث کا یاد رکھنا اور نقل کرنا حافظہ کا کمال ہے اور شوق کی انتہا۔ افسوس ہے کہ ہم لوگ اپنے بچوں کو سات برس تک دین کی معمولی سی باتیں بھی نہیں بتاتے۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی نصیحت

فرمایا یہ جان لو کہ علم اور بردباری زینت ہے اور وعدہ پورا کرنا مردانگی ہے اور جلد بازی بے وقوفی ہے اور سفر کرنے سے انسان کمزور ہو جاتا ہے اور کمینہ لوگوں کے ساتھ بیٹھنا عیب کا کام ہے اور فاسق فاجر لوگوں کے ساتھ میل جول رکھنے سے انسان پر تہمت لگتی ہے۔ (اخرجہ ابن عساکر کذا فی الکنز ۸/ ۲۳۷)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی حکمت وفراست

حضرت حسنؓ کے یہاں ایک مہمان آیا.... اس نے کھانا کھانے کے بعد شربت طلب کیا.... حضرت حسنؓ نے دریافت کیا آپ کو کون سا شربت درکار ہے.... مہمان نے جواب دیا کہ ''وہ شربت جو نہ ملنے کے وقت جان سے زیادہ قیمتی اور مل جانے کے وقت نہایت کم قیمت ہوتا ہے'' حضرت حسنؓ نے نوکر سے فرمایا کہ ''مہمان پانی مانگتا ہے....''

حاضرین کو آپ کی ذہانت پر حیرانی ہوئی.... (درنایاب)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا کثرتِ نکاح

تقویٰ وخشیت، عبادات وتسبیحات کی کثرت، حسنِ کلام، خوش اخلاقی، غیر معمولی سخاوت، بردباری وقوت برداشت، حکمت وبصیرت، ہمدردی وایثار جیسی عمدہ خوبیوں اور اعلیٰ وصفوں کے ساتھ مختلف جہادی وسیاسی مصروفیات اور امت مسلمہ کی اجتماعی وانفرادی خدمات کے باوجود آپ بھی ان جلیل القدر صحابہ کرام میں سے ہیں جنہوں نے ایک سے زائد نکاح کو بخوبی اپنایا اور اس قدر کثرت سے نکاح فرمائے کہ مورخین ومحدثین دیگر عمدہ صفات بیان کرکے آپ کی کثرتِ نکاح کی عادت کو بیان کرنا ترک نہیں کرتے۔

متعدد مؤرخین کا بیان ہے کہ: حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت کثرت سے نکاح فرماتے اور کسی بھی عورت کو آپ کے نکاح میں بہت ہی کم مدت رہنا نصیب ہوتا، کوئی عورت ایسی نہ تھی جو آپ سے نکاح کرتی مگر یہ کہ اس کو آپ سے غیر معمولی محبت ہو جاتی۔۔۔آپ نکاح بہت کثرت سے فرماتے اور کوئی بھی وقت آپ پر ایسا نہ گزرتا کہ جس میں چار عورتیں آپ کے نکاح میں نہ ہوتی ہوں، طلاق بھی بہت کثرت سے دیا کرتے تھے اور نکاح کے وقت بیوی کو مہر بہت زیادہ دیا کرتے، کہا جاتا ہے کہ آپ نے مجموعہ ستر شادیاں کیں، بعض نے کہا ہے کہ سات سو شادیاں کیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے مجموعہ ایک ہزار شادیاں کیں، بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ بیک وقت آپ نے چار بیویوں کو طلاق دی اور بیک وقت چار عورتوں سے نکاح فرمایا۔۔۔حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل کوفہ سے فرمایا کہ: اے اہل کوفہ! حسن سے اپنی بیٹیوں کا نکاح نہ کروایا کرو کیونکہ حسن طلاق بہت زیادہ دیتا ہے۔ اہل کوفہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ نصیحت سن کر کہا کہ اے امیر المومنین! اگر حسن روز روز بھی نکاح کا پیغام بھیجیں تو وہ جس سے بھی چاہیں گے خدا کی قسم! ہم ان کا نکاح ضرور کروائیں گے تاکہ آپ کے بیٹے کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہماری قرابت داری قائم ہو جائے۔ جیسا کہ ابو جعفر رحمہ اللہ تعالیٰ کا بیان ہے:

''حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہل کوفہ سے فرمایا کہ حسن سے نکاح نہ کیا کرو، کیونکہ وہ طلاق کثرت سے دیتے ہیں، آپ کی یہ بات سن کر ہمدان قبیلے کا ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا: خدا کی قسم ان سے نکاح ضرور کریں گے، پھر حسن کی مرضی کہ جسے چاہیں اپنے نکاح میں رکھیں اور جسے چاہیں طلاق دے کر علیحدہ کر دیں۔'' (البدایۃ والنہایۃ 8\297)

ایک اور جگہ یوں فرمایا: ''حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نکاح اتنی کثرت سے فرماتے تھے کہ ایک دن حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ منبر پر چڑھ پڑے اور لوگوں سے فرمایا: اے لوگو! خبردار تم میں سے کوئی بھی حسن بن علی سے نکاح نہ کروائے کیونکہ وہ طلاق دے دیتے ہیں، ہمدان کے یمنی قبیلے کا ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا:

خدا کی قسم! ہم تو ان سے نکاح ضرور کروائیں گے، آپ جب مہر دیتے ہیں تو بہت زیادہ دیتے ہیں اور جب آپ کے ہاں ولادت ہوتی ہے تو عزت دار بچے کی ولادت ہوتی ہے۔''

مطلب یہ کہ جس بیٹی سے بھی نکاح کرتے ہیں تو یہ بیٹی ایک ایسے بچے کی ماں بننے کا شرف حاصل کرتی ہے جس کا نسب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملتا ہے اور اس کے ذریعے اس عورت کے پورے خاندان کی قرابت داری آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قائم ہو جاتی ہے، یعنی خواہ آپ بعد میں طلاق ہی کیوں نہ دے دیں، دنیوی واخروی مصلحتیں تو بہر حال حاصل ہو ہی جاتی ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب دیکھا کہ جن کی لڑکیوں کو طلاق دی جارہی ہے، خود ان کو تو کوئی اشکال نہیں اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت کے مشہور و معروف ہونے کے باوجود عورتیں آپ سے نکاح کرنے پر

آمادہ ہیں تو لوگوں کے اس جذبے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ داری قائم کرنے کے شوق کو دیکھ کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خوش ہو کر فرمانے لگے: ''اگر میں جنت کے کسی دروازے پر متعین ہوتا تو ہمدان قبیلے کو دیکھ کر ان سے کہتا کہ اس جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔'' (مآثر الانافۃ 1\105)

محمد بن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک عورت سے نکاح کیا اور بطورِ مہر اسے سو باندیاں اور ہر باندی کے ساتھ ایک ہزار درہم بھی دیے۔'' (البدایۃ والنہایۃ 8\297)

مؤرخین حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس عادت کا بھی خصوصیت سے ذکر فرماتے ہیں کہ آپ طلاق بہت زیادہ دیتے، مگر جس عورت کو طلاق دیتے اسے عزت و اکرام اور بہت زیادہ مال و اسباب کے ساتھ رخصت فرماتے، اس نوع کا ایک دلچسپ واقعہ اس طرح ہے کہ ایک دن آپ نے اپنی دو بیویوں کو طلاق دی، ایک کا تعلق بنی اسد سے تھا اور دوسری کا تعلق بنو فزارہ سے تھا، طلاق دے کر اپنے خادم کے ہاتھوں دونوں میں سے ہر ایک کے لئے دس دس ہزار درہم اور شہد سے بھرا ایک مٹکا بھجوایا اور غلام سے فرمایا: یہ مال دونوں کے سپرد کر کے دیکھو کہ اس موقع پر دونوں کیا کہتی ہیں اور پھر واپسی پر مجھے اطلاع دو۔ وہ بیوی جس کا تعلق بنو فزارہ سے تھا اس مال کو دیکھ کر کہنے لگی: اللہ تعالیٰ انہیں اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائیں اور دعائیں دینے لگی، مگر بنی اسد والی بیوی اس کثیر رقم اور شہد سے بھرے مٹکے کو دیکھ کر کہنے لگی: جس محبوب سے جدائی ہو رہی ہے اس کے مقابلے میں یہ مال بہت کم ہے۔ غلام نے دونوں کے تاثرات حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہنچا دیے، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ تاثرات سن کر بنو فزارہ والی کو چھوڑے رکھا اور بنی اسد والی کی طلاق سے رجوع فرمالیا۔ (البدایۃ والنہایۃ 8\38)

سوید بن غفلہ رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب شہید ہو گئے تو حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ عائشہ بنت خلیفہ آپ سے کہنے لگی: آپ کو خلافت مبارک ہو، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمانے لگے: امیر المؤمنین کی موت پر مجھے مبارکباد دے رہی ہو۔۔۔! اور فوراً اسے طلاق دے دی، آپ کی زوجہ کہنے لگی: میرا ارادہ بھلائی کے سوا کچھ نہ تھا، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طلاق دینے کے بعد مہر کا بقیہ حصہ اور اس کے ساتھ دس ہزار درہم کی مزید اضافی رقم ایک خادم کے ہاتھ اسے بھجوا دی، خادم نے جب یہ بھاری رقم عائشہ بنت خلیفہ کو پیش کی تو وہ یہ رقم دیکھ کر رونے لگیں اور کہنے لگی: جس محبوب سے جدائی ہو رہی ہے اس کے مقابلے میں یہ رقم بہت تھوڑی ہے۔ خادم نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس واقعہ کی اطلاع دی تو آپ بھی یہ بات سن کر رونے لگے اور فرمانے لگے کہ اگر میں نے طلاق بائن نہ دی ہوتی تو میں ضرور رجوع کر لیتا۔ (کتاب السنن ح:83)

سیدنا حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ عنہ

ابوعبداللہ حسین بن ابی طالب رضی اللہ عنہما نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب نواسے شہید کربلا خانوادہ نبوی کے اہم فرد اور قافلۂ رسالت کے اہم ترین سالار تھے۔ انہیں بھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے اور لاڈلے ہونے کا شرف حاصل ہے۔

حالات زندگی

مشہور روایت کے مطابق آپ ۵ شعبان ۴ھ/ ۶۲۶ء میں بمقام مدینہ منورہ پیدا ہوئے اسکے علاوہ شعبان ۵ھ کی روایت بھی ملتی ہے۔ اس طرح آپ حضرت حسنؓ سے عمر میں صرف ایک سال یا گیارہ مہینے چھوٹے تھے حضرت علیؓ نے ...... حسب سابق آپ کا نام "حرب" رکھا...... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی، تو آپ تشریف لائے اور فرمایا: مجھے میرا بیٹا دکھاؤ...... اور پوچھا تم نے ان کا نام کیا رکھا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: کہ "حرب" فرمایا نہیں وہ حسین ہے، آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تیسرے صاحبزادے حضرت محسن کا نام رکھنے کے بعد فرمایا کہ میں نے ان کے نام حضرت ہارون کے بیٹوں شبر، شبیر اور مبشر کے وزن پر حسن، حسین اور محسن رکھے ہیں۔ ان کی ولادت کے موقع پر بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سے ایک مینڈھا...... ذبح فرمایا اور ان کا عقیقہ کیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے محبت وشفقت

حضرت حسن رضی اللہ عنہ ہی کی طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے اور لاڈلے نواسے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بے پناہ محبت وشفقت فرماتے تھے۔

چند روایات حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں گزر چکی ہیں جن میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ دونوں کا ذکر ہے۔ وہ روایات جن میں صرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا تذکرہ ہے، حسب ذیل ہیں:

❶ ... حضرت عبدالرحمٰن بن ابی غنم سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ میری دنیا کی خوشبوئیں ہیں۔

❷ ... نامور صحابی حضرت ابویعلی بن مرہ کہتے ہیں کہ ایک دن وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کھانے کی دعوت پر گئے، آپ نے دیکھا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ گلی میں کھیل رہے ہیں، آپ آگے بڑھے اور حضرت حسینؓ کو

پکڑنے کے لیے اپنے بازو پھیلا دیئے۔ لڑکا کبھی ادھر بھاگتا اور کبھی ادھر کو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھ دیکھ کر مسکراتے رہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پکڑ لیا اور ایک ہاتھ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی گردن کے نیچے رکھا اور دوسرا گردن کے اوپر اور ان کا بوسہ لیا اور فرمایا ''حسین مجھ سے ہے اور میں حسینؓ سے ہوں۔ اے اللہ جو کوئی حسین سے محبت رکھے تو اس سے محبت رکھ، حسینؓ اسباط میں سے ایک سبط ہے۔''

❸... ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے رونے کی آواز سنی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی والدہ حضرت فاطمہؓ سے فرمایا: کیا تمہیں یہ علم نہیں کہ اس کے رونے سے مجھے کتنی تکلیف ہوتی ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جسمانی طور پر بھی مشابہت رکھتے تھے، چنانچہ حضرت ہانی بن ہانی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے سینے سے لے کر اپنے قدموں تک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد، جب ان کا سر مبارک کاٹ کر...... عبیداللہ ابن زیاد گورنر کوفہ پاس لایا گیا، تو وہ ایک لکڑی لے کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر پر مارنے لگا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے حسن کے متعلق کچھ کہنے لگا، تو حضرت انس رضی اللہ عنہ یہ منظر نہ دیکھ سکے اور فرمایا: اے ابن زیاد لکڑی پرے ہٹالے تجھے علم نہیں کہ وہ دونوں بھائیوں میں اپنے نانا...... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے، سب سے زیادہ مشابہ تھے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ...... عہد خلافت راشدہ میں

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں جوانی میں قدم رکھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا وظیفہ اصحاب بدر ہی کی طرح پانچ پانچ ہزار درہم سالانہ مقرر کیا۔

غالباً اس وقت جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ ابھی بچے تھے، کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ ایک ایسے وقت میں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ دے رہے تھے اور منبر پر تشریف فرما تھے، منبر پر چڑھ گئے اور حضرت عمرؓ سے کہا: میرے والد (نانا) کے منبر سے اترو اور اپنے والد کے منبر پر جا کے چڑھو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: بیٹے میرے والد کا تو کوئی منبر نہیں تھا۔ پھر انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے پاس بٹھالیا اور پوچھا بیٹا تجھے یہ بات کس نے سکھائی ہے؟ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کہا: کسی نے بھی نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بیٹے ہمارے سروں پر بال اللہ نے اُگائے ہیں یا آپ لوگوں نے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ہاتھ اپنے سر پر رکھ لیا، اور فرمایا: بیٹا ہمارے پاس آتے رہا کرو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں ان بزرگوں کی جو محبت اور جو عزت تھی، اس کا مزید اندازہ اس سے کیا جاسکتا

ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بچوں کو کپڑے پہنائے، مگر ان کے پاس حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کے لیے موزوں کپڑے نہ تھے، چنانچہ انہوں نے یمن سے ان کے لیے خصوصی کپڑے منگوائے اور انہیں دیئے اور فرمایا: اب میرا دل خوش ہوا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا جس طرح احترام کرتے تھے، اس کا اندازہ اس واقعے سے ہوتا ہے، کہ ایک جنازے میں حضرت حسینؓ بھی شریک تھے، (ان کے قدم خاک آلود ہو گئے تو) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاؤں سے مٹی خود اپنے ہاتھوں سے صاف کی۔

امام حسین رضی اللہ عنہ کو نیک کاموں سے جو رغبت اور شوق تھا، اس کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے بھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ ہی کی طرح ۲۵ مرتبہ پیدل حج کیے حالانکہ گھوڑے ان کے ہمراہ ہوتے تھے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض روایات کی رو سے یہ خبر دی تھی کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو عراق کے علاقے کربلا میں شہید کیا جائے گا۔ چنانچہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہتی ہیں:

"ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بتلایا، کہ میرے پاس ایک فرشتہ آیا ہے، جو اس سے پہلے کبھی دنیا میں نہیں آیا تھا، اس نے مجھے بتایا ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ جلد شہید کیے جائیں گے، اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو اس سرزمین کی مٹی بھی دکھا سکتا ہوں۔"

چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر جب انہوں نے اپنے بیٹے "یزید" کو تخت حکومت پر اپنا جانشین بنایا اور خلافت کو امارت و سلطنت میں تبدیل کیا جانے لگا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اس کے خلاف آواز بلند کی اور کوفہ کے لوگوں کی دعوت پر اصلاح احوال کے لیے وہاں تشریف لے گئے، لیکن ابھی وہ شہر میں داخل بھی نہ ہوئے تھے، کہ کوفہ سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر واقع "کربلا" کے مقام پر انہیں، ان کے عزیزوں سمیت شہید کر دیا گیا اور آپ رضی اللہ عنہ کا سر مبارک کاٹ کر پہلے ابن زیاد کے پاس اور پھر یزید بن معاویہ کے پاس دمشق میں بھیج دیا گیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت سے، جہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس چشم و چراغ کے فیضان سے دنیا محروم ہوئی، وہاں اختلاف و انتشار کی ایک ایسی آندھی اُٹھی کہ جس نے "بنو امیہ کی مستحکم حکومت کو چند ہی برسوں میں الٹا کر رکھ دیا اور پھر اس واقعے کی تاریکیوں نے پورے عالم اسلام کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور اس کے اثرات اب تک محسوس کیے جا رہے ہیں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ.....بطور شاعر

اللہ تعالیٰ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو جن اعلیٰ ترین صلاحیتوں اور اوصاف سے نوازا تھا، ان میں سے ایک وصف یہ بھی تھا کہ آپ ایک اچھے شاعر بھی تھے۔ چنانچہ مفتی ہرسک نے آپ کی دو نظموں کا تذکرہ کیا ہے، جن میں

آپ نے اپنی بیوی رباب اور اپنے خاندان کے دوسرے لوگوں سے اظہار محبت کیا ہے۔ آپ کی یہ زوجہ محترمہ سفر کربلا میں بھی آپ کے ہمراہ تھیں...... چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

لعمرک انی لا حب ارضاً تحل بها السکینة والرباب

"مجھے تیری زندگی کی قسم، میں اس سرزمین پر قیام کو پسند کرتا ہوں، جہاں

احبها و ابذل جل مالی لعاتب عندی عتاب

میں ان دونوں سے محبت رکھتا ہوں اور ان کے لیے اپنا مال خرچ کرتا ہوں اور کسی عتاب کرنے والے کا مجھ پر عتاب نہیں ہے۔ دوسری نظم میں حضرت فرماتے ہیں:

احب لحبهما زیدًا جمیعًا ونتلة کلها وبني الرباب

و اخوالا لها من آل لائم احبهموا مطر بنی جناب

میں ان دونوں سے محبت کی بنا پر بنوزید، نتلہ (ایک قبیلہ) اور بنوالرباب اور آل لائم سے تعلق رکھنے والے ان کے ماموؤں سے اور تمام بنی جناب سے محبت رکھتا ہوں۔

ان اشعار میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی قادر الکلامی اور اپنے گھر والوں سے ان کے خوشگوار تعلقات کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ بطور سیرت نگار

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا مقام و رتبہ بھی حدیث کی روایت اور سیرت نگاری میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کسی طرح بھی کم نہیں ہے۔ اگرچہ حضرت حسینؓ سے ذخیرہ احادیث میں صرف آٹھ احادیث مروی ہیں۔

دراصل ان دونوں بھائیوں کی سیرت نگاری کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ ان دونوں کی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی "سیرت طیبہ" کے کئی مخفی گوشے لوگوں کے سامنے آئے۔ انہیں بارگاہ نبوت و رسالت سے جو محبت و شفقت ملی، اس سے اپنے بچوں اور اپنی اولاد سے محبت کا وہ مرغوب اور وہ پسندیدہ طریقہ معلوم ہوا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں پسندیدہ ہے۔

امام حضرت حسین رضی اللہ عنہ امام عزیمت ورُشد

امام حسین رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے جن عظیم خوبیوں سے نوازا تھا۔ ان میں خوف خدا، فیاضی و سخاوت، زہد و تقویٰ، شجاعت و بہادری اور علم پروری...... جیسی اوصاف شامل تھیں۔ اور سب سے بڑھ کر...... یہ کہ...... وہ امام عزیمت و رشد تھے...... اور انہوں نے دین اسلام کے معاملے میں خاموش رہنے اور مداہنت یا کمپرومائز کرنے کے بجائے انہوں نے شہادت و قربانی کا راستہ اختیار کیا...... اور انہوں نے...... اسلام کی راہ میں اپنا سر کٹا کر ایثار و قربانی اور شجاعت و شہادت کی ایک نئی داستاں رقم کی۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور بڑے صاحب بصیرت صحابی تھے۔ ان کے ساتھ جو بنو ہاشم کا معاہدہ ہوا تھا۔ اس میں یہ طے ہوا تھا کہ امیر معاویہ کے بعد خلافت کا حق بنو ہاشم کو ہوگا، لیکن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آخری دنوں میں حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے سیاسی مشورے پر معاہدے کو یکطرفہ طور پر ختم کر دیا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی جگہ اپنے نااہل بیٹے یزید بن معاویہ کو اپنا جانشین نامزد کر دیا۔

اس کے خلاف ردعمل ہوا۔ اور چار بڑی شخصیات نے ان کے اس فیصلے کو ماننے سے انکار کر دیا۔ ان میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت محمد بن ابی بکر الصدیق جیسے اکابر شامل تھے......

یہ چاروں بزرگ...... صحابہ کرام کی نمائندگی کرتے تھے اور اس لائق تھے کہ ان کی رائے کا احترام کیا جاتا۔ لیکن طاقت کے نشے میں چور...... یزید بن معاویہ نے طاقت کے استعمال کا فیصلہ کر لیا...... تو اس موقع پر حضرت حسینؓ...... نے خلافت کی جگہ امارت و ملوکیت مسلط کرنے کے خلاف آواز بلند کی اور پھر اپنے ۷۲ جانثاروں کے ہمراہ میدان کربلا میں جام شہادت نوش فرما کر...... عزیمت و رشد کا راستہ اختیار کیا......

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اس قربانی سے اگرچہ اس وقت فوری طور پر کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ لیکن اسلامی تاریخ میں...... اسلام کی سربلندی اور اعلیٰ ترین مقاصد کے حصول کے لیے...... جان کی بازی لگا دینے کی وہ سنت ضرور قائم ہوئی جس نے تاریخ کے ہر دور میں شاہراہ مستقیم پر چلنے والے قافلوں کے لیے ......ایک نمونہ اور مثال قائم کی اور بعد میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے نتیجے میں...... تاریخ نے بنو اُمیہ کے بڑے بڑے مضبوط برج اُلٹ دیئے۔ اللہ تعالیٰ حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر کروڑوں رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائیں آمین۔ (ماخوذ از خانوادۂ نبوی)

مزید حالات واہم واقعات

تعارف حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آپ کا اسم گرامی الحسین بن علی بن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم ہے اور آنجناب کی والدہ محترمہ کا اسم گرامی فاطمۃ الزہرا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کنیت ابوعبداللہ القریشی الہاشمی ہے اور ''سبطِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' وریحانۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے القاب سے مشہور ہیں۔

حضرت عباس بن عبدالمطلب کی اہلیہ لبابہ بنت الحارث ام الفضل ایک دفعہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ میں نے رات کو ایک عجیب خواب دیکھا ہے۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ کیا ہے؟ تو اُم الفضل نے عرض کیا کہ وہ نہایت شدید قسم کا ہے۔ پھر آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ کیا ہے؟ بیان کرو تو آں محترمہ نے بیان کیا کہ:

میں نے دیکھا ہے کہ جناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک سے ایک ٹکڑا قطع کیا گیا ہے اور پھر وہ میری گود میں رکھا گیا ہے یہ سن کر آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تو نے ایک عمدہ خواب دیکھا ہے۔ میری دختر فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک فرزند جنے گی (ان شاء اللہ) اور وہ تیری گود میں آئے گا۔

چنانچہ بشارت مذکورہ کے مطابق جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے متولد ہوئے اور ان کو جناب ام الفضل (لبابہ بنت الحارث) نے اپنی گود میں لے کر اپنے فرزند قثم بن عباس کے ساتھ اپنا شیر پلایا اور اس طرح مذکورہ خواب کی تعبیر پوری ہوئی۔ اس روایت کی رو سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی براہِ راست حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت خوب عیاں ہے۔ اسے جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے الفاظ میں یوں فرمایا: **''الحسین منی وانا من الحسین''**

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت شعبان المعظم ۴ ہجری میں اپنے برادر جناب حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک سال بعد ہوئی۔ جب حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تولد ہوا تو آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ میرے اس فرزند کا کیا نام رکھا ہے؟ تو اہل خانہ نے عرض کیا کہ ''حرب'' تو جناب اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا نام حسین رکھا جائے۔

اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی تحنیک کی (یعنی گھٹی ڈالی) اور اپنا مبارک لعاب دہن ان کے منہ میں ڈالا۔ اسلام میں قاعدہ ہے کہ ولادت کے بعد زندہ مولود کے کان میں اذان کہی جاتی ہے۔ چنانچہ جب حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ متولد ہوئے تو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے کانوں میں اذان کہی۔

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت پر بھی ساتویں دن عقیقہ کیا اور ان کی طرف سے دو بکریاں ذبح فرمائیں اور ان کے سر کے بال تراشنے کے بعد خوشبو لگائی۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرات حسنین شریفین رضی اللہ تعالیٰ عنہما وعنہم کے لیے تعوذ فرمانے کا معمول تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لیے تعوذ فرمایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں تم دونوں کو ہر شیطان سے اور ایذاء رساں جانور سے اور ہر دُکھ دینے والی نظر سے اللہ تعالیٰ کے کلمات کاملہ کے ساتھ پناہ میں دیتا ہوں اور فرماتے تھے تمہارے باپ ابراہیم (علیہ السلام) اپنے فرزندوں اسماعیل اور اسحاق (علیہما السلام) کا ان کلمات کے ساتھ تعوذ فرمایا کرتے تھے۔

بچپن کے زمانہ میں بچے اپنے والدین کے ساتھ بہت مانوس ہوتے ہیں اور اپنی طفلانہ حرکات کے ساتھ پیش آتے رہتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں عمرو بن دینار ذکر کرتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں سجدہ ریز ہوتے تو بعض دفعہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی طفلانہ حرکات کی صورت میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پشت مبارک پر کئی بار سوار ہو جاتے اور جب آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنا سر مبارک اُٹھاتے تو ان کو ہٹا دیتے۔ اس طرح آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی بچپنے کی شوخیاں برداشت فرماتے تھے اور ازراہِ عنایت کوئی سرزنش نہیں کرتے تھے بلکہ شفقت فرماتے تھے۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے ان دونوں عزیزوں (حسنین کریمین رضی اللہ عنہما) پر شفقت فرمانے کے متعدد واقعات محدثین نے ذکر کیے ہیں۔ ان میں ایک واقعہ اس طرح ہے کہ:

عبداللہ بن جعفر الطیار اپنے بچپن کا ایک واقعہ ذکر کرتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سفر سے واپس تشریف لانے کی خبر معلوم کرتے تو ہم یعنی (عبداللہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم) بطور پیش قدمی کے آگے چل کر آنجناب کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غایت شفقت کی بناء پر ہمیں اُٹھا کر اپنی سواری پر اپنے آگے پیچھے سوار کر لیتے اور ہم اسی صورت حال میں مدینہ شریف میں داخل ہوتے۔

سواری کا ایک دوسرا واقعہ محدثین نے اس طرح ذکر کیا ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سفید خچر پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک سفر سے واپس لایا۔ اس وقت آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں عزیز حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما وعنہم آپ کے ساتھ سوار تھے۔ ایک کو اپنے آگے سوار کیے ہوئے

تھے اور دوسرے کو اپنے پیچھے' حتیٰ کہ میں نے ان حضرات کو آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرہ مبارک میں پہنچایا۔

ایام طفولیت کا ایک واقعہ حضرت بریدہ (بن الحصیب الاسلمی) ذکر کرتے ہیں کہ ایک بار جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے' اس دوران حضرت حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں سرخ قمیص پہنے ہوئے لڑکھڑاتے ہوئے تشریف لائے اور ان دونوں کو اُٹھا کر اپنے سامنے بٹھالیا۔

اس کے بعد ارشاد خداوندی ذکر فرمایا جس میں خطاب عام ہے کہ: اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ.

''یعنی تمہارے اموال اور اولاد آزمائش کا باعث ہیں۔''

اور ارشاد فرمایا جب میں نے ان دونوں بچوں کو دیکھا ہے کہ لڑکھڑا کر چلتے ہوئے آ رہے ہیں تو میں ترحم کی بناء پر صبر نہیں کر سکا حتیٰ کہ میں نے اپنے کلام کو منقطع کر کے ان کو اُٹھالیا ہے۔

واقعہ ہذا سے واضح ہوا کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ان عزیزوں کے ساتھ غایت درجہ کی شفقت ومہربانی فرمایا کرتے تھے اور یہ نواسے بھی آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خوب مانوس تھے اور ساتھ ہی یہ چیز بھی واضح فرمادی گئی کہ انسان کے لیے اموال اور اولاد آزمائش اور فتنہ کے باعث ہیں۔ مؤمن کو دینی امور سے غافل ہو کر ان میں انہماک نہیں کرنا چاہیے۔ یہ واقعہ خصوصیات نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں سے ہے۔

فضائل ومحامد

ان حضرات کے فضائل ومناقب احادیث میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ یعلی بن مرہ الثقفی کہتے ہیں کہ ایک بار ہم جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دعوت طعام میں بلائے گئے۔

راستہ میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھیل رہے تھے تو آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جلدی کر کے حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پکڑنے کے لیے ہاتھ مبارک پھیلائے۔ حسین اِدھر اُدھر بھاگتے' جناب اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہنسی پیار کرتے ہوئے انہیں اُٹھا کر گلے سے لگالیا اور بوسہ دیا۔ پھر فرمایا کہ: حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں جس نے ان سے محبت کی اللہ تعالیٰ اس سے محبت فرمائے گا۔ جناب حسن اور جناب حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد میں سے ہیں۔

''حسین منی وانا من حسین'' کا مطلب بھی یہ ہے کہ ہمارا خاندان ونسب ایک ہے' وہ میری نسل میں سے ہیں اور میں اس کے آباء میں سے ہوں اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ہم میں اتنا قرب اور مناسبت ہے کہ ہمیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔

ان دونوں نواسوں کو جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جسمانی مشابہت کا شرف حاصل تھا اور یہ اُمت میں کسی اور شخصیت کو حاصل نہیں ہوا اور یہ چیز ان حضرات کے حق میں اعلیٰ درجے کی فضیلت ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جسم کے فوقانی حصہ یعنی صدر سے لے کر سر تک حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ زیادہ مشابہ تھے اور حسین جسم کے تحتانی حصہ یعنی صدر سے لے کر قدموں تک زیادہ مشابہ تھے۔ مختصر یہ ہے کہ جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جسمانی مشابہت کا پایا جانا غایت درجے کا شرف ہے جو حضرات حسنین شریفین کو قدرت کی طرف سے نصیب ہوا۔ پس یہ حضرات اس حصول کمال میں دوسرے لوگوں سے ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔

آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے ان دونوں کے ساتھ محبت کی اس نے میرے ساتھ محبت کی اور جس نے ان کے ساتھ بغض وعناد رکھا اس نے میرے ساتھ بغض رکھا۔ روایت مذکورہ بالا سے واضح ہوا کہ حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے محبت کرنا جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک ایک نہایت پسندیدہ عمل ہے اور ان حضرات سے بغض وعداوت رکھنا ایک براشیوہ ہے۔

جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشہور صحابی ابوسعید الخذری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک اعلیٰ منقبت نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذکر کرتے ہیں کہ:

آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اہل جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔ اور بعض دیگر روایات میں یہ مضمون اس طرح بھی مروی ہے کہ:

الحسن والحسین سیدا شباب اھل الجنة وابوھما خیر منھما.

یعنی حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نوجوانانِ اہل جنت کے سردار ہیں اور ان کے والد (حضرت علی المرتضیٰ بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ان دونوں سے بہتر ہیں۔

مقصد یہ ہے کہ حضرات حسن وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اہل جنت کے جوانوں کے سردار ہیں لیکن ان کی سیادت انبیاء کرام علیہم السلام اور خلفائے راشدین کے ماسوا ہے اور یہ استثناء عقلاً وعرفاً معتبر ہے۔

اور انہیں یہ سرداری جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہونے کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ یہ اس طرح ہے کہ بادشاہ کا بیٹا وزیر اعظم کے حلقہ میں آجائے تو اس سے خصوصی شفقت کی جاتی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک معروف روایت ہے جسے حدیث ”ثقلین“ کے نام سے ذکر کیا جاتا ہے۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت اور اولاد شریف کے مقام ومرتبہ کو بیان کیا گیا۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انی ترکت فیکم ما ان اخذتم به لن تضلوا کتاب اللّٰه وعترتی اھل بیتی. (رواہ ترمذی)

یعنی آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! میں نے تم میں وہ چیز چھوڑی ہے اگر تم اس کے ساتھ تمسک کرو اور اسے پکڑو تو ہرگز گمراہ نہیں ہو گے، وہ اللہ کی کتاب ہے اور میری اولاد اور اہل بیت ہیں۔ مختصر یہ ہے

کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن) کے ساتھ تمسک کیا جائے اور اس پر عملدر آمد کیا جائے اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن اور اولاد شریف رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ حسن معاملہ کیا جائے اور ان کے حقوق کوملحوظ رکھا جائے اور ان کی توقیر و تعظیم پیش نظر رہے۔

اصحاب ثلاثہ کی قدر دانی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسوں کی بہت عزت افزائی اور قدر دانی فرمایا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حسین بن علی کو طیلسان کی ایک قیمتی چادر عنایت فرمائی۔ واقعہ ہذا سے معلوم ہوا کہ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزندوں کو حسب موقع عمدہ عطیات عنایت فرمایا کرتے تھے اور ان کے حقوق کی ادائیگی کرتے تھے اور یہ حضرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم خلیفہ راشد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عطیات قبول فرمایا کرتے تھے اور ان حضرات کے درمیان معاملات میں کوئی انقباض نہیں تھا۔ یہ چیز ان کے باہم بہتر مراسم کی علامات سے ہے۔

ایک بار حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ آپ ہمارے ہاں تشریف لایا کریں۔ اس کے بعد حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کے لیے پہنچے تو ان کے فرزند عبداللہ بن عمر سے دروازے پر ملاقات ہوئی۔ ابن عمر نے کہا کہ امیر المومنین امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے خلوت میں مصروف گفتگو ہیں اور مجھے اندر جانے کی اجازت نہیں ملی۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ صورت حال معلوم کر کے واپس تشریف لائے۔ اس کے بعد کسی دوسرے وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ میرے ہاں تشریف نہیں لائے؟ تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں آپ سے ملاقات کے لیے آیا تھا لیکن آپ کے فرزند عبداللہ کو اندر جانے کی اجازت نہیں ملی تھی تو اس وجہ سے میں بھی واپس چلا آیا۔

یہ سن کر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: کیا آپ ابن عمر کے درجہ میں ہیں؟ اذن (اجازت) کے معاملہ میں آپ ابن عمر سے زیادہ حق رکھتے ہیں اور فرمایا کہ جو کچھ عزت اللہ کریم نے عنایت فرمائی ہے یہ سب ہمیں آپ حضرات کی وجہ سے ملی ہے۔ اس واقعہ سے واضح ہوا کہ ان حضرات کی جناب عمر بہت قدر دانی اور عزت افزائی فرمایا کرتے اور اپنے فرزندوں کے حقوق سے ان کے حق کو فائق سمجھتے تھے۔

عہد فاروقی میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے حسنین شریفین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مالی حقوق کی پوری طرح رعایت کی جاتی تھی اور حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے وظائف دیگر حق داروں کی طرح حسب مراتب ادا کیے جاتے تھے۔

چنانچہ اس سلسلہ میں چند ایک حوالہ جات پیش خدمت ہیں:

امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد گرامی امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ سے ذکر کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے وظائف ان کے والد گرامی (علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ) کے برابر مقرر فرمائے اور پانچ پانچ ہزار درہم بدری صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے موافق سالانہ عطا فرمایا کرتے تھے۔

یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اپنی صاحبزادی اُم کلثوم کا رشتہ بخوشی دیا تھا اور آنجناب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی قدر دانی کے ساتھ اسے قبول کیا تھا۔

اس سلسلہ رشتہ داری کی بناء پر حسنین شریفین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی آمد ورفت اپنی بہن کے ہاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر میں ہوتی تھی اور باہم نشست وبرخاست رہتی تھی۔

سیدنا امام حسن اور سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اپنی بہن اُم کلثوم کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے' اس حالت میں کہ وہ (بعض اوقات) اپنے سر کے بالوں میں کنگھی کر رہی ہوتی تھیں۔ چنانچہ محدثین نے یہ چیز ایک فقہی مسئلہ کے تحت ذکر کی ہے کہ انسان اپنی بہن یا بیٹی کے بالوں پر نظر کر سکتا ہے۔

عہد فاروقی میں فتح بیت المقدس کے موقع پر جناب امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملک شام تشریف لے گئے۔ اس وقت حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ساتھ تھے۔ آں موصوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملک شام میں اقامت کے لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے اجازت لے لی اور وہیں مقیم ہو گئے۔

اس دور کا ایک واقعہ علماءِ تراجم نے ذکر کیا ہے کہ جناب بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ خواب میں جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ آنجناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا:

ما ھٰذہ الجفوۃ یا بلال ما ان لک ان تزورنا

یعنی اے بلال! یہ کیا جفا ہے؟ کیا ابھی تک وہ وقت نہیں آیا کہ تم ہماری ملاقات کرو؟

تو بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے غم ناک اور خوفزدہ حالت میں بیدار ہوئے اور اسی وقت مدینہ طیبہ کی طرف سفر اختیار کیا اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرقد مبارک پر آپہنچے اور گریہ زاری اور بے ساختہ مزار مبارک پر لوٹتے پوٹتے تھے۔ یہ ان کی وارفتگی کی کیفیت تھی۔

اس موقع پر حضرت حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم تشریف لائے۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان حضرات کو اپنے جسم سے لگایا اور چومنے لگے۔ تو اس وقت حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یہ خواہش ظاہر کی کہ ہم چاہتے ہیں کہ آج آپ صبح کی اذان کہیں۔

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بات تسلیم کر لی اور پھر صبح کے وقت مسجد نبوی کی چھت پر چڑھے اور اسی

مقام پر کھڑے ہو گئے جہاں عہد نبوی میں اذان کے لیے کھڑے ہوتے تھے اور پھر انہوں نے اللہ اکبر اللہ اکبر کہا۔

جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ اکبر کے کلمات ادا کیے تو اہل مدینہ میں اضطراب پیدا ہو گیا اور پریشانی طاری ہوگئی اور جب انہوں نے کلمہ "لا الٰہ الا اللہ" دُہرایا تو لوگوں میں ہیجان اور زیادہ ہوا اور جب کلمہ "اشھد انّ محمّدًا رسول اللّٰہ" بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھا تو مدینہ کی پردہ دار خواتین بھی اپنے گھروں سے باہر نکل آئیں اور اس موقع پر تمام اہل مدینہ مرد و زن روتے ہوئے دیکھے گئے (گویا گزشتہ دورِ رسالت کا ایک نقشہ سامنے آ گیا اور اس مقدس عہد کی یاد تازہ ہوگئی)۔

ایک دفعہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمرہ کے لیے سفر اختیار کیا' ۲۶ھ رجب کا مہینہ تھا۔ آپ کے ساتھ عبداللہ بن جعفر اور حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شریک سفر ہوئے۔

''السقیا'' کے مقام میں پہنچے تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں بیمار ہو گئے۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن جعفر کو وہاں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تیمارداری کے لیے ٹھہرایا اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف (مدینہ طیبہ میں) اس معاملہ کی اطلاع کے لیے ایک قاصد روانہ کیا (اور خود مکہ مکرمہ چلے گئے) پھر (چند ایام کے بعد) حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ عمرہ سے واپس تشریف لائے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیمارداری کی خاطر وہیں مقیم تھے۔ اس وقت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (بطور معذرت کے) ذکر کیا کہ میں نے تیمارداری کے لیے آپ کی آمد تک یہاں مقیم ہونے کا ارادہ کیا تھا لیکن حسین رضی اللہ عنہ نے مجھے قسم دے کر کہا کہ آپ بمع ہمراہیوں کے عمرہ پر ضرور چلے جائیں۔ (اس لیے میں عمرہ کے لیے چلا گیا) اب عمرہ سے فراغت کے بعد واپس پہنچا ہوں۔ الخ

یہ واقعہ اس بات کا ثبوت ہے کہ خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ اور سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے باہمی تعلقات محبت و مروت کے تھے اور یہ حضرات عمرہ جیسی عبادات ادا کرنے میں بھی رفاقت سفر اختیار کرتے تھے اور لوازم سفر میں جو چیزیں پیش آتی ہیں مثلاً قیام و طعام اور نماز وغیرہ ان سب چیزوں کو یہ حضرات باہم مل کر ادا کرتے تھے اور ان امور میں ان حضرات کے درمیان خوشگوار روابط قائم تھے اور کوئی انقباض نہیں تھا۔

عہد خلافت عثمانی کے دور میں حضرات حسنین شریفین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بے شمار ملی خدمات سرانجام دیں اور قابل ذکر مہمات میں انہوں نے شرکت کی اور مجاہدانہ کردار ادا کیا۔ جناب سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دفاع میں دیگر صحابہ کی طرح پورا حصہ لیا اور مدافعانہ کردار ادا کیا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزندوں حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو فرمایا کہ تلواریں لے کر حضرت عثمان کے مکان کے دروازے پر کھڑے ہو جائیں تو کوئی شخص (اعداء میں سے) اندر نہ جاسکے۔ اسی طرح حضرت زبیر نے اپنے فرزند عبداللہ کو اور حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے فرزند کو حفاظتی طور پر بھیجا اور متعدد صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم نے اپنی اولادوں کو حکم دیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مکان کی حفاظت کرنے اور دفاع کرنے کا کام سرانجام دیں۔ یہ چیز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے تعلقات پر بہترین قرینہ ہے۔ گویا کہ ان کی زندگی کے آخری اوقات تک یہ روابط قائم تھے لیکن ان حفاظتی تدابیر کے باوجود باغیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ جناب صدیق اکبر و جناب عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی تعظیم و تکریم کرتے تھے اور ان کا احترام ملحوظ رکھتے تھے اور یہ سب معاملہ سید دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد شریف ہونے اور دختر زادہ ہونے کی وجہ سے تھا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظر میں

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد اور اقارب کا پورا پورا احترام ملحوظ رکھتے تھے اور حسب موقع ان کی توقیر اور قدر دانی کرنا اپنی سعادت سمجھتے تھے۔ باقی قبائل سے خاندان نبوی کو فائق قرار دیتے تھے۔ چنانچہ ابوالمھزم ایک بار کا واقعہ ذکر کرتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ ایک دفعہ ایک جنازہ پر تشریف لے گئے (اور وہ کہیں دور دراز تھا) اور جناب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے' واپسی پر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوفت محسوس ہوئی اور وہ راستہ میں استراحت کے لیے تشریف فرما ہوئے۔

اس وقت جناب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی چادر کے ساتھ آں موصوف کے قدموں سے غبار صاف کرنے لگے۔ تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ اے ابوہریرہ! آپ ایسا کرتے ہیں؟ تو جناب ابوہریرہ کہنے لگے کہ آپ اس بات کو رہنے دیجئے۔ اللہ کی قسم! آپ کی جو فضیلت مجھے معلوم ہے اگر دوسرے لوگوں کو معلوم ہو جائے تو وہ آپ کو اپنے کندھوں اور گردنوں پر اُٹھالیں۔

اس طرح ایک بار حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے سواری لائی گئی تو اس وقت جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی سواری کی رکاب تھام کر انہیں بڑے اہتمام و اکرام کے ساتھ سوار کیا۔

روایت کا راوی کہتا ہے کہ میں نے جناب ابن عباس سے کہا کہ آپ ان سے عمر میں بڑے ہیں اور آپ نے آں موصوف کو بڑے احترام کے ساتھ سوار کیا ہے تو جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے بیچارے! تم جانتے نہیں ہو کہ یہ کون شخص ہیں؟ یہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے ہیں اور یہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ میں نے ان کو اعزاز و احترام کے ساتھ سوار کیا ہے۔

ایک بار جناب عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ظل کعبہ میں تشریف فرما تھے تو اس دوران جناب حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ان کے پاس گزر ہوا تو جناب عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جناب حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر فرمایا کہ اس وقت زمین والوں میں سے اہل سماء کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ یہ شخصیت ہیں۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا بچپن میں علمی مشغلہ

سید السادات حضرت حسینؓ اپنے بھائی حضرت حسنؓ سے بھی ایک سال چھوٹے تھے اسلئے اُن کی عمر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کیوقت اور بھی کم تھی۔ یعنی چھ برس اور چند مہینے کی تھی۔ چھ برس کا بچہ کیا دین کی باتوں کو محفوظ کرسکتا ہے لیکن امام حسینؓ کی روایتیں حدیث کی کتابوں میں نقل کیجاتی ہیں اور محدثین نے اس جماعت میں ان کا شمار کیا ہے جن سے آٹھ حدیثیں منقول ہیں۔ امام حسینؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا کہ کوئی مسلمان مرد ہو یا عورت اس کو کوئی مصیبت پہنچی ہو پھر وہ عرصہ دراز کے بعد یاد آئے اور یاد آنے پر پھر وہ انا اللہ وانا الیہ راجعون پڑھے تو اس کو اس وقت بھی اتنا ہی ثواب پہنچے گا جتنا کہ مصیبت کیوقت پہنچا تھا۔ یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری امت جب دریا پر سوار ہو اور سوار ہوتے وقت بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖهَا وَمُرْسٰهَا اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ پڑھے تو یہ ڈوبنے سے امن کا ذریعہ ہے۔

حضرت حسینؓ نے پچیس (۲۵) حج پیدل کئے ہیں۔ نماز اور روزہ کی بھی بہت کثرت فرماتے تھے اور صدقہ اور دین کے ہر کام میں کثرت کا اہتمام تھا۔ ربیعہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی اور بات آپ کو یاد ہے انہوں نے فرمایا ہاں میں ایک کھڑکی پر چڑھا جس میں کھجوریں رکھی تھیں۔ اس میں سے ایک کھجور میں نے منہ میں رکھ لی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو پھینک دو ہم کو صدقہ جائز نہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی منقول ہے کہ آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ بیکار کاموں میں مشغول نہ ہو۔ (اسد الغابہ۔ استیعاب)

ان کے علاوہ اور بھی متعدد روایات آپ رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں۔

فائدہ: اس قسم کے واقعات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بکثرت ہیں کہ بچپن کے واقعات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کئے اور یاد رکھے۔ محمود بن الربیعؓ ایک صحابی ہیں جن کی عمر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت پانچ برس کی تھی وہ کہتے ہیں کہ میں عمر بھر اس بات کو نہیں فراموش کروں گا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے۔ ہمارے یہاں ایک کنواں تھا اس کے پانی سے ایک کلی میرے منہ پر کی۔ (اصابہ)

حضرت حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کی حفاظت سانپ کے ذریعے

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اِردگرد بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں حضرت اُم ایمن رضی اللہ عنہا آئیں اور انہوں نے کہا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) حسن اور حسین رضی اللہ عنہما گم ہوگئے ہیں، اس وقت دن چڑھ چکا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا: اُٹھو اور میرے دونوں بیٹوں کو تلاش کرو۔ چنانچہ ہر آدمی نے اپنا راستہ لیا اور چل پڑا اور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ

لے کر چل پڑا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چلتے رہے یہاں تک کہ ایک پہاڑ کے دامن میں پہنچ گئے تو دیکھا کہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما ایک دوسرے سے چمٹے ہوئے کھڑے ہیں اور پاس ہی ایک کالا ناگ اپنی دُم پر کھڑا ہے جس کے منہ سے آگ کی چنگاریاں نکل رہی ہیں۔ (غالباً اللہ نے ناگ بھیجا تھا کہ بچوں کو آگے جانے سے روکے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم جلدی سے ناگ کی طرف بڑھے اس ناگ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مڑ کر دیکھا اور چل پڑا اور ایک سوراخ میں داخل ہو گیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کے پاس گئے اور دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کیا اور دونوں کے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا: میرے ماں باپ تم دونوں پر قربان ہوں، تم دونوں اللہ کے ہاں کتنے قابل احترام ہو؟ پھر ایک کو دائیں کندھے پر اور دوسرے کو بائیں کندھے پر بٹھالیا...... میں نے کہا تم دونوں کو خوشخبری ہو کہ تمہاری سواری بہت ہی عمدہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ دونوں بہت عمدہ سوار ہیں اور ان کے والدین دونوں سے بہتر ہیں۔ (حیاۃ الصحابہ جلد ۲ صفحہ ۸۶۹)

حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کی سخاوت

ابوالحسن مدائنیؒ کہتے ہیں کہ حضرت امام حسنؓ امام حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن جعفرؓ حج کے لئے تشریف لے جا رہے تھے۔ راستے میں ان کے سامان کے اونٹ ان سے جدا ہو گئے۔ یہ بھوکے پیاسے چل رہے تھے ایک خیمہ پر ان کا گزر ہوا اس میں ایک بوڑھی عورت تھی۔ ان حضرات نے اس سے پوچھا کہ ہمارے پینے کو کوئی چیز (پانی یا دودھ لسی وغیرہ) تمہارے پاس موجود ہے؟ اس نے کہا ہے۔ یہ لوگ اپنی اونٹنیوں پر سے اترے۔ اس بڑھیا کے پاس ایک بہت معمولی سی بکری تھی اس کی طرف اشارہ کر کے اس نے کہا کہ اس کا دودھ نکال لو اور اس کو تھوڑا تھوڑا پی لو۔ ان حضرات نے اس کا دودھ نکالا اور پی لیا۔ پھر انہوں نے پوچھا کہ کوئی کھانے کی چیز بھی ہے؟

اس بڑھیا نے کہا کہ یہی بکری ہے اس کو تم میں سے کوئی ذبح کر دے تو میں پکا دوں گی انہوں نے اس کو ذبح کیا اس نے پکایا۔ یہ حضرات کھا پی کر جب شام کو چلنے لگے تو انہوں نے اس بڑھیا سے کہا کہ ہم ہاشمی لوگ ہیں اس وقت حج کے ارادہ سے جا رہے ہیں اگر ہم زندہ سلامت واپس مدینہ پہنچ گئے تو تُو ہمارے پاس آنا۔ تیرے اس احسان کا بدلہ دیں گے یہ حضرات تو یہ فرما کر چلے گئے شام کو جب اس کا خاوند (کہیں جنگل وغیرہ سے) آیا تو اس بڑھیا نے ہاشمی لوگوں کا قصہ سنایا۔ وہ بہت خفا ہوا کہ تُو نے اجنبی لوگوں کے واسطے بکری ذبح کر ڈالی۔ معلوم نہیں کون تھے کون نہیں تھے۔ پھر کہتی ہے کہ ہاشمی تھے۔ غرض وہ خفا ہو کر چپ ہو گیا۔ کچھ زمانہ کے بعد ان دونوں میاں بیوی کو غربت نے جب بہت ستایا تو یہ محنت مزدوری کی نیت سے مدینہ منورہ گئے۔ دن بھر مینگنیاں چگا کرتے اور ان کو بیچ کر گزر کیا کرتے۔ ایک دن وہ بڑھیا مینگنیاں چگ رہی تھی۔ حضرت حسنؓ اپنے دروازے کے آگے تشریف رکھتے تھے جب یہ وہاں سے گزری تو اس کو دیکھ کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اس کو پہچان لیا اور اپنے غلام کو بھیج کر اس کو اپنے پاس بلوایا اور فرمایا

کہ اللہ کی بندی تُو مجھے بھی پہچانتی ہے؟

اس نے کہا میں نے تو نہیں پہچانا آپؓ نے فرمایا کہ میں تیرا وہی مہمان ہوں دودھ اور بکری والا۔ بڑھیا نے پھر بھی نہ پہچانا اور کہا کیا خدا کی قسم تم وہی ہو۔ حضرت حسنؓ نے فرمایا میں وہی ہوں اور یہ فرما کر آپؓ نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ اس کے لئے ایک ہزار بکریاں خریدی جائیں۔ چنانچہ فوراً خریدی گئیں اور ان بکریوں کے علاوہ ایک ہزار دینار (اشرفیاں) نقد بھی عطا فرمائے اور اپنے غلام کے ساتھ اس بڑھیا کو چھوٹے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا کہ بھائی نے کیا بدلہ عطا فرمایا؟

اس نے کہا ایک ہزار بکریاں اور ایک ہزار دینار۔ یہ سن کر اتنی ہی مقدار دونوں چیزوں کی حضرت حسینؓ نے عطا فرمائی۔ اس کے بعد اس کو حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کے پاس بھیج دیا انہوں نے تحقیق فرمایا کہ ان دونوں حضرات نے کیا مرحمت فرمایا اور جب معلوم ہوا کہ یہ مقدار ہے تو انہوں نے دو ہزار بکریاں اور دو ہزار دینار عطا فرمائے اور یہ فرمایا کہ اگر تُو پہلے مجھ سے مل لیتی تو میں اس سے بہت زیادہ دیتا۔ یہ بڑھیا چار ہزار بکریاں اور چار ہزار دینار (اشرفیاں) لے کر خاوند کے پاس پہنچی کہ یہ اس ضعیف اور کمزور بکری کا بدلہ ہے۔۔۔۔(احیاء العلوم)

سخاوت کا ایک واقعہ

حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا کہ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ بہت بیمار ہو گئے تو حضرت علی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما نے نذر (منت) مانی کہ اگر یہ تندرست ہو جائیں تو شکرانہ کے طور پر تین۔۔۔۔ تین روزے رکھیں گے۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ شانہ کے فضل سے صاجزادوں کو صحت ہوگئی۔۔۔۔ ان حضرات نے شکرانے کے روزے رکھنے شروع فرما دیئے اگرچہ گھر میں نہ سحر کے لئے کچھ تھا نہ افطار کے لئے۔۔۔۔ فاقہ پر روزہ شروع کر دیا۔۔۔۔ صبح کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک یہودی کے پاس تشریف لے گئے جس کا نام شمعون تھا کہ اگر تُو کچھ اون دھاگا بنانے کے لئے اجرت پر دے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی اس کام کو کر دے گی۔۔۔۔

اس نے اون کا ایک گٹھر تین صاع جو کی اجرت طے کر کے دے دیا۔۔۔۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس میں سے ایک تہائی کاتا اور ایک صاع جو اجرت کے لئے ان کو پیسا اور پانچ نان اس کے تیار کئے ایک ایک اپنا میاں بیوی کا دونوں صاجزادوں کے اور ایک باندی کا۔۔۔۔ جس کا نام فضہ تھا۔۔۔۔ روزہ میں دن بھر کی مزدوری اور محنت کے بعد جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھ کر لوٹے اور کھانا کھانے کے لئے دستر خوان بچھایا گیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ٹکڑا توڑا ہی تھا کہ ایک فقیر نے دروازہ سے آواز دی کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والو! میں ایک فقیر مسکین ہوں مجھے کھانا دو۔۔۔۔ اللہ جل شانہ تمہیں جنت کے دستر خوان سے کھانا کھلائے۔۔۔۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ہاتھ روک لیا۔۔۔۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے مشورہ کیا انہوں نے فرمایا

ضرور دے دیجئے.... وہ سب روٹیاں اس کو دے دیں اور گھر والے سب کے سب فاقہ سے رہے اسی حال میں دوسرے دن کا روزہ شروع کر دیا.... دوسرے دن میں پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دوسری تہائی اون کی کاتی اور ایک صاع جو کا اجرت لے کر پیسا.... روٹیاں پکائیں اور جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھ کر تشریف لائے اور سب کے سب کھانے کے لئے بیٹھے تو ایک یتیم نے دروازہ سے سوال کیا اور اپنی تنہائی اور فقر کا اظہار کیا.... ان حضرات نے اس دن کی روٹیاں اس کے حوالہ کر دیں اور خود پانی پی کر تیسرے دن کا روزہ شروع کر دیا اور صبح کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اون کا باقی حصہ کاتا اور ایک صاع جو کا جورہ گیا تھا وہ لے کر پیسا.... روٹیاں پکائیں اور مغرب کی نماز کے بعد جب کھانے بیٹھے تو ایک قیدی نے آ کر آواز دے دی اور اپنی سخت حاجت اور پریشانی کا اظہار کیا....

ان حضرات نے اس دن کی روٹیاں بھی اس کو دے دیں اور خود فاقہ سے رہے....

چوتھے دن صبح کو روزہ تو تھا نہیں لیکن کھانے کو بھی کچھ نہیں تھا.... حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں صاحبزادوں کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے.... بھوک اور ضعف کی وجہ سے چلنا بھی مشکل ہو رہا تھا.... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تمہاری تکلیف اور تنگی کو دیکھ کر مجھے بہت ہی تکلیف ہوتی ہے چلو فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس چلیں....

حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے وہ نماز پڑھ رہی تھیں بھوک کی شدت سے آنکھیں گڑ گئی تھیں.... پیٹ کمر سے لگ رہا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے سینے سے لگایا اور حق تعالیٰ سے فریاد کی اس پر حضرت جبرئیل علیہ السلام سورہ دہر کی آیات **و یطعمون الطعام علی حبہ مسکینا و یتیما واسیرا** (اور وہ لوگ (محض) خدا کی محبت سے غریب اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں).... لے کر آئے اور اس پروانۂ خوشنودی کی مبارک باد دی....'' (فضائل صدقات)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے نواسوں سے شفقت ومحبت

خاتون جنت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا: میرے بچے (حسن وحُسین رضی اللہ عنہما) کہاں ہیں؟ میں نے عرض کیا آج ہم صبح اٹھے تو گھر میں چکھنے کو بھی کوئی چیز نہ تھی، ان کے والد نے کہا میں ان دونوں کو لے کر باہر جاتا ہوں اگر گھر پر رہیں گے تو تمہارے سامنے روئیں گے اور کھلانے کو تمہارے پاس کچھ ہے ہی نہیں چنانچہ وہ انہیں لے کر فلاں یہودی کی طرف گئے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ادھر ہی تشریف لے گئے وہاں پہنچے تو دیکھا کہ دونوں بچے ایک صراحی سے کھیل رہے ہیں اوران کے سامنے بچا کھچا ادھ کٹا قسم کا کچھ کھجور ہے...

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے علی! اب بچوں کو گھر لے چلو دھوپ بڑھ رہی ہے، انہوں نے عرض کیا یا رسول! آج صبح سے ہمارے گھر میں ایک دانہ نہیں ہے اگر آپ تھوڑی دیر تشریف رکھیں تو میں فاطمہ کیلئے کچھ بچے کھچے کھجور جمع کرلوں، یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے یہاں تک کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لئے کچھ بچے ہوئے کھجور جمع ہو گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کھجور ایک کپڑے میں باندھ لئے اور بڑھ کر دونوں کو گود لیا اوراٹھا کر لے آئے...

حضرت عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے کہ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما دنیا میں میرے دو پھول ہیں... حضرت انس رضی اللہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے عرض کی کہ آپ کو اپنے اہل بیت میں کون زیادہ محبوب ہے؟، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا حسن اور حسین رضی اللہ عنہما، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرماتے میرے بیٹوں کو بلاؤ! پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں سینے سے لگاتے... حضرت یعلی بن مرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

ہم ایک دعوت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جارہے تھے کہ راستہ کی گلی میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھ کر آگے بڑھے اور دونوں ہاتھ پھیلا لئے باقی بچے ادھرادھر بھاگنے لگے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسین رضی اللہ عنہا کو ہنساتے ہوئے ان کی طرف بڑھ گئے یہاں تک کہ پکڑ لیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک ہاتھ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ٹھوڑی کے نیچے رکھا دوسرا سر کے اوپر رکھا اور بوسہ لے لیا...

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں... ایک دفعہ میں کسی ضرورت کیلئے رات کے وقت حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو کپڑے کے اندر کوئی چیز آپ نے اٹھائی ہوئی تھی مجھے معلوم نہیں کہ وہ کیا تھا جب میں اپنے کام سے فارغ ہوگیا تو عرض کیا یارسول اللہ! یہ کپڑے میں کیا چیز ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑا اٹھایا تو وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ تھے...

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا... یہ میرے بیٹے ہیں، میرے نواسے ہیں، اے اللہ! میں ان سے محبت کرتا ہوں آپ بھی ان سے محبت کریں اور جو ان سے محبت رکھے ان سے بھی آپ محبت کریں... حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کندھے مبارک پر حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو لئے جا رہے تھے تو ایک شخص نے دیکھ کر کہا: ''صاحبزادے! بڑی اچھی سواری پر بیٹھے ہو'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اور سوار بھی بہترین ہے''... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دیکھتا ہوں تو آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں اس لئے کہ میں نے دیکھا کہ ایک روز دوڑتے ہوئے آئے اور آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں بیٹھ گئے (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنی داڑھی پکڑ کر دکھایا کہ یہ) اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک ہاتھ سے پکڑنے لگے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دہن مبارک کھول کر ان کے منہ میں ڈالنے لگے اور فرماتے جا رہے تھے... ''اے اللہ! میں اس سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت فرما'' یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمائی... حضرت حسین رضی اللہ عنہ جب پیدا ہوئے تو رسول اللہ نے خود آپ کو شہد چٹایا اور ان کے دہن پاک کو اپنی زبان بابرکت سے تر کیا، دعائیں دیں اور حسین نام رکھا...

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کیلئے دعائیں

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے لئے یہ دعا فرمائی اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما اور جس نے ان دونوں سے محبت کی اس نے حقیقت میں مجھ سے محبت کی۔ (اخرجہ البزار قال الہیثمی ۱۸۰/۹)

بخاری و مسلم وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور طبرانی میں حضرت سعید بن زید اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی اے اللہ! مجھے حسن سے محبت ہے تو بھی اس سے محبت فرما اور جو اس سے محبت کرے اس سے بھی محبت فرما۔ (کذا فی المنتخب ۱۰۲/۵)

مزید واقعات

❶... خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد میں خطبہ دے رہے تھے، دیکھا کہ مسجد میں حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما بھی آ رہے ہیں، مسجد کے صحن میں تیز تیز قدم اُٹھاتے ہوئے نانا جان کے پاس جلد پہنچنا چاہتے ہیں لیکن قدم لڑکھڑا رہے ہیں اور ہر قدم پر خطرہ ہے کہ کہیں گر نہ جائیں... چھوٹے چھوٹے

معصوم بچے سرخ جوڑا پہنے بڑے پیارے لگ رہے ہیں، ننھی ننھی ٹانگیں لرز رہی ہیں، اور وہ نانا جان کی طرف بڑھ رہے ہیں، خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دیر تک تو دیکھتے رہے مگر ضبط نہ کر سکے، منبر سے اُترے، نواسوں کو آغوش میں لیا اور لے جا کر اپنے سامنے بٹھالیا، اب سامعین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، خدا نے کتنی سچی بات فرمائی ہے...

اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ

فی الواقع تمہارے اموال اور تمہاری اولاد تمہارے لیے ذریعہ آزمائش ہیں...

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر فرمایا کرتے، ''حسین میرا ہے اور میں حسین کا... خدا اس سے محبت رکھے جو میرے حسین سے محبت رکھتا ہے...''

❷ ... حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ محبت کرنے والے نانا کے پیروں پر پیر رکھے کھڑے تھے... آپ نے دونوں کے ہاتھ پکڑے اور فرمایا بیٹے! اور اوپر چڑھ آؤ، اور وہ اوپر چڑھتے چڑھتے اس سینے پر چڑھ آئے جس میں پوری انسانیت کا درد تھا، نانا جان نے پیار سے نواسے کا منہ چوما اور خدا سے التجا کی ''پروردگار! میں اس سے پیار کرتا ہوں تو بھی اس سے پیار کر...''

❸ ... خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے یہاں مدعو تھے، تیز تیز قدموں سے جا رہے تھے، چلتے چلتے رُک گئے... پیارے نواسے حضرت حسین رضی اللہ عنہ راستے میں کھیل رہے تھے... آپ نے آگے بڑھ کر اپنے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے اور نواسے کو سینے سے لگانے کے لیے بلایا... حضرت حسین رضی اللہ عنہ ہنسے اور دوڑتے ہوئے آئے مگر پاس آ کر ہر بار کترا جاتے اور بچ کر نکل جاتے... آخر ایک بار پکڑ میں آ گئے... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہاتھ ان کی ٹھوڑی پر رکھا اور ایک ہاتھ ان کے سینے پر اور مبارک سینے سے جوش محبت میں چمٹالیا... پھر بڑے پیار سے فرمایا ''حسین میرا ہے اور میں حسین کا ہوں...''

❹ ... آپ ایک شاہراہ سے گزر رہے ہیں، پیارا نواسہ اس کندھے پر سوار ہے جس پر پورے عالم کی قیادت کا بوجھ تھا... راہ میں کسی نے کہا، کیا اچھی سواری ہاتھ آئی ہے تمہیں صاحبزادے! پیار کرنے والے نانا نے کہا، ''سوار بھی کیسا اچھا ہے...''

❺ ... خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے ہیں وہ نماز جس کے خلوص اور خشوع و خضوع کی کوئی رمق بھی مل جائے تو پوری اُمت کی نماز نماز ہو جائے... اسی دوران ایک پیاری معصوم بچی آتی ہے اور کندھے پر سوار ہو جاتی ہے، آپ رکوع میں جانا چاہتے ہیں اور بچی کندھے پر سوار ہے...

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت نرمی سے پیاری بچی کو کندھے سے اُتار دیتے ہیں اور خدا کے حضور رکوع و

سجود کرتے ہیں، پھر کھڑے ہوتے ہیں تو بچی پھر سوار ہو جاتی ہے، نماز سے فارغ ہوتے ہیں تو پیاری نواسی کو نہ ڈانٹتے ہیں نہ جھڑکتے ہیں بلکہ جوشِ محبت میں سینے سے لپٹا لیتے ہیں...

ایک بار خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ تحفے آئے، اچھے تحفے، ان تحفوں میں ایک سنہرا خوبصورت ہار بھی تھا، یہی بچی ایک کونے میں کھیل رہی تھی۔

خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ ہار تو میں اپنے گھر والوں میں سے اسے دوں گا جو مجھے بہت زیادہ پیاری ہے، لوگوں نے سمجھا ضرور آپ یہ ہار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گلے کی زینت بنائیں گے...مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھیلنے والی پیاری بچی کو اپنے پاس بلایا، پیار کیا اور اپنے مبارک ہاتھوں سے وہ ہار پیاری نواسی امامہ رضی اللہ عنہا کے گلے میں ڈال دیا...

❻... پیاری بیٹی زینب رضی اللہ عنہا نے اپنے شفیق باپ کے پاس قاصد بھیجا اور کہلوایا میرے بچے کی جاں کنی کا نازک وقت ہے، ذرا دیر کے لیے تشریف لے آئیے...خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام پہنچا تو قدرتی طور پر غمزدہ ہوئے، ضبط سے کام لیا اور قاصد سے کہلا بھیجا۔

بیٹی! تم پر سلامتی ہو، جو کچھ خدا نے لے لیا وہ خدا ہی کا ہے اور جو کچھ اس نے عطا فرمایا وہ بھی خدا ہی کا ہے، ہر چیز کا اس کے یہاں وقت مقرر ہے... بیٹی! صبر سے کام لو خدا تمہیں ضرور اس کا بہترین صلہ دے گا...حضرت زینب رضی اللہ عنہا جاں کنی کا منظر دیکھ کر بے حال تھیں، جگر گوشہ گود میں پڑا اور اپنی آخری گھڑیاں پوری کررہا تھا، آپ نے پھر قاصد بھیجا اور کہلوایا، حضور ضرور تشریف لائیں بڑا سخت وقت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت اُٹھ کھڑے ہوئے... آپ کے ہمراہ حضرت سعد بن عبادہ، معاذ بن جبل، اُبی ابن کعب، زید بن ثابت اور کچھ دوسرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی تھے۔

خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیٹی کے یہاں پہنچے تو بچے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں دیا گیا...بچے کی جاں کنی ہو رہی تھی، معصوم بچہ آخری ہچکیاں لے رہا تھا، نواسے کی یہ کیفیت دیکھ کر بے اختیار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو ٹپاٹپ گرنے لگے...

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بولے یا رسول اللہ! یہ کیا آپ رو رہے ہیں؟

ارشاد فرمایا یہ رحم ہے رحم، جو اللہ نے اپنے بندوں کے دلوں میں پیدا کیا ہے اور اللہ تعالیٰ انہیں بندوں پر رحم فرماتا ہے جو آپس میں ایک دوسرے پر رحم کرتے ہیں...

اُسوۂ حسینی

سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ

(از مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ)

سید شباب اهل الجنة ریحانة رسول الله صلی الله علیه وسلم حضرت حسینؓ اور ان کے اصحاب کی مظلومانہ دردانگیز شہادت کا واقعہ کچھ ایسا نہیں جس کو بھلایا جاسکے، نہ صرف مسلمان بلکہ ہر انسان اس سے اپنے دل میں ایک درد محسوس کرنے پر مجبور ہے اور اس میں اہلِ نظر کے لئے بہت سی عبرتیں اور نصائح ہیں اس لیے اس واقعہ کے بیان میں سینکڑوں بلکہ شاید ہزاروں کی تعداد میں مفصل ومختصر کتابیں ہر زبان میں لکھی گئی ہیں لیکن ان میں بکثرت ایسے رسائل ہیں جن میں صحیح روایات اور مستند کتب سے مضامین لینے کا اہتمام نہیں کیا گیا، اس لیے زمانۂ دراز سے بعض احباب کا تقاضا تھا کہ اس موضوع پر ایک مختصر مگر جامع رسالہ لکھا جائے مگر مشاغل سے فرصت نہ تھی۔ اس وقت اتفاقاً ایک مختصر مضمون ''اسوہ حسینی'' لکھنے کے قصد سے قلم اٹھایا، مگر واقعہ کے تسلسل نے بہت اختصار پر قائم نہ رہنے دیا اور یہ ایک مستقل رسالہ بن گیا جس میں ان حضرات کی خواہش کی بھی تکمیل ہوگئی۔

شہید کربلا

یوں تو دنیا کی تاریخ کا ہر ورق انسان کے لئے عبرتوں کا مرقع ہے۔ خصوصاً اس کے اہم واقعات تو انسان کے ہر شعبہء زندگی کے لئے ایسے اہم نتائج سامنے لاتے ہیں جو کسی دوسری تعلیم وتلقین سے حاصل نہیں ہوسکتے۔ اسی لئے قرآن کریم کا ایک بہت بڑا حصہ قصص اور تاریخ پر مشتمل ہے۔ قرآن مجید نے تاریخ کو تاریخ کی حیثیت سے یا کسی قصہ وافسانہ کی صورت سے مدون ومرتب شکل میں پیش کیا۔ اس میں یہی اشارہ ہے کہ تاریخ خود اپنی ذات میں کوئی مقصد نہیں بلکہ وہ نتائج ہیں جو تاریخ اقوام اور ان میں پیش آنے والے واقعات سے حاصل ہوتے ہیں۔ اس لئے قرآن کریم نے قصص کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے نتائج کے لئے پیش فرمائے ہیں۔ سیدنا وسید شباب اہل الجنۃ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کا واقعہ شہادت نہ صرف اسلامی تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے بلکہ پوری دنیا کی تاریخ میں بھی اس کو ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔ اس میں ایک طرف ظلم وجور اور سنگدلی و بے حیائی وفحش کشی کے ایسے ہولناک اور

حیرت انگیز واقعات ہیں کہ انسان کو ان کا تصور بھی دشوار ہے۔ اور دوسری طرف آل اطہار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چشم و چراغ اور ان کے ستر بہتر متعلقین کی چھوٹی سی جماعت کا باطل کے مقابلہ پر جہاد اور اس پر ثابت قدمی اور قربانی و جانثاری کے ایسے محیر العقول واقعات ہیں۔ جن کی نظیر تاریخ میں ملنا مشکل ہے۔ اور ان دونوں میں آنے والی نسلوں کے لئے ہزاروں عبرتیں اور حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

خلافت اسلامیہ پر ایک حادثہ عظیمہ

حضرت ذی النورین عثمان غنی صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت سے فتنوں کا ایک غیر منقطع سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس میں منافقین کی سازشیں، بھولے بھالے مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنے کے واقعات پیش آتے ہیں مسلمانوں کی آپس میں تلوار چلتی ہے۔ مسلمان بھی وہ جو خیر الخلائق بعد الانبیاء کہلانے کے مستحق ہیں۔

خلافت کا سلسلہ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر پہنچتا ہے تو خلافت راشدہ کا رنگ نہیں رہتا ملوکیت کی صورتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ امیر معاویہ کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ زمانہ سخت فتنہ کا ہے آپ اپنے بعد کے لئے کوئی ایسا انتظام کریں کہ مسلمانوں میں پھر تلوار نہ نکلے اور خلافت اسلامیہ پارہ پارہ ہونے سے بچ جائے۔ باقتضاء حالات یہاں تک کوئی نامعقول یا غیر شرعی بات بھی نہ تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی آپ کے بیٹے یزید کا نام مابعد کی خلافت کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔ کوفہ سے چالیس مسلمان خوشامد پسند آتے ہیں یا بھیجے جاتے ہیں کہ امیر معاویہ سے اس کی درخواست کریں کہ آپ کے بعد آپ کے بیٹے یزید سے کوئی قابل اور ملکی سیاست کا ماہر نظر نہیں آتا۔ اس کے لئے بیعت خلافت لی جائے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو شروع میں کچھ تامل بھی ہوتا ہے۔ اپنے مخصوصین سے مشورہ کرتے ہیں۔ ان میں اختلاف ہوتا ہے کوئی موافقت میں رائے دیتا ہے کوئی مخالفت میں۔ یزید کا فسق و فجور بھی اس وقت کھلا نہیں تھا۔ بالآخر بیعت یزید کا قصد کیا جاتا ہے اور اسلام پر یہ پہلا حادثہ عظیم ہے کہ خلافت نبوت ملوکیت میں منتقل ہوتی ہے۔

اسلام پر بیعت یزید کا واقعہ

شام و عراق میں معلوم نہیں کس کس طرح خوشامد پسند لوگوں نے یزید کے لئے بیعت کا چرچا کیا۔ اور یہ شہرت دی گئی کہ شام و عراق کوفہ و بصرہ یزید کی بیعت پر متفق ہو گئے۔

اب حجاز کی طرف رخ کیا گیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے امیر مکہ و مدینہ کو اس کام کے لئے مامور کیا گیا۔ مدینہ کا عامل مروان تھا۔ اس نے خطبہ دیا اور لوگوں سے کہا کہ امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہما ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کی سنت کے مطابق یہ چاہتے ہیں کہ اپنے بعد کے لئے یزید کی خلافت پر بیعت لی جائے۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ یہ غلط ہے یہ ابوبکر رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ کی سنت نہیں بلکہ کسریٰ اور قیصر کی سنت ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت اپنی اولاد میں منتقل نہیں کی۔ اور نہ اپنے کنبہ و رشتہ میں۔

حجاز کے عام مسلمانوں کی نظریں اہل بیت اطہار پر لگی ہوئی تھیں ۔ خصوصاً حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما پر جن کو وہ بجا طور پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد مستحق خلافت سمجھتے تھے۔ وہ اس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ﷺ اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے کے منتظر تھے کہ وہ کیا کرتے ہیں۔

ان حضرات کے سامنے اول تو کتاب وسنت کا یہ اصول تھا کہ خلافت اسلامیہ خلافت نبوت ہے۔ اس میں وراثت کا کچھ کام نہیں۔ کہ باپ کے بعد بیٹا خلیفہ ہو۔ بلکہ ضروری ہے کہ آزادانہ انتخاب سے خلیفہ کا تقرر کیا جائے۔ دوسرے یزید کے ذاتی حالات بھی اس کی اجازت نہ دیتے تھے۔ کہ اس کو تمام ممالک اسلامیہ کا خلیفہ مان لیا جائے۔ ان حضرات نے اس سازش کی مخالفت کی اور ان میں سے اکثر آخر دم تک مخالفت پر ہی رہے۔ اسی حق گوئی اور حمایت حق کے نتیجہ میں مکہ ومدینہ میں دار ورسن اور کوفہ وکربلا میں قتل عام کے واقعات پیش آئے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ میں

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خود ۵۱ ھ میں حجاز کا سفر کیا مدینہ طیبہ تشریف لائے ان سب حضرات سے نرم وگرم گفتگو ہوئی سب نے کھلے طور پر مخالفت کی۔

اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شکایت اور ان کی نصیحت

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے یہ شکایت کی یہ حضرات میری مخالفت کرتے ہیں۔ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے ان کو نصیحت کی کہ میں نے سنا ہے کہ آپ ان پر جبر کرتے ہیں اور قتل کی دھمکی دیتے ہیں۔ آپ کو ہرگز ایسا نہ کرنا چاہئے۔

معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ غلط ہے وہ حضرات میرے نزدیک واجب الاحترام ہیں۔ میں ایسا نہیں کرسکتا۔ لیکن بات یہ ہے کہ شام وعراق اور عام اسلامی شہروں کے باشندے یزید کی بیعت پر متفق ہو چکے ہیں۔ بیعت خلافت مکمل ہو چکی ہے۔ اب یہ چند حضرات مخالفت کررہے ہیں۔ اب آپ ہی بتلائیے کہ مسلمانوں کا کلمہ ایک شخص پر متفق ہو چکا ہے اور ایک بیعت مکمل ہو چکی ہے کیا میں اس بیعت کو مکمل ہونے کے بعد توڑ دوں؟

اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا یہ تو آپ کی رائے ہے آپ جانیں۔ لیکن میں یہ کہتی ہوں کہ ان حضرات پر تشدد نہ کیجئے۔ احترام ورفق کے ساتھ ان سے گفتگو کیجئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے وعدہ کیا کہ میں ایسے ہی کروں گا۔ (ابن کثیر)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے قیام مدینہ کے زمانے میں یہ محسوس کرتے تھے کہ ہمیں مجبور کیا جائے گا اس لئے مع اہل وعیال مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ عبداللہ بن عمر اور عبدالرحمٰن

ابن ابی بکر رضی اللہ عنہما حج کے لئے مکہ تشریف لے گئے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حمد وثناء کے بعد فرمایا کہ آپ سے پہلے بھی خلفاء تھے اور ان کے بھی اولاد تھی۔ آپ کا بیٹا کچھ ان کے بیٹوں سے بہتر نہیں ہے۔ مگر انہوں نے اپنے بیٹوں کے لئے وہ رائے قائم نہیں کی۔ جو آپ اپنے بیٹے کے لئے کر رہے ہیں۔ بلکہ انہوں نے مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کو سامنے رکھا۔ آپ مجھے تفریق ملت سے ڈراتے ہیں۔ سو آپ یاد رکھیں کہ میں فرقہ بین المسلمین کا سبب ہرگز نہیں بنوں گا۔ مسلمانوں کا ایک فرد ہوں اگر سب مسلمان کسی راہ پر پڑ گئے تو میں بھی ان میں شامل رہوں گا۔ (تاریخ الخلفاء للسیوطی)

اس کے بعد عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ سے اس معاملہ میں گفتگو فرمائی۔ انہوں نے شدت سے انکار کیا کہ میں کبھی اس کو قبول نہیں کروں گا۔ پھر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بلا کر خطاب کیا انہوں نے بھی ویسا ہی جواب دیا۔

اجتماعی طور پر معاویہ رضی اللہ عنہ کو صحیح مشورہ

اس کے بعد حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما اور عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما وغیرہ خود جا کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ملے اور ان سے کہا کہ آپ کے لئے یہ کسی طرح مناسب نہیں ہے کہ آپ اپنے بیٹے یزید کے لئے بیعت پر اصرار کریں۔ ہم آپ کے سامنے تین صورتیں رکھتے ہیں جو آپ کے پیشرووں کی سنت ہے۔

❶ ...آپ وہ کام کریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کہ اپنے بعد کسی کو متعین نہیں فرمایا بلکہ مسلمانوں کی رائے عامہ پر چھوڑ دیا۔ ❷ ...یا وہ کام کریں جو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کیا کہ ایک ایسے شخص کا نام پیش کیا جو نہ ان کے خاندان کا ہے نہ ان کا کوئی قریبی رشتہ دار ہے اور اس کی اہلیت پر بھی سب مسلمان متفق ہیں۔

❸ ...یا وہ صورت اختیار کریں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کی کہ اپنے بعد کا معاملہ چھ آدمیوں پر دائر کر دیا۔

اس کے سوا ہم کوئی چوتھی صورت نہیں سمجھتے نہ قبول کرنے کے لئے تیار ہیں۔ مگر معاویہ رضی اللہ عنہ اس پر اصرار رہا کہ اب تو یزید کے ہاتھ پر بیعت مکمل ہو چکی ہے اس کی مخالفت آپ لوگوں کو جائز نہیں ہے۔

سادات اہل حجاز کا بیعت یزید سے انکار

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں تو یہ معاملہ یہیں تک رہا کہ شام وعراق کے عام لوگوں نے تو یزید کی بیعت کو قبول کر لیا اور دوسرے حضرات نے جب یہ دیکھا کہ یزید پر مسلمانوں کی بڑی تعداد مجتمع ہو گئی تو بحالت مجبوری انہوں نے بھی مسلمانوں کو انتشار اور تفرقہ سے بچانے کے لئے اس کی بیعت قبول کر لی۔ مگر اہل مدینہ اور خصوصاً حضرت حسین رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیعت یزید سے انکار پر ثابت قدم رہے۔ اور کسی کی پرواہ کئے بغیر حق بات کا اعلان کرتے رہے۔ کہ یزید ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کو خلیفۃ المسلمین بنایا جائے۔ یہاں تک کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی اور یزید بن معاویہ نے ان کی جگہ لے لی۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات اور وصیت

وفات سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو کچھ وصیتیں فرمائیں۔ ان میں ایک یہ بھی تھی کہ میرا اندازہ یہ ہے کہ اہل عراق حسین رضی اللہ عنہ کو تمہارے خلاف آمادہ کردیں گے۔ اگر ایسا ہوا اور مقابلہ میں تم کامیاب ہو جاؤ تو ان سے درگزر کرنا اور ان کی قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا احترام کرنا۔ ان کا سب مسلمانوں پر بڑا حق ہے۔ (تاریخ کامل ابن اثیر صفحہ ۴ جلد ۴)

یزید کا خط ولید کے نام

یزید نے تخت خلافت پر آتے ہی والی مدینہ ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کو خط لکھا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو بیعت خلافت پر مجبور کرے۔ اور ان کو اس معاملہ میں مہلت نہ دے۔ ولید کے پاس جب یہ خط پہنچا تو فکر میں پڑ گیا۔ کہ اس حکم کی تعمیل کس طرح کرے۔ مروان بن حکم جو ان سے پہلے والی مدینہ رہ چکا تھا اس کو مشورہ کے لئے بلایا اس نے مشورہ دیا کہ ابھی تک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر مدینہ میں شائع نہیں ہوئی۔ مناسب یہ ہے کہ ان لوگوں کو فوراً بلا لیا جائے اگر وہ یزید کی بیعت کرلیں تو مقصد حاصل ہے ورنہ سب کو وہیں قتل کردیا جائے۔

ولید نے اسی وقت عبداللہ بن عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس بلانے کے لئے بھیجا۔ اس نے ان دونوں حضرات کو مسجد میں پایا۔ اور امیر مدینہ ولید کا حکم پہنچا دیا۔ اس سے ان دونوں نے کہا تم جاؤ ہم آتے ہیں۔ اس کے جانے کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے کہا کہ یہ وقت امیر کی مجلس کا نہیں۔ اس وقت ہمیں بلانے میں کوئی خاص راز ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنی ذکاوت سے پوری بات سمجھ گئے تھے۔ فرمایا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا ہے اور اب وہ چاہتے ہیں کہ لوگوں میں انتقال کی خبر مشہور ہونے سے پہلے وہ ہمیں یزید کی بیعت پر مجبور کریں۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی ان کی رائے سے اتفاق کیا اور کہا اب کیا رائے ہے؟ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں جا کر اپنے جوانوں کو جمع کر لیتا ہوں اور پھر ان کو ساتھ لیکر ولید کے پاس پہنچتا ہوں میں اندر جاؤں گا اور نوجوانوں کو دروازہ پر چھوڑ جاؤں گا۔ کہ کوئی ضرورت پڑے تو ان کی امداد حاصل کر سکوں۔ اس پر قرارداد کے مطابق حضرت حسین رضی اللہ عنہ ولید کے پاس پہنچے وہاں مروان بھی موجود تھا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے سلام کے بعد اول تو ولید اور مروان کو نصیحت کی کہ تم دونوں میں پہلے کشیدگی تھی اب میں آپ دونوں کو مجتمع دیکھ کر خوش ہوا اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ آپ دونوں کے تعلقات خوشگوار رکھے۔ اس کے بعد ولید نے یزید کا خط حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے رکھ دیا جس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر اور اپنی بیعت کا تقاضا تھا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر اظہار افسوس کیا اور بیعت کے متعلق یہ فرمایا کہ میرے جیسے آدمی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ خلوت میں پوشیدہ طور پر بیعت کرلوں۔ مناسب یہ ہے کہ آپ سب کو جمع کر لیں اور بیعت خلافت کا معاملہ سب کے سامنے رکھیں اس وقت میں حاضر ہوں گا جو کچھ ہوگا سب کے سامنے ہو جائے گا۔ ولید ایک عافیت پسند انسان تھا اس بات کو قبول کر کے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو واپسی کی اجازت دے دی۔

حضرت حسین وزبیر رضی اللہ عنہما مکہ چلے گئے

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اپنے بھائی جعفر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیکر راتوں رات مدینہ سے نکل گئے۔ جب وہ تلاش کرنے پر ہاتھ نہ آئے۔ تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا تعاقب کیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بھی یہی صورت اختیار کی کہ اپنی اولاد اور متعلقین کو لیکر مدینہ سے نکل گئے۔ اور دونوں مکہ مکرمہ پہنچ کر پناہ گزین ہوگئے۔ یزید کو جب اس واقعہ کی اطلاع ملی تو ولید بن عتبہ کی سستی پر محمول کر کے ان کو معزول کر دیا۔ ان کی جگہ عمرو بن سعید اشدق کو امیر مدینہ بنایا اور ان کی پولیس کا افسر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے بھائی عمرو کو بنایا۔ کیونکہ اس کو معلوم تھا کہ ان دونوں بھائیوں میں شدید اختلاف ہے۔ عمرو بن زبیر، عبداللہ بن زبیر کی گرفتاری میں کوتاہی نہ کرے گا۔

گرفتاری کے لئے فوج کی روانگی

عمرو بن زبیر نے پہلے تو رؤساء مدینہ میں جو لوگ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے حامی تھے ان سب کو بلا کر سخت تشدد کیا اور مار پیٹ کے ذریعہ ان پر رعب جمانا چاہا۔ اس کے بعد بمشورہ عمرو بن سعید دو ہزار جوانوں کا لشکر لیکر حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی گرفتاری کے لئے مکہ مکرمہ روانہ ہوا۔ ابو شریح خزاعی نے عمرو بن سعید کو اس حرکت سے روکا کہ مکہ مکرمہ میں قتل وقتال جائز نہیں۔ جو لوگ حرم مکہ میں پناہ گزین ہیں ان کی گرفتاری کے لئے بھیجنا خدائے تعالیٰ کی حدود کو توڑنا ہے۔ مگر عمرو بن سعید نے ان کی بات نہ مانی۔ اور حدیث میں تاویلیں کرنے لگا۔ (صحیح بخاری)

عمرو بن زبیر دو ہزار کا لشکر لیکر روانہ ہوگیا۔ اور مکہ سے باہر قیام کر کے اپنے بھائی عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس آدمی بھیجے کہ مجھے یزید کا حکم ہے کہ تمہیں گرفتار کروں۔ میں مناسب نہیں سمجھتا کہ مکہ مکرمہ کے اندر قتال ہو۔ اس لئے تم خود کو میرے حوالے کر دو۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے چند نوجوانوں کو اس کے مقابلہ کے لئے بھیج دیا۔ جنہوں نے اس کو شکست دی اور عمرو بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ابن علقمہ کے گھر میں پناہ لی۔ دوسری طرف جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ مدینہ سے نکلے تو راستہ میں عبداللہ بن مطیع رضی اللہ عنہ ملے۔ دریافت کیا کہ آپ کہاں جاتے ہیں۔ فرمایا اس وقت تو مکہ مکرمہ کا قصد ہے۔ اس کے بعد استخارہ کروں گا کہ کہاں جاؤں۔ عبداللہ بن مطیع نے کہا کہ میں آپ کو خیر خواہانہ مشورہ دیتا ہوں کہ آپ مکہ ہی میں رہیں۔ خدا کے لئے آپ کوفہ کا رخ نہ کریں۔ وہ بڑا منحوس شہر ہے۔ اس میں آپ کے والد ماجد قتل کئے گئے اور آپ کے بھائی کو بے یار و مددگار چھوڑا گیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ مکہ میں پہنچ کر مقیم ہوگئے۔ اور اطراف کے مسلمان ان کی خدمت میں آنے جانے لگے۔

اہل کوفہ کے خطوط

ادھر جب اہل کوفہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کی خبر ملی اور یہ کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ نے بیعت یزید سے انکار کر دیا تو کچھ شیعہ سلیمان بن صرد خزاعی کے مکان پر جمع ہوئے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو

خط لکھا کہ ہم بھی یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے پر تیار نہیں۔ آپ فوراً کوفہ آجائیے۔ ہم سب آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ یزید کی طرف سے کوفہ کا امیر جو نعمان ابن بشیر ہے اس کو یہاں سے نکال دیں گے۔

اس کے دو روز بعد اسی مضمون کا ایک خط لکھا اور دوسرے خطوط حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجے۔ جسمیں یزید کی شکایات اور اس کے خلاف اپنی نصرت وتعاون اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا یقین دلایا گیا۔ اور چند وفود بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ وفود اور خطوط سے متاثر ہوئے۔ مگر حکمت ودانشمندی سے یہ کیا کہ بجائے خود جانے کے اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا۔ اور ان کے ہاتھ یہ خط لکھ بھیجا کہ:

''بعد سلام مسنون! مجھے آپ لوگوں کے خط ملے اور حالات کا اندازہ ہوا۔ میں اپنے معتمد چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں تا کہ وہ حالات کا جائزہ لیکر مجھے خط لکھے۔ اگر وہ حالات کی تحقیق کے بعد مجھے خط لکھیں گے تو میں فوراً کوفہ پہنچ جاؤں گا۔ مسلم بن عقیل کوفہ جانے سے پہلے مدینہ طیبہ پہنچے تو مسجد نبوی میں نماز ادا کی۔ اور اپنے اہل وعیال سے رخصت ہوئے۔ کوفہ پہنچ کر مختار کے گھر پر مقیم ہوئے۔

یہاں کے حضرات ان کے پاس آنے جانے لگے۔ جب کوئی نیا آدمی آتا تو مسلم بن عقیل اس کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا خط پڑھ کر سناتے تھے۔ جس کو سن کر سب پر گریہ طاری ہو جاتا تھا۔ مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ نے چند روز کے قیام سے یہ اندازہ لگالیا کہ یہاں کے عام مسلمان یزید کی بیعت سے متنفر اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی بیعت کے لئے بے چین ہیں۔ آپ نے یہ دیکھ کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لئے بیعت خلافت شروع کردی۔ چند روز میں صرف کوفہ سے اٹھارہ ہزار مسلمانوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لئے بیعت کرلی۔ اور یہ سلسلہ روز بروز بڑھتا جا رہا تھا۔

مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ کیلئے دعوت دے دی

اس وقت مسلم بن عقیل کو یہ اطمینان ہو گیا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ تشریف لائیں تو بے شک پورا عراق ان کی بیعت میں آجائے گا۔ حجاز کے لوگ ان کے پہلے ہی تابع اور دلدادہ ہیں۔ اس لئے ملت اسلام کے سر سے بآسانی یزید کی مصیبت ٹل جائے گی۔ اور ایک صحیح معیاری خلافت قائم ہو جائے گی۔ انہوں نے ہدایت کے موافق حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ آنے کی دعوت دے دی۔ (کامل ابن اثیر)

حالات میں انقلاب

مگر یہ خط لکھنے کے بعد بحکم قضاء قدر اس طرف حالات بدلنا شروع ہو گئے۔ یزید کی طرف سے نعمان بن بشیر کوفہ کے حاکم تھے۔ ان کو جب یہ اطلاع ملی کہ مسلم بن عقیل حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت خلافت لے رہے ہیں۔ لوگوں کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا جس میں کہا کہ:

''ہم کسی سے لڑنے کے لیے تیار نہیں۔ اور نہ محض شبہ یا تہمت پر کسی کو پکڑتے ہیں لیکن اگر تم نے سرکشی اختیار کی

اور اپنے امام (یزید) کی بیعت توڑی تو قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ تلوار سے تم لوگوں کو سیدھا کر دوں گا۔ جب تک تلوار کا دستہ میرے ہاتھ میں قائم رہے گا۔'' (ابن کثیر)

عبداللہ بن مسلم نے براہ راست ایک خط یزید کو بھیج دیا جس میں مسلم بن عقیل کے آنے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لئے بیعت لینے کا واقعہ ذکر کر کے لکھا کہ ''اگر تمہیں کوفہ کی کچھ ضرورت ہے اور اس کو اپنے قبضہ میں رکھنا چاہتے ہو تو یہاں کے لیے کوئی قوی آدمی کو فوراً بھیجئے جو آپ کے احکامات کو قوت کے ساتھ نافذ کر سکے۔ موجودہ حاکم نعمان بن بشیر یا تو کمزور ہیں یا قصداً کمزوری کا معاملہ کر رہے ہیں''۔ یزید نے کہا بے شک اس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ایک فرمان نکالا جس میں کوفہ کی امارت پر عبیداللہ بن زیاد کو مقرر کیا گیا تھا۔

کوفہ پر ابن زیاد کا تقرر... مسلم بن عقیل کے قتل کا حکم

یزید نے اس کے مشورے کو قبول کر کے عبیداللہ ابن زیاد کو کوفہ اور بصرہ دونوں کا حاکم بنا دیا۔ اور اس کو خط لکھا کہ فوراً کوفہ پہنچ کر مسلم بن عقیل کو گرفتار کرے اور قتل کر دے۔ یا کوفہ سے نکال دے۔ ابن زیاد کو یہ خط ملا تو فوراً کوفہ جانے کا عزم کر لیا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا خط اہل بصرہ کے نام

ادھر ایک واقعہ پیش آیا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ایک خط اشراف اہل بصرہ کے نام پہنچا۔ جس کا مضمون یہ تھا: ''آپ لوگ دیکھ رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مٹ رہی ہے اور بدعات پھیلائی جا رہی ہیں۔ میں تمہیں دعوت دیتا ہوں۔ کہ کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرو۔ اور اس کے احکام کی تنفیذ کے لیے کوشش کرو۔ (کامل ابن اثیر ص ۹ ج ۴)

یہ خط خفیہ بھیجا گیا تھا اور سب نے اس خط کو راز میں رکھا۔ لیکن مندر بن جارود کو یہ خیال ہوا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ خط لانے والا خود ابن زیاد کا جاسوس ہو اس لیے اس نے یہ خط ابن زیاد تک پہنچا دیا۔ اور جو شخص خط لے کر آیا تھا۔ اس کو بھی ابن زیاد کے سامنے پیش کر دیا۔ ابن زیاد نے اس قاصد کو قتل کر ڈالا۔ اور اس کے بعد تمام اہل بصرہ کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا۔ جس میں کہا کہ: ''جو شخص میری مخالفت کرے میں اس کے لیے عذاب الیم ہوں۔ اور جو موافقت کرے اس کے لیے راحت ہوں۔ مجھے امیر المؤمنین نے کوفہ جانے کا حکم دیا ہے''

ابن زیاد کوفہ میں

اس کے بعد ابن زیاد اپنے ساتھ مسلم بن عمر باہلی اور شریک بن اعور کو لے کر کوفہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ کوفہ کے لوگ پہلے سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی آمد کے منتظر تھے۔ اور ان میں سے بہت سے لوگ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو پہچانتے بھی نہ تھے۔ جب ابن زیاد کوفہ پہنچا تو ان لوگوں نے یہی سمجھا کہ یہی حسین رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ جس مجلس سے گذرتا سب یہ

کہہ کر اس کا استقبال کرتے تھے کہ: مرحبا بک یا ابن رسول اللہ

ابن زیاد یہ منظر خاموشی کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔ اور دل میں کڑھتا تھا کہ کوفہ پر تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا پورا تسلط ہو چکا ہے۔

اب پورے شہر کوفہ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے آنے کی خبر مشہور ہوگئی۔ لوگ جوق در جوق زیارت کے لیے آنے لگے۔ ادھر نعمان بن بشیر والی کوفہ کو یہ خبر ملی تو باوجود یزید کا ملازم ہونے کے اہل بیت کا احترام دل میں رکھتے تھے۔ اپنے گھر کے دروازے بند کر کے بیٹھ گئے۔ ابن زیاد خاموشی کے ساتھ یہ سب مظاہرے اور والی کوفہ کا معاملہ دیکھ رہا تھا۔

اب اس نے دروازے کے قریب پہنچ کر نعمان کو آواز دی کہ دروازہ کھولو میں ابن زیاد ہوں یزید کی طرف سے مامور ہو کر آیا ہوں اس وقت دروازہ کھولا گیا۔ اور وہ اندر جانے کے بعد پھر بند کر دیا گیا۔

کوفہ میں ابن زیاد کی پہلی تقریر

اگلے روز صبح ہی ابن زیاد نے اہل کوفہ کو جمع کر کے ایک تقریر کی جس میں کہا کہ امیر المؤمنین نے مجھے تمہارے شہر کا حاکم بنایا ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ تم میں سے جو شخص مظلوم ہو اس کے ساتھ انصاف کیا جائے۔ اور جو اپنے حق سے محروم کر دیا گیا ہے اس کو اس، کا حق دیا جائے اور جو شخص اطاعت اور فرمانبرداری کرے اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔ اور جو سرکشی اور نافرمانی کرے یا جس کی حالت اس معاملہ میں مشتبہ ہو اس پر تشدد کیا جائے۔

خوب سمجھ لو کہ میں امیر المؤمنین کا تابع فرمان رہ کر ان کے احکام ضرور نافذ کروں گا۔ میں نیک چلن لوگوں کے لیے مہربان باپ اور اطاعت کرنے والوں کے لیے حقیقی بھائی ہوں۔ اور میرا کوڑا اور میری تلوار صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو میری اطاعت سے بغاوت کریں۔ اور میرے احکام کی مخالفت کریں۔ اب آپ لوگ اپنی جانوں پر رحم کھائیں اور بغاوت سے باز آئیں۔

مسلم بن عقیل کے تاثرات

ادھر مسلم بن عقیل جو مختار ابن ابی عبید کے گھر مقیم تھے۔ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت خلافت لے رہے تھے۔ ان کو جب زیاد کی اس تقریر کا علم ہوا تو یہ خطرہ ہوا کہ ان کی مخبری کر دی جائے گی۔ اس لیے وہ مختار کا گھر چھوڑ کر ہانی بن عروہ کے مکان پر آگئے۔ دروازہ پر پہنچ کر ہانی بن عروہ کو باہر بلایا وہ باہر آئے۔ تو مسلم بن عقیل کو اپنے دروازہ پر دیکھ کر پریشان ہو گئے۔ مسلم بن عقیل نے کہا کہ میں تمہارے پاس پناہ لینے کے لیے آیا ہوں۔ ہانی بن عروہ نے جواب دیا کہ آپ مجھ پر بڑی مصیبت ڈال رہے ہیں اگر آپ میرے گھر کے اندر نہ آگئے ہوتے تو میں یہی پسند کرتا کہ آپ واپس لوٹ جائیں۔ مگر اب کہ آپ داخل ہو چکے تو میں اپنی ذمہ داری محسوس کرتا ہوں۔ اچھا آجایئے۔ مسلم ان کے مکان میں روپوش ہو گئے۔ کوفہ کے مسلمان ان کی خدمت میں خفیہ آتے جاتے رہے۔

مسلم کی گرفتاری کے لئے ابن زیاد کی چالاکی

ادھر ابن زیاد نے اپنے ایک خاص دوست کو بلا کر تین ہزار درہم دیئے اور اس کام پر مامور کیا کہ مسلم بن عقیل کا پتہ لگائے۔ یہ شخص مسجد میں مسلم بن عوسجہ اسدی کے پاس پہنچا جن کے متعلق کچھ لوگوں سے سنا تھا کہ وہ مسلم بن عقیل کے رازدار ہیں۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے۔ تو اس شخص نے علیحدہ لے جا کر ان سے کہا کہ میں شام کا باشندہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کرم فرمایا ہے کہ مجھے اہل بیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت عطاء فرمائی۔ یہ تین ہزار درہم میں اس لیے لایا ہوں کہ اس شخص کے سپرد کردوں جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لیے بیعت لے رہا ہے۔ مجھے لوگوں سے پتہ چلا ہے کہ آپ کو اس شخص کا علم ہے۔ بہر حال مسلم ابن عوسجہ نے اس شخص سے حلف اور عہد لیا کہ راز فاش نہ کرے گا۔ یہ شخص چند روز تک ان کے پاس آتا جاتا رہا کہ وہ اس کو مسلم بن عقیل سے ملا دیں گے۔

ابن زیاد: ہانی بن عروہ کے گھر میں

اتفاقاً ہانی بن عروہ جن کے گھر میں مسلم بن عقیل روپوش تھے بیمار ہو گئے۔ ابن زیاد ان کی بیماری کی خبر پا کر عیادت کے لیے ان کے گھر پہنچا۔ اس وقت عمارہ بن عبد سلولی نے ان سے کہا کہ یہ موقع غنیمت ہے کہ اس وقت دشمن (ابن زیاد) تمہارے قابو میں ہے۔ قتل کرا دو۔ ہانی بن عروہ نے کہا کہ شرافت کے خلاف ہے کہ میں اس کو اپنے گھر میں قتل کردوں۔ یہ موقع نکل گیا۔

مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کی انتہائی شرافت اور اتباع سنت

شریک ابن اعور نے بھی اس موقع کو غنیمت جان کر مسلم بن عقیل سے کہا کہ یہ فاجر آج شام کو میری عیادت کے لیے آنے والا ہے جب یہ آ کر بیٹھے تو آپ یکبارگی اس پر حملہ کر کے قتل کر دیں۔ پھر آپ مطمئن ہو کر قصر امارت پر بیٹھیں اگر میں تندرست ہو گیا تو بصرہ پہنچ کر وہاں کا انتظام آپ کے حق میں درست کر دوں گا۔

شام ہوئی اور ابن زیاد کے آنے کا وقت ہوا۔ تو مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ اندر جانے لگے۔ اس وقت شریک بن اعور نے کہا کہ آج موقع ہاتھ سے جانے نہ دینا جب وہ بیٹھ جائے تو فوراً قتل کر دینا مگر اس وقت بھی ان کے میزبان ہانی بن عروہ نے کہا کہ مجھے پسند نہیں کہ وہ میرے گھر میں مارا جائے۔

اہل حق اور اہل باطل میں فرق

یہاں یہ بات قابل ملاحظہ ہے کہ مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہما اپنی موت سامنے نظر آ رہی ہے اور نہ صرف اپنی موت بلکہ اپنے پورے خاندان اہل بیت کی موت اور اس کے ساتھ ایک صحیح اسلامی مقصد کی ناکامی دیکھ رہے ہیں۔ اور جس شخص کے ہاتھوں یہ سب کچھ ہونے والا ہے وہ اسی طرح ان کے قابو میں ہے کہ بیٹھے بیٹھے ان کو ختم کر سکتے ہیں۔ مگر اہل حق

اور خصوصاً اہل بیت اطہار کا جو ہر شرافت اور تقاضائے اتباع سنت دیکھنے اور یاد رکھنے کے قابل ہے۔ کہ اس وقت بھی ان کا ہاتھ نہیں اٹھتا۔ یہی اہل حق کی علامت ہے کہ وہ اپنی ہر حرکت وسکون اور ہر قدم پر سب سے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے نزدیک ہمارا یہ قدم صحیح ہے یا نہیں۔ اور اگر کتاب وسنت سے یا تقاضائے شرافت سے ان کی اجازت نظر آتی ہو تو اپنا سب کچھ قربان کرنے اور مقصد کو نظر انداز کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔

ہانی بن عروہ پر تشدد مار پیٹ

جب ہانی کی یہ پختگی دیکھی تو ابن زیاد نے اور اس کے مصاحب خاص مہران نے ہانی کے بال پکڑ کر ان کو مارنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ان کے ناک اور منہ سے خون بہنے لگا اور کہا کہ اب بھی تم مسلم کو ہمارے حوالے کر دو۔ ورنہ تمہیں قتل کر دیں گے۔ ہانی نے کہا میرا قتل تیرے لیے آسان نہیں اگر ایسا کرو گے تو تمہارے قصر امارت کو تلواریں گھیر لیں گی اس پر ابن زیاد اور برافروختہ ہوا۔ اور مار پیٹ شدید کر دی۔

اسماء بن خارجہ جو ہانی کو گھر سے بلا کر لائے تھے۔ اور ان کو اطمینان دلایا تھا کہ آپ کوئی فکر نہ کریں وہ اس وقت کھڑے ہوئے۔ سختی سے ابن زیاد سے کہا کہ اے غدار تو نے ہمیں ایک شخص کو لانے کو کہا جب ہم اسے لے آئے تو تو نے اس کا یہ حال کر دیا۔ اس پر ابن زیاد نے ہاتھ روکا۔

ہانی کی حمایت میں ابن زیاد کے خلاف ہنگامہ

ادھر شہر میں مشہور ہو گیا کہ ہانی بن عروہ قتل کر دیئے گئے ہیں۔ جب یہ خبر عمرو بن حجاج کو پہنچی تو وہ قبیلہ مذحج کے بہت سے جوانوں کو لے کر موقع پر پہنچے اور ابن زیاد کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ اب تو ابن زیاد کو اور فکر پڑ گئی۔ قاضی شریح کو کہا کہ آپ باہر جا کر لوگوں کو بتلائیں کہ ہانی بن عروہ صحیح سالم ہیں۔ قتل نہیں کئے گئے میں خود ان کو دیکھ کر آیا ہوں اور شریح کے ساتھ اپنا ایک آدمی بطور جاسوس لگا دیا کہ ابن زیاد کے کہنے کے خلاف کوئی بات نہ کریں۔ قاضی شریح کا یہ قول سن کر عمرو بن حجاج نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اب اطمینان ہے تم واپس چلے جاؤ۔

ہانی بن عروہ کے متعلق شہادت کی خبر اور اس کے خلاف قبیلہ مذحج کے ہنگامہ اور ابن زیاد کے قصر کے محاصرہ کی اطلاع جب مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو ملی تو وہ بھی مقابلہ کے لیے تیار ہو کر نکلے اور جن اٹھارہ ہزار مسلمانوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی۔ ان کو جمع کیا چار ہزار آدمی جمع ہو گئے۔ اور جمع ہوتے جا رہے تھے۔ یہ لشکر ابن زیاد کے قصر کی طرف بڑھا۔ تو ابن زیاد نے قصر کے دروازوں کو مقفل کر دیا۔ مسلم بن عقیل اور ان کے ساتھیوں نے قصر کا محاصرہ کر لیا اور مسجد اور بازار ان لوگوں سے بھر گیا۔ جو ابن زیاد کے مقابلے پر آئے تھے۔ اور شام تک اس میں اضافہ ہوتا رہا۔

ابن زیاد کے ساتھ قصر امارت میں صرف تیس سپاہی اور کچھ خاندان کے سادات تھے۔ ابن زیاد نے ان میں چند ایسے لوگوں کو منتخب کیا جن کا اثر ورسوخ ان قبائل پر تھا جو مسلم بن عقیل کے ساتھ محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ اور ان کو کہا کہ تم

باہر جا کر اپنے اپنے حلقہ اثر کے لوگوں کو مسلم بن عقیل کا ساتھ دینے سے روکو۔ مال وحکومت کا لالچ دے کر یا حکومت کی سزا کا خوف دلا کر۔ جس طرح بھی ممکن ہو ان کو مسلم سے جدا کر دو۔

ادھر سادات اور شیعہ کو حکم دیا کہ تم لوگ قصر کی چھت پر چڑھ کر لوگوں کو اس بغاوت سے روکو۔ اور اسی خوف وطمع کے ذریعہ انکو محاصرہ سے واپس جانے کی تلقین کرو۔

محاصرہ کرنیوالوں کا فرار اور مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کی بے بسی

جب لوگوں نے اپنے سادات شیعہ کی زبانی باتیں سنیں تو متفرق ہونا شروع ہو گئے۔ عورتیں اپنے بیٹوں بھائیوں کو محاذ سے واپس بلانے کے لیے آنے لگیں۔ یہاں تک کہ مسجد میں مسلم بن عقیل کے ساتھ صرف تیس لوگ رہ گئے۔ یہ صورت حال دیکھ کر مسلم بن عقیلؓ بھی یہاں سے واپس ابواب کندہ کی طرف چلے۔ جب وہ دروازے پر پہنچے تو دیکھا کہ ان کے ساتھ ایک آدمی بھی نہ رہا تھا۔

مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ تن تنہا کوفہ کے گلی کوچوں میں سراسیمہ پھر رہے تھے کہ اب کہاں جائیں۔ بالآخر کندہ کی عورت طوعہ کے گھر پہنچے انکے لڑکے بلال اسی ہنگامہ میں باہر گئے ہوئے تھے۔ وہ دروازے پر واپسی کا انتظار کر رہی تھی مسلم نے اس سے پانی مانگا۔ پانی پی کر وہیں بیٹھ گئے۔ عورت نے کہا کہ اب آپ پانی پی چکے اب اپنے گھر جائیے۔ مسلم خاموش رہے۔ اسی طرح تین مرتبہ کہا تو مسلم خاموش رہے پھر اس نے ذرا سختی سے کہا کہ میں آپ کو دروازہ پر نہ بیٹھنے دوں گی۔ آپ اپنے گھر جائیے۔

اس وقت مسلم نے مجبور ہو کر کہا کہ اس شہر میں نہ میرا کوئی گھر ہے نہ خاندان تو کیا تم مجھے پناہ دو گی۔ میں مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ ہوں میرے ساتھ میرے ساتھیوں نے دھوکہ کیا ہے عورت کو رحم آ گیا۔ اور مسلم کو اپنے گھر میں داخل کر لیا۔ اور شام کا کھانا پیش کیا۔ مسلم نے کھانا نہ کھایا۔ اسی عرصہ میں عورت کے لڑکے بلال واپس آ گئے دیکھا کہ ان کی والدہ بار بار کمرے کے اندر جاتی ہیں بات پوچھی تو عورت نے اپنے لڑکے سے بھی چھپایا۔ اس نے اصرار کیا تو اس شرط پر بتلا دیا کہ کسی سے اظہار نہ کرے۔ اس طرف ابن زیاد نے دیکھا کہ لوگوں کا شور وشغب قصر کے ارد گرد نہیں ہے۔ تو اپنے سپاہی کو بھیجا کہ دیکھو کیا حال ہے اس نے آ کر بتایا کہ میدان صاف ہے کوئی نہیں۔

اس وقت ابن زیاد اپنے قصر سے اتر کر مسجد میں آیا اور منبر کے گرد اپنے خواص کو بٹھلایا اور اعلان کرایا کہ سب لوگ مسجد میں جمع ہو جائیں۔ مسجد بھر گئی۔ تو ابن زیاد نے یہ خطبہ دیا۔

"ابن عقیل بے وقوف جاہل نے جو کچھ کیا وہ تم نے دیکھ لیا اب ہم یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہم جس شخص کے گھر میں ابن عقیل کو پائینگے ہمارا ذمہ اس سے بری ہے اور جو کوئی اس کو ہمارے پاس پہنچائے گا اس کو انعام ملے گا۔ اور اپنی پولیس کے افسر حصین ابن نمیر کو حکم دیا کہ شہر کے تمام گلی کوچوں کے دروازوں پر پہرہ لگا دو۔ کوئی باہر نہ جا سکے۔ اور

پھر سب گھروں کی تلاشی لو۔''

اس تلاشی کے درمیان جب اس عورت کے لڑکے بلال نے یہ محسوس کیا کہ بالآخروہ ہمارے گھر سے گرفتار کیے جائیں گے۔تواس نے خود مخبری کر کے عبدالرحمٰن بن محمد اشعث کواس کا پتہ بتلا دیا اس نے اپنے باپ محمد بن اشعت کو اور اس نے ابن زیاد کو اس کی اطلاع دی۔ابن زیاد نے محمد بن اشعت کی سرکردگی میں ستر سپاہیوں کا ایک دستہ اس کے گرفتار کرنے کے لیے بھیج دیا۔

مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کا ستر سپاہیوں سے تنہا مقابلہ

مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ نے جب ان کی آوازیں سنیں تو تلوار لے کر دروازے پر آگئے۔اورسب کا مقابلہ کر کے ان کو دروازے سے نکال دیا۔وہ لوگ پھر لوٹے تو پھر مقابلہ کیا۔اس مقابلہ میں زخمی ہو گئے۔مگر ان کے قابو میں نہ آئے۔یہ لوگ چھت پر چڑھ گئے۔اور پتھر برسانے شروع کیے۔اور گھر میں آگ لگا دی۔مسلم بن عقیل ان سب حربوں کا تن تنہا مقابلہ کر رہے تھے۔کہ محمد بن اشعت نے ان کے قریب ہو کر پکارا کہ ''میں تمہیں امن دیتا ہوں اپنی جان کو ہلاک نہ کرو۔میں تم سے جھوٹ نہیں بول رہا یہ لوگ تمہارے چچازاد بھائی ہیں۔نہ تمہیں قتل کریں گے نہ تمہیں ماریں گے۔''

مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کی گرفتاری

مسلم بن عقیل تن تنہا ستر سپاہیوں کا مقابلہ کرتے ہوئے زخموں سے چور چور ہو کر تھک چکے تھے۔ایک دیوار سے کمر لگا کر بیٹھ گئے۔اوران کو ایک سواری پر سوار کر دیا گیا۔اور ہتھیار ان سے لے لیے گئے۔ہتھیار لینے کے وقت ابن عقیل رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ یہ پہلی عہد شکنی ہے کہ امن لینے کے بعد ہتھیار چھینے جا رہے ہیں محمد بن اشعت نے ان سے کہا کہ فکر نہ کریں آپ کے ساتھ کوئی ناگوار معاملہ نہ کیا جائے گا۔ابن عقیل نے فرمایا کہ یہ سب محض باتیں ہیں اوراس وقت محمد بن عقیل کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

محمد بن اشعت کے ساتھیوں میں سے عمرو بن عبید بھی تھا جو امان دینے کے خلاف تھا۔اس نے کہا کہ اے مسلم جو شخص ایسا اقدام کرے۔جو آپ نے کیا جب پکڑا جائے تو اس کو رونے کا حق نہیں۔

مسلم بن عقیل کی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ آنے سے روکنے کی وصیت

ابن عقیل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ''میں اپنی جان کے لیے نہیں روتا ہوں بلکہ میں حسین رضی اللہ عنہ اور آل حسین رضی اللہ عنہم کی جانوں کے لئے رو رہا ہوں۔جو میری تحریر پر عنقریب کوفہ پہنچنے والے ہیں۔اور تمہارے ہاتھوں اسی بلا میں گرفتار ہوں گے جس میں میں گرفتار ہوں۔''

اس کے بعد محمد بن اشعت سے کہا کہ: ''تم نے مجھے امان دیا ہے اور میرا گمان یہ ہے کہ تم اس امان سے عاجز ہو جاؤ گے۔لوگ تمہاری بات نہیں مانیں گے اور مجھے قتل کر دیں گے تو اب کم از کم تم میری ایک بات مان لو۔وہ یہ کہ ایک

آدمی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس فوراً روانہ کردو۔ کہ جوان کو میری حالت کی اطلاع کر کے یہ کہہ دے کہ آپ راستے ہی سے اپنے اہل بیت کو لے کر لوٹ جائیں کوفہ والوں کے خطوط سے دھوکہ نہ کھائیں یہ وہی لوگ ہیں جن کی بے وفائی سے گھبرا کر آپ کے والد اپنی موت کی تمنا کیا کرتے تھے۔''

محمد بن اشعت نے حلف کے ساتھ وعدہ کیا کہ میں ایسا ہی کروں گا۔

محمد بن اشعت نے وعدہ کے مطابق حضرت حسین کو روکنے کے لیے آدمی بھیجا

اس کے ساتھ ہی محمد بن اشعت نے اپنا وعدہ پورا کیا ایک آدمی کو خط دے کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف بھیج دیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس وقت تک مقام زبالہ تک پہنچ چکے تھے۔ محمد بن اشعت کے قاصد نے یہاں پہنچ کر خط دیا۔

خط پڑھ کر حضرت حسین نے فرمایا: **کل ما قدر نازل عندا للہ تحسب انفسنا و فساد امتنا** (کامل ابن کثیر) ''جو چیز ہو چکی ہے وہ ہو کر رہے گی۔ ہم صرف اللہ تعالیٰ سے اپنی جانوں کا ثواب چاہتے ہیں۔ اور امت کے فساد کی فریاد کرتے ہیں۔'' الغرض یہ خط پا کر بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنا ارادہ ملتوی نہیں کیا اور جو عزم کر چکے تھے۔ اس کو لیے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ ادھر محمد بن اشعت ابن عقیل کو لے کر قصر امارت میں داخل ہوئے اور ابن زیاد کو اطلاع دی کہ میں ابن عقیل کو امان دے کر آپ کے پاس لایا ہوں۔

ابن زیاد نے غصہ سے کہا کہ تمہیں امان دینے سے کیا واسطہ میں نے تمہیں گرفتار کرنے کے لیے بھیجا تھا یا امان دینے کے لیے۔ محمد بن اشعت خاموش رہ گئے۔ ابن زیاد نے ان کے قتل کا حکم دے دیا۔

مسلم بن عقیل کی شہادت اور وصیت

مسلم بن عقیل پہلے ہی سمجھے ہوئے تھے کہ محمد بن اشعت کا امان دینا کوئی چیز نہیں ابن زیاد مجھے قتل کرے گا۔ مسلم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے وصیت کرنے کی مہلت دو۔

ابن زیاد نے مہلت دے دی اور انہوں نے عمر بن سعد سے کہا کہ میرے اور آپ کے درمیان قرابت ہے اور میں اس قرابت کا واسطہ دیکر کہتا ہوں کہ مجھے تم سے ایک کام ہے۔ جو راز ہے میں تنہائی میں بتلا سکتا ہوں۔ عمر بن سعد نے اس کو سننے کی ہمت نہ کی۔ ابن زیاد نے کہا کچھ مضائقہ نہیں تم سن لو ان کو علیحدہ کر کے مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کام یہ ہے کہ میرے ذمے سات سو درہم قرض ہیں جو میں نے کوفہ کے فلاں آدمی سے لئے تھے وہ میری طرف سے ادا کردو۔ دوسرا کام یہ ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی بھیج کر ان کو راستہ سے واپس کردو۔

عمر بن سعد نے ابن زیاد سے ان کی وصیت پورا کرنیکی اجازت مانگی۔ تو انہوں نے کہا بے شک امین آدمی کبھی خیانت نہیں کرتا۔ تم ان کا قرض ادا کر سکتے ہو۔ باقی رہا حسین رضی اللہ عنہ کا معاملہ سو اگر وہ ہمارے مقابلہ کے لئے نہ آئیں تو ہم بھی ان کے مقابلہ کیلئے نہ جائیں گے۔ اور اگر وہ آئے تو ہم مقابلہ کریں گے۔

مسلم بن عقیل اور ابن زیاد کا مکالمہ

ابن زیاد نے کہا کہ اے مسلم تو نے بڑا ظلم کیا کہ مسلمانوں کا نظم مستحکم اور ایک کلمہ تھا۔ سب ایک امام کے تابع تھے۔ تم نے آ کر ان میں تفرقہ ڈالا۔ اور لوگوں کو اپنے امیر کے خلاف بغاوت پر آمادہ کیا۔

مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ معاملہ یہ نہیں بلکہ اس شہر کوفہ کے لوگوں نے خطوط لکھے۔ کہ تمہارے باپ نے ان کے نیک اور شریف لوگوں کو قتل کر دیا۔ ان کے خون ناحق بہائے اور یہاں کے عوام پر کسریٰ وقیصر جیسی حکومت کرنی چاہی۔ اس لئے ہم اس پر مجبور ہوئے کہ عدل قائم کرنے اور کتاب وسنت کے احکام نافذ کرنے کی طرف لوگوں کو بلائیں اور سمجھائیں۔ اس پر ابن زیاد اور زیادہ برافروختہ ہوا کہ ان کو قصر امارت کی اوپر کی منزل پر لے جاؤ اور سر کاٹ کر نیچے پھینک دو۔ مسلم بن عقیل اوپر لے جائے گئے۔ وہ تسبیح واستغفار پڑھتے ہوئے اوپر پہنچے۔ اور ابن زیاد کے حکم کے موافق ان کو شہید کر کے نیچے ڈال دیا گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

مسلم بن عقیل کو قتل کرنے کے بعد ہانی بن عروہ کے قتل کرنیکا فیصلہ کیا گیا۔ ان کو بازار میں لے جا کر قتل کر دیا گیا۔

ابن زیاد نے ان دونوں کے سر کاٹ کر یزید کے پاس بھیج دیئے۔ یزید نے شکریہ کا خط لکھا اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا مجھے یہ خبر ملی ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ عراق کے قریب پہنچ گئے ہیں اس لئے جاسوس اور خفیہ رپورٹر سارے شہر میں پھیلا دو۔ اور جس پر ذرا بھی حسین رضی اللہ عنہ کی تائید کا شبہ ہو اس کو قید کر لو۔ مگر سوا اس شخص کے جو تم سے مقاتلہ کرے کسی کو قتل نہ کرو۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا عزم کوفہ

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس اہل کوفہ کے ڈیڑھ سو خطوط اور بہت سے وفود پہلے پہنچ چکے تھے۔ پھر مسلم بن عقیل نے یہاں کے اٹھارہ ہزار مسلمانوں کی بیعت کی خبر کے ساتھ ان کو کوفہ کے لئے دعوت دے دی۔ تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کوفہ کا عزم کر لیا۔ جب یہ خبر لوگوں میں مشہور ہوئی تو بجز عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے اور کسی نے ان کو کوفہ جانے کا مشورہ نہیں دیا۔ بلکہ بہت سے حضرات حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشورہ دیا کہ آپ کوفہ ہرگز نہ جائیں۔ اہل عراق وکوفہ کے وعدوں، بیعتوں پر بھروسہ نہ کریں وہاں جانے میں آپ کے لئے بڑا خطرہ ہے۔

عمر بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کا مشورہ

عمر بن عبدالرحمٰن حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ ایسے شہر میں جا رہے ہیں جہاں یزید کے حکام اور امراء موجود ہیں۔ ان کے پاس بیت المال ہے اور لوگ عام طور پر درہم ودینار کے پرستار ہیں۔ مجھے خطرہ ہے کہ کہیں وہی لوگ آپ کے مقابلہ پر نہ آئیں۔ جنہوں نے آپ سے وعدے کئے اور بلایا ہے۔ اور جن کے قلوب پر بلا شبہ آپ زیادہ محبوب ہیں۔ بہ نسبت ان لوگوں کے جن کے ساتھ ہو کر وہ آپ سے مقابلہ کریں گے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے شکریہ کے ساتھ ان کی نصیحت کو سنا اور فرمایا کہ میں آپ کی رائے اور مشورہ کا خیال رکھوں گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا مشورہ

ابن عباس رضی اللہ عنہما کو جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اس ارادہ کی اطلاع ہوئی تو تشریف لائے اور فرمایا کہ میں یہ خبریں سن رہا ہوں ان کی کیا حقیقت ہے۔ آپ کا کیا ارادہ ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں میں ارادہ کر چکا ہوں۔ اور آج کل میں جانے والا ہوں ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا بھائی میں اس سے آپ کو خدا کی پناہ میں دیتا ہوں خدا کے لئے آپ مجھے یہ بتلائیں کہ آپ کسی ایسی قوم کے لئے جا رہے ہیں جنہوں نے اپنے اوپر مسلط ہونے والے امیر کو قتل کر دیا ہے۔ اور وہ لوگ اپنے شہر پر قابض ہو چکے ہیں۔ اور اپنے دشمن کو نکال چکے ہیں تو بیشک آپ کو ان کے بلانے پر فوراً چلے جانا چاہئے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں فرمایا اچھا میں اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرتا ہوں پھر جو کچھ سمجھ میں آئے گا عمل کروں گا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا دوبارہ تشریف لانا

دوسرے روز ابن عباس رضی اللہ عنہما پھر تشریف لائے اور فرمایا کہ میرے بھائی میں صبر کرنا چاہتا ہوں مگر صبر نہیں آتا۔ مجھے آپ کے اس اقدام سے آپ کی اور اہل بیت کی ہلاکت کا شدید خطرہ ہے۔ اہل عراق عہد شکن بے وفا لوگ ہیں۔ آپ ان کے پاس نہ جایئے۔ آپ اسی شہر مکہ میں اقامت کریں۔ آپ اہل حجاز کے مسلم رہنما اور سردار ہیں۔ اور اگر اہل عراق آپ سے مزید تقاضا کریں تو آپ ان کو لکھیں کہ پہلے امیر و حکام کو اپنے شہر سے نکال دو پھر مجھے بلاؤ تو میں آجاؤں گا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میرے بھائی اگر آپ جانا طے ہی کر چکے ہیں تو خدا کے لئے اپنی عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لے جایئے۔ مجھے خوف ہے کہ کہیں آپ اسی طرح اپنی عورتوں اور بچوں کے سامنے قتل کئے جائیں۔ جس طرح عثمان رضی اللہ عنہ قتل کئے گئے ہیں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی کوفہ کیلئے روانگی

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے نزدیک ایک دینی ضرورت سمجھ کر خدا کے لئے عزم کر چکے تھے۔ مشورہ دینے والوں نے ان کو خطرات سے آگاہ کیا۔ مگر مقصد کی اہمیت نے ان کو خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے مجبور کر دیا۔ اور ذی الحجہ ۶۰ھ کی تیسری یا آٹھویں تاریخ کو آپ مکہ سے کوفہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ اس وقت یزید کی طرف سے مکہ کا حاکم عمرو بن سعید بن العاص مقرر تھا۔ اس کو ان کی روانگی کی خبر ملی تو چند آدمی راستہ پر ان کو روکنے کے لئے بھیجے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے واپسی سے انکار فرمایا اور آگے بڑھ گئے۔

فرزدق شاعر کی ملاقات اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ارشاد

راستہ میں فرزدق شاعر عراق کی طرف سے آتا ہوا ملا۔ حضرت حسین کو دیکھ کر پوچھا کہ کہاں کا قصد ہے؟ حضرت

حسین رضی اللہ عنہ نے بات کاٹ کران سے پوچھا کہ یہ تو بتلاؤ اہل عراق وکوفہ کو تم نے کس حال میں چھوڑا ہے؟ فرزدق نے کہا کہ اچھا ہوا آپ نے ایک واقف حال تجربہ کار سے بات پوچھی۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ:

''اہل عراق کے قلوب تو آپ کے ساتھ ہیں مگران کی تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں۔ اور تقدیر آسمان سے نازل ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے''

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم سچ کہتے ہو اور فرمایا: ''اللہ ہی کے ہاتھ میں تمام کام وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور ہمارا رب ہر روز نئی شان میں ہے۔ اور اگر تقدیر الٰہی ہماری مراد کے موافق ہوئی تو ہم اللہ کا شکر کریں گے۔ اور ہم شکر کرنے میں بھی انہی کی اعانت طلب کرتے ہیں۔ کہ ادائے شکر کی توفیق دے۔ اور اگر تقدیر الٰہی ہماری مراد میں حائل ہوگئی۔ تو وہ شخص خطاء پر نہیں جس کی نیت حق کی حمایت ہو اور جس سے دل میں خوف خدا ہو۔''

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کا خط واپسی کا مشورہ

عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی روانگی کی خبر پائی تو ایک خط لکھ کر اپنے بیٹوں کے ہاتھ روانہ کیا تیزی سے پہنچیں اور راستہ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو دے دیں۔ خط کا مضمون یہ تھا۔

''میں خدا کے لئے آپ سے سوال کرتا ہوں کہ آپ میرا خط پڑھتے ہی مکہ کی طرف لوٹ آئیں۔ میں محض خیر خواہانہ عرض کرر ہا ہوں۔ مجھے آپ کی ہلاکت کا خطرہ ہے۔ اور خوف ہے کہ آپ کے سب اہل بیت اور اصحاب کو ختم کر دیا جائے۔ اور اگر خدانخواستہ آپ آج ہلاک ہو گئے تو زمین کا نور بجھ جائے گا۔ کیونکہ آپ مسلمانوں کے پیشوا اور ان کی آخری امید ہیں۔ آپ چلنے میں جلدی نہ کریں اس خط کے پیچھے میں خود بھی آرہا ہوں میرا انتظار فرمائیں۔

والسلام! (ابن اثیر)

یہ خط لکھ کر عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ نے پہلے یہ کام کیا کہ یزید کی طرف سے والی مکہ عمر بن سعید کے پاس تشریف لے گئے۔ اور اس سے کہا کہ آپ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لئے ایک پروانہ امان کا لکھ دیں۔ ان سے اس کا بھی وعدہ تحریری دے دیں۔ کہ اگر وہ واپس آجائیں تو ان کے ساتھ مکہ میں اچھا سلوک کیا جائے گا۔ عامل مکہ عمر بن سعید نے پروانہ لکھ دیا۔ اور عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنے بھائی یحییٰ بن سعید کو بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا۔

یہ دونوں راستہ میں جا کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے ملے اور عمر بن سعید کا خط ان کو سنایا۔ اور اس کی کوشش کی کہ لوٹ جائیں۔ اس وقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ان کے سامنے اپنے اس عزم کی ایک اور وجہ بیان کی۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا خواب اور انکے عزم مصمم کی ایک وجہ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے اور مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حکم دیا گیا ہے میں اس حکم کی بجا آوری کی طرف جارہا ہوں۔ خواہ مجھ پر کچھ بھی گزر جائے۔

انہوں نے پوچھا کہ وہ خواب کیا ہے۔ فرمایا کہ آج تک میں نے وہ خواب کسی سے بیان کیا ہے نہ کروں گا۔ یہاں تک کہ میں اپنے پروردگار سے جاملوں۔ (کامل ابن اثیر ص اج ۴)

بالآخر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اپنی جان اور اولاد کے خطرات اور سب حضرات کے خیر خواہانہ مشوروں نے بھی ان کے عزم مصمم میں کوئی کمزوری پیدا نہ کی اور وہ کوفہ کے لئے روانہ ہو گئے۔

ابن زیاد حاکم کوفہ کی طرف سے حسین رضی اللہ عنہ سے مقابلہ کی تیاری

ابن زیاد جو کوفہ پر اس لئے حاکم مقرر کیا گیا تھا کہ وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں سخت سمجھا گیا۔ اس کو جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی روانگی کی اطلاع ملی تو اس نے اپنی پولیس کے افسر حصین بن نمیر کو آگے بھیجا کہ قادسیہ پہنچ کر مقابلہ کی تیاری کرے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ جب مقام حاجر پر پہنچے تو اہل کوفہ کے نام ایک خط لکھ کر قیس کے ہاتھ روانہ کیا خط میں اپنے آنے کی اطلاع اور جس کام کے لئے ان کو اہل کوفہ نے بلایا تھا اس میں پوری کوشش کرنے کی ہدایت تھی۔

کوفہ والوں کے نام حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا خط اور قاصد کی دلیرانہ شہادت

قیس جب یہ خط لیکر قادسیہ تک پہنچے تو یہاں ابن زیاد کی پولیس کے انتظامات تھے۔ ان کو گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس بھیج دیا گیا۔ ابن زیاد نے ان کو حکم دیا کہ قصر امارت کی چھت پر چڑھ کر (معاذ اللہ) حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر سب وشتم اور لعن وطعن کریں۔ قیس چھت پر چڑھ گئے اور اللہ کی حمد وثناء کے بعد بآواز بلند کہا کہ:

"اے اہل کوفہ! حسین بن علی رضی اللہ عنہما حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے اور اس وقت خلق اللہ میں سب سے بہتر ہیں۔ میں تمہاری طرف ان کا بھیجا ہوا قاصد ہوں۔ وہ مقام حاجر تک پہنچ چکے ہیں تم ان کا استقبال کرو۔"

اس کے بعد ابن زیاد کو برا بھلا کہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے دعائے مغفرت کی۔

ابن زیاد ان کی دلیری اور جانبازی پر حیران رہ گیا۔ حکم دیا کہ ان کو قصر کی بلندی سے نیچے پھینک دیا جائے۔ ظالموں نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ قیس نیچے گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔

عبداللہ ابن مطیع سے ملاقات اور ان کا واپسی کیلئے اصرار

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کی طرف بڑھ رہے تھے راستے میں ایک پڑاؤ پر اچانک عبداللہ ابن مطیع سے ملاقات ہو گئی۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور عرض کیا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ کہاں جا رہے ہیں۔ اور کیا مقصد ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنا ارادہ بتلایا۔ عبداللہ نے الحاح وزاری سے عرض کیا کہ:

''اے ابن رسول اللہ! میں تمہیں اللہ کا اور عزت اسلام کا واسطہ دے کر کہتا ہوں۔ کہ آپ اس ارادہ سے رک جائیں۔ میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں اور حرمت قریش اور حرمت عرب کا واسطہ دیتا ہوں۔ کہ اگر آپ بنی امیہ سے ان کے اقتدار کو لینا چاہیں گے تو وہ آپ کو قتل کر دیں گے۔ آپ ایسا ہرگز نہ کریں۔ اور کوفہ نہ جائیں اپنی جان کو بنی امیہ کے حوالے نہ کریں''۔ (ابن اثیر)

مگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنا ارادہ ملتوی نہ کیا اور کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر پا کر حضرت حسین کے ساتھیوں کا مشورہ

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ نے محمد بن اشعث سے یہ عہد لیا تھا کہ ان کے حالات کی اطلاع حضرت حسین کو پہنچا کر ان کو راستہ سے واپس کر دیں۔ اور محمد بن اشعث نے وعدہ کے مطابق آدمی بھیج کر اس کی اطلاع کرائی۔ یہ خط اور پھر ان کے قتل کی اطلاع دوسرے ذرائع سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو مقام ثعلبیہ میں پہنچ کر ملی۔ یہ خبر سن کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بعض ساتھیوں نے بھی ان سے باصرار عرض کیا کہ خدا کے لئے اب آپ یہیں سے لوٹ جائیں۔ کیونکہ کوفہ میں آپ کا کوئی ساتھی و مددگار نہیں۔ بلکہ ہمیں قوی اندیشہ ہے کہ کوفہ کے یہی لوگ جنہوں نے دعوت دی تھی آپ کے مقابلہ پر آ جائیں گے۔

مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے عزیزوں کا جوش انتقام

مگر یہ بات سن کر بنو عقیل سب کھڑے ہو گئے۔ اور کہنے لگے واللہ ہم مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کا قصاص لیں گے۔ یا انہیں کی طرح اپنی جان دے دیں گے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی اب یہ تو سمجھ چکے تھے کہ کوفہ میں ان کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ اور نہ اس دینی مقصد کا اب کوئی امکان ہے جس کیلئے یہ آہنی عزم لیکر چلے تھے۔

لیکن بنو عقیل کے اس اصرار اور مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے تازہ صدمہ سے متاثر ہو کر فرمایا کہ اب ان کے بعد زندگی میں کوئی خیر نہیں۔ اور ساتھیوں میں سے بعض نے یہ بھی کہا کہ آپ مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ نہیں آپ کی شان کچھ اور ہے۔ ہمیں امید ہے کہ جب اہل کوفہ آپ کو دیکھیں گے تو آپ کے ساتھ ہو جائیں گے۔ یہاں تک کہ پھر آگے بڑھنا طے کر کے سفر کیا گیا اور مقام زبالہ پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔

راستے میں جس مقام پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا گزر ہوتا اور ان کا قصد معلوم ہوتا تھا ہر مقام سے کچھ لوگ ان کے ساتھ ہو جاتے تھے۔ یہاں بھی کچھ لوگ ساتھ ہو لئے۔

مقام زبالہ پر پہنچ کر یہ خبر ملی کہ آپ کے رضاعی بھائی عبداللہ ابن لقیط جن کو راستہ سے مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کی طرف بھیجا تھا وہ بھی قتل کر دیئے گئے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے اپنے ساتھیوں کو واپسی کی اجازت

یہ خبریں پانے کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو جمع کر کے فرمایا کہ اہل کوفہ نے ہمیں دھوکہ دیا اور ہمارے متبعین ہم سے پھر گئے۔ اب جس کا جی چاہے واپس ہو جائے۔ میں کسی کی ذمہ داری اپنے سر لینا نہیں چاہتا۔

اس اعلان کیساتھ راستہ سے ساتھ ہونیوالے بدوی لوگ سب داہنے بائیں چل دیئے۔ اور اب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ صرف وہی لوگ رہ گئے جو مکہ سے ان کے ساتھ آئے تھے۔

یہاں سے روانہ ہو کر مقام عقبہ پر پہنچے تو ایک عرب ملے اور کہا کہ میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ آپ لوٹ جائیں۔ آپ نیزوں بھالوں اور تلواروں کی طرف جا رہے ہیں۔

جن لوگوں نے آپ کو بلایا ہے اگر وہ خود اپنے دشمنوں سے نمٹتے اور ان کو اپنے شہر سے نکال کر آپ کو بلاتے تو وہاں جانا ایک صحیح رائے ہوتی۔ لیکن اس حال میں کسی طرح آپ کا جانا مناسب نہیں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو تم کہہ رہے ہو مجھ پر بھی پوشیدہ نہیں لیکن تقدیر الٰہی پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔

ابن زیاد کی طرف سے حر بن یزید ایک ہزار کا لشکر لے کر پہنچ گئے

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی چل رہے تھے۔ کہ دوپہر کے وقت دور سے کچھ چیزیں حرکت کرتی نظر آئیں غور کرنے پر معلوم ہوا کہ گھوڑے سوار فوج ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے ایک پہاڑی کے نزدیک پہنچ کر محاذ جنگ بنایا۔ حضرات محاذ کی تیاری میں مصروف ہی تھے کہ ایک ہزار گھوڑے سوار فوج حر بن یزید کی قیادت میں مقابلہ پر آ گئی۔ اور ان کے مقابلہ پر آ کر پڑاؤ ڈال دیا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ سب لوگ خوب پانی پی کر اور گھوڑوں کو پلا کر سیراب ہو جاؤ۔ حر بن یزید کو حصین بن نمیر نے ایک ہزار سواروں کی فوج دے کر قادسیہ سے بھیجا تھا۔ یہ اور اس کا لشکر آ کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقابل ٹھہر گئے۔ یہاں تک کہ ظہر کی نماز کا وقت آ گیا۔

دشمن کی فوج نے بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز ادا کی اور تقریر سنی

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے مؤذن کو اذان دینے کا حکم دیا اور سب نماز کے لئے جمع ہو گئے۔ تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فریق مقابل کو سنانے کے لئے ایک تقریر فرمائی۔ جس میں حمد و صلوٰۃ کے بعد فرمایا:

"اے لوگو! میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اور تمہارے سامنے یہ عذر رکھتا ہوں کہ میں نے اس وقت تک یہاں آنے کا ارادہ نہیں کیا جب تک تمہارے بے شمار خطوط اور وفود میرے پاس نہیں پہنچے۔ جن میں بیان کیا گیا تھا کہ اس وقت تک ہمارا کوئی امام اور امیر نہیں آپ آ جائیں تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہماری ہدایت کا ذریعہ بنا دیں۔

میں تمہارے بلانے پر آ گیا اب اگر تم اپنے وعدوں اور عہدوں پر قائم ہو تو میں تمہارے شہر کوفہ میں جاتا ہوں۔

اور اگر اب تمہاری رائے بدل گئی ہے اور میرا آنا تمہیں ناگوار ہے تو میں جہاں سے آیا تھا۔ وہیں واپس چلا جاتا ہوں۔

تقریر سن کر سب خاموش رہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے مؤذن کو اقامت کہنے کا حکم دیا اور حر بن یزید سے خطاب کر کے فرمایا تم اپنے لشکر کے ساتھ علیحدہ نماز پڑھو گے یا ہمارے ساتھ۔ حر نے کہا کہ نہیں آپ ہی نماز پڑھائیں۔ ہم سب آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے نماز ظہر پڑھائی اور پھر اپنی جگہ تشریف لے گئے۔ حر بن یزید اپنی جگہ چلے گئے۔ اس کے بعد نماز عصر کا وقت آیا تو پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی اور سب شریک جماعت ہوئے۔ عصر کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ایک خطبہ دیا۔

میدان جنگ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا دوسرا خطبہ

خطبے میں حمد و ثناء کے بعد فرمایا: ''اے لوگو! تم اللہ سے ڈرو۔ اور اہل حق کا حق پہچانو تو وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا سبب ہو گا۔ ہم اہل بیت اس خلافت کے لئے ان لوگوں سے زیادہ حقدار ہیں جو حق کے خلاف اس کا دعویٰ کرتے ہیں اور تم پر ظلم و جور کی حکومت کرتے ہیں۔ اور اگر تم ہمیں ناپسند کرتے ہو اور ہمارے حق سے جاہل ہو اور اب تمہاری رائے وہ نہیں رہی جو تمہارے خطوط میں لکھی تھی اور تمہارے قاصدوں نے مجھ تک پہنچائی تھی تو میں لوٹ جاتا ہوں۔ (کامل ابن اثیر ص ۱۹ ج ۴)

اس وقت حر بن یزید نے کہا کہ ہمیں ان خطوط اور وفود کی کچھ خبر نہیں کہ وہ کیا ہیں اور کس نے لکھے ہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے دو تھیلے خطوط سے بھرے ہوئے نکالے اور ان کو ان لوگوں کے سامنے انڈیل دیا۔ حر نے کہا کہ بہر حال ہم ان خطوط کے لکھنے والے نہیں ہیں اور ہمیں امیر کی طرف سے یہ حکم ملا ہے کہ ہم آپ کو اس وقت تک نہ چھوڑیں جب تک ابن زیاد کے پاس کوفہ نہ پہنچا دیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اس سے تو موت بہتر ہے۔

اس کے بعد حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ سوار ہو جائیں اور واپس لوٹ جائیں۔ مگر اب حر بن یزید نے اس ارادہ سے روکا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی زبان سے نکلا۔ ''تمہاری ماں تمہیں روئے تم کیا چاہتے ہو'' حر بن یزید نے کہا بخدا اگر تمہارے سوا کوئی دوسرا آدمی میری ماں کا نام لیتا تو میں اسے بتا دیتا اور اس کی ماں کا اسی طرح ذکر کرتا۔ لیکن تمہاری ماں کو برائی کے ساتھ ذکر کرنا کسی قدرت میں نہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اچھا بتاؤ تمہارا کیا ارادہ ہے۔ حر بن یزید نے کہا ارادہ یہ ہے کہ آپ کو ابن زیاد کے پاس پہنچا دوں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو پھر میں تمہارے ساتھ ہرگز نہ جاؤں گا۔ حر نے کہا تو پھر میں بخدا آپ کو نہ چھوڑوں گا۔ کچھ دیر تک یہی ردوکد ہوتی رہی۔

حر بن یزید کا اعتراف

پھر حر نے کہا مجھے آپ کے قتال کا حکم نہیں دیا گیا۔ بلکہ حکم یہ ہے کہ میں آپ سے اس وقت تک جدا نہ ہوں جب تک آپ کو کوفہ نہ پہنچا دوں۔ اس لئے آپ ایسا کر سکتے ہیں کہ کوئی ایسا راستہ اختیار کریں جو نہ کوفہ پہنچائے اور نہ مدینہ یہاں تک کہ میں ابن زیاد کو خط لکھوں اور آپ بھی یزید کو یا ابن زیاد کو لکھیں۔ شاید اللہ تعالیٰ میرے لئے کوئی ایسا مخلص

پیدا کردے کہ میں آپ کے مقابلہ اور آپ کی ایذا سے بچ جاؤں۔

اس لئے حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے عذیب اور قادسیہ کے راستے سے بائیں جانب چلنا شروع کر دیا اور حر مع اپنے لشکر کے ساتھ چلتا رہا۔ اسی اثناء میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے پھر ایک خطبہ دیا جس میں حمد وثناء کے بعد فرمایا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا تیسرا خطبہ

''اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی ایسے بادشاہ کو دیکھے جو اللہ کے حرام کو حلال سمجھے اور اللہ کے عہد کو توڑ دے، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے۔ اللہ کے بندوں کے ساتھ گناہ اور ظلم و عدوان کا معاملہ کرے۔ اور یہ شخص اس کے لئے ایسے افعال واعمال دیکھنے کے باوجود کسی قول یا فعل سے اس کی مخالفت نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے کہ اس کو بھی اس ظالم بادشاہ کے ساتھ اس کے مقام (یعنی دوزخ) میں پہنچادے۔

اور آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ یزید اور اس کے امراء وحکام نے شیطان کی پیروی کو اختیار کر رکھا ہے اور رحمان کی اطاعت کو چھوڑ بیٹھے ہیں اور زمین میں فساد پھیلا دیا ہے۔ حدود الٰہیہ کو معطل کر دیا ہے۔ اسلامی بیت المال کو اپنی ملکیت سمجھ لیا ہے اللہ کے حرام کو حلال کر ڈالا اور حلال کو حرام ٹھہرایا۔

اور میں دوسروں سے زیادہ حقدار ہوں اور میرے پاس تمہارے خطوط اور وفود تمہاری بیعت کا پیغام لیکر پہنچے ہیں اور یہ کہ تم میرا ساتھ نہ چھوڑو گے۔ اور میری جان کو اپنی جانوں کے برابر سمجھو گے۔ اب اگر تم اس بیعت پر قائم ہو تو ہدایت پاؤ گے۔ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر فاطمہ کا بیٹا ہوں۔ میری جان آپ لوگوں کی جانوں کے ساتھ اور میرے اہل وعیال آپ لوگوں کے اہل وعیال کے ساتھ۔ تم لوگوں کو میرا اتباع کرنا چاہیے۔

اور اگر تم ایسا نہیں کرتے بلکہ میری بیعت کو توڑتے ہو اور میرے عہد سے پھر جاتے ہو تو وہ تم لوگوں سے کچھ بعید نہیں۔ کیونکہ یہی کام تم میرے باپ علی رضی اللہ عنہ اور بھائی حسن رضی اللہ عنہ اور چچازاد بھائی مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے ساتھ کر چکے ہو۔ اور وہ آدمی بڑا فریب میں ہے۔ جو تمہارے عہد وپیمان سے دھوکہ کھائے۔ سو تم نے خود اپنا آخرت کا حصہ ضائع کر دیا اور اپنے حق میں ظلم کیا۔ اور جو شخص بیعت کر کے توڑتا ہے وہ اپنا نقصان کرتا ہے۔ اور قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے تم سے مستغنی فرمادیں۔ والسلام (کامل ابن اثیر)

خود ابن یزید نے خطبہ سن کر کہا کہ میں آپ کو اپنی جان کے بارے میں خدا کی قسم دیتا ہوں کیونکہ میں یقین کے ساتھ جانتا ہوں کہ اگر آپ قتال کریں گے تو قتل کئے جائیں گے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم مجھے موت سے ڈرانا چاہتے ہو۔ جو میں کہہ رہا ہوں اس پر توجہ نہیں دیتے۔ آپ کے جواب میں صرف وہی کہہ سکتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد کے لئے نکلنے والے ایک صحابی نے اپنے بھائی کی نصیحت کے جواب میں کہا تھا۔ بھائی نے اسے کہا کہ تم کہاں جاتے ہو۔ قتل کر دیئے جاؤ گے۔

تو صحابی نے جواب میں یہ شعر پڑھا۔

سأمضی و ما بالموت عار علی الفتی اذا مانوی خیرا و جاهد مسلما
فان عشت لم اندم وان مت لم الم کفی بک فلا ان تعیش و ترغما

''یعنی میں اپنے ارادہ کو پورا کروں گا اور موت میں کسی جوان کے لئے کوئی عار نہیں جبکہ اس کی نسبت خیر ہو۔اور مسلمان ہو کر جہاد کر رہا ہو۔ پھر اگر میں زندہ رہ گیا تو نادم نہ ہوں گا اور اگر مر گیا تو قابل ملامت نہ ہوں گا۔اور تمہارے لئے اس سے بڑی ذلت کیا ہے کہ ذلیل وخوار ہو کر زندہ رہو''۔

حر بن یزید کچھ تو پہلے سے اہل بیت کا احترام دل میں رکھتا تھا کچھ خطبوں سے متاثر ہو رہا تھا۔ یہ کلام سن کر ان سے علیحدہ ہو گیا اور ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

طرماح بن عدی کا معرکہ میں پہنچنا

اس حال میں چار آدمی کوفہ سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مددگار پہنچے جن کا سردار طرماح بن عدی تھا۔ حر بن یزید نے چاہا کہ انہیں گرفتار کرے یا واپس کر دے۔ مگر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ میرے مددگار اور رفیق ہیں ان کی ایسی ہی حفاظت کروں گا جیسی اپنی جان کی کرتا ہوں۔ حر بن یزید نے ان کو آنے کی اجازت دے دی۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں سے کوفہ کے حال دریافت کئے۔ انہوں نے بتلایا کہ کوفے کے جتنے سردار تھے۔ ان سب کو بڑی بڑی رشوتیں دے دی گئیں اور ان کے تھیلے بھر دیئے گئے۔ اب وہ سب آپ کے مخالف ہیں البتہ عوام کے قلوب آپ کے ساتھ ہیں۔ مگر اس کے باوجود جب مقابلہ ہوگا تو تلواریں ان کی بھی آپ کے مقابلہ پر آئیں گی۔

طرماح بن عدی کا مشورہ

طرماح بن عدی جب حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں آکر شامل ہوئے تو آپ نے عرض کیا کہ میں دیکھتا ہوں کہ آپ کے ساتھ تو کوئی قوت اور جماعت نہیں۔ اگر آپ کے قتال کے لئے حر بن یزید کے موجودہ لشکر کے سوا کوئی بھی نہ آئے تب بھی آپ ان پر غالب نہیں آسکتے۔ اور میں تو کوفہ سے نکلنے سے پہلے کوفہ کے سامنے آپ کے مقابلہ پر آنے والا اتنا بڑا لشکر دیکھ چکا ہوں جو اس سے پہلے کبھی میری آنکھ نے نہ دیکھا تھا۔ میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ ایک بالشت بھی ان کی طرف نہ بڑھیں۔ آپ میرے ساتھ چلیں آپ کو اپنے پہاڑ آجا میں ٹھہرا دوں گا۔ جو نہایت محفوظ قلعہ جیسا ہے۔ ہم نے ملوک، غسان اور ضمیر اور لقمان بن منذر کے مقابلے میں اسی پہاڑ میں پناہ لی۔ اور ہمیشہ کامیاب ہوئے۔ آپ یہاں جا کر مقیم ہو جائیں۔ پھر آجا اور سلمی دونوں پہاڑوں پر بسنے والے قبیلہ طے کے لوگوں کو بلائیں۔ بخدا دس دن نہ گزریں گے کہ اس قبیلہ کے لوگ پیادہ اور سوار آپ کی مدد کے لئے آجائیں گے۔ اس وقت اگر آپ کی رائے مقابلے ہی کی ہو تو میں آپ کے لئے بیس ہزار بہادر سپاہیوں کا ذمہ لیتا ہوں۔ جو آپ کے سامنے اپنی بہادری کے

جوہر دکھائیں گے۔اور جب تک ان میں سے کسی ایک کی آنکھ بھی کھلی رہے گی کسی کی مجال نہیں کہ آپ تک پہنچ سکے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کی قوم کو جزائے خیر عطاء فرمائے۔مگر ہمارے اور حر بن یزید کے درمیان ایک بات ہو چکی ہے۔اب ہم اس کے پابند ہیں۔اس کے ساتھ کہیں جا نہیں سکتے۔اور ہمیں کچھ پتہ نہیں کہ ہمارے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔طرماح بن عدی رخصت ہو گئے اور اپنے ساتھ سامان رسد لے کر دوبارہ آنے کا وعدہ کر گئے۔اور پھر آئے بھی مگر راستے میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی غلط خبر سن کو لوٹ گئے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا خواب

اس طرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ چلتے رہے اور نصر بنی مقاتل تک پہنچ گئے۔یہاں پہنچ کر آپ کو ذرا غنودگی ہوئی تو انا للہ و انا الیہ راجعون کہتے ہوئے بیدار ہوئے۔آپ کے صاحبزادے علی اکبر نے سنا تو گھبرا کر سامنے آئے اور پوچھا ابا جان کیا بات ہے۔آپ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی گھوڑ سوار میرے پاس آیا اور اس نے کہا کہ کچھ لوگ چل رہے ہیں اور ان کی موتیں ان کے ساتھ چل رہی ہیں۔اس سے میں سمجھا کہ یہ ہماری موت ہی کی خبر ہے۔

حضرت علی اکبر کا مومنانہ ثبات قدم

صاحبزادے نے عرض کیا ابا جان کیا ہم حق پر نہیں۔آپ نے فرمایا قسم ہے اسی ذات کی جس کی طرف سب بندگان خدا کا رجوع ہے کہ بلاشبہ ہم حق پر ہیں۔صاحبزادے نے عرض کیا پھر ہمیں کیا ڈر ہے۔جبکہ ہم حق پر مر رہے ہیں۔حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ان کو شاباش دی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم کو جزائے خیر عطاء فرمائے تم نے اپنے باپ کو صحیح حق ادا کیا۔

اسکے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ پھر روانہ ہوئے۔مقام نینوی تک پہنچے تو ایک سوار کوفہ کی طرف سے آتا ہوا نظر آیا۔یہ سب اس کی انتظار میں اتر گئے۔اس نے آکر حر بن یزید کو سلام کیا۔حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو سلام بھی نہ کیا۔اور حر کو ابن زیاد کا ایک خط پہنچایا جس میں لکھا تھا کہ:"جس وقت تمہیں میرا یہ خط ملے تو حسین رضی اللہ عنہ پہ میدان تنگ کر دو اور ان کو کھلے میدان کے سوا کسی پناہ کی جگہ میں نہ اترنے دو۔اور ایسے میدان کی طرف لے جاؤ جہاں پانی نہ ہو اور میں نے اپنے قاصد کو حکم دیا ہے کہ جب تک میرے اس حکم کی تعمیل نہ کر دو گے تمہارے ساتھ رہے گا۔"

یہ خط پڑھ کر حر نے اس کا مضمون حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو سنا دیا اور اپنی مجبوری ظاہر کی۔کہ اس وقت میرے سر پر جاسوس مسلط ہیں۔میں کوئی مصالحت نہیں کر سکتا۔

اصحاب حسین کا ارادۂ قتال اور حسین کا جواب کہ میں قتال میں پہل نہیں کروں گا

اسوقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے زبیر بن القین رضی اللہ عنہ نے عرض کیا آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہر آنے والی گھڑی مشکلات میں اضافہ کر رہی ہے اور ہمارے لئے موجودہ لشکر سے قتال کرنا آسان ہے بنسبت اس کے جو اس کے بعد آئے گا۔حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں قتال میں پہل نہیں کرنا چاہتا۔زبیر بن القین رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ

آپ قتال کی ابتداء نہ کریں۔ بلکہ ہمیں اس بستی میں لے جائیں جو حفاظت کی جگہ ہے اور دریائے فرات کے کنارے پر ہے۔ اس پر اگر یہ لوگ ہمیں وہاں جانے سے روکیں تو ہم قتال کریں۔ آپ نے پوچھا کہ یہ کونسی بستی ہے۔ کہا گیا کہ عقر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں عقر سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ عقر کے لفظی معنی ہلاکت کے ہیں۔

عمر بن سعد چار ہزار کا مزید لشکر لے کر مقابلے پر پہنچ گیا

ابھی یہ حضرات اسی گفتگو میں تھے کہ ابن زیاد نے عمر بن سعد کو مجبور کر کے چار ہزار فوج کے ساتھ مقابلے کے لئے بھیج دیا۔ عمر بن سعد نے ہر چند چاہا کہ اس کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلے کی مصیبت سے نجات مل جائے۔ مگر ابن زیاد نے کوئی بات نہ سنی اور ان کو مقابلہ کے لئے بھیج دیا۔ عمر بن سعد یہاں پہنچا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے کوفہ آنے کی وجہ پوچھی۔ آپ نے پورا قصہ بتلایا اور یہ کہ میں اہل کوفہ کا بلایا ہوا آیا ہوں۔ اگر اب بھی ان کی رائے بدل گئی ہے تو میں واپس جانے کے لئے تیار ہوں۔ عمر بن سعد نے ابن زیاد کو اس مضمون کا خط لکھا کہ حسین رضی اللہ عنہ واپس جانے کے لئے تیار ہیں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا پانی بند کر دینے کا حکم

ابن زیاد نے جواب دیا کہ حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے صرف ایک بات رکھو کہ یزید کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ جب وہ ایسا کریں تو پھر ہم غور کریں گے۔ کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے اور عمر کو حکم دیا کہ حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء پر پانی بالکل بند کر دو۔ یہ واقعہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت سے تین روز پہلے کا ہے۔ ان حضرات پر پانی بالکل بند کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ جب یہ سب حضرات پیاس سے پریشان ہو گئے تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی عباس بن علی رضی اللہ عنہ کو تیس سوار اور تیس پیادوں کے ساتھ پانی لانے کے لئے بھیج دیا۔ پانی لانے پر عمر بن سعد کی فوج سے مقابلہ بھی ہوا۔ مگر بالآخر بیس مشکیں پانی کی بھر لائے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور عمر بن سعد کی ملاقات کا مکالمہ

اس کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے عمر بن سعد کے پاس پیغام بھیجا کہ آج رات کو ہماری ملاقات اپنے اپنے لشکر کے ساتھ ہو جانی چاہیے۔ تا کہ ہم سب کے سامنے گفتگو کریں۔ عمر بن سعد اس پیغام کے مطابق رات کو ملے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ارشاد کہ تین باتوں میں سے کوئی ایک اختیار کر لو

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمارے بارے میں آپ تین صورتوں میں سے کوئی اختیار کر لو۔

1. میں جہاں سے آیا ہوں وہیں واپس چلا جاؤں۔
2. یا میں یزید کے پاس پہنچ جاؤں اور خود اس سے اپنا معاملہ طے کروں
3. یا مجھے مسلمانوں کی کسی سرحد پر پہنچا دو۔ جو حال وہاں کے عام لوگوں کا ہوگا میں اسی میں بسر کرونگا۔

بعض لوگوں نے آخری دوصورتوں کا انکار کیا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یہ دوصورتیں پیش نہیں فرمائیں۔
عمر بن سعد نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی یہ تقریر سن کر پھر ابن زیاد کو خط لکھا کہ اللہ تعالیٰ نے جنگ کی آگ بجھادی اور مسلمانوں کا کلمہ متفق کر دیا۔ مجھے حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے تین صورتوں کا اختیار دیا ہے اور ظاہر ہے ان میں آپ کا مقصد پورا ہوتا ہے اور امت کی اس میں صلاح وفلاح ہے۔

ابن زیاد کا ان شرطوں کو قبول کرنا اور شمر کی مخالفت

ابن زیاد بھی عمر بن سعد کے اس خط سے متاثر ہوا اور کہا کہ یہ خط ایک ایسے شخص کا ہے جو امیر کی اطاعت بھی چاہتا ہے اور اپنی قوم کی عافیت کا بھی خواہشمند ہے۔ ہم نے اس کو قبول کر لیا۔
شمر ذی الجوشن نے کہا کہ کیا آپ حسین رضی اللہ عنہ کو مہلت دینا چاہتے ہیں کہ قوت حاصل کر کے پھر تمہارے مقابلہ پر آئے۔ وہ اگر آج تمہارے ہاتھ سے نکل گئے تو پھر کبھی تم ان پر قابو نہ پاسکو گے۔ مجھے اس میں عمر بن سعد کی سازش معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ میں نے سنا ہے کہ وہ راتوں کو آپس میں باتیں کرتے ہیں ہاں آپ حسین رضی اللہ عنہ کو اس پر مجبور کریں کہ وہ آپ کے پاس آجائیں پھر آپ چاہیں سزادیں چاہیں معاف کریں۔ ابن زیاد نے شمر کی رائے قبول کر کے عمر بن سعد کو اسی مضمون کا خط لکھا اور خود شمر ذی الجوشن ہی کے ہاتھ عمر بن سعد کے پاس بھیجا اور یہ ہدایت کر دی کہ اگر عمر بن سعد اس حکم کی تعمیل فوراً نہ کریں تو اس کو قتل کر دیا جائے اور اس کی جگہ تم خود لشکر کے امیر ہو۔

ابن زیاد کا خط عمر بن سعد کے نام

''امابعد! میں نے تمہیں اس لئے نہیں بھیجا کہ تم جنگ سے بچو یا ان کو مہلت دو یا ان کی سفارش کرو۔ اگر حسین اور ان کے ساتھی میرے حکم پر صلح کرنا اور میرے پاس آنا چاہتے ہیں تو ان کو صحیح سالم یہاں پہنچا دو۔ ورنہ ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ ان کو قتل کرو۔ مثلہ کرو کیونکہ وہ اس کے مستحق ہیں اور پھر قتل کے بعد ان کو گھوڑوں کی ٹاپوں میں روند ڈالو۔ اگر تم نے ہمارے اس حکم کی تعمیل کی تو تم کو ایک فرمانبردار کی طرح انعام ملے گا اور اگر اس کی تعمیل نہیں کرتے تو ہمارے لشکر کو فوراً چھوڑ دو اور چارج شمر کے سپرد کر دو۔ والسلام
شمر یہ حکم اور یہ خط لیکر روانہ ہونے لگا تو اس کو خیال آیا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں اس کے پھوپھی زاد بھائی عباس جعفر عثمان بھی ہیں۔ ابن زیاد سے ان چاروں کے لئے امان حاصل کیا اور روانہ ہو گئے۔ شمر نے یہ پروانہ امان کسی قاصد کے ہاتھ ان چاروں بزرگوں کے پاس بھیج دیا۔ یہ پروانہ دیکھ کر یک زبان ہو کر بولے ''ہمیں امان دیا جاتا ہے۔ اور ابن رسول اللہ کو امن نہیں دیا جاتا ہمیں تمہارے امان کی حاجت نہیں۔ اللہ کا امان تمہارے امان سے بہتر ہے تجھ پر لعنت ہے اور تیرے امان پر بھی''
شمر یہ خط لیکر جب عمر بن سعد کے پاس پہنچا تو سمجھ گیا کہ شمر کے مشورے سے یہ صورت عمل میں آئی ہے۔ کہ میرا

مشورہ رد کر دیا گیا۔ اس کو کہا کہ تم نے بڑا ظلم کیا کہ مسلمانوں کا کلمہ متفق ہو رہا تھا اس کو ختم کر کے قتل وقتال کا بازار گرم کر دیا۔ بالآخر حسین رضی اللہ عنہ کو یہ پیغام پہنچایا گیا۔ آپ نے اس کو قبول کرنے سے انکار فرما دیا کہ اس ذلت سے موت بہتر ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنا

شمر ذی الجوشن اس محاذ پر محرم کی نویں تاریخ کو پہنچا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس وقت اپنے خیمے کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے اسی حالت میں کچھ اونگھ آ کر آنکھ بند ہوگئی اور پھر ایک آواز کے ساتھ بیدار ہو گئے۔ آپ کی ہمشیرہ زینب نے یہ آواز سنی تو دوڑی آئیں اور وجہ پوچھی فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے فرمایا کہ اب ہمارے پاس آنے والے ہو۔ ہمشیرہ یہ سن کر رو پڑیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے تسلی دی۔ اسی حالت میں شمر کا لشکر سامنے آ گیا۔ آپ کے بھائی عباس رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور حریف مقابل سے گفتگو ہوئی۔ اس نے بلا مہلت قتال کا اعلان سنایا۔ عباس رضی اللہ عنہ نے آ کر حسین رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ایک رات عبادت میں گزارنے کیلئے مہلت مانگی

حضرت حسین نے فرمایا کہ ان سے کہو کہ آج کی رات قتال ملتوی کر دو۔ تاکہ میں آج کی رات میں وصیت اور نماز ودعا اور استغفار کر سکوں۔ شمر اور عمر بن سعد نے اور لوگوں سے مشورہ کرنے کے بعد مہلت دے دی اور واپس ہو گئے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اہل بیت کے سامنے تقریر

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے اہل بیت اور اصحاب کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا جس میں فرمایا:

''میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں راحت میں بھی اور مصیبت میں بھی۔ یا اللہ میں آپ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آپ نے ہمیں شرافت نبوت سے نوازا۔ اور ہمیں کان، آنکھ، دل دیئے۔ جن سے ہم نے آپ کی آیات سمجھیں اور ہمیں آپ نے قرآن سکھایا اور دین کی سمجھ عطا فرمائی۔ ہمیں آپ اپنے شکر گزار بندوں میں داخل فرما لیجئے''۔

اس کے بعد فرمایا: ''میرے علم میں آج کسی شخص کے ساتھی ایسے وفا شعار نیکوکار نہیں ہیں جیسے میرے ساتھی اور نہ کسی کے اہل بیت میرے اہل بیت سے زیادہ ثابت قدم نظر آتے ہیں۔ آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ میری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ کل ہمارا آخری دن ہے۔ میں آپ سب کو خوشی سے اجازت دیتا ہوں کہ سب اس رات کی تاریکی میں متفرق ہو جاؤ اور جہاں پناہ ملے چلے جاؤ۔ اور میرے اہل بیت میں سے ایک ایک کا ہاتھ پکڑ و اور مختلف علاقوں میں پھیل جاؤ۔ کیونکہ دشمن میرا طلب گار ہے۔ وہ مجھے پائے گا تو دوسروں کی طرف التفات نہ کرے گا''۔

یہ تقریر سن کر آپ کے بھائی اور اولاد اور آپ کے بھائیوں کی اولاد اور عبداللہ بن جعفر کے صاحبزادے یک زبان ہو کر بولے کہ واللہ ہم ہرگز ایسا نہیں کریں گے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ آپ کے بعد باقی نہ رکھے۔

پھر بنو عقیل کو خطاب کر کے فرمایا کہ تمہارے ایک بزرگ مسلم بن عقیل شہید ہو چکے ہیں۔ وہی کافی ہیں۔ تم سب واپس ہو جاؤ۔ میں تمہیں خوشی سے اجازت دیتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ ہم لوگوں کو کیا منہ دکھلائیں گے کہ اپنے بزرگوں اور بڑوں کو موت کے سامنے چھوڑ کر اپنی جان بچالائے۔ بلکہ واللہ ہم اپنی جانیں اور اولاد و اموال قربان کر دیں گے۔

مسلم بن عوسجہ نے اسی طرح کی ایک جوشیلی تقریر کی کہ جب تک میرے دم میں دم ہے میں آپ کے سامنے قتال کرتا ہوا جان دے دوں گا۔

آپ کی ہمشیرہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بے قرار ہو کر رونے لگیں تو آپ نے تسلی دی۔ اور یہ وصیت فرمائی۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اپنی ہمشیرہ اور اہل بیت کو وصیت

''میری بہن میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ میری شہادت پر تم کپڑے پھاڑنا اور سینہ کوبی وغیرہ ہرگز نہ کرنا۔ آواز سے رونے چلانے سے بچنا'' یہ وصیت فرما کر باہر آگئے اور اپنے اصحاب کو جمع کر کے تمام شب تہجد اور دعا و استغفار میں مشغول رہے۔ یہ عاشوراء کی رات تھی۔ صبح کو یوم عاشوراء اور روز جمعہ اور ایک روایت کے مطابق شنبہ۔ صبح نماز سے فارغ ہوتے ہی عمر بن سعد لشکر لے کر سامنے آ گیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس وقت کل بہتر اصحاب تھے۔ تیئس سوار اور چالیس پیادہ۔ آپ نے بھی مقابلہ کے لئے اپنے اصحاب کی صف بندی فرمائی۔

حر بن یزید حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ

عمر بن سعد نے اپنے لشکر کو چار حصوں پر تقسیم کر کے ہر ایک حصہ کا ایک امیر بنایا تھا۔ ان میں سے ایک حصہ کا امیر حر بن یزید تھا۔ جو سب سے پہلے ایک ہزار کا لشکر لے کر مقابلہ کے لئے بھیجا گیا تھا۔ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ اس کے دل میں اہل بیت اطہار کی محبت کا جذبہ بھی بیدار ہو چکا تھا۔ اس وقت اپنی سابقہ کارروائی پر نادم ہو کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قریب ہوتے ہوئے یکبارگی گھوڑا دوڑا کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لشکر میں آملے اور عرض کیا کہ میری ابتدائی غفلت اور آپ کو واپسی کے لئے راستہ نہ دینے کا نتیجہ اس صورت میں ظاہر ہوا جو ہم دیکھ رہے ہیں۔ واللہ مجھے یہ اندازہ نہ تھا کہ یہ لوگ آپ کے خلاف اس حد تک پہنچ جائیں گے۔ اور آپ کی بات نہ مانیں گے۔ اگر میں یہ جانتا تو ہرگز آپ کو نہ روکتا۔ اب تائب ہو کر آیا ہوں۔ اس لئے اب میری سزا تو یہی ہے کہ میں آپ کے ساتھ قتال کرتا ہوا جان دے دوں اور ایسا ہی ہوا۔

دونوں لشکروں کا مقابلہ، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا لشکر کو خطاب

حضرت حسین رضی اللہ عنہ گھوڑے پر سوار ہوئے اور آگے بڑھ کر بآواز بلند فرمایا:

''لوگو! میری بات سنو جلدی نہ کرو۔ تاکہ میں حق نصیحت ادا کر دوں۔ جو میرے ذمہ ہے۔ اور تاکہ میں تمہیں اپنے یہاں آنے کی وجہ بتلا دوں۔ پھر اگر تم میرا عذر قبول کرو اور میری بات کو سچا جانو اور میرے ساتھ انصاف کرو تو اس

میں تمہاری فلاح وسعادت ہے۔ اور پھر تمہارے لئے میرے قتال کا کوئی راستہ نہیں۔ اور اگر تم میرا عذر قبول نہ کرو تو تم سب مل کر مقرر کرو اپنا کام اور جمع کرلو اپنے شریکوں کو پھر نہ رہے تم کو اپنے کام میں شبہ پھر کر گزرو میرے ساتھ اور مجھ کو مہلت نہ دو۔ (یہ وہ الفاظ ہیں جو نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو کہے تھے۔ مترجم)

بہنوں کی گریہ وزاری اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا اس سے روکنا

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ بہنوں اور عورتوں کے کانوں میں پڑے تو ضبط نہ کرسکیں۔ رونے کی آوازیں بلند ہوگئیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی عباس رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ ان کو نصیحت کرکے خاموش کردیں اور اس وقت فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما پر رحم فرمائے انہوں نے صحیح کہا تھا کہ عورتوں کو ساتھ نہ لے جاؤ۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا دردانگیز خطبہ

حضرت حسین رضی اللہ عنہ جب دشمن کی فوج کو مخاطب کرکے متوجہ کرچکے اور عورتوں کو خاموش کردیا تو ایک درد انگیز ونصیحت آمیز بلیغ وبے نظیر خطبہ دیا۔

حمد وثناء اور درود وسلام کے بعد فرمایا: ''اے لوگو! تم میرا نسب دیکھو میں کون ہوں۔ پھر اپنے دلوں میں غور کرو کیا تمہارے لئے جائز ہے کہ تم مجھے قتل کرو۔ اور میری عزت پر ہاتھ ڈالو۔ کیا میں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی رضی اللہ عنہا کا بیٹا نہیں ہوں۔ کیا میں اس باپ کا بیٹا نہیں ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچازاد بھائی وصی اولیٰ المؤمنین باللہ تھا۔ کیا سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ میرے باپ کے چچا نہیں۔ کیا جعفر طیار رضی اللہ عنہ میرے چچا نہیں تھے۔ کیا تمہیں یہ حدیث مشہور نہیں پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور میرے بھائی حسن رضی اللہ عنہ کو سید اشباب اہل الجنۃ اور قرۃ عین اہل السنۃ فرمایا ہے۔ اگر تم میری بات کی تصدیق کرتے ہو اور واللہ میری بات بالکل حق ہے میں نے عمر بھر کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ جب سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔ اور اگر تمہیں میری بات کا یقین نہیں تو تمہارے اندر ایسے لوگ موجود ہیں جن سے اس کی تصدیق ہوسکتی ہے۔ پوچھو جابر بن عبداللہ سے دریافت کرو ابوسعید یا سہل بن سعد سے معلوم کرو زید بن ارقم یا انس سے وہ تمہیں بتلائیں گے کہ بیشک انہوں نے یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے۔ کیا یہ چیزیں تمہارے لئے میرا خون بہانے سے روکنے کو کافی نہیں۔ مجھے بتلاؤ کہ میں نے کسی کو قتل کیا ہے کہ جس کے قصاص میں مجھے قتل کررہے ہو۔ یا میں نے کسی کا مال لوٹا ہے یا کسی کو زخم لگایا ہے''۔

اس کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے رؤساء کوفہ کا نام لیکر پکارا۔ اے شیث بن ربعی اے حجاز بن الجراء اے قیس ابن اشعث اے زید بن حارث کیا تم لوگوں نے مجھے بلانے کے لئے خطوط نہیں لکھے۔ یہ سب لوگ مکر گئے کہ ہم نے نہیں لکھے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے پاس تمہارے خطوط موجود ہیں''۔ اس کے بعد فرمایا: ''اے لوگو! اگر تم میرا آنا پسند نہیں کرتے تو مجھے چھوڑ دو میں کسی ایسی زمین میں چلا جاؤں گا جہاں مجھے امن ملے''۔

قیس بن اشعث نے کہا کہ آپ اپنے چچازاد بھائی ابن زیاد کے حکم پر کیوں نہیں اتر آتے۔ وہ پھر آپ کے بھائی ہیں آپ کے ساتھ برا سلوک نہ کریں گے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد بھی تمہاری یہی رائے ہے۔ واللہ میں اس کو کبھی قبول نہ کروں گا۔ یہ فرما کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ گھوڑے سے اتر آئے۔

اس کے بعد زبیر بن القین رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور ان لوگوں کو نصیحت کی۔ کہ آل رسول کے خون سے باز آ جائیں۔ اور بتلایا کہ اگر تم اپنی اس حرکت سے باز نہ آئے اور ابن زیاد کا ساتھ دیا تو خوب سمجھ لو کہ تم کو بھی ابن زیاد سے کوئی فلاح نہ پہنچے گی۔ وہ تم کو بھی قتل و غارت کرے گا۔ ان لوگوں نے زبیر رضی اللہ عنہ برا بھلا کہا اور ابن زیاد کی تعریف کی اور کہا کہ ہم تم سب کو قتل کر کے ابن زیاد کے پاس بھیجیں گے۔

زبیر رضی اللہ عنہ نے پھر کہا کہ ظالمو! اب بھی ہوش میں آؤ۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بیٹا سمیہ کے بیٹے (ابن زیاد) سے زیادہ محبت و اکرام کا مستحق ہے۔ اگر تم ان کی امداد نہیں کرتے تو ان کو اور ان کے چچازاد بھائی یزید کو چھوڑ دو کہ وہ آپس میں نبٹ لیں۔ بخدا یزید بن معاویہ تم سے اس پر ناراض نہ ہوگا۔

جب گفتگو طویل ہونے لگی تو شمر نے پہلا تیر ان پر چلا دیا اس کے بعد حر بن زید رضی اللہ عنہ جواب تائب ہو کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل ہو گئے تھے آگے بڑھے اور لوگوں کو خطاب کیا: "اے اہل کوفہ تم ہلاک و برباد ہو جاؤ۔ کیا تم نے ان کو اس لئے بلایا تھا کہ وہ آ جائیں تو تم ان کو قتل کر دو۔ تم نے کہا تھا کہ ہم اپنی مال و جان آپ پر قربان کریں گے۔ اور اب تم ہی ان کے قتل کے درپے ہو۔ ان کو اس کی بھی اجازت نہیں دیتے۔ کہ خدا کی طویل و عریض زمین میں کہیں چلے جائیں جہاں ان کو اور اہل بیت کو امن ملے۔ ان کو تم نے قیدیوں کی مثل بنا لیا ہے۔ اور دریائے فرات کا جاری پانی ان پر بند کر دیا ہے۔ جس کو یہودی نصرانی، مجوسی سب پیتے ہیں۔ اور جس میں اس علاقے کے خنزیر لوٹتے ہیں۔ حسین رضی اللہ عنہ اور انکے اہل بیت پیاس سے بے ہوش ہو رہے ہیں۔ تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان سے ان کی اولاد کے بارے میں نہایت شرمناک سلوک کیا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز تم کو پیاسا رکھے۔ اگر توبہ نہ کرو اور اپنی حرکت سے باز نہ آؤ۔

اب حر بن یزید پر بھی تیر پھینکے گئے۔ وہ واپس آ گئے اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے آگے کھڑے ہو گئے۔ اور اس کے بعد تیراندازی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ پھر گھمسان کی جنگ ہوئی۔ فریق مخالف کے بھی کافی آدمی مارے گئے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے رفقاء بھی بعض شہید ہوئے۔ حر بن یزید نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو کر شدید قتال کیا۔ بہت سے دشمنوں کو قتل کیا۔ مسلم بن عوسجہ رضی اللہ عنہ زخمی ہو کر گر پڑے۔

حبیب بن مظہر رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور کہا کہ جنت کی خوشخبری تمہارے لئے ہے۔ اگر میں یہ جانتا کہ میں بھی تمہارے پیچھے شہید ہونے والا ہوں تو میں تم سے تمہاری وصیت دریافت کرتا۔ انہوں نے کہا ہاں میں ایک وصیت کرتا ہوں اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ جب تک زندہ ہو ان کی حفاظت کرنا۔

اس کے بعد شقی و بد بخت شمر نے چاروں طرف سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء پر ہلہ بول دیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے رفقاء نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا کوفہ کے لشکر پر جس طرف حملہ کرتے تھے۔ میدان صاف ہو جاتا تھا۔ جب عروہ بن قیس نے یہ حالت دیکھی تو عمر بن سعید سے مزید کمک طلب کی۔ اور شیث بن ربعی سے کہا کہ تم کیوں آگے نہیں بڑھتے اس وقت شیث سے رہا نہ گیا اور کہا کہ تم سب گمراہ ہو۔ ابن علی رضی اللہ عنہ جو اس وقت روئے زمین پر سب سے بہتر ہیں ان سے قتال کرتے ہو۔ اور سمیہ زانیہ کے لڑکے ابن زیاد کا ساتھ دیتے ہو۔ عمرو بن سعد نے جو کمک اور تازہ دم سپاہی بھیجے یہ آ کر مقابلہ پر ڈٹ گئے۔ اصحاب حسین رضی اللہ عنہ نے بھی نہایت بہادری سے مقابلہ کیا اور گھوڑے چھوڑ کر میدان میں پیادہ آ گئے۔ اس وقت حر بن یزید نے سخت قتال کیا۔ اب دشمنوں نے خیموں میں آگ لگانا شروع کی۔

گھمسان کی جنگ میں نماز ظہر کا وقت

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اکثر رفقاء شہید ہو چکے تھے۔ اور دشمن کے دستے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قریب پہنچ چکے تھے۔ ابوثمامہ صائدی نے عرض کیا کہ میری جان آپ پر قربان ہو میں چاہتا ہوں کہ آپ کے سامنے قتل کیا جاؤں۔ لیکن دل یہ چاہتا ہے کہ ظہر کا وقت ہو چکا ہے یہ نماز ادا کر کے پروردگار کے سامنے جاؤں۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے با آواز بلند فرمایا کہ جنگ ملتوی کر دو یہاں تک کہ ہم نماز پڑھ لیں۔ ایسی گھمسان جنگ میں کون سنتا۔ طرفین سے قتل و قتال جاری تھا۔ اور ابوثمامہ رضی اللہ عنہ اسی حالت میں شہید ہو گئے۔ اس کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے چند اصحاب کے ساتھ نماز ظہر صلوٰۃ الخوف کے مطابق ادا فرمائی۔ نماز کے بعد پھر قتال شروع ہوا۔ اب یہ لوگ حضرت حسین رضی اللہ عنہ تک پہنچ چکے تھے۔ حنفی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔ سب تیر اپنے بدن پر کھاتے رہے۔ یہاں تک کہ زخموں سے چور ہو کر گر گئے۔ اس وقت زبیر بن القین رضی اللہ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مدافعت میں سخت قتال کیا۔ یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو گئے۔ اس وقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس بجز چند رفیقوں کے کوئی نہ رہا تھا۔ اور یہ رفقاء بھی دیکھ رہے تھے کہ ہم نہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بچا سکتے ہیں نہ خود بچ سکتے ہیں تو اب ان میں سے ہر شخص کی یہ خواہش تھی کہ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سامنے پہلے شہید ہو جاؤں اس لئے ہر شخص نہایت شدت و شجاعت سے مقابلہ کر رہا تھا۔ اس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بڑے صاحبزادے حضرت علی اکبرؓ یہ شعر پڑھتے ہوئے آگے بڑھے۔

انا ابن علی بن الحسین بن علی نحن و رب البیت اولی بالنبی

یعنی میں حسین بن علی رضی اللہ عنہما کا بیٹا ہوں قسم ہے رب البیت کی کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہیں۔ کم بخت مرہ ابن منقذ نے ان کو نیزہ مار کر گرا دیا۔ پھر کچھ اور شقی آگے بڑھے اور لاش کے ٹکڑے کر دیئے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سامنے آئے اور کہا خدا تعالیٰ اس قوم کو برباد کرے جس نے تجھ کو قتل کیا ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کیسے بے وقوف ہیں۔ تیرے بعد اب زندگی پر خاک ہے۔ ان کی لاش اٹھا کر خیمے کے پاس لائی گئی۔ عمر بن سعد

نے قاسم بن حسن رضی اللہ عنہ کے سر پر تلوار ماری وہ گرے اور ان کے منہ سے نکلا یا عماہ۔ تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے دوڑ کر ان کو سنبھالا اور عمر پر تلوار سے حملہ کیا۔ کہنی سے اس کا ہاتھ کٹ گیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے بھتیجے قاسم رضی اللہ عنہ کی لاش کو اپنے کاندھے پر اٹھا کر لائے اور اپنے بیٹے اور دوسرے اہل بیت کے برابر لٹا دیا۔

اب حضرت حسین رضی اللہ عنہ تقریباً تنہا بے یارومددگار رہ گئے۔ لیکن ان کی طرف بڑھنے کی کسی کو ہمت نہیں ہوئی۔ اس طرح بہت دیر تک یہی کیفیت رہی کہ جو شخص آپ کی طرف بڑھتا اسی طرح لوٹ جاتا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل اور اس کے گناہ کو اپنے سر لینا نہ چاہتا تھا۔ یہاں تک کہ قبیلہ کندہ کا ایک شقی القلب مالک بن نسیر آگے بڑھا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر پر تلوار سے حملہ کیا۔ آپ شدید زخمی ہو گئے۔ اپنے چھوٹے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ بلایا اور اپنی گود میں بٹھالیا۔ بنی اسد کے ایک بدنصیب نے ان کو بھی تیر مار کر ہلاک کر دیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اس معصوم بچہ کا خون لیکر زمین پر بکھیر دیا اور دعا کی یا اللہ تو ہی ان ظالموں سے ہمارا انتقام لے۔ اس وقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی پیاس حد کو پہنچ چکی تھی۔ آپ پانی پینے کیلئے دریائے فرات کے قریب تشریف لے گئے۔ ظالم حصین بن نمیر نے آپ کے منہ پر نشانہ کر کے تیر پھینکا جو آپ کو لگا اور دہن مبارک سے خون جاری ہوا گیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت

اس کے بعد شمر دس آدمی ساتھ لیکر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ شدید پیاس اور اپنے زخموں کے باوجود ان کا دلیرانہ مقابلہ کر رہے تھے۔ اور جس طرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ بڑھتے، یہ بھاگتے نظر آتے تھے۔ اہل تاریخ نے کہا کہ یہ ایک بے نظیر واقعہ ہے کہ جس شخص کی اولاد اور اہل بیت قتل کر دیئے گئے ہیں اس کو خود شدید زخم لگے ہوں اور وہ پانی کے ایک ایک قطرے سے محروم ہو اور وہ اس وقت ثبات قدمی سے مقابلہ کر رہا ہے کہ جس طرف رخ کرتا ہے مسلح سپاہی بھیڑ بکریوں کی طرح بھاگنے لگتے ہیں۔ شمر نے جب یہ دیکھا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کرنے سے ہر شخص بچنا چاہتا ہے تو آواز دی کہ سب یکبارگی حملہ کرو۔ اس پر بہت سے بدنصیب آگے بڑھے۔ نیزوں اور تلواروں سے یکبارگی حملہ کیا اور یہ ابن رسول اللہ خیر خلق اللہ فی الارض ظالموں کا دلیرانہ مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

شمر نے خولی بن یزید سے کہا کہ ان کا سر کاٹ لو وہ آگے بڑھا مگر ہاتھ کانپ گئے۔ پھر شقی بدبخت سنان بن انس نے یہ کام انجام دیا۔ آپ کی لاش کو دیکھا تو تینتیس زخم نیزوں کے اور چونتیس زخم تلواروں کے ان کے علاوہ فرضی اللہ عنھم و ارضاہ ورزقنا حبہ وحب من والدہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور عام اہل بیت کے قتل سے فارغ ہو کر یہ ظالم علی اصغر حضرت زین العابدین کی طرف متوجہ ہوئے شمر نے ان کو بھی قتل کرنا چاہا۔ حمید بن مسلم نے کہا کہ سبحان اللہ تم بچہ کو قتل کرتے ہو اور جب کہ وہ مریض بھی ہے۔ شمر نے چھوڑ دیا۔ عمر بن سعد آگے آئے اور کہا کہ ان عورتوں کے خیمہ کے پاس کوئی نہ جائے اور اس مریض بچہ سے کوئی تعرض نہ کرے۔

لاش کو روندا گیا

ابن زیاد شقی کا حکم تھا کہ قتل کے بعد لاش کو گھوڑوں کی ٹاپوں میں روندا جائے عمر بن سعد نے چند سواروں کو حکم دیا انہوں نے یہ بھی کر ڈالا: اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

مقتولین اور شہداء کی تعداد

جنگ کے خاتمہ پر مقتولین کی شمار کی گئی تو حضرت حسین کے اصحاب میں بہتر حضرات شہید ہوئے اور عمر بن سعد کے لشکر کے اٹھاسی سپاہی مارے گئے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کو اہل غاضریہ نے ایک روز بعد دفن کیا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کے سر ابن زیاد کے دربار میں

خولی بن یزید اور حمید بن مسلم ان حضرات کے سر کو لیکر کوفہ روانہ ہوئے۔ اور ابن زیاد کے سامنے پیش کئے۔ ابن زیاد نے لوگوں کو جمع کر کے سب سروں کو سامنے رکھا۔ اور ایک چھڑی سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے دہن مبارک کو چھونے لگا۔ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے نہ رہا گیا اور بول اٹھے کہ چھڑی ان متبرک ہونٹوں کے اوپر سے ہٹالیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ ان ہونٹوں کو بوسہ دیتے تھے۔ یہ کہہ کر رو پڑے۔ ابن زیاد نے کہا کہ اگر تم سن رسیدہ بوڑھے نہ ہوتے تو میں تمہاری بھی گردن ماردیتا۔ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہوئے باہر آ گئے۔ کہ اے قوم عرب تم نے سیدۃ النساء فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے کو قتل کر دیا۔ اور مرجانہ کے بیٹے کو اپنا امیر بنالیا۔ وہ تمہارے اچھے لوگوں کو قتل کرے گا۔ اور شریروں کو غلام بنائے گا تمہیں کیا ہوا کہ اس ذلت پر راضی ہو گئے۔

بقیہ اہلِ بیت کو کوفہ میں......اور......ابن زیاد سے مکالمہ

عمر ابن سعد دو روز کے بعد بقیہ اہل بیت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی بیٹیوں اور بہنوں اور بچوں کو ساتھ لے کر کوفہ کے لئے نکلے تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں عورتوں بچوں کے سامنے یہ منظر آیا تو کہرام مچ گیا اور گویا زمین و آسمان رونے لگے۔ عمر بن سعد نے ان سب اہل بیت کو ابن زیاد کے سامنے پیش کیا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ زینب رضی اللہ عنہا بہت میلے اور خراب کپڑے پہن کر پہنچیں اور ان کی باندیاں ان کے گرد تھیں اور ایک طرف جا کر خاموش بیٹھ گئیں۔ ابن زیاد نے پوچھا یہ علیحدہ بیٹھنے والی کون ہے۔ زینب رضی اللہ عنہا نے کوئی جواب نہ دیا۔ کئی مرتبہ اسی طرح دریافت کیا۔ مگر زینب رضی اللہ عنہا خاموش رہیں جب کسی لونڈی نے کہا کہ یہ زینب بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ ابن زیاد بولا شکر ہے اللہ کا جس نے تمہیں رسوا کیا اور قتل کیا اور تمہاری بات کو جھوٹا کیا اس پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کڑک کر بولیں شکر ہے اللہ کا جس نے ہمیں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے شرف بخشا اور قرآن ہمارے پاک کرنے کو بیان کیا۔ رسوا وہ ہوتا ہے جو اللہ کی نافرمانی کرے۔

ابن زیاد نے غصہ میں آ کر کہا کہ اللہ نے مجھے تمہارے غیظ سے شفا دی۔ اور تمہارے سرکش کو ہلاک کیا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا دل بھر آیا۔ رونے لگیں اور کہا کہ تو نے ہمارے سب چھوٹوں بڑوں کو قتل کر دیا۔ اگر یہی تیری شفا ہے تو شفا سمجھ لے۔ اس کے بعد ابن زیاد علی اصغر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوا۔ ان کا نام پوچھا بتلایا کہ علی نام ہے۔ اس نے کہا وہ تو قتل کر دیا گیا۔ علی اصغر رضی اللہ عنہ نے بتلایا کہ وہ میرے بڑے بھائی تھے۔ ان کا نام بھی علی تھا۔ ابن زیاد نے ان کو بھی قتل کرنے کا ارادہ کیا تو علی اصغر رضی اللہ عنہ نے کہا میرے بعد ان عورتوں کا کون کفیل ہوگا۔ ادھر حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کی پھوپھی ان کو لپٹ گئیں اور کہنے لگیں۔ کہ اے ابن زیاد! کیا ابھی تک ہمارے خون سے تیری پیاس نہیں بجھی۔ میں تجھے خدا کی قسم دیتی ہوں اگر ان کو قتل کرے تو ہم کو بھی ان کے ساتھ قتل کر دے۔

علی اصغر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے ابن زیاد! اگر تیرے اور ان عورتوں کے درمیان کوئی قرابت ہے تو ان کے ساتھ کسی صالح متقی مسلمان کو بھیجنا۔ جو اسلام کی تعلیم کے مطابق ان کی رفاقت کرے۔ یہ سن کر ابن زیاد نے کہا۔ اچھا اس لڑکے کو چھوڑ دو کہ خود اپنی عورتوں کے ساتھ جائے۔ اس کے ابن زیاد نے ایک نماز کے بعد خطبہ دیا جس میں حسین رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ پر سب و شتم کیا۔ مجمع میں عبداللہ بن عفیف ازدی بھی تھے۔ کھڑے ہو گئے جو نابینا تھے اور ہمہ وقت مسجد میں رہتے تھے۔ کہا اے ابن زیاد تو کذاب بن کذاب ہے۔ تم انبیاء کی اولاد کو قتل کرتے ہو اور صدیقین کی سی باتیں بناتے ہو۔ ابن زیاد نے ان کو گرفتار کرنا چاہا تو ان کے قبیلہ کے لوگ چھڑانے کے لئے کھڑے ہو گئے اس لئے چھوڑ دیئے گئے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کو کوفہ کے بازاروں میں پھرایا گیا پھر یزید کے پاس شام بھیجا گیا

ابن زیاد کی شقاوت نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ حکم دیا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر کو ایک لکڑی پر رکھ کر کوفہ کے بازاروں اور گلی کوچوں میں گھمایا جائے کہ سب لوگ دیکھ لیں۔ اس کے بعد اس کو اور دوسرے اصحاب کے سروں کو یزید کے پاس ملک شام بھیج دیا۔ اور اسی کے ساتھ عورتوں بچوں کو بھی روانہ کیا۔ یہ لوگ شام پہنچے تو انعام کے شوق میں حر بن قیس جوان کو لیکر گیا تھا فوراً یزید کے پاس پہنچا۔ یزید نے پوچھا کیا خبر ہے۔ اس نے میدان کربلا کے معرکہ کی تفصیل بتلا کر کہا کہ امیر المومنین کو بشارت ہو کہ مکمل فتح حاصل ہوئی۔ یہ سب مارے گئے اور ان کے سر عورتیں اور بچے حاضر ہیں۔

یہ حال سن کر یزید کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور کہا کہ میں تم سے اتنی ہی اطاعت چاہتا تھا کہ بغیر قتل کے گرفتار کر لو۔ اللہ تعالیٰ ابن سمیہ پر لعنت کرے۔ اس نے ان کو قتل کرا دیا۔ خدا کی قسم اگر میں وہاں ہوتا تو میں معاف کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ حسین رضی اللہ عنہ پر رحم فرماوے یہ کہا اور اس شخص کو کوئی انعام نہیں دیا۔ سر مبارک جس وقت یزید کے سامنے رکھا گیا تو یزید کے ہاتھ میں چھڑی تھی۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے دانتوں پر چھڑی لگا کر حصین بن ہمام کے یہ اشعار پڑھے

الی قومنا ان ینصفونا فانصفت خواصب فی ایماننا تقطر الدما

یخرقن ھا ما من رجال اعزۃ علینا ولھم کانوا اعق و اظلما

''یعنی ہماری قوم نے ہمارے لئے انصاف نہ کیا تو ہماری خون چکاں تلواروں نے انصاف کیا۔ جنہوں نے ایسے مردوں کے سر پھاڑ دیئے جو ہم پر سخت تھے۔ اور وہ تعلقات قطع کرنے والے ظالم تھے''۔

ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ موجود تھے۔ آپ نے کہا اے یزید تو اپنی چھڑی حسین رضی اللہ عنہ کے دانتوں پر لگاتا ہے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ ان کو بوسہ دیتے تھے۔ اے یزید قیامت کے روز تو آئے گا۔ تو تیری شفاعت ابن زیاد ہی کرے گا۔ اور حسین رضی اللہ عنہ آئیں گے تو ان کے شفیع محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔ یہ کہہ کر ابو برزہ رضی اللہ عنہ مجلس سے نکل گئے۔

یزید کے گھر میں ماتم

جب یزید کی بیوی ہندہ بنت عبداللہ نے یہ خبر سنی کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ قتل کر دیئے گئے اور ان کا سر لایا گیا ہے اور کپڑا اوڑھ کر باہر نکل آئیں اور کہنے لگیں امیر المؤمنین کیا ابن بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ خدا ابن زیاد کو ہلاک کرے اس نے جلدی کی اور قتل کر ڈالا۔ ہندہ سن کر رو پڑی۔

یزید نے کہا کہ حسین رضی اللہ عنہ نے یہ کہا تھا کہ میرا باپ یزید کے باپ سے اور میری ماں یزید کی ماں سے اور میرے دادا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید کے دادا سے بہتر ہیں۔ ان میں پہلی بات کہ میرا باپ بہتر ہے یا ان کا اس کا فیصلہ تو اللہ تعالیٰ کرے گا۔ وہ دونوں وہاں پہنچ چکے ہیں اللہ ہی جانتا ہے کہ اس نے کس کے حق میں فیصلہ کیا ہے۔

اور دوسری بات کہ ان کی والدہ میری ماں سے بہتر ہیں تو میں قسم کھاتا ہوں کہ بے شک صحیح ہے ان کی والدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا میری والدہ سے بہتر ہیں۔ رہی تیسری بات کہ ان کے دادا میرے دادا سے بہتر ہیں سو یہ ایسی بات ہے کہ کوئی مسلمان جس کا اللہ اور یوم آخرت پر ایمان ہے اس کے خلاف نہیں کہہ سکتا۔ ان کی یہ سب باتیں صحیح و درست تھیں مگر جو آفت آئی وہ ان کی سمجھ کی وجہ سے آئی۔ انہوں نے اس آیت پر غور نہیں کیا

قُلِ اللّٰھُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَاءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَاءُ

اس کے بعد عورتیں، بچے یزید کے سامنے لائے گئے۔ اور سر مبارک اس مجلس میں رکھا ہوا تھا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی دونوں صاحبزادیاں فاطمہ رضی اللہ عنہا اور سکینہ رضی اللہ عنہا پنجوں کے بل کھڑے ہو کر سر مبارک کو دیکھنا چاہتی تھیں۔ اور یزید ان کے سامنے کھڑا ہو کر چاہتا تھا کہ نہ دیکھیں۔ جب ان کی نظر اپنے والد ماجد کے سر پر پڑی تو بے ساختہ رونے کی آواز نکل گئی۔ ان کی آواز سن کر یزید کی عورتیں بھی چلا اٹھیں اور یزید کے محل میں ایک ماتم برپا ہو گیا۔

یزید کے دربار میں زینب رضی اللہ عنہا کی دلیرانہ گفتگو

ایک شامی شخص نے صاحبزادی کے متعلق ناشائستہ الفاظ کہے تو ان کی پھوپھی زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے

نہایت سختی سے کہا کہ نہ تو تجھے کوئی حق ہے نہ یزید کو اس پر۔ یزید برہم ہو کر کہنے لگا کہ مجھے سب اختیار حاصل ہے۔ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ واللہ جب تک تو ہماری ملت و مذہب سے نہ نکل جائے تجھے کوئی اختیار نہیں۔ یزید اس پر اور زیادہ برہم ہوا۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے پھر تیزی سے جواب دیا، بالآخر خاموش ہو گیا۔

اہل بیت کی عورتیں یزید کی عورتوں کے پاس

اس کے بعد ان کو زنان خانہ میں اپنی عورتوں کے پاس بھیج دیا یزید کی عورتوں میں سے کوئی نہ رہی جس نے ان کے پاس آ کر گریہ وبکاء اور ماتم نہ کیا ہو۔ اور جو زیورات وغیرہ ان سے لے لئے گئے تھے۔ ان سے زائد ان عورتوں نے ان کی خدمت میں پیش کئے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہا صاحبزادی سکینہ کہنے لگی کہ میں نے کوئی کافر یزید سے بہتر نہیں دیکھا۔

علی بن حسین رضی اللہ عنہ یزید کے سامنے

اس کے بعد علی اصغر رحمہ اللہ ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں سامنے لائے گئے۔ انہوں نے سامنے آ کر کہا کہ اگر ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح قید میں دیکھتے تو ہماری قید کھول دیتے۔ یزید نے کہا سچ ہے۔ اور قید کھول دینے کا حکم دے دیا۔ اس کے بعد علی اصغرؒ نے فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس طرح مجلس میں بیٹھا ہوا دیکھتے تو اپنے قریب بلا لیتے۔ یزید نے ان کو اپنے قریب بلا لیا۔ اور کہا کہ اے علی بن حسین رضی اللہ عنہما تمہارے والد نے ہی مجھ سے قطع رحمی کی اور میرے حق کو نہ پہچانا۔ اور میری سلطنت کے خلاف بغاوت کی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ معاملہ کیا جو تم نے دیکھا۔ علی اصغرؒ نے قرآن کی آیت پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے:

''یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''جو کوئی مصیبت تمہیں پہنچتی ہے زمین میں یا تمہاری جانوں پر سو وہ کتاب تقدیر میں لکھی ہوئی ہے زمین کے پیدا کرنے سے قبل اور یہ کام اللہ کے لئے آسان ہے (اور تمام کاموں کا تابع تقدیر ہونا) اس لئے بیان کیا گیا ہے کہ جو چیز تم سے فوت ہو جائے اس پر زیادہ غم نہ کرو۔ اور جو چیز مل جائے اس پر زیادہ خوش نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فخر کرنے والے متکبر کو پسند نہیں کرتا''۔

یزید یہ سن کر خاموش ہو گیا۔ پھر حکم دیا کہ ان کو اور ان کی عورتوں کو مستقل مکان میں رکھا جائے۔ اور یزید کوئی ناشتہ اور کھانا نہ کھاتا تھا جس میں علی بن حسین رضی اللہ عنہ کو نہ بلاتا ہو۔ ایک روز ان کو بلایا تو ان کے ساتھ ان کے چھوٹے بھائی عمرو ابن الحسین رضی اللہ عنہ بھی آ گئے۔ یزید نے عمرو بن الحسین رضی اللہ عنہ سے بطور مزاح کہا کہ تم اس لڑکے (یعنی اپنے لڑکے خالد) سے مقابلہ کر سکتے ہو۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں کر سکتا ہوں بشرطیکہ آپ ایک چھری ان کو دے دیں اور ایک مجھے۔ یزید نے کہا کہ آخر سانپ کا بچہ سانپ ہی ہوتا ہے۔

بعض روایات میں ہے کہ یزید شروع میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر راضی تھا۔ اور ان کا سر مبارک لایا گیا تو خوشی کا اظہار کیا۔ اس کے بعد جب یزید کی بدنامی سارے عالم اسلام میں پھیل گئی اور وہ سب مسلمانوں میں مبغوض ہو

گیا تو بہت نادم ہوا اور کہنے لگا۔ کاش میں تکلیف اٹھالیتا۔ اور حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ اپنے گھر میں رکھتا اور ان کو اختیار دے دیتا کہ جو وہ چاہیں کریں۔ اگر چہ اس میں میرے اقتدار کو نقصان ہی پہنچتا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور ان کا ان کی قرابت کا یہی حق تھا۔ اللہ تعالیٰ ابن مرجانہ پر لعنت کرے۔

اس نے مجبور کر کے قتل کر دیا حالانکہ انہوں نے کہا تھا کہ مجھے یزید کے پاس جانے دو یا کسی سرحدی مقام پر پہنچا دو مگر اس نالائق نے قبول نہ کیا اور ان کو قتل کر کے ساری دنیا کے مسلمانوں میں مجھے مبغوض کر دیا ان کے دلوں میں میری عداوت کا بیج بو دیا کہ ہر نیک و بد مجھ سے بغض رکھنے لگا۔ اللہ اس ابن مرجانہ پر لعنت کرے۔

اہل بیت کی مدینہ منورہ واپسی

اس کے بعد جب یزید نے ارادہ کیا کہ اہل بیت اطہار کو مدینہ واپس بھیج دیں تو نعمان بن بشیر کو حکم دیا کہ ان کے لئے ان کے مناسبِ شان ضروریات سفر مہیا کریں اور ان کے ساتھ کسی امانت دار متقی آدمی کو بھیجے۔ اور اس کے ساتھ ایک حفاظتی دستہ فوج کا بھی بھیج دے جو ان کو مدینہ تک بحفاظت پہنچائے۔ اور علی بن حسین رضی اللہ عنہ کو رخصت کرنے کے لئے اپنے پاس بلایا اور کہا کہ اللہ ابن مرجانہ پر لعنت کرے۔ بخدا اگر میں خود اس جگہ ہوتا تو حسین رضی اللہ عنہ جو کچھ کہتے میں قبول کر لیتا۔ اور جہاں تک ممکن ہوتا تو ان کو ہلاکت سے بچاتا۔ اگر چہ مجھے اپنی اولاد کو قربان کرنا پڑتا لیکن جو مقدر تھا وہ ہو گیا۔ صاحبزادے تمہیں کوئی ضرورت ہو مجھے خط لکھنا اور میں نے تمہارے ساتھ جانے والوں کو بھی یہ ہدایت کر دی ہے۔

تنبیہ: یزید کی یہ زود پشیمانی اور بقیہ اہل بیت کے ساتھ بظاہر اکرام کا معاملہ محض اپنی بدنامی کا داغ مٹانے کیلئے تھا۔ یا حقیقت میں کچھ خدا کا خوف اور آخرت کا خیال آ گیا۔ یہ تو علیم وخبیر ہی جانتا ہے۔ مگر یزید کے اعمال اور کارنامے اس کے بعد بھی سب سیہ کاریوں ہی سے لبریز ہیں۔ مرتے مرتے بھی مکہ مکرمہ پر چڑھائی کے لئے لشکر بھیجے ہیں۔ اسی حال میں مرا ہے۔ عامله الله بما هوا هله (مؤلف)

اس کے بعد اہل بیت ان لوگوں کی حفاظت میں مدینہ کی طرف روانہ ہوئے ان لوگوں نے راستہ میں اہل بیت کی خدمت بڑی ہمدردی سے کی۔ رات کو ان کی سواریاں اپنے سامنے رکھتے تھے اور جب کسی منزل پر اترتے تو ان سے علیحدہ ہو جاتے اور چاروں طرف پہرہ دیتے تھے اور ہر وقت ان کی ضروریات کو دریافت کر کے پورا کرنے کا اہتمام رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ سب حضرات اطمینان کے ساتھ مدینہ پہنچ گئے۔

وطن پہنچ کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی بہن زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہا کہ اس شخص نے ہم پر احسان کیا ہے کہ سفر میں راحت پہنچائی۔ ہمیں کچھ اس کو صلہ دینا چاہئے۔ زینب رضی اللہ عنہا نے کہا اب ہمارے پاس اپنے زیور کے سوا تو کچھ ہے نہیں۔ دونوں نے اپنے زیوروں میں سے دو کنگن اور دو بازو بند سونے کے نکالے اور ان کے سامنے پیش کئے اور اپنی بے مائیگی کا عذر پیش کیا۔ اس شخص نے کہا واللہ اگر

میں نے یہ کام دنیا کے لئے کیا ہوتا تو میرے لئے یہ انعام بھی کم نہ تھا۔ لیکن میں نے اپنا فرض ادا کیا ہے۔ جو کہ قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے مجھ پر عائد ہوتا ہے۔

آپ کی زوجہ محترمہ کا غم وصدمہ اور انتقال

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ رباب بنت امری القیس بھی آپ کے ساتھ اسی سفر میں تھیں۔ اور شام بھیجی گئیں۔ پھر سب کے ساتھ مدینہ پہنچیں۔ تو باقی عمر اسی طرح گزار دی۔ کہ کبھی مکان کے سایہ میں نہ رہتی تھیں۔ کوئی کہتا کہ دوسری شادی کرلو تو جواب دیتی تھیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اور کسی کو اپنا خسر بنانے کے لئے تیار نہیں۔ بالآخر ایک سال بعد وفات ہوگئی۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کے قتل کی خبریں مدینہ میں پہنچیں تو مدینہ میں کہرام تھا۔ مدینہ کے درو دیوار رو رہے تھے۔ اور جب خاندان اہل بیت کے یہ بقیہ نفوس مدینہ پہنچے تو مدینہ والوں کے زخم از سر نو تازہ ہو گئے۔

عبداللہ بن جعفر کو انکے دو بیٹوں کی تعزیت

جس وقت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو یہ خبر ملی کہ ان کے دو بیٹے بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ شہید ہو گئے تو بہت لوگ ان کی تعزیت کو آئے۔ ایک شخص کی زبان سے نکل گیا کہ ہم پر یہ مصیبت حسین رضی اللہ عنہ کی وجہ سے آئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کو غصہ آ گیا اس کو جوتا پھینک کر مارا کہ کمبخت تو یہ کہتا ہے واللہ اگر میں وہاں ہوتا تو میں بھی ان کے ساتھ قتل کیا جاتا۔ واللہ! آج میرے بیٹوں کا قتل ہی میرے لئے تسلی ہے۔ کہ اگر میں حسین رضی اللہ عنہ کی کوئی مدد نہ کر سکا تو میری اولاد نے یہ کام کر دیا۔

واقعہ شہادت کا اثر فضائے آسمانی پر

عام مؤرخین ابن اثیر وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد دو تین مہینہ تک فضا کی یہ کیفیت رہی کہ جب آفتاب طلوع ہوتا اور دھوپ در و دیوار پر پڑتی تو سرخ ہوتی تھی۔ جیسے دیواروں کو خون لپیٹ دیا گیا ہو۔

شہادت کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا گیا

بیہقی نے دلائل میں بسند روایت لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ دو پہر کا وقت ہے اور آپ پراگندہ بال پریشان حال ہیں آپ کے ہاتھ میں ایک شیشی ہے جس میں خون ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اس میں کیا ہے۔ فرمایا! حسین رضی اللہ عنہ کا خون ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کروں گا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے اسی وقت لوگوں کو خبر دے دی کہ حسین رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے۔ اس خواب سے چندروز کے بعد حضرت حسین کی شہادت کی اطلاع پہنچی اور حساب کیا گیا تو ٹھیک وہی

دن اور وہی وقت آپ کی شہادت کا تھا۔

اور ترمذی نے سلمیٰ سے روایت کیا ہے کہ وہ ایک روز ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں تو دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں۔ میں نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں اسطرح دیکھا کہ آپ کے سر مبارک اور ڈاڑھی پر مٹی پڑی ہوئی ہے۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیا حال ہے۔ فرمایا کہ میں ابھی حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر موجود تھا۔ ابونعیم نے دلائل میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر میں نے جنات کو روتے دیکھا ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بعض حالات وفضائل

آپ ہجرت کے چوتھے سال ۵ شعبان کو مدینہ طیبہ میں رونق افروز عالم ہوئے اور ۱۰ محرم ۶۱ھ میں بعمر ۵۵ سال شہید ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی تحنیک فرمائی یعنی کھجور چبا کر اس کا رس ان کے منہ میں ڈالا اور کان میں اذان دی اور ان کے لئے دعا فرمائی اور حسین رضی اللہ عنہ نام رکھا ساتویں روز عقیقہ کیا۔ آپ بچپن ہی سے شجاع ودلیر تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے بارہ میں فرمایا

''حسین رضی اللہ عنہ مجھ سے ہے اور میں حسین رضی اللہ عنہ سے یا اللہ جو حسین رضی اللہ عنہ کو محبوب رکھے تو اسے محبوب رکھ''۔

ابنِ حبان، ابنِ سعد، ابویعلیٰ، ابنِ عساکر ائمہ حدیث نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے:

من سره ان ينظر الى رجل من اهل الجنةو فى لفظ سيدى شباب اهل الجنة فلينظر الى حسين بن على

''جو چاہے کہ اہل جنت میں سے کسی کو دیکھے یا یہ فرمایا کہ نوجوان اہل جنت کے سردار کو دیکھے وہ حسین بن علی رضی اللہ عنہ کو دیکھ لے''۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف رکھتے تھے فرمایا وہ شوخ لڑکا کہاں ہے۔ یعنی حسین رضی اللہ عنہ حسین رضی اللہ عنہ آئے۔ آپ کی گود میں گر پڑے۔ اور آپ کی داڑھی میں انگلیاں ڈالنے لگے۔ آپ نے حسین رضی اللہ عنہ کے منہ پر بوسہ دیا اور فرمایا۔ یا اللہ میں حسین رضی اللہ عنہ سے محبت کرتا ہوں۔ آپ بھی اس سے محبت کریں اور اس شخص سے بھی جو حسین رضی اللہ عنہ سے محبت کرے۔

ایک روز ابن عمر رضی اللہ عنہما کعبہ کے سائے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ دیکھا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہما سامنے سے آرہے ہیں۔ ان کو دیکھ کر فرمایا کہ یہ شخص اس زمانہ میں اہل آسمان کے نزدیک سارے اہل زمین سے زیادہ محبوب ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نہایت سخی اور لوگوں کی امداد میں اپنی جان ومال پیش کرنے والے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کے لئے کسی کی حاجت پوری کرنا میں اپنے ایک مہینہ کے اعتکاف سے بہتر سمجھتا ہوں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی زریں نصیحت

فرمایا کہ لوگ اپنی حاجات تمہارے پاس لائیں تو ان سے ملول نہ ہو کیونکہ ان کے حوائج تمھاری طرف یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں اگر تم ان سے ملول و پریشان ہو گئے تو یہ نعمت مبدل بہ قہر ہو جائے گی۔ (یعنی تمہیں لوگوں کا محتاج کر دیا جائے گا کہ تم ان کے دروازوں پر جاؤ)۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ ایک روز حرم مکہ میں حجر اسود کو پکڑے ہوئے یہ دعا کر رہے تھے۔

”یا اللہ آپ نے مجھ پر انعام فرمایا مجھے شکر گزار نہ پایا میری آزمائش کی تو مجھے صابر نہ پایا مگر اس پر بھی آپ نے نہ اپنی نعمت مجھ سے سلب کی اور نہ مصیبت کو مجھ پر قائم رہنے دیا۔ یا اللہ کریم سے تو کرم ہی ہوا کرتا ہے۔“

حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے والد ماجد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوفہ چلے گئے تھے اور ان کے ساتھ جہاد میں شریک رہے اور ان کی صحبت میں رہے۔ یہاں تک کہ وہ شہید کر دیئے گئے۔ اس کے بعد اپنے بھائی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے یہاں تک کہ وہ امارت چھوڑ کر مدینہ چلے آئے تو آپ بھی ان کے ساتھ مدینہ میں آ گئے اور جب تک بیعت یزید کا فتنہ شروع نہیں ہوا مدینہ ہی میں مقیم رہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ کربلا میں آپ کے اہل بیت کے تینتیس حضرات شہید ہوئے۔ (اسعاف الراغبین)

قاتلان حسین کا عبرتناک انجام

چندیں اماں نداد کہ شب راسحر کند

جس وقت حضرت حسین رضی اللہ عنہ پیاس سے مجبور ہو کر دریائے فرات پر پہنچے اور پانی پینا چاہتے تھے کہ کم بخت حصین بن نمیر نے تیر مارا جو آپ کے دہن مبارک پر لگا اس وقت آپ کی زبان سے بے ساختہ بددعا نکلی کہ:

”یا اللہ رسول اللہ کی بیٹی کے فرزند کے ساتھ جو کچھ کیا جا رہا ہے میں اس کا شکوہ آپ ہی سے کرتا ہوں یا اللہ ان کو چن چن کر قتل کر ان کے ٹکڑے ٹکڑے فرما دے۔ ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑ۔“ اول تو ایسے مظلوم کی بددعا پھر سبط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی قبولیت میں کیا شبہ تھا دعا قبول ہوئی اور آخرت سے پہلے دنیا ہی میں ایک ایک کر کے بری طرح مارے گئے۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ جو لوگ قتل حسین میں شریک تھے ان میں سے ایک بھی نہیں بچا جس کو آخرت سے پہلے دنیا میں سزا نہ ملی ہو۔ کوئی قتل کیا گیا۔ کسی کا چہرہ سخت سیاہ ہو گیا یا مسخ ہو گیا۔ یا چند ہی روز میں ملک سلطنت چھن گئے اور ظاہر ہے کہ یہ ان کے اعمال کی اصلی سزا نہیں۔ بلکہ اس کا ایک نمونہ ہے جو لوگوں کی عبرت کے لئے دنیا میں دکھا دیا گیا ہے۔

قاتل حسین اندھا ہو گیا

سبط ابن جوزیؒ نے روایت کیا ہے کہ ایک بوڑھا آدمی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک تھا وہ دفعتاً نابینا ہو گیا تو لوگوں نے سبب پوچھا اس نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آستین چڑھائے ہوئے ہیں۔ ہاتھ میں تلوار ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چمڑے کا وہ فرش ہے جس پر کسی کو قتل کیا جاتا ہے اور

اس پر قاتلان حسین رضی اللہ عنہ میں سے دس آدمیوں کی لاشیں ذبح کی ہوئی پڑی ہیں۔اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ڈانٹا اور خون حسین رضی اللہ عنہ کی ایک سلائی میری آنکھوں میں لگادی صبح اٹھا تو اندھا تھا۔(اسعاف)

منہ کالا ہو گیا۔

نیز ابن جوزی نے نقل کیا ہے کہ جس شخص نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کو اپنے گھوڑے کی گردن میں لٹکایا تھا اس کے بعد اسے دیکھا گیا کہ اس کا منہ کالا تارکول کی طرح ہو گیا ہے لوگوں نے پوچھا کہ تم سارے عرب میں خوش رو آدمی تھے تمہیں کیا ہوا۔اس نے کہا جس روز سے میں نے یہ سر گھوڑے کی گردن میں لٹکایا جب ذرا سوتا ہوں دو آدمی میرے بازو پکڑتے ہیں اور مجھے ایک دہکتی ہوئی آگ پر لے جاتے ہیں اور اسی حالت میں چند روز کے بعد مر گیا۔

آگ میں جل گیا

نیز ابن جوزی نے سدی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایک شخص کی دعوت کی۔مجلس میں یہ ذکر چلا کہ حسینؓ کے قتل میں جو بھی شریک ہوا اس کو دنیا میں بھی جلد سزا مل گئی۔اس شخص نے کہا بالکل غلط ہے میں خود ان کے قتل میں شریک تھا میرا کچھ بھی نہیں بگڑا۔یہ شخص مجلس سے اٹھ کر گھر گیا جاتے ہی چراغ کی بتی درست کرتے ہوئے اس کے کپڑوں میں آگ لگ گئی اور وہیں جل بھن کر رہ گیا سدی کہتے ہیں کہ میں نے خود اس کو صبح دیکھا تو کوئلہ ہو چکا تھا۔

تیر مارنے والا پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر گیا

جس شخص نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے تیر مارا اور پانی نہیں پینے دیا اس پر اللہ تعالیٰ نے ایسی پیاس مسلط کر دی کہ کسی طرح پیاس بجھتی نہ تھی پانی کتنا ہی پیا جائے پیاس سے تڑپتا رہتا تھا۔یہاں تک کہ اس کا پیٹ پھٹ گیا اور وہ مر گیا۔

ہلاکت یزید

شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد یزید کو بھی ایک دن چین نصیب نہ ہوا۔تمام اسلامی ممالک میں خون شہداء کا مطالبہ اور بغاوتیں شروع ہو گئیں۔اس کی زندگی اس کے بعد دو سال آٹھ ماہ اور ایک روایت میں تین سال آٹھ ماہ سے زائد نہیں رہی دنیا میں بھی اس کو اللہ تعالیٰ نے ذلیل کیا اور اسی ذلت کے ساتھ ہلاک ہو گیا۔

کوفہ پر مختار کا تسلط اور تمام قاتلان حسین کی عبرتناک ہلاکت

قاتلان حسین پر طرح طرح کی آفات ارضی وسماوی کا ایک سلسلہ تو تھا ہی واقعہ شہادت سے پانچ ہی سال بعد ٦٦ھ میں مختار نے قاتلان حسین سے قصاص لینے کا ارادہ ظاہر کیا۔تو عام مسلمان اس کے ساتھ ہو گئے اور تھوڑے عرصہ میں اس کو یہ قوت حاصل ہو گئی کہ کوفہ اور عراق پر اس کا تسلط ہو گیا۔اس نے اعلان عام کر دیا کہ قاتلان حسین کے سوا سب کو امن دیا جاتا ہے۔اور قاتلان حسین کی تفتیش وتلاش پر پوری قوت خرچ کی اور ایک ایک کو گرفتار کر کے قتل کیا۔ایک روز میں دو سو

اڑتالیس آدمی اس جرم میں قتل کئے گئے وہ قتل حسینؓ میں شریک تھے اس کے بعد خاص لوگوں کی تلاشی وگرفتاری شروع ہوئی۔عمرو بن حجاج زبیدی پیاس اور گرمی میں بھاگا۔ پیاس کی وجہ سے بیہوش ہو کر گر پڑا۔ذبح کر دیا گیا۔شمر ذی الجوشن جو حضرت حسینؓ کے بارے میں سب سے زیادہ شقی اور سخت تھا اس کو قتل کر کے لاش کتوں کے سامنے ڈال دی گئی۔

عبداللہ بن اسید جہنی ، مالک بن بشیر بدی، حمل بن مالک کا محاصرہ کر لیا گیا انہوں نے رحم کی درخواست کی مختار نے کہا ظالمو! تم نے سبط رسول پر رحم نہ کھایا تم پر کیسے رحم کیا جائے سب کو قتل کیا گیا اور مالک بن بشیر نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ٹوپی اٹھائی تھی اس کے دونوں ہاتھ دونوں پیر قطع کر کے میدان میں ڈال دیا تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

عثمان بن خالد اور بشیر بن شمیط نے مسلم بن عقیل کے قتل میں اعانت کی تھی ان کو قتل کر کے جلا دیا گیا۔

عمر بن سعد جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلے پر لشکر کی کمان کر رہا تھا اس کو قتل کر کے اس کا سر مختار کے سامنے لایا گیا۔اور مختار نے اس کے لڑکے حفص کو پہلے سے اپنے دربار میں بٹھا رکھا تھا جب یہ سر مجلس میں آیا تو مختار نے حفص سے کہا کہ تو جانتا ہے کہ یہ سر کس کا ہے اس نے کہا ہاں اور اس کے بعد مجھے بھی اپنی زندگی پسند نہیں۔اسکو بھی قتل کر دیا گیا۔اور مختار نے کہا کہ عمر بن سعد کا قتل تو حسین رضی اللہ عنہ کے بدلہ میں ہے اور حفص کا قتل علی بن حسین رضی اللہ عنہ کے بدلہ میں اور حقیقت یہ ہے کہ پھر بھی برابری نہیں ہوئی۔ اگر میں تین چوتھائی قریش کو بدلہ میں قتل کر دوں تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ایک انگلی کا بھی بدلہ نہیں ہو سکتا۔حکیم بن طفیل جس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے تیر مارا تھا اس کا بدن تیروں سے چھلنی کر دیا گیا اسی میں ہلاک ہوا۔زید بن رفاد نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بھتیجے مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ کے تیر مارا۔اس نے ہاتھ سے اپنی پیشانی چھپائی تیر پیشانی پر لگا اور ہاتھ پیشانی پر بندھ گیا۔اول اس پر تیر اور پتھر برسائے گئے پھر زندہ جلا دیا گیا۔سلام بن انس جس نے سر مبارک کاٹنے کا اقدام کیا تھا کوفہ سے بھاگ گیا۔اس کا گھر منہدم کر دیا گیا۔قاتلان حسین کا یہ عبرت ناک انجام معلوم کر کے بے ساختہ یہ آیت زبان پر آتی ہے۔

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ.

عذاب ایسا ہی ہوتا ہے اور آخرت کا عذاب اس سے بڑا ہے۔کاش وہ سمجھ لیتے۔

مرقع عبرت

عبدالملک بن عمیر لیثی کا بیان ہے کہ میں نے کوفہ کے قصر امارت حضرت حسین رضی اللہ عنہما سر مبارک عبداللہ بن زیاد کے سامنے ایک ڈھال پر رکھا ہوا دیکھا۔ پھر اسی قصر میں عبداللہ بن زیاد کا سر کٹا ہوا مختار کے سامنے دیکھا پھر اسی قصر میں مختار کا سر کٹا ہوا مصعب بن زبیر کے سامنے دیکھا۔ میں نے یہ واقعہ عبدالملک سے ذکر کیا تو اس قصر کو منحوس سمجھ کر یہاں سے منتقل ہو گیا۔ (تاریخ الخلفاء)......حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو شاید اس فتنے کا علم ہو گیا تھا۔وہ آخر عمر میں یہ دعا کیا کرتے تھے کہ یا اللہ میں آپ سے پناہ مانگتا ہوں ساٹھویں سال اور نو عمروں کی امارت سے۔ہجرت کر کے ساٹھویں سال ہی یزید جیسے نو عمر کی خلافت کا قضیہ چلا اور یہ فتنہ پیش آیا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ.

نتائج وعبرتیں

واقعہ شہادت کی تفصیل آپ نے سنی۔ اس میں ظلم و جور کے طوفان دیکھے۔ ظالموں اور ناخدا ترس لوگوں کا بڑھتا ہوا اقتدار نظر آیا۔ دیکھنے والوں نے یہ محسوس کیا کہ ظلم و جور اور فسق اور فجور ہی کامیاب ہے۔ مگر آنکھ کھلی تو معلوم ہوا کہ یہ سب طلسم تھا جو آنکھ جھپکنے میں ختم ہو گیا اور دیکھنے والوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا کہ ظلم و جور کو فلاح نہیں۔ ظالم، مظلوم سے زیادہ اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔

پنداشت ستم گر کہ ستم برما کرد بر گردن دے بماند و برما بگذشت

اور یہ کہ جن مظلوموں کو فنا کرنا چاہا تھا۔ وہ درحقیقت آج تک زندہ ہیں اور قیامت تک زندہ رہیں گے۔ گھر گھر میں ان کا ذکر خیر ہے۔ اور صدیاں گذر گئیں۔ کروڑوں انسان ان کے نام پر مرتے ہیں اور ان کے نقش قدم کی پیروی کو پیغام حیات سمجھتے ہیں۔ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ. ایک محسوس حقیقت ہو کر سامنے آ گئی کہ حق و باطل کے معرکہ میں آخری فتح و کامیابی حق کی ہوا کرتی ہے۔ اس میں عام لوگوں کے لئے اور بالخصوص ان لوگوں کے لئے جو حکومت و اقتدار کے نشہ میں مست ہو کر ظلم و عدل سے قطع نظر کر لیں۔ بڑی نشانیاں ہیں۔ فَاعْتَبِرُوْا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ.... معرکہ حق و باطل میں کسی وقت حق کی آواز دب جائے۔ اہل حق شکست کھا جائیں تو یہ بات ناحق کے حق ہونے کے خلاف ہے۔ نہ باطل کے باطل ہونے کے منافی۔ دیکھنا انجام کار کا ہے کہ آخر میں حق پھر اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ کامیاب ہوتا ہے۔

اُسوۂ حسینی

حب اہل بیت اطہار جزو ایمان ہے۔ ان پر وحشیانہ مظالم کی داستان بھلانے کے قابل نہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء کی مظلومانہ اور دردانگیز شہادت کا واقعہ جس کے دل میں رنج و غم اور درد پیدا نہ کرے وہ مسلمان کیا انسان بھی نہیں۔ لیکن ان کی سچی اور حقیقی محبت و عظمت اور ان کے مصائب سے حقیقی تاثر یہ نہیں کہ سارے سال خوش و خرم پھریں کبھی ان کا خیال بھی نہ آئے اور صرف عشرہ محرم میں واقعہ شہادت سنکر رو لیں۔ یا ماتم برپا کر لیں یا تعزیہ داری کا کھیل تماشہ بنائیں۔ سارے سال گرمی کی شدت کے زمانہ میں کسی کی پیاس کا خیال نہ آئے۔ اور محرم کی پہلی تاریخ کو اگرچہ سردی پڑ رہی ہو۔ کسی کو ٹھنڈے پانی کی ضرورت نہ ہو۔ شہدائے کربلا کے نام کی سبیل کا ڈھونگ بنایا جاتا ہے۔ بلکہ حقیقی ہمدردی اور محبت یہ ہے کہ جس مقصد عظیم کے لئے انہوں نے یہ قربانی پیش کی۔ ان کے اخلاق و اعمال کی پیروی کو سعادت دنیا و آخرت سمجھیں۔ وہ مقصد اگر آپ نے اس کتاب اور اس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ارشادات اور خطبات کو بغور پڑھا ہے۔ تو اس کے متعین کرنے میں آپ کو کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ ملے گی۔ میں یاددہانی کے لئے پھر آپ کے کچھ کلمات کا اعادہ کرتا ہوں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کس مقصد کے لئے قربانی پیش کی

اس کتاب میں آپ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا وہ خط پڑھا جو اہل بصرہ کے نام لکھا تھا۔ جس کے چند جملے یہ ہیں۔

''آپ لوگ دیکھ رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مٹ رہی ہے۔ اور بدعات پھیلائی جا رہی ہیں۔ میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرو اور اس کے احکام کی تنفیذ کے لئے کوشش کرو'' ۔ (کامل ابن اثیر ص ۹ ج ۴)..... فرزدق شاعر کے جواب میں جو کلمات کوفہ کے راستہ میں آپ نے ارشاد فرمائے۔ اس کے چند جملے یہ ہیں۔ اگر تقدیر الٰہی ہماری مراد کے موافق ہوئی تو ہم اللہ کا شکر کریں گے اور ہم شکر ادا کرنے میں بھی اس کی اعانت طلب کرتے ہیں۔ کہ ادائے شکر کی توفیق دی اور اگر تقدیر الٰہی مراد میں حائل ہوگئی تو اس شخص کا کوئی قصور نہیں۔ جس کی نیت حق کی حمایت ہو اور جس کے دل میں خدا کا خوف ہو۔ (ابن اثیر)

میدانِ جنگ کے خطبہ کے یہ الفاظ ذرا غور سے پڑھئے۔ جس میں ظلم و جور کے مقابلہ کے لئے محض اللہ کے لئے کھڑے ہونے کا ذکر ہے۔ میدان جنگ کا تیسرا خطبہ اور اس کے بعد کے حر بن یزید کے جواب میں ایک صحابی کے اشعار مکرر غور سے پڑھئے۔ جس کے چند جملے یہ ہیں۔ ''موت میں کسی جوان کیلئے عار نہیں۔ جبکہ اس کی نیت خیر اور مسلمان ہو کر جہاد کر رہا ہو'' ۔ عین میدان کارزار میں صاحبزادہ علی اکبرؒ کی حضرت حسینؓ کا جواب سن کر یہ کہنا کہ ''ابا جان کیا ہم حق پر نہیں۔ آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی، جس کی طرف سب بندگان خدا کا رجوع ہے۔ بلاشبہ ہم حق پر ہیں'' ۔ اس کو مکرر پڑھیے۔ اہل بیت کے سامنے آپ کے آخری ارشادات کے یہ جملے پھر پڑھئے۔

میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں۔ راحت میں بھی اور مصیبت میں بھی۔ یا اللہ میں آپ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آپ نے ہمیں شرافت نبوت سے نوازا اور ہمیں کان آنکھ اور دل دیئے جس سے ہم آپ کی آیات سمجھے۔ اور ہمیں آپ نے قرآن سکھایا اور دین کی سمجھ عطا فرمائی۔ ہمیں آپ اپنے شکر گزار بندوں میں داخل فرمالیجئے۔

ان خطبات اور کلمات کو سننے پڑھنے کے بعد بھی کیا کسی مسلمان کو یہ شبہ ہو سکتا ہے۔ کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا یہ جہاد اور حیرت انگیز قربانی اپنی حکومت و اقتدار کے لئے تھے۔ بڑے ظالم ہیں وہ لوگ جو اس مقدس ہستی کی عظیم الشان قربانی کو ان کی تصریحات کے خلاف بعض دنیوی عزت و اقتدار کی خاطر قرار دیتے ہیں۔

● کتاب و سنت کے قانون کو صحیح طور پر رواج دیں۔ ● اسلام کے نظام عدل کو از سر نو قائم کریں۔ ● اسلام میں خلافت نبوت کی بجائے ملوکیت و آمریت کی بدعت کا مقابلہ کریں۔ ● حق کے مقابلہ میں نہ زور و زر کی نمائش سے مرعوب ہوں اور نہ جان و مال اور اولاد کا خوف اس راستہ میں حائل ہو۔ ہر خوف و ہراس اور مصیبت و مشقت میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد رکھیں۔ اور اسی پر ہر حال میں توکل و اعتماد ہو۔ اور بڑی سے بڑی مصیبت میں بھی اس کے شکر گزار بندے ثابت ہوں۔ کوئی ہے جو جگر گوشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مظلوم کربلا شہید جور و جفا کی اس پکار کو سنے اور ان کے مشن کو ان کے نقش قدم پر انجام دینے کیلئے تیار ہو۔ ان کے اخلاق حسنہ کی پیروی کو اپنی زندگی کا مقصد ٹھہرائے۔

یا اللہ ہم سب کو اپنی اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و اہل بیت اطہار کی محبت کاملہ اور اتباع کامل نصیب فرمائے۔ (شہید کربلا بحوالہ دینی دسترخوان)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے موقف کی وضاحت

شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کتاب ''حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق'' میں لکھتے ہیں:

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یزید کی ولی عہدی نیک نیتی کے ساتھ عمل میں آئی تھی اور وہ کھلا فاسق و فاجر نہیں تھا تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اس کے خلاف خروج کیوں کیا؟ یہ سوال اگرچہ ہمارے موضوع زیر بحث سے براہ راست تعلق نہیں رکھتا، لیکن چونکہ اس معاملے میں ایک دوسرے گروہ نے دوسری انتہاء پر پہنچ کر حضرت حسینؓ پر اعتراضات والزامات کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے، (محمود احمد عباسی خلافت معاویہ ویزید اور تحقیق مزید) اس لئے یہاں تفصیل میں جائے بغیر نہایت اختصار کے ساتھ حضرت حسینؓ کا وہ موقف بھی پیش کر دیتے ہیں جو ہم نے سمجھا ہے۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، علماء کا راجح قول یہ ہے کہ ولی عہد بنانے کی حیثیت ایک تجویز کی سی ہوتی ہے اور خلیفہ کی وفات کے بعد امت کے ارباب حل وعقد کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ چاہیں تو ولی عہد ہی کو خلیفہ بنائیں اور چاہیں تو باہمی مشورے سے کسی اور کو خلیفہ مقرر کر دیں۔ لہٰذا حضرت معاویہؓ کی وفات کے بعد یزید کی خلافت اس وقت تک منعقد نہیں ہو سکتی تھی جب تک کہ امت کے ارباب حل وعقد اسے منظور نہ کر لیں۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بذات خود شروع ہی سے یزید کو خلافت کا اہل نہیں سمجھتے تھے اور جیسا کہ پیچھے عرض کیا جا چکا ہے، یہ ان کی دیانتدارانہ رائے تھی۔ جب حضرت معاویہؓ کی وفات ہوئی تو انہوں نے دیکھا کہ حجاز کے اکابر اور اہل حل وعقد نے جن میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ شامل تھے، ابھی تک یزید کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا، ادھر عراق سے ان کے پاس خطوط کا انبار لگ گیا جس سے واضح ہوتا تھا کہ اہل عراق بھی یزید کی خلافت کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں وہاں کے لوگ مسلسل انہیں یہ لکھ رہے تھے کہ ہمارا کوئی امام نہیں ہے اور ہم نے ابھی تک کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی۔ (الطبریؒ:۔ والبدایہ والیعقوبی)

ان حالات میں ان کا موقف یہ تھا کہ صرف اہل شام کی بیعت پوری امت پر لازم نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اس کی خلافت ابھی منعقد ہی نہیں ہوئی اس کے باوجود وہ پورے عالم اسلام پر بزور متصرف ہونا چاہ رہا ہے تو اس کی حیثیت ایک ایسے سلطان متغلب کی سی ہے جو غلبہ پانا چاہتا ہے مگر ابھی پا نہیں سکا۔ ایسی حالت میں اس کے غلبہ کو روکنا وہ اپنا فرض سمجھتے تھے اور اسی لئے انہوں نے پہلے حالات کی تحقیق کے لئے حضرت مسلم بن عقیلؓ کو روانہ کیا تا کہ صحیح صورتحال معلوم ہو سکے۔ لہٰذا کوفہ کی طرف ان کا کوچ فقہی نقطہ نظر سے بغاوت کے لئے نہیں تھا بلکہ ایک متغلب کے غلبہ کو روکنے

کے لئے تھا۔ اگر ان کی نظر میں صورتحال یہ ہوتی کہ یزید پورے عالم اسلام پر بزور قابض ہو چکا ہے اور اس کا تسلط مکمل ہوگیا ہے، تب بھی وہ بہ حالت مجبوری احکام شریعت کے مطابق یزید کو سلطان متغلب تسلیم کر کے خاموش ہو جاتے، لیکن ان کی نظر میں صورت حال یہ تھی کہ یزید کا تسلط ابھی مکمل نہیں ہوا، اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ اس کے اقتدار کو ابھی روکا جا سکتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ جب کوفہ کے قریب پہنچنے کے بعد انہیں معلوم ہوا کہ کوفہ کے لوگوں نے غداری کی ہے اور یزید کا تسلط وہاں پر مکمل ہوگیا ہے تو انہوں نے وہ تین مشہور تجاویز پیش کیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ:

الطبریؒ البدایۃ والنہایہ وغیرہ میں بھی اس تجویز کا ذکر ہے ایک راوی کا کہنا ہے کہ حضرت حسینؓ نے یہ تجویز پیش نہیں کی لیکن اس کے مقابلے میں وہ روایات زیادہ ہیں جن میں اس تجویز کا ذکر کیا گیا ہے۔) یا پھر میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں دے دوں گا۔ اس کا صاف مطلب ہی یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب یہ معلوم ہوگیا کہ یزید کا تسلط پوری طرح قائم ہو چکا ہے تو سلطان متغلب کی حیثیت سے وہ اس کے ہاتھ پر بیعت کے لئے رضا مند ہوگئے تھے، لیکن عبیداللہ بن زیاد نے شمر بن ذی الجوشن کے مشورے پر عمل کر کے ان کی کسی بات کو نہ مانا اور اس بات پر اصرار کیا کہ وہ غیر مشروط طور پر عبیداللہ بن زیاد کے پاس حاضری دیں۔ ظاہر ہے کہ عبیداللہ بن زیاد کی اس نامعقول بات کو ماننا حضرت حسین پر لازم نہیں تھا اور وہ اس میں اپنی جان کا خطرہ سمجھتے تھے، اس لئے بالآخر انہیں مقابلہ کرنا پڑا۔ اور کربلا کا المیہ پیش آ کر رہا۔

جہاں تک یزید کا تعلق ہے، یہ بالکل درست ہے کہ کسی بھی معتبر روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس نے خود حضرت حسینؓ کو شہید کیا یا انہیں شہید کرنے کا حکم دیا بلکہ بعض روایات سے یہ ثابت ہے کہ اس نے آپ کی شہادت پر افسوس کا اظہار کیا اور عبیداللہ بن زیاد کو اپنی مجلس میں برا بھلا کہا۔ (البدایہ والنہایہ)

لیکن اس کی یہ غلطی ناقابل انکار ہے کہ اس نے عبیداللہ بن زیاد کو اس سنگین جرم پر کوئی سزا نہیں دی۔ لہٰذا مولانا مودودی صاحب نے یہ بات بالکل صحیح لکھی ہے کہ:

> ''ہم یہی روایت صحیح مان لیتے ہیں کہ وہ حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کے سر دیکھ کر آبدیدہ ہو گیا اور اس نے کہا کہ ''میں حسینؓ کے قتل کے بغیر بھی تم لوگوں کی طاعت سے راضی تھا، اللہ کی لعنت ہو ابن زیاد پر، خدا کی قسم اگر میں وہاں ہوتا تو حسینؓ کو معاف کر دیتا'' اور یہ کہ ''خدا کی قسم اے حسین، میں تمہارے مقابلے میں ہوتا تو میں تمہیں قتل نہ کرتا'' پھر بھی یہ سوال لازماً پیدا ہوتا ہے کہ اس ظلم عظیم پر اس نے اپنے سر پھرے گورنر کو کیا سزا دی؟ حافظ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ اس نے ابن زیاد کو نہ کوئی سزا دی، نہ اسے معزول کیا، نہ اسے ملامت ہی کا کوئی خط لکھا۔''

(انتخاب ''حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق'')

شہدائے کربلاء کے نام

کربلا میں شہید ہونے والے بہتر (۷۲) حضرات کے اسماءِ گرامی

میدان کربلا میں اہل بیتؓ کے علاوہ، حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھیوں میں سے بہتر (۷۲) حضرات
مرتبۂ شہادت سے سرفراز ہوئے اور ان کو قبیلہ بنو اسد کے مقامی لوگوں نے شہادت کے اگلے دن دفن کیا تھا۔(البدایۃ والنہایۃ)

یہ بہتر حضرات درج ذیل ہیں: ۱۔ زبیر بن حسن محمدی، ۲۔ سعد بن حنظلہ تمیمی، ۳۔ بریر بن حفیر ہمدانی،
۴۔ وہب بن عبداللہ کلبی، ۵۔ عمرو بن خالد صیداوی، ۶۔ خالد بن عمرو مکی، ۷۔ عبداللہ بن عمرو کلبی، ۸۔ عمرو بن
عبداللہ صائدی، ۹۔ حماد بن انس محمدی، ۱۰۔ وقاص بن مالک احمدی، ۱۱۔ شریح بن عبید مکی، ۱۲۔ مسلم بن عوسجہ
اسدی، ۱۳۔ ہلال بن نافع بجکی، ۱۴۔ مُرّہ بن ابی مرہِ غفاری، ۱۵۔ قیس بن منبہ مدنی، ۱۶۔ ہاشم بن عتبہ مکی،
۱۷۔ بشیر بن عمرو حضرمی، ۱۸۔ عیم بن عَجلان انصاری، ۱۹۔ زبیر بن قیس بجلی، ۲۰۔ انس بن کاہد اسدی، ۲۱۔ حبیب
بن مُظاہر/مُطہر اسدی، ۲۲۔ قیس بن ربیع انصاری، ۲۳۔ عبداللہ بن عروہ بن خراق غفاری، ۲۴۔ عبدالرحمٰن بن عروہ
بن خراق غفاری، ۲۵۔ حُر (حضرت ابوذر غفاری کے آزاد کردہ غلام)، ۲۶۔ شیث بن عبداللہ، ۲۷۔ قاسط بن زہیر
ثغلبی، ۲۸۔ گردوس بن زہیر ثغلبی، ۲۹۔ کِنانہ بن عتیق انصاری، ۳۰۔ ضرغامہ بن مالک نخعی، ۳۱۔ جویر بن مالک
ضبیعی، ۳۲۔ عمر بن ضبیعہ ضبیعی، ۳۳۔ زید بن مشبت قیسی، ۳۴۔ عبداللہ بن مشبت قیسی، ۳۵۔ عامر بن مسلم
انصاری، ۳۶۔ عبداللہ (/عبیداللہ) بن مشبت قیسی، ۳۷۔ قعنب بن عمرو نمری، ۳۸۔ سالم (حضرت عامر بن مسلم
کے آزاد کردہ غلام)، ۳۹۔ سیف بن مالک انصاری، ۴۰۔ زہیر بن بشیر جعفی، ۴۱۔ بدر بن معشل جعفی، ۴۲۔ حجاج
بن مسروق (حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لشکر کے مؤذن)، ۴۳۔ مسعود بن حجاج انصاری، ۴۴۔ مجمع
بن عبداللہ عائذی، ۴۵۔ عمار بن حسان مدنی، ۴۶۔ حسان بن حارث سلیمانی اسدی، ۴۷۔ جُندب بن حجر خولانی،
۴۸۔ یزید بن زیاد مظاہر کندی، ۴۹۔ طاہر (دین الحق خزاعی کے آزاد کردہ غلام)، ۵۰۔ جبلہ بن علی شیبانی،
۵۱۔ اسلم بن کثیر اعرج ازدی، ۵۲۔ زہیر بن سلیم ازدی، ۵۳۔ قاسم بن حبیب ازدی، ۵۴۔ عمرو بن جندب حضرمی،
۵۵۔ ابوتمامہ انصاری، ۵۶۔ سلیمان (حضرت امام حسینؓ کے آزاد کردہ غلام)، ۵۷۔ قلب (حضرت امام حسین
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام)، ۵۸۔ عروہ (حر بن یزید بن ریاح کے آزاد کردہ غلام)، ۵۹۔ مصعب
(حر ریاحی کے بھائی)، ۶۰۔ لی بن حر بن یزید، ۶۱۔ حر بن یزید ریاحی، ۶۲۔ عد بن عبداللہ اطبعی، ۶۳۔ شوذب (شاکر

انصاری کے آزاد کردہ غلام)،۶۴۔شیب بن حارث انصاری، ۶۵۔مالک بن سریع انصاری، ۶۶۔محمد بن انس انصاری، ۶۷۔مقداد انصاری، ۶۸۔مرو بن عبداللہ صائدی، ۶۹۔حنظلہ بن اسعد شیبانی، ۷۰۔عبداللہ بن عبداللہ، ۷۱۔عمار بن ابی سلامہ انصاری، ۷۲۔عائس بن حبیب شاکری۔ (مرج البحرین فی ذکر شہادۃ الحسنین)

کربلا میں شہید ہونیوالے حضرات اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کے اسماء گرامی

میدان کربلا میں سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ، اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مزید بیس (۲۰) حضرات شہید ہوئے اس طرح کل یہ اکیس (۲۱) شہداء ہوگئے۔ چنانچہ ذیل میں ان اکیس شہداء اہل بیت، سلام اللہ ورضوانہ علیہم کے اسماء گرامی درج کئے جاتے ہیں: ❶ حضرت امام حسین بن علی بن ابی طالب سلامُ اللہِ وَرِضْوانُہٗ علیہ۔

❷ حضرت محمد بن علی بن ابی طالب (یہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاتی۔یعنی باپ شریک۔ بھائی تھے)۔

❸ حضرت عثمان بن علی بن ابی طالب (یہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاتی یعنی باپ شریک بھائی تھے)۔

❹ حضرت عبداللہ بن علی بن ابی طالب (یہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاتی یعنی باپ شریک بھائی تھے)۔

❺ حضرت جعفر بن علی بن ابی طالب (یہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاتی یعنی باپ شریک بھائی تھے)۔

❻ حضرت عباس بن علی بن ابی طالب (یہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاتی۔یعنی باپ شریک بھائی اور لشکر کے علمبر دار تھے)۔ ❼ حضرت عبداللہ بن عقیل بن ابی طالب۔ ❽ حضرت عبدالرحمٰن بن عقیل بن ابی طالب۔

❾ حضرت جعفر بن عقیل بن ابی طالب۔ ❿ حضرت ابوبکر بن حسن بن علی بن ابی طالب (یہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھتیجے تھے)۔ ⓫ حضرت عمرو بن حسن بن علی بن ابی طالب (یہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے تھے)۔ ⓬ حضرت عبداللہ بن حسن بن علی بن ابی طالب (یہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے تھے)۔ ⓭ حضرت قاسم بن حسن بن علی بن ابی طالب (یہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے تھے)۔ ⓮ حضرت علی بن حسین بن علی بن ابی طالب (یہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بڑے بیٹے تھے جو "علی اکبر" کے نام سے معروف تھے)۔

⓯ حضرت عبداللہ (یہاں اصل کتاب میں عبداللہ کے بجائے علی اصغر درج تھا) بن حسین بن علی بن ابی طالب۔

⓰ حضرت محمد بن عبداللہ بن جعفر طیار بن ابی طالب (یہ حضرت زینب کے صاحبزادے اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سگے بھانجے تھے)۔ ⓱ حضرت عون بن عبداللہ بن جعفر طیار بن ابی طالب (یہ حضرت زینب کے صاحبزادے اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سگے بھانجے تھے)۔

⓲ حضرت عبداللہ بن مسلم بن عقیل بن ابی طالب۔ ⓳ حضرت محمد بن سعد بن عقیل بن ابی طالب۔

⓴ فیروز (یہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلام تھے)۔

㉑ سعد (یہ حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے غلام تھے)۔ (مرج البحرین فی ذکر شہادۃ الحسنین)

لفظ ''علیہ السلام'' کے متعلق تحقیق

(از حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ)

ذیل کا خط مولانا عبدالسلام صاحب نعمانی (مفتی وخطیب جامع مسجد شاہی عالمگیر، بنارس) کے جواب میں ہے۔ مولانا نے غیر انبیاء خصوصاً سیدنا حضرت حسین کے نام کے جملہ دعائیہ کے طور پر ''علیہ السلام'' لکھنے یا کہنے کے متعلق حکم شرعی معلوم کیا تھا۔ مولانا نے اپنے خط میں یہ بھی تحریر کیا تھا کہ میں نے اس سلسلے میں حضرت مفتی محمود حسن صاحب سے فتویٰ طلب کیا تھا۔ حضرت مفتی صاحب کا جواب موصول ہو چکا ہے۔ اس سے جواز معلوم ہوتا ہے۔ (شفیق احمد قاسمی)

حضرت حکیم الاسلام رحمہ اللہ کا جواب

حضرت المحترم زید مجدکم! سلام مسنون، نیاز مقرون! مزاج گرامی!

والا نامہ مورخہ ۳/ جون ۷۰ء کو صادر ہوا میں اس دوران سفر میں رہا ابھی دو چار دن ہوئے مدراس بنگلور کے سفر سے واپس ہوا تو والا نامہ سے مشرف ہوا۔

حضرت حسین کے بارے میں ''علیہ السلام'' یا کسی بھی غیر نبی کے لئے ''علیہ السلام'' کا لفظ استعمال کرنے کے بارے میں اصل چیز تو فتویٰ ہی ہے جس سے جواز معلوم ہوتا ہے لیکن اس سلسلے میں میری گذارش یہ ہے کہ ایک تو قواعد شرعیہ کے تحت جواز وعدم جواز کا مسئلہ ہے یہ تو فتویٰ سے معلوم ہو گیا کہ جواز ہے لیکن اسی کے ساتھ ایک عرف عام ہے۔ جو عوام میں شائع ہے اور یہ کہ انبیاء کے لئے تو صلوٰۃ وسلام کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

صحابہ کے لئے رضی اللہ عنہم جو قرآنی لفظ ہے اور صلحاء وعلماء امت کے لئے رحمۃ اللہ علیہ یا مرحوم کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے عوام کے ذہنوں میں جواز یا عدم جواز کے علاوہ عرف زیادہ حجت ہوتا ہے اور وہ ان میں کلمات سلام کو ہر ایک کے حق میں استعمال کرنے میں عرف کے زیادہ پابند

ہوتے ہیں اسی طرح انبیاء وصحابہ وعلماء امت کے لئے الگ الگ قسم کے دعائیہ کلمات استعمال کرنے میں فرق مراتب بھی واضح ہوجاتا ہے۔

اس لئے میرے خیال میں عرف کی رعایت زیادہ مناسب ہوگی اور یہ شرعی جواز کے یا عدم جواز کے منافی بھی نہیں ہے عرف امت شرعاً بھی ایک حجت کی شان رکھتا ہے اس لئے مناسب یہی ہے کہ ''علیہ الصلوٰۃ والسلام'' انبیاء کے لئے، صحابہ کے لئے ''رضی اللہ عنہ'' اور صلحاء امت اور ائمہ کے لئے '' رحمتہ اللہ علیہ'' دارالعلوم میں بھی یہی عرف رائج ہے۔

اس لئے ہم لوگ غیر نبی کے لئے صلوٰۃ وسلام کا لفظ استعمال کرتے ہوئے ایک بوجھ محسوس کرتے ہیں اس کا تعلق جواز یا عدم جواز سے نہیں صرف فرق مراتب اور عرف عام سے ہے اور یہ عرف شریعت کے خلاف بھی نہیں ہے البتہ بعض لوگوں پر غلبہ محبت نبوی ہوتا ہے تو وہ اہل بیت کے لئے علیہ السلام کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

جیسا کہ بعض اکابر کی تحریرات میں بھی ہے سو وہ جائز تو ہے مگر پھر بھی ان کا حال اور غلبہ محبت ہے اس لئے میری رائے یہ ہے کہ عرف عام کے خلاف کر کے لوگوں میں تشویش پیدا نہ کی جائے اور خواہ مخواہ فتنہ کو سر ابھارنے کا موقع نہ دیا جائے۔

ہاں غیر نبی کے لئے صلوٰۃ وسلام کا لفظ واجب ہوتا تو سب مجبور ہو جاتے لیکن واجب نہیں محض جواز ہے تو جواب کی صورت عرف عام کے مطابق ہے اسی کو زیر عمل رکھا جائے۔

اُمید کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔

والسلام

محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دیگر اولاد

سیرت اولاد سیدنا علی کرم اللہ وجہہ

حادثۂ کربلا مسلمانوں کو ہمیشہ کیلئے شرمسار کر کے، حکومتِ وقت اس کے شرکائے کار اور ہم نواؤں کیلئے سامانِ رسوائی بن کر ختم ہوا، زندگی کا دھارا اپنے رُخ پر بہنے لگا، حضرات علی، حَسن اور حُسین (رضوان اللہ علیہم) کے اَخلاف اپنے اَسلافِ کرام کے طریقہ پر گامزن ہوگئے، پاکیزہ خصائل پاک نفسی اور عالی ظرفی، وہی عبادت میں انہماک اور آخرت طلبی، اصلاحِ نفس کی فکر، اور دنیا سے بے رغبتی، سچی ربانیت وحقانیت اور خودداری اور کردار کی بلندی (جو رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے خانوادہ کے شایانِ شان اور پیغمبروں کے حقیقی وارثوں کی علامت تھی) ان حضرات میں بدرجۂ اَتم موجود تھی، اُن کا طرزِ عمل اور پاکبازی، اور اُن کی سیرتیں اور اخلاق اپنی جگہ پر اعلیٰ دینی مثال ونمونہ اور ایک ایسا اخلاقی دلبستان ہے جس سے ہر نسل کے افراد وشرافت واخلاق، مروت اور سیرچشمی، بدخواہوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور ''بادوستاں تلطف بادشمناں مدارا'' کا درس لیتے رہے ہیں اور لیتے رہیں گے۔

تاریخ کے اس بحرِ ذخار سے چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں:۔

حضرت سعید بن المسیبؒ کہتے ہیں کہ ''علی بن حسین (زین العابدینؒ) سے زیادہ خشیتِ الٰہی رکھنے والا انسان میں نے نہیں دیکھا''۔ امام زہری کہتے ہیں کہ ہم نے کسی قریشی کو ان سے بہتر نہیں دیکھا، اُن کا (امام زہری کا) یہ حال تھا کہ جب حضرت علی بن حسین کا ذکر آتا تو رو پڑتے اور فرماتے کہ ''تمام عبادت کرنے والوں کی زینت اُن سے تھی'' (یعنی وہ صحیح معنی میں زین العابدین تھے)۔ حضرت علی بن حسین (جن کا لقب ہی زین العابدین پڑ گیا تھا) راتوں کو اپنی پیٹھ پر روٹیوں کی بوری لے کر نکلتے اور ضرورتمندوں اور مستحقین کے گھر پہنچاتے۔

جریر کا بیان ہے کہ جب حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو اُن کی پیٹھ پر وہ نشانات دیکھے گئے، جو ان بوریوں کے اٹھانے سے پڑ گئے تھے، جن میں روٹیاں بھر کر وہ راتوں کو نکلتے اور ضرورت مندوں میں تقسیم کرتے تھے۔

حضرت شیبہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ جب حضرت علی بن حسینؒ کی وفات ہوئی تو لوگوں کو معلوم ہوا کہ وہ مدینہ منورہ کے 100 (سو) گھروں کی پرورش کرتے تھے۔

محمد بن اسحاق کا کہنا ہے کہ اہل مدینہ میں بہت سے لوگ اس طرح گزارا کرتے کہ اُن کو معلوم نہ ہوتا کہ اُن کا

خرچ کہاں سے آتا ہے، جب حضرت علی بن حسینؓ کی وفات ہوگئی، تب اُنھیں پتہ چلا کہ یہ راتوں کو روٹیاں پہنچانے والے زین العابدین حضرت علی بن حسینؓ تھے۔

وہ رات اور دن میں ایک ہزار رکعت پڑھا کرتے تھے، اور جب تیز ہوا چلتی تو بے ہوش ہو کر گر جایا کرتے تھے۔

حضرت عبدالغفار بن قاسم کی روایت ہے کہ ایک بار حضرت زین العابدینؒ مسجد سے نکل رہے تھے کہ ایک آدمی نے ان کو گالی دی، حضرت زین العابدینؒ کے غلام اور ساتھی غصہ میں اس پر دوڑ پڑے، حضرت زین العابدینؒ نے فرمایا: ''ٹھہرو، اس کو کچھ نہ کہو، پھر خود ہی اس شخص کی طرف بڑھے اور فرمایا: ''ہماری زیادہ تر باتیں اور حالات تم سے پوشیدہ ہیں، تم یہ بتاؤ کہ تمہاری کوئی ضرورت ہے جو میں پوری کرسکوں؟ وہ آدمی نادم وشرمسار ہوا، آپ نے اپنا لبادہ اتار کر اس کو دے دیا، اور ایک ہزار درہم عطا فرمائے اس واقعہ کے بعد جب اس شخص کی آپ پر نظر پڑتی تو پکار اٹھتا میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اولادِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔''

ایک بار حضرت زین العابدینؒ کے پاس کچھ لوگ مہمان تھے، آپ نے ایک خادم سے کھانا جلد لانے کا تقاضا کیا، وہ عجلت میں اوپر چڑھا، وہ تیزی سے تنور میں بھنے ہوئے گوشت کی سیخ لے کر آرہا تھا کہ زین العابدینؒ کے ایک بچہ پر (جو نیچے کے زینہ پر بیٹھا ہوا تھا) سیخ گر گئی، جس سے وہ فوراً جاں بحق ہوگیا، حضرت زین العابدینؒ نے بجائے باز پُرس کرنے یا ناراض ہونے کے غلام سے کہا: ''جا تو آزاد ہے، تجھ سے جان بوجھ کر یہ کام نہیں ہوا، اور بچہ کی تجہیز وتکفین میں لگ گئے۔''

حضرت زین العابدینؒ کی ولادت ۳۸ھ کے کسی مہینہ میں ہوئی اُن کی والدہ سلافہؒ (آخری شاہ ایران یزدگرد کی صاحبزادی) تھیں، آپ کی وفات ۹۴ھ کو مدینہ منورہ میں ہوئی اور آپ کی تدفین آپ کے عم بزرگوار حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی قبر مبارک میں ہوئی، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی نسل صرف حضرت زین العابدینؒ سے جاری رہی۔

حضرت زین العابدینؒ کے صاحبزادہ محمد الباقرؒ اور اُن کے فرزند جعفر (الصادقؒ) اوران کے فرزند حضرت موسیٰ بن جعفرؒ (جن کا لقب موسیٰ الکاظم ہے) اور اُن کے صاحبزادہ حضرت علی الرضاؒ سب کے سب اپنے آباء واجداد کے نقش قدم پر بُردباری، سخاوت، صداقت اور پاکبازی وخودداری میں مثالی شخصیتوں کے مالک تھے، عمرو بن المقدامؒ کہتے تھے، ابوجعفر محمد الباقرؒ پر جب نظر پڑتی تو دیکھتے ہی یقین ہوجاتا کہ یہ خانوادۂ نبوت کے چشم وچراغ ہیں۔ (حلیۃ الاولیاء ج۳ ص۱۹۳)

ان کے صاحبزادہ جعفر بن محمد الصادقؒ عبادت اور یادِ الٰہی میں خشوع وخضوع کے ساتھ مشغول رہتے، خلوت گزینی اور دنیا سے بے تعلقی کو، جاہ طلبی اور رجوعِ خلائق وعقیدتِ عام پر ترجیح دیتے تھے۔ (حلیۃ الاولیاء ج۳ ص۱۹۳)

امام مالکؒ ان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے تھے کہ میں جعفر بن محمدؒ کے پاس جایا کرتا تھا، وہ ہمیشہ متبسم رہا کرتے تھے لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی لیا جاتا تو رنگ پیلا یا ہرا پڑ جاتا، میں مدت دراز تک ان کے پاس آتا جاتا رہا، میں ہمیشہ اُن کو تین کاموں میں سے ایک کام میں مشغول پاتا، یا تو نوافل ادا کر رہے ہوتے، یا روزہ سے

ہوتے، یا تلاوت کلام پاک میں مشغول ہوتے، کبھی میں نے ان کو بلا وضو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے نہیں سنا، بے مطلب کسی کی بات میں دخل نہ دیتے، وہ بلاشبہ خداترس عابدوزاہد بزرگوں میں تھے۔

(الامام الصادق از علامہ ابوزہرۃ ص ۷۷ ندوۃ الجدیدۃ، بیروت)

حضرت موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علیؒ (یعنی موسیٰ الکاظم) اس درجہ کے فیاض، اعلیٰ ظرف اور کریم النفس شخص تھے کہ اگر ان کو کسی شخص کے متعلق معلوم ہوتا کہ وہ ان کی برائی کرتا ہے تو اس کے پاس کچھ رقم (کبھی ایک ہزار دینار کی تھیلی) بھیج دیتے۔ (صفۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۱۰۳)

وہ چار سو، تین سو اور دو سو دینار کی تھیلیاں تیار رکھتے اور اہل مدینہ میں تقسیم کرتے تھے، اُن کے صاحبزادہ حضرت علی رضا (ابن موسیٰ الکاظم) کو خلیفہ مامون الرشید عباسی نے اپنا ولی عہد بنایا تھا، ان کی ولادت ۱۵۳ھ کے کسی ماہ کی ہے، ان کی وفات ماہ صفر کے آخری روز ۲۰۲ھ میں ہوئی، ان کی نمازِ جنازہ خلیفہ مامون نے خود پڑھائی اور اپنے والد خلیفہ ہارون الرشید کی قبر کے پاس (قدیم طوس حال مشہد میں) دفن کیا۔

سبط اکبر حضرت حسنؓ کی آل واولاد کا بھی یہی حال تھا۔ مشہور مؤرخ ابن عساکر نے اپنی مشہور کتاب "تاریخ دمشق الکبیر" میں حضرت حسن بن حسن بن علی کے (جو حضرت حسن مثنیٰؒ کے نام سے مشہور ہیں) حالات لکھے ہیں، اور ان کے ایسے اوصاف واخلاق بیان کئے ہیں، جو ان کی سیادت کے شایانِ شان ہیں۔ (تہذیب تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر)

حضرت عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہما (جن کو عبداللہ المحض کہا جاتا) (ان کو عبداللہ المحض اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کے والد حضرت حسن (المثنیٰ) بن حضرت حسن بن علی تھے، اور ان کی والدہ فاطمۃ الصغریٰ، حضرت حسین شہید کی صاحبزادی تھیں، اس طرح یہ پدری و مادری دونوں واسطوں سے خالص ہاشمی علوی تھے (المحض کے معنی خالص ومکمل کے ہیں) تابعین اہل مدینہ اور محدثین میں سے تھے، مؤرخ واقدی کا بیان ہے کہ عبداللہ کثیر العبادت بزرگ تھے، لوگ ان کی بڑی عزت وتعظیم کرتے تھے، ظاہری طور پر بھی بڑی وجیہ اور بارعب شخصیت کے مالک تھے، قوتِ گویائی میں بھی ان کو وافر حصہ ملا تھا، مصعب ابن عبداللہ کہا کرتے تھے، میں نے اپنے علماء کو کسی کی اتنی عزت وتعظیم کرتے نہیں دیکھا، جس قدر وہ عبداللہ المحضؒ کی تعظیم کرتے تھے، ربیعہؒ نے ایک مرتبہ ان کو گفتگو کرتے ہوئے سنا تو بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ طرزِ گفتگو انبیاء کی اولاد ہی کا ہوسکتا ہے۔

مکہ مکرمہ میں ایک مرتبہ کچھ لوگ بیٹھے تھے، ان میں مشہور عالم ومحدث ایوب بھی تھے، پیچھے سے کسی آنے والے نے ان کو سلام کیا، وہ اپنے پورے جسم کے ساتھ اس کی طرف مڑ گئے اور آہستہ سے جواب دیا، پھر وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے، ان کی آنکھوں میں آنسو تھے، اس اہتمام وتعظیم کو دیکھ کر اُن سے پوچھا گیا وہ کون ہیں؟

کہا: فرزندِ رسول عبداللہ بن حسن ہیں۔" (تاریخ ابن عساکر۔ ج ۴ ص ۳۵۷۔۳۶۶)

ابن کثیر کا بیان ہے: عبداللہ المحض بن حسن المثنیٰ بن حسن بن علی بن ابی طالب (رضوان اللہ علیہم) کی علماء بڑی تعظیم کرتے تھے، وہ باوقار عابد وزاہد بزرگ تھے، یحییٰ نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ لوگوں کو ان پر بڑا اعتماد اور ان کی نگاہوں میں ان کی بڑی وقعت اور وزن تھا، ان سے بہت سے محدثین نے احادیث کی روایت کی ہے، جن میں سفیان ثوری، دراوردی اور مالک بھی ہیں، سن وفات غالباً ۱۴۵ھ ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ ج۹ص ۴۲)

ان کے صاحبزادہ محمد نے حکومتِ وقت (عباسیوں) کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا تھا، بہت ہی بلند ہمت اور صاحبِ عزیمت بزرگ تھے، ان کا بڑا رعب داب تھا، شجاعت میں یکتا۔ (البدایۃ والنہایۃ ج۱۰ص ۹۵)

کثیر الصیام اور کثیر النوافل تھے، (جسمانی طور پر) نہایت قوی وتوانا تھے، ان کا لقب المہدی اور النفس الزکیۃ تھا۔ (الکامل لابن الأثیر ج۵ص ۵۵۳) ان میں بنی ہاشم اور اہل بیت نبوت کی تمام خصوصیات نظر آتی تھیں، مُروّت، لوگوں کا لحاظ وخیال، ان کو اپنی وجہ سے کسی اذیت اور خطرہ میں نہ پڑنے دینا اُن کا خاص وصف تھا، جب خلیفہ منصور کی فوج سے مدینہ منورہ میں مقابلہ ہوا اور اُن کو اپنی شہادت کا یقین ہوگیا تو انہوں نے گھر جا کر وہ رجسٹر جلا دیا، جس میں اُن کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں کے نام درج تھے، کیونکہ اُن کو ڈر تھا کہ ان کے بعد (ان کی حمایت ونصرت کے الزام میں) ان پر سختی کی جائے گی، اور اُن کو اس کی بڑی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ (الکامل لابن الأثیر ج۵ص ۵۴۷۔۵۴۸)

نسبت نبوی کی غیرت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے ان حضرات کو نسبی تعلق کا جو شرف حاصل تھا، اس کے بارے میں ان کے اندر شدید غیرت واحتیاط پائی جاتی تھی، اس نسبت سے کوئی دنیاوی فائدہ حاصل کرنا اس کی ناقدری اور اس کا بے جا استعمال سمجھتے تھے، جس طرح دوسری قوموں اور مذاہب میں دیکھا جاتا ہے کہ اونچی ذات والے اپنی عالی نسبی یا خاندان ونسل کی خصوصیت کو اس طرح کام میں لاتے ہیں کہ ان کے ماننے والے اُن کو مقدس اور قانون سے بالا سمجھتے ہیں، گویا وہ کوئی مافوق البشر مخلوق ہیں، لیکن تاریخ وسیر کی کتابوں سے فرزندانِ رسول وساداتِ کرام کی خودداری اور عزت نفس کی جو تصویر ملتی ہے، وہ کلیۃً ان برہمن زادوں اور ایرانی ومسیحی دنیا کے مذہبی اجارہ داروں کے طرزِ عمل سے مختلف ہے، جو مذہب وخاندان کا استحصال کرتے ہیں، اور مذہبی خدمات کو اپنی جاگیر سمجھتے ہیں، مختلف ادیان اور اقوام میں ایک طبقہ ہمیشہ ایسا رہا ہے جو پیدائشی طور پر مقدس سمجھا جاتا تھا، اور اس کو اپنی زندگی بسر کرنے کیلئے کسی محنت یا جدوجہد کی ضرورت نہیں ہوتی تھی، اس کا سلسلہ دور حاضر تک جاری ہے،

ایک مرتبہ سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما بازار تشریف لے گئے، کوئی چیز خریدنا چاہتے تھے، آپ نے اس کا بھاؤ معلوم کیا، دوکاندار نے اس کی عام قیمت بتائی، ابھی سودا نہیں ہوا تھا کہ دوکاندار کو کسی ذریعہ سے معلوم ہوگیا کہ یہ نواسۂ رسول حسن بن علی رضی اللہ عنہما ہیں، اس نے ذات نبوی سے تعلق ونسبت کے احترام میں قیمت کم کردی، لیکن

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اس رعایت کو قبول نہیں فرمایا اور مطلوبہ چیز چھوڑ کر چلے آئے، اور فرمایا: میں نہیں چاہتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے قرب و تعلق کی بناء پر حقیر سے حقیر فائدہ اٹھاؤں۔

جویریہ جو حضرت زین العابدینؒ کے خادم خاص تھے، کہتے ہیں، علی بن حسین بن علی (زین العابدین،) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عزیز داری کے تعلق کی بنا پر ایک درہم کا فائدہ بھی نہیں اٹھایا، (البدایۃ والنہایۃ ج۹ص ۱۰۶) آپ جب کسی سفر پر جاتے تو اپنے آپ کو ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے، آپ سے پوچھا گیا کہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ فرمایا: مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر کوئی ایسا فائدہ حاصل کروں جس کا جواب اور بدل (سفر اور عجلت کی وجہ سے) نہ دے سکوں۔ (وفیات الاعیان لابن خلکان۔ج۲ص۴۳۴)

اسی طرح حضرت علی رضا (بن موسیٰ الکاظم) کا بھی حال بیان کیا جاتا ہے کہ وہ بھی جب سفر کرتے تو اپنی شخصیت کو ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے، جب اُن سے اس کا سبب دریافت کیا گیا کہ ایسا کیوں کرتے ہیں۔

تو فرمایا: میں یہ ناپسند کرتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر وہ چیز حاصل کروں جس کا (سفر کی وجہ سے) مناسب جواب نہ دے سکوں۔ (مطبعۃ النھضہ۔قاہرہ ۱۹۴۸ء)

مبالغہ اور غلو کے ساتھ مدح سرائی اور اظہار محبت سے نفرت

یہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے نسبی تعلق کے اظہار و افتخار کے بارے میں بہت محتاط تھے، وہ نہیں چاہتے تھے کہ یہودیت، عیسائیت اور برہمنیت کے جیسے دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کی طرح اس نسبی تعلق کو بیان کرنے میں مبالغہ آرائی اور غلو سے کام لیا جائے، چنانچہ یحییٰ بن سعیدؒ سے روایت ہے وہ کہتے تھے کہ: ایک مرتبہ کچھ لوگ حضرت زین العابدینؒ کے پاس جمع تھے، اور ان کی مدح سرائی کر رہے تھے، آپ نے فرمایا: ہم سے محبت واحترام کا تعلق صرف اللہ کیلئے اور اسلامی رشتہ کی بناء پر قائم کیجئے میں دیکھتا ہوں کہ آپ لوگ ہم سے ایسی محبت وعقیدت کا اظہار کرنے لگے ہیں جو ہمارے لئے عار بن گئی۔ (حلیۃ الاولیاء۔ج۲جزءسوم ص۱۳۶)

اس طرح خلف بن حوشب نے حضرت زین العابدینؒ کے متعلق بیان کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: اے اہلِ عراق، اے کوفہ کے لوگو! ہم سے آپ اسلام کی بنا پر محبت رکھئے، ہم کو اتنا نہ بڑھایئے جتنا ہمارا حق نہیں ہے۔ (حلیۃ الاولیاء)

آپ ہی سے یہ قول بھی مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ہم اہل بیت خوشی اور پسندیدہ چیز سامنے آتی ہے تو اس پر اللہ کی حمد کرتے ہیں۔ (حلیۃ الاولیاء۔ج۲جزءسوم ص۱۳۸)

اسی طرح حسن (مثنیٰ) بن حسن بن علی بن ابی طالب رضوان اللہ علیہم نے ایک شخص سے کہا: جو آپ کی مدح سرائی میں مبالغہ کر رہا تھا، اے نامرادو! (عربی متن میں "ویلکم" استعمال ہوا ہے، اور "ویلکم یا ویحکم" کے لفظی معنی ہیں "تمہاری بربادی ہو" یا "اے نامرادو! مگر درحقیقت یہ لفظ صرف مخاطب کو ذرا تیز لہجہ میں خطاب کرنے کیلئے بولا

جاتا ہے، اوراس کے کوئی معنی نہیں ہوتے، یہ بولنے کا طریقہ ہے کبھی کبھی لوگ اس طرح کے الفاظ پیار سے بھی کہہ دیا کرتے ہیں، جیسے اردو میں، ارے کمبخت، مقصود یہ نہیں ہوتا کہ اے وہ جس کی شامت آگئی ہے (مترجم) رعایت کرتا تو بیٹے کی وجہ سے اس کے ماں باپ کو بخش دیتا، ہمارے بارے میں حق بات کہا کرو، کیونکہ تمہاری مطلب براری کیلئے یہ بہت کافی ہے، اور ہم تم سے اس بات پر خوش رہیں گے۔ (ابن عساکر ج ۴ ص ۱۶۵۔۱۶۹)

اسی طرح اپنے مدح سراؤں سے فرمایا: اللہ کے بندہ! ہم اگر اللہ تعالیٰ کے احکام بجالائیں تو ہم سے اللہ کی اطاعت کی بناء پر محبت یا تعلق رکھو، اور اگر ہم اس کی نافرمانی کریں تو اس کی معصیت کی وجہ سے ہم سے قطع تعلق کرو۔ (البدایۃ والنہایۃ)

ان حضرات کو ہمیشہ مسلمانوں کے اتحاد اور وحدتِ کلمہ کی فکر دامن گیر رہا کرتی تھی، عبداللہ ابن مسلم بن بابک عرف البابکی (حضرت زین بن علی شہیدؒ کے ایک رفیق) روایت کرتے ہیں:

''ہم لوگ زید بن علیؒ کے ساتھ مکہ مکرمہ کیلئے روانہ ہوئے، جب آدھی رات ہوئی، اور ثریا (ایک ستارہ) نمایاں ہوکر بھرپور روشنی دینے لگا تو زید بن علیؒ نے فرمایا: اے بابکی! کیا تم اس ستارہ (ثریا) کو دیکھ رہے ہو؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ کوئی وہاں تک پہنچ سکتا ہے؟ عرض کیا نہیں، فرمایا'' واللہ میں اس کو پسند کرتا ہوں کہ اس تارے سے میرے ہاتھ لگیں، اور وہاں سے گر کر میرا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے اور اللہ (اس کے عوض میں) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں صلح واتحاد پیدا فرمادے۔'' (مقاتل الطالبیین لابی الفرج الاصبہانی (۲۸۴۔۳۵۶ھ) ص ۱۲۹ نشر دار المعرفۃ للطباعۃ والنشر، بیروت)

خلفائے ثلاثہ کے فضل وکمال کا اعتراف اور ان کا دفاع

یہ حضرات ہمیشہ تینوں خلفائے راشدین کی خدمتِ اسلام کے کارنامے اور مسلمانوں پر ان کے حقوق کا اعتراف کیا کرتے تھے، اور اس کا اظہار علانیہ اور مجمعِ عام میں کیا کرتے تھے۔

چنانچہ یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت علی بن حسین (زین العابدینؒ) کی خدمت میں چند عراقی آئے اور انہوں نے حضرات خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم کے بارے میں کچھ ناروا بات کہی، جب وہ لوگ کہہ چکے تو حضرات زین العابدینؒ نے فرمایا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تم ان لوگوں میں نہیں ہو جن کے بارے میں قرآن کریم میں آتا ہے:

اور ان کیلئے (بھی) جو ان (مہاجرین) کے بعد آئے (اور) دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں، گناہ معاف فرما اور مؤمنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (وحسد) نہ پیدا ہونے دے، اے ہمارے پروردگار تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

تم لوگ میرے پاس سے نکل جاؤ خدا تم سے سمجھے۔ (صفۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۵۵)

عروہ بن عبداللہ نے کہا میں نے حضرت محمد الباقر سے تلوار پر زینت وآرائش کرنے کے بارے میں دریافت کیا، فرمایا کوئی حرج نہیں ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی تلوار پر زینت وآرائش کی تھی، میں نے کہا آپ ''الصدیق'' کہتے ہیں؟

وہ ایک دم سے اٹھے اور قبلہ رُخ ہو گئے اور فرمایا: ''ہاں الصدیق کہتا ہوں، اور جو اُن کو صدیق نہ کہے اللہ دنیا وآخرت میں اس کی بات کو سچا نہ کرے۔ (صفۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۱۸۵)

مولی جابر الجعفی سے روایت ہے کہ جب میں حضرت محمد الباقر سے رخصت ہوا تو فرمایا کہ اہل کوفہ سے کہہ دینا کہ میں ان لوگوں سے بری ہوں جو ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے براءت کا اظہار کرتے ہیں۔ (صفۃ الصفوۃ۔ ج ۲ ص ۱۸۵، اور ایک نسخہ میں ہے جو تمسخر کرتے ہیں ''ممن ھزأ'' کالفظ ہے۔)

محمد بن اسحاق سے مروی ہے کہ حضرت محمد الباقر نے فرمایا: جو شخص حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت نہیں جانتا وہ سنت سے ناواقف ہے۔

(صفۃ الصفوۃ۔ ج ۲ ص ۱۸۵، اور ایک نسخہ میں ہے جو تمسخر کرتے ہیں ''ممن ھزأ'' کالفظ ہے۔)

ابوخالد الاحمر نے کہا: میں نے عبداللہ المحض بن حسن المثنیٰ سے حضرات شیخین ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا: ''صلی اللہ علیہما ولا صلی علی من لم یصل علیہما''
(ان دونوں پر اللہ کی رحمت ہو اور جس نے ان دونوں پر رحمت خداوندی کی دعا نہیں کی اس پر اللہ کی رحمت نہ ہو) اور فرمایا: ''میں ایسے شخص کے بارے میں جو سیدنا ابوبکر وسیدنا عمر رضی اللہ عنہما پر سب وشتم کرتا ہو توقع نہیں رکھتا کہ اس کو توبہ نصیب ہو'' ان کے سامنے اس دن کا تذکرہ آیا، جس دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تو اس قدر روئے کہ داڑھی اور دامن تر ہو گئے۔

(تاریخ ابن عساکر ص ۳۵۷_۳۶۶)

کربلا کے بعد

لایا جو خون رنگِ دگر کربلا کے بعد
اُونچا ہُوا حسینؓ کا سَر کربلا کے بعد

پاسِ حرم ، لحاظِ نبوّت ، بقائے دِیں
کیا کچھ تھا اُس کے پیشِ نظر کربلا کے بعد

اے رہ نوردِ شوقِ شہادت ترے نثار
طے ہو گیا ہے تیرا سفر کربلا کے بعد

آباد ہو گیا حرم ربِّ رسولؐ کا
وِیراں ہُوا بتولؓ کا گھر کربلا کے بعد

ٹوٹا یزیدیت کی شبِ تار کا فُسُوں
آئی حُسینیت کی سَحَر کربلا کے بعد

اِک وُہ بھی تھے کہ جان سے ہنس کر گزر گئے
اِک ہم بھی ہیں کہ چشم ہے تر کربلا کے بعد

جوہر[۱] کا شعر صفحۂ ہستی پہ ثبت ہے
پڑھتے ہیں جس کو اہلِ نظر کربلا کے بعد

"قتلِ حسینؓ اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد"

○

(۱۹۵۵-۵۱ء)

---

[۱] مولانا محمد علی جوہر رحمہ اللہ

سیّدنا امام حسنؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کے ائمہ صاحبزادگانؓ سلامُ اللہ ورحمتہ علیہم

آئندہ صفحات میں امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسلِ مبارک میں سے
درج ذیل ائمہ حضرات سلامُ اللہ ورحمتہ علیہم کی سیرت ومناقب دیا جائے گا

1. ...امام حسن مثنیٰ سلامُ اللہ ورحمتہ علیہ
2. ...امام عبداللہ محض بن حسن مثنیٰ سلامُ اللہ ورحمتہ علیہما
3. ...امام نفسِ زکیہ بن عبداللہ محض سلامُ اللہ ورحمتہ علیہما
4. ...امام مہدی سلامُ اللہ ورضوانہ علیہ

❶ ...امام حسن مثنیٰ سلامُ اللہ ورحمتہ علیہ

(حسن بن حسن بن علی کرم اللہ وجہہ)

نام ونسب

آپ سلامُ اللہ ورحمتہ علیہ، کا نام ''حسن'' تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی طالب کے بیٹے تھے۔ (الطبقات الکبریٰ)

والدہ کا نام ''خولہ بنت منظور'' تھا۔ (بغیۃ الطلب فی تاریخ حلب)

جو قبیلہ ''فزارہ'' کی تھیں اور اسی نسبت سے خولہ فزاریہ کہلاتی تھیں۔ (سیر اعلام النبلاء)

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت ''ابو محمد'' اور لقب ''مثنیٰ'' تھا۔ (نور الابصار فی مناقب آل بیت النبی المختار)

وطن کے اعتبار سے آپ رحمۃ اللہ علیہ ''مدنی'' (بغیۃ الطلب فی تاریخ حلب)

جبکہ نسب کے لحاظ سے قریشی، ہاشمی اور حسنی تھے۔ (البدایۃ والنہایۃ)

والدہ ماجدہ کا تذکرہ

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ حضرت خولہ قبیلہ ''فزارہ'' سے تعلق رکھتی تھیں، آپ رحمۃ اللہ علیہا کے والد کا نام منظور بن زبان، والدہ کا نام ملیکہ بنت خارجہ اور نانی کا نام تُماضر بنت قیس تھا۔

حضرت خولہ، امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے حضرت محمد بن طلحہ تیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں تھیں، اُن سے حضرت خولہ رحمۃ اللہ علیہا کے تین بیٹے پیدا ہوئے: ابراہیم، داؤد اور قاسم۔ حضرت محمد بن طلحہ تیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ جمل میں جب شہید ہو گئے تو یہ حضرت امام حسن بن علی بن ابو طالب کے نکاح میں آئیں اور ان سے حضرت امام حسن مثنیٰ رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔

اس لحاظ سے حضرت محمد بن طلحہ تیمی رحمۃ اللہ علیہ کے تینوں بیٹے (ابراہیم، داؤد اور قاسم) امام حسن مثنیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے ماں شریک بھائی تھے۔ (نظر: تہذیب الکمال فی اسماء الرجال)

❷...امام عبداللہ محض رحمہ اللہ

(عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن حسن بن علی کرم اللہ وجہہ)

نام ونسب

آپ سلام اللہ ورحمۃ علیہ کا نام ''عبداللہ'' تھا اور بہت عالی نسب سے آپ رحمہ اللہ نوازے گئے تھے کہ آپ رحمہ اللہ امام حسن مثنیٰ رحمہ اللہ کے جلیل القدر صاحبزادے اور نوجوانانِ جنت کے سرداروں میں سے ایک (یعنی امام حسن بن علی رضی اللہ عنہ) کے پوتے اور دوسرے (یعنی امام حسین رضی اللہ عنہ) کے نواسے تھے، اسی طرح امام زین العابدین رحمہ اللہ کے آپ رحمہ اللہ بھانجے اور امام زید بن حسن رضی اللہ عنہ کے سگے بھتیجے تھے۔ (البدایۃ والنھایۃ ط ہجر: ۱۳/۳۸۰)

آپ رحمہ اللہ کی والدہ ماجدہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں اور آپ رحمہ اللہ کی نانی کا نام ''اُم اسحاق بنت طلحہ'' تھا اور آپ رحمہ اللہ کی دادی کا نام ''خولہ بنت منظور'' تھا جو قبیلہ ''فزارہ'' کی تھیں اور اسی نسبت سے ''خولہ فزاریہ'' کہلاتی تھیں اور آپ رحمہ اللہ نسب کے لحاظ سے ہاشمی، علوی جبکہ وطن کے اعتبار سے مدنی تھے۔

آپ رحمہ اللہ کی کنیت ''ابومحمد'' اور لقب ''محض'' تھا (اور اسی لقب سے معروف ہونے کی بناء پر ''عبداللہ محض'' کہلاتے تھے) اس لقب کی وجہ یہ تھی کہ ''محض'' کا مطلب ہے وہ شخص جس کا نسب خالص ہو (یعنی اس میں اپنے خاندان کے علاوہ کسی اور نسب کی آمیزش نہ ہو) تو آپ رحمہ اللہ کے چونکہ مادری و پدری دونوں طرف سے نسب حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہ پر ہی ختم ہوتے تھے اور یہ دونوں ایک ہی باپ کے صاحبزادے اور آپس میں سگے بھائی تھے، اس لیے آپ رحمہ اللہ کا نسب طرفین سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر جا پہنچتا تھا، اس میں کسی اور نسب کی آمیزش نہ تھی۔ چنانچہ آپ رحمہ اللہ ''محض'' کے لقب سے ملقب ہوئے۔ اس (لقب محض) کے علاوہ آپ رحمہ اللہ کو ''کامل'' بھی کہا جاتا تھا۔

ولادت

آپ سلام اللہ ورحمۃ علیہ کی ولادتِ باسعادت دُنیا کے معزز و مقدس گھر کے اندر ہوئی یعنی مسجد نبوی اور خانۂ نبوی سے متصل، حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے مبارک گھر میں آپ رحمہ اللہ پیدا ہوئے۔ آپ رحمہ اللہ کی یہ پیدائش ۷۰ ہجری کے اندر، عبدالملک بن مروان کے دورِ خلافت میں ہوئی۔ اس کے علاوہ آپ رحمہ اللہ بھی ان خوش قسمت ہستیوں میں سے تھے جن کی ولادت میں حضرت امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما ہر دو کی نسبت یکجا تھی۔ (مجمع الآداب فی معجم الألقاب: ۴/۴۶)

سخاوت

امام عبداللہ محض رحمۃ اللہ علیہ اس عالی خاندان کے فرد تھے جو منبعِ سخاوت تھا اور اس حسین گلدستہ کے پھول تھے جس کا ہر ہر پھول سخاوت سے معطر تھا، چنانچہ سخاوت کا یہ وصفِ ممتاز آپ رحمۃ اللہ علیہ میں بھی نمایاں تھا، جسکا ہلکا سا اندازہ درج ذیل چند واقعات سے کیا جاسکتا ہے: (۱) مشہور کوفی شاعر ''کُمیت بن زَید اَسدی'' مدینہ میں امام باقر کے پاس آیا اور ان کو اپنا ''قصیدۂ میمیہ'' سنایا، جب اس شعر پر پہنچا:

وقتیل بالطف غودر منهم بین غوغاء امة وطعام

''طف'' (کوفہ کے قریب ایک علاقے کا نام، جس کا مشہور مقام ''کربلاء'' ہے (معجم البلدان)) کی شہید ہستی (یعنی امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ)، وہ شخصیت ہے جس کو اس امت کے بازاری اور گھٹیا قسم کے لوگوں کے درمیان بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا تھا) تو امام باقر رحمۃ اللہ علیہ رو پڑے، پھر اس سے مخاطب ہو کر فرمایا: ایک کُمیت! اگر ہمارے پاس مال ہوتا تو ان اشعار کے انعام میں ہم تمہیں ضرور دیتے، مگر اب میں تمہیں وہی جملہ کہہ سکتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا تھا: ''(اللہ کی طرف سے) جبریل امین جیسے فرشتے کی تائید و نصرت تمہارے شاملِ حال رہے جب تک تم (اپنے اشعار سے) ہم اہلِ بیت کا دفاع کرتے رہو۔''

امام باقر رحمۃ اللہ علیہ سے اُٹھنے کے بعد کُمیت، امام عبداللہ محض رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور ان کے سامنے بھی اشعار کہے۔ ان اشعار کے انعام میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے فرمایا: میری ایک زمین ہے، جس پر میں نے چار ہزار دینار (مساوی تقریباً ساڑھے سات کروڑ روپے) خرچ کئے ہیں، یہ اُس کی رسید ہے اور میں نے تمہارے لئے اس بات کے گواہ بھی بنادیے ہیں کہ یہ زمین میں نے تمہیں دے دی ہے۔ اس کے بعد وہ رسید آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کمیت کو تھما دی۔ کمیت کہنے لگا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! بلاشبہ میں دیگر لوگوں کی مدح میں اشعار کہتا رہتا ہوں اور پھر ان اشعار کے بدلے میں اُن سے دنیا اور مال بھی وصول کرتا ہوں، مگر مجھے میرے اللہ کی قسم! میں نے آپ اہلِ بیت حضرات کی مدح میں یہ اشعار صرف اللہ کی رضا کے لئے کہے ہیں، لہٰذا اللہ کے لئے کہے جانے والے اِن اشعار کے بدلے میں، میں کوئی قیمت اور کسی قسم کا کوئی مال لینے سے قاصر ہوں۔ امام محض رحمۃ اللہ علیہ دینے پر اور وہ معذرت کرنے پر اصرار کرتے رہے، بالآخر اُس نے یہ رسید لے لی اور روانہ ہو گیا۔ کچھ دنوں بعد وہ دوبارہ امام عبداللہ محض رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آیا اور کہا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے! مجھے آپ سے ایک کام ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: وما هي؟ وكل حاجة لك مقضية ''بتاؤ، کیا کام ہے؟ تمہاری ہر ضرورت پوری کی جائے گی۔'' کُمیت نے کہا: چاہے جو بھی ضرورت ہو؟ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہاں! جو بھی ضرورت ہو۔ اُس نے وہی رسید نکال کر سامنے رکھ دی اور عرض کی کہ اسے قبول فرمالیں اور اپنی زمین واپس لے لیں۔ یہ سن کر امام محض رحمۃ اللہ علیہ خاموش رہ گئے، چنانچہ اس نے وہ رسید آپ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے رکھ دی اور آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بادلِ نخواستہ وہ قبول فرمالی۔ (الحیاۃ الادبیۃ فی عصر بنی امیۃ)

③...امام نفسِ زکیہ سَلامُ اللہ ورحمتہ علیہ

(محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی کرم اللہ وجہہ)

نام ونسب

آپ کا نام ''محمد'' اور والد ماجد کا نام ''عبداللہ بن حسن مثنیٰ'' تھا، یعنی آپ رحمتہ اللہ علیہ سیدنا امام حسن بن علی کرم اللہ وجہہ کے پڑپوتے تھے۔ (تہذیب التہذیب) آپ رحمتہ اللہ علیہ نسب میں ہاشمی اور علوی۔ (میزان الاعتدال) جبکہ وطن کے لحاظ سے مدنی تھے۔ (سیر اعلام النبلاء) آپ رحمتہ اللہ علیہ کی کنیت ''ابوعبداللہ'' تھی۔ (الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم)

اور درج ذیل خوبصورت متعدد القاب سے ملقب تھے:

''نفسِ زکیہ'' (باطن میں پاک وصاف آدمی)، ''مہدی'' (چونکہ آپ رحمتہ اللہ علیہ کا نام محمد بن عبداللہ تھا، اور حدیث شریف سے بھی امام مہدی کا نام محمد بن عبداللہ معلوم ہوتا ہے، چنانچہ آپ رحمتہ اللہ علیہ کے خاندان نے آپ رحمتہ اللہ علیہ کا یہ لقب تجویز کیا تھا۔ (ینظر: الأعلام للزورکلی)

''ارقط'' (جس کا رنگ سیاہی وسفیدی سے مخلوط ہو۔ آپ کا رنگ شدید گندمی تھا)۔ (الأعلام للزورکلی)

البتہ ان میں سے ''نفسِ زکیہ'' کے لقب سے آپ رحمتہ اللہ علیہ زیادہ معروف تھے اور عموماً اسی لقب سے پکارے جاتے تھے۔ (تعلیق المحقق علی تہذیب الکمال فی اسماء الرجال)

اگرچہ بعض مؤرخین نے آپ رحمتہ اللہ علیہ کے اسم گرامی (محمد) کے ساتھ مہدی کا لقب استعمال کیا ہے، (کماتری فی الوافی بالوفیات) مگر زیادہ مشہور لقب وہی ''نفسِ زکیہ'' ہی ہے۔ اور آپ رحمتہ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ کا نام ''ہند بنت ابی عُبیدہ'' تھا۔ (الطبقات الکبری)

ولادت

آپ کے سن ولادت میں اختلاف ہے۔ بعض نے ۱۰۰ھ اور دیگر بعض نے ۹۳ھ لکھا ہے۔ (نثر الدر فی المحاضرات)

لیکن کثرتِ روایات پر نظر کرتے ہوئے بظاہر ۱۰۰ھ، راجح معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

البتہ یہ بات واضح ہے کہ آپ رحمتہ اللہ علیہ کی ولادت مدینہ طیبہ میں ہوئی اور پھر وہیں پرورش ہوئی اور پلے بڑھے۔ (الأعلام للزورکلی)

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت کے سلسلہ میں کئی مؤرخین نے ایک نہایت حیران کن بات لکھی ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنی والدہ کے پیٹ میں چار سال رہے، چوتھے سال کے اخیر میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش ہوئی۔ (تہذیب الکمال فی اسماء الرجال)

فضائل وخصائص

اللہ تعالیٰ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو جن فضائل، خصائص، اوصاف ومناقب اور عمدہ عادات واعزازات سے سرفراز فرمایا تھا ان میں سے جو جو چیزیں مختلف کتب سیرت وتاریخ میں درج ہو سکی ہیں، ذیل میں صرف انہی کو تحریر کیا جاتا ہے:

۱۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ بہت زیادہ روزے رکھتے اور اسی طرح کثرت سے نماز میں مشغول رہتے۔ (المختصر فی اخبار البشر)

۲۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو علم کی بلندیاں نصیب فرمائی تھیں وہاں روحانیت میں بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کو اعلیٰ مقام پر فائز فرمایا تھا، اسی طرح بدنی قوت وطاقت اور قلبی شجاعت وہمت میں بھی دوسرے لوگوں پر فائق تھے۔ (الوافی بالوفیات)

۳۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ خلوت پسند تھے اور شہر سے دور رہ کر اپنا وقت گزارتے، حتیٰ کہ بادشاہِ وقت کے دربار میں بھی آنا جانا نہ رکھتے۔ (تہذیب التہذیب)

۴۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو لوگوں میں اونچا مقام حاصل تھا اور بڑے آدمی شمار ہوتے تھے۔ اسی طرح آپ رحمۃ اللہ علیہ عالی ہمت، اور عظیم غلبہ آور شخصیت تھے۔ (البدایۃ والنہایۃ)

۵۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ محتاط اور دور اندیش شخص، اور مستقل مزاج انسان تھے۔ (تاریخ الطبری)

۶۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ آل ابوطالب کے عظیم فرد اور معزز شخصیت تھے، اس کے علاوہ ایک جلیل القدر عالم بھی تھے، نیز شجاعت، فہم وفراست اور سخاوت سے آپ رحمۃ اللہ علیہ کا دامن لبریز تھا۔ (الأعلام للزرکلی)

۷۔ لوگ آپ رحمۃ اللہ علیہ سے بے پناہ اور ٹوٹ کر محبت کرتے تھے، آپ رحمۃ اللہ علیہ عظیم فضل وکمال کا مجموعہ تھے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ، کئی اعتبار سے مشابہت کی سعادت حاصل تھی مثلاً: آپ رحمۃ اللہ علیہ کا نام اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد کا نام، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد کے اسم گرامی کے موافق تھا، اسی طرح آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے اخلاق وعادات میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت مشابہت رکھتے تھے۔ (شذرات الذہب فی اخبار من ذہب) نیز جنگ کے دوران آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھیوں کی تعداد بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جنگِ بدر کے ساتھیوں کے بقدر تھی۔

۸۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ بہت طاقتور اور بہادر انسان تھے۔ (الکامل فی التاریخ)

طاقتور اتنے تھے کہ ایک مرتبہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد کا اونٹ بھاگ گیا، اسے پکڑنے کے لئے سب لوگ اس کے پیچھے دوڑے لیکن آپ رحمۃ اللہ علیہ کے سوا کوئی اس کو نہیں مل سکا، آپ رحمۃ اللہ علیہ کا ہاتھ اس کی دم پر پڑ گیا

چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اسے دم سے پکڑ کر اپنی طرف پیچھے کھینچنا شروع کر دیا اور وہ اونٹ آگے کی طرف زور لگا رہا تھا، اونٹ کے زور لگانے کے باوجود وہ دم آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ سے نہ چھوٹ سکی حتیٰ کہ دم ٹوٹ گئی اور آپ رحمۃ اللہ علیہ وہ دم لے کر واپس آ گئے۔ (الوافی بالوفیات)

بہادر اتنے تھے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو جنگ میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشابہ قرار دیا جاتا تھا۔ (الاعلام للزرکلی)

۹۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ذکر کی گئی ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ، نانی اور اسی طرح اوپر تک، کہیں بھی کوئی باندی نہیں ہے بلکہ سب معزز قریشی خواتین تھیں۔ اسی لئے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو ''صریح قریش'' (یعنی خالص قریشی نوجوان) کے معزز و منفرد خطاب سے یاد کیا جاتا تھا۔ (الافادۃ فی تاریخ الائمۃ السادۃ)

۱۰۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو صحابۂ کرام، خصوصاً خلفاء راشدین کے ساتھ نہایت عقیدت تھی اور اس عقیدت کا عمومی اظہار فرمایا کرتے، چنانچہ حضرت جُندُب اَسدی بیان کرتے ہیں کہ کوفہ اور جزیرہ کے کچھ لوگ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق آپ رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا۔ اُن کی بات سن کر آپ رحمۃ اللہ علیہ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: **انظر الی اهل بلادک یسالونی عن ابی بکر و عمر، لهما عندی افضل من علی** ''اپنے اہلِ علاقہ کو دیکھو، یہ مجھ سے حضرت ابوبکر و عمر کے متعلق دریافت کرتے ہیں۔ میرے نزدیک وہ دونوں حضرات، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل ہیں۔'' (الصواعق المحرقۃ)

۱۱۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے عمدہ اوصاف میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ اداءِ قرض کے سلسلہ میں عام لوگوں کی طرح غفلت سے کام لینے کے بجائے اس کی ادائیگی کے متعلق فکرمند رہتے تھے حتیٰ کہ اپنی موت کے وقت بھی اپنے ایک قرض کی ادائیگی کے متعلق نہایت فکرمند تھے جیسا کہ درج ذیل واقعہ سے معلوم ہوتا ہے:

منصور عباسی کے لشکر کے ساتھ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ مصروفِ جنگ تھے اس وقت آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معروف تلوار ''ذوالفقار'' تھی (جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دی تھی اور پھر وہاں سے امام نفس زکیہ رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچی تھی۔ (مرأۃ الجنان وعبرۃ الیقظان)

جنگ میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے جب اپنی شہادت کو قریب محسوس کیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے وہ تلوار اُس تاجر کو دے دی جو اُس وقت آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تھا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ اس کے چار سو دینار کے مقروض تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اُسے فرمایا: یہ تلوار لے لو کیونکہ آلِ ابی طالب میں سے ضرور کوئی شخص اس کے بدلے میں تمہیں تمہارا حق دے دے گا۔ پھر وہ تلوار اس تاجر کے پاس رہی یہاں تک کہ جعفر بن سلیمان مدینہ کا گورنر مقرر ہوا، اُسے اس ماجرا کی اطلاع ملی تو اُس نے تاجر کو بلوایا اور تلوار لے کر اسے چار سو دینار دے دیئے۔ (وفیات الاعیان)

④...حضرت امام مہدی علیہ السلام

آخری زمانہ میں فساد پھیلنے، ظلم وستم، طاقتور کا کمزور کا حق دبانا اور اہل شر کا ابھرنا وغیرہ جیسے حالات کی وجہ سے مومن نئے دن کی صبح کا انتظار کریں گے جس سے زمین پر پھیلا ہوا اندھیرا ختم ہو جائے گا۔ تو اس وقت اللہ تعالیٰ محمد بن عبداللہ حسنی علوی یعنی مہدی علیہ السلام کو ظاہر ہونے کی اجازت دیں گے۔

- ...مہدی علیہ السلام کون ہیں؟
- ...مہدی علیہ السلام کے ظاہر ہونے کی کیا وجہ ہے؟
- ...مہدی علیہ السلام کہاں سے ظاہر ہوں گے؟
- ...کیا مہدی علیہ السلام ابھی موجود ہیں؟
- ...مہدی علیہ السلام کیا کر رہے ہیں؟
- ...مہدی علیہ السلام کے پیروکار کون ہوں گے؟

جب ہم مہدی علیہ السلام کا ذکر سنتے ہیں....تو اس طرح کے بہت سے سوالات ہمارے ذہنوں میں آتے ہیں....لہٰذا ہم آئندہ سطور میں....ان جیسے سوالوں کے مختصر.... اور واضح جواب ذکر کریں گے....

سیدنا امام مہدی علیہ السلام کا نام ونسب

مہدی علیہ السلام کا نام محمد بن عبداللہ الحسنی العلوی ہے اور وہ اہل بیت میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی نسل میں سے ہوں گے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر دنیا میں سے ایک ہی دن باقی رہ گیا تو اللہ تعالیٰ اس دن کو بڑھادیں گے حتیٰ کہ ایسے شخص کو ظاہر کریں گے جو مجھ میں سے یا میرے اہل بیت میں سے ہوگا۔ وہ میرا ہم نام اور اس کا والد میرے والد کے ہم نام ہوگا۔ (یعنی محمد بن عبداللہ) (ترمذی)

مہدی علیہ السلام کے ظاہر ہونے کی وجوہات

آخری زمانہ میں نیک وصالح آدمی ظاہر ہوگا اور یہ اس زمانہ میں ہوگا جبکہ زمین پر فساد پھیل جائے گا' گناہوں کی کثرت ہوگی' ظلم بڑھ جائے گا' عدل وانصاف کم ہوجائے گا' تو اس وقت اللہ تعالیٰ اس بندہ کے ظاہر ہونے کے بعد اس کے ہاتھوں سے زمانہ کے حالات درست فرمائیں گے۔ اہل سنت والجماعت کے ہاں اس بندہ کو مہدی علیہ السلام کہا جاتا ہے اور اس بندے کے کئی پیروکار ہوں گے۔ اور وہ کئی جنگوں میں مسلمانوں کی قیادت کرے گا اور ایسا قائد ہوگا جو حکیم وعقل مند ہوگا۔

مہدی علیہ السلام کی صفت

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مہدی مجھ میں سے ہے یعنی میری نسل میں سے ہے۔ یہ مہدی کا نسب ہے پھر آپ نے مہدی علیہ السلام کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرمایا وہ کشادہ پیشانی والے ہوں گے۔ لمبے ناک والے ہوں گے' چپٹی ناک والے نہ ہوں گے' زمین پر عدل وانصاف پھیلا دیں گے جیسا کہ اس پر ظلم وستم پھیلا ہوا ہوگا اور وہ سات سال تک بادشاہت کریں گے۔ (سنن ابوداؤد)

اور ان کی صفات میں سے یہ بات بھی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم نام اور ان کے والد کا نام بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کے نام جیسا ہوگا یعنی محمد بن عبداللہ، وہ اہل بیت میں سے ہوں گے یعنی حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی نسل میں سے ہوں گے۔

مہدی علیہ السلام کا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی نسل میں سے ہونے کی حکمت

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خلافت سنبھالی جس سے مسلمانوں کے دو امیر ہوگئے۔ ❶.... حضرت حسن رضی اللہ عنہ جو کہ عراق وحجاز کے علاقوں پر امیر تھے۔

❷ ...حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ جو کہ شام اور اس کے ارد گرد کے علاقوں پر امیر تھے۔ جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ پر امارت کے چھ ماہ گزرے تو انہوں نے اپنی خلافت کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف کسی دنیاوی غرض کے بغیر منتقل کر دی تا کہ مسلمانوں کا اتحاد ایک حاکم پر ہو اور مسلمانوں کے قتل و غارت سے بچالیا۔

حضرت مہدی علیہ السلام کی مسلمانوں پر حکومت کی مدت

حضرت مہدی علیہ السلام مسلمانوں پر سات برس حاکم رہیں گے اور وہ اس دوران زمین پر عدل و انصاف پھیلائیں گے جیسا کہ وہ ظلم و ستم سے بھری ہوئی تھی۔ مہدی علیہ السلام کے زمانہ میں یہ امت خوشحال رہ جائے گی اور اپنا سبزہ اگادے گی اور آسمان سے بارش برسے گی اور ہر کسی کو بغیر حساب کتاب کے مال دیا جائے گا۔

مہدی علیہ السلام کا ظہور کہاں سے ہوگا؟

حضرت مہدی علیہ السلام مشرق کی جانب سے ظاہر ہوں گے اور وہ نکلتے وقت اکیلے نہ ہوں گے بلکہ اللہ تعالیٰ مشرق کی جانب سے بہت سے لوگ ان کے تابع کر دیں گے۔

حضرت مہدی علیہ السلام کے نکلنے کا وقت

آخری زمانہ میں جب لوگ پریشان ہوں گے تو خلفاء کی اولاد میں سے تین بیٹے بیت اللہ کے خزانے پر آپس میں جھگڑا کریں گے ان میں سے ہر ایک بیت اللہ کا خزانہ اپنے لیے چاہتا ہوگا اس کے باوجود ان میں سے کوئی نہ پائے گا تو اس وقت مکہ مکرمہ میں مہدی علیہ السلام ظاہر ہوں گے اور لوگوں میں ان کی خبر پھیل جائے گی۔ تو لوگ آ کر بیت اللہ کے پاس حضرت مہدی علیہ السلام کی فرمانبرداری پر بیعت کریں گے۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے اس خزانے پر تین آدمی آپس میں لڑیں گے اور وہ خلفاء کی اولاد میں سے ہونگے مگر وہ خزانہ ان میں سے کوئی نہ پائیگا۔ پھر مشرق کی جانب سے کالے پرچم نکلتے نظر آئیں گے تو وہ تمہیں قتل کریں گے۔ پھر حضرت ثوبان فرماتے ہیں کہ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ فرمایا مگر مجھے یاد نہیں پھر آپ نے فرمایا اگر تم نے اس کو دیکھا تو فوراً اس کی بیعت کر لینا چاہے تمہیں برف پر پھسل کر چلنا پڑے۔ (ابن ماجہ)

حدیث کی شرح

(اور وہ خلفاء کی اولاد میں سے ہونگے) یعنی ان میں سے ہر ایک کا باپ بادشاہ گزرا ہوگا لہٰذا ان میں سے ہر ایک اپنے والد کی طرح بادشاہت چاہتا ہوگا۔ (خزانہ) سے مراد بیت اللہ کا خزانہ ہے جو اس کے نیچے چھپا ہوا ہے اور یہ بھی لکھا گیا ہے کہ خزانہ سے مراد ملک اور خلافت ہے۔

مسئلہ: مہدی علیہ السلام کا مکہ سے نکلنا اور مشرق کی جانب سے کالے پرچم کا نکلنا' ان دونوں باتوں کو کیسے جمع کیا

جائے؟ اور پھر مہدی علیہ السلام کے پرچم کا رنگ کالا کیوں ہوگا؟

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ مہدی علیہ السلام کیلئے مشرق کی جانب سے اللہ تعالیٰ لوگوں کو مہدی علیہ السلام کی مدد اور نصرت کیلئے بھیجیں گے اور ان کے پرچم کالے ہونگے کیونکہ یہ کالا رنگ وقار کا لباس ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پرچم بھی کالا تھا جس کا نام عقاب تھا۔ (النھایہ)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اس امت کے آخری زمانہ میں مہدی نکلے گا اور اللہ تعالیٰ زمین پر بارش برسائیں گے تو زمین اپنا سبزہ اگا دے گی اور اس زمانہ میں ہر ایک کو برابر حصہ میں مال دیا جائیگا اور حلال جانوروں کی تعداد زیادہ ہو جائے گی اور امت بڑھ جائیگی اور مہدی سات یا آٹھ سال رہے گا۔ (الحاکم)...... ایک اور روایت میں ہے کہ اس کے چلے جانے کے بعد تم میں کوئی اچھائی نہ ہوگی۔ (یعنی مہدی علیہ السلام کے بعد)۔ (مسند احمد)..... گزشتہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مہدی علیہ السلام کی موت کے بعد شر اور بڑے بڑے فتنے دوبارہ پھیل جائیں گے۔

مہدی علیہ السلام کے متعلق احادیث

جن احادیث میں حضرت مہدی علیہ السلام کا ذکر آتا ہے وہ دو قسموں پر ہیں۔

❶ ...وہ احادیث جن میں مہدی علیہ السلام کا صراحۃً ذکر آیا۔

❷ ...وہ احادیث جن میں مہدی علیہ السلام کی صفت وارد ہوئی۔

میں یہاں کچھ احادیث ذکر کروں گا جن میں مہدی علیہ السلام کا آخری زمانہ میں نکلنا قیامت کی علامات میں سے ہے۔ جن احادیث میں مہدی علیہ السلام کا ذکر آیا ان کی تعداد پچاس ہے۔ جن میں صحیح، حسن اور مقبول احادیث ہیں۔ صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کے مہدی علیہ السلام کے متعلق اقوال و آثار کی تعداد اٹھائیس ہے۔

پہلی قسم کی احادیث

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے آخری زمانہ میں مہدی علیہ السلام نکلیں گے اور اللہ تعالیٰ بارش برسائیں گے تو زمین اپنا سبزہ اگا دے گی اور ہر ایک کو مال برابر حصہ میں دیا جائے گا' حلال جانور زیادہ ہو جائیں گے' امت بڑھ جائے گی اور وہ سات یا آٹھ سال رہیں گے۔ (مستدرک حاکم)

ایک اور حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں مہدی کی بشارت دیتا ہوں جو اس وقت نکلے گا جب لوگوں میں اختلاف اور زلزلے ہوں گے۔ تو وہ زمین پر عدل و انصاف پھیلائے گا جیسے کہ ظلم و ستم پھیلا ہوا ہوگا اور اس پر اہل آسمان و زمین راضی ہو جائیں گے اور وہ لوگوں میں مال برابر حصے میں تقسیم کرے گا اور اللہ تعالیٰ امت کے دلوں میں اس کا عدل و انصاف بھر دے گا حتیٰ کہ مہدی علیہ

السلام ایک اعلان کرنے والے کو کہیں گے کہ وہ لوگوں میں اعلان کرے کہ کسی کو مال کی ضرورت ہے تو ایک آدمی کے علاوہ لوگوں میں سے کوئی نہ اٹھے گا تو امام مہدی اس شخص کو کہیں گے کہ خزانچی کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ مہدی تمہیں حکم دیتا ہے کہ مجھے مال دو۔ تو وہ خزانچی اسے کہے گا کہ اپنے ہاتھوں سے بغیر حساب کتاب کے جس قدر چاہو لے لو۔ حتیٰ کہ جب وہ بوری میں مال جمع کر رہا ہوگا تو اسے ندامت ہوگی لیکن جب وہ مال واپس کرنا چاہے گا تو خزانچی اس مال کو قبول نہیں کرے گا اور اسے کہا جائیگا کہ ہم جو کچھ دیدیتے ہیں اس سے واپس نہیں لیتے۔ اس حالت میں سات آٹھ یا نو سال گزریں گے پھر اس کے بعد کے زمانہ میں کوئی خیر نہ ہوگی۔ (مسند احمد)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مہدی میرے اہل بیت میں سے ہے جس دن وہ نکلے گا اللہ تعالیٰ اسی رات ہی اس کیلئے خلافت کا راستہ ہموار کر دیں گے۔ (یعنی اس کیلئے خلافت تیار کر دیں گے اور اسے توفیق دیدیں گے اور اس میں وہ صفات پیدا کر دیں گے جو حاکم میں ہونی چاہیں اور یہ معنی بھی لکھا گیا کہ اسی رات اس کی قدر و منزلت بڑھا دیں گے اور لوگ اس کی خلافت و حکومت پر متفق ہو جائیں گے)۔ (مسند احمد)

اس کا یہ معنی ہے کہ مہدی علیہ السلام کو اس کی ضرورت نہ ہوگی کہ وہ لوگوں میں خود کو متعارف کرائیں۔ احادیث سے یہ مقصود ہے کہ مہدی علیہ السلام خود حکومت کی رغبت نہ رکھتے ہوں گے اور نہ خود کو اس کا اہل سمجھتے ہوں گے مگر لوگ انہیں مجبور کریں گے اور ان کی بیعت کریں گے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مہدی میرے اہل بیت میں سے ہے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد میں سے ہے۔ (سنن ابوداؤد)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے تو مسلمانوں کے امیر مہدی انہیں دعوت دیں گے کہ مسلمانوں کو نماز پڑھائیں (یعنی ان کی امامت کرائیں) تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام انکار فرمائیں گے۔ اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دجال مہدی علیہ السلام کے زمانہ میں نکلے گا پھر عیسیٰ علیہ السلام اس کو قتل کرنے کیلئے نازل ہوں گے اور حضرت مہدی مسلمانوں کے قائد ہوں گے تو حضرت عیسیٰ اور باقی مسلمان مہدی علیہ السلام کے پیچھے نماز ادا کریں گے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ہم میں سے ہوگا جس کے پیچھے عیسیٰ علیہ السلام نماز پڑھیں گے۔ (ابونعیم)

یہاں یہ مقصود ہے کہ مہدی علیہ السلام مسلمانوں میں نماز کے وقت بھی امام ہوں گے اور مقتدیوں میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ہوں گے یہ سب احادیث مہدی علیہ السلام کا نام اور صفات صراحۃً ذکر کرتی ہیں۔

دوسری قسم کی احادیث

یہ وہ احادیث ہیں جن میں مہدی علیہ السلام کے ذکر کا احتمال ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اہل عراق پر ایسا زمانہ

آنے والا ہے جس میں ان کے پاس نہ قفیز آئے گا نہ درہم۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کہاں سے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عجم کی طرف سے کہ وہ یہ چیزیں منع کر دیں گے۔

(قفیز کا معنی اہل عراق میں وزن کی مقدار کا پیمانہ ہے جیسے کہ ہم وزن کی مقدار بتانے کیلئے کلو، من وغیرہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں درہم چاندی کی کرنسی تھی جس کے ذریعے پرانے زمانہ میں خرید وفروخت کرتے تھے۔) پھر آپ نے فرمایا اہل شام پر ایسا وقت آنے والا ہے جس میں ان کے پاس نہ دینار آئے گا نہ مدی۔ صحابہ نے عرض کیا کہاں سے یا رسول اللہ! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روم سے۔ (دینار سونے کی کرنسی ہے جو پرانے زمانوں میں استعمال ہوتی تھی۔ مدی وزن کی مقدار کا پیمانہ ہے جیسے کہ ہم کلو اور من استعمال کرتے ہیں) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دیر خاموش ہونے کے بعد فرمانے لگے میری امت کے آخری زمانہ میں خلیفہ ہوگا جو لوگوں کو اپنے ہاتھوں سے بھر بھر کر مال تقسیم کرے گا۔ راوی حدیث فرماتے ہیں کہ میں نے ابونضرہ اور ابوعلاء سے ذکر کیا کہ تمہیں کیا لگتا ہے کہ خلیفہ سے مراد خلیفہ عمر بن عبدالعزیز ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ (مسلم شریف)

مذکورہ بالا حدیث میں یہی مہدی علیہ السلام مراد ہیں جن کا نام وارد ہوا ہے اور ان کے پاس مال غنیمت بہت ہوگا اور ان کے زمانہ میں بہت سی فتوحات ہوں گی اور ان میں لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنے کا دستور ہوگا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند میں خلاف معمول بات محسوس کی تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے آپ کی نیند میں خلاف معمول بات محسوس کی تو آپ نے فرمایا عجیب بات ہے کہ میری امت میں ایسا لشکر ہوگا جو بیت اللہ کی طرف چلے گا اس وجہ سے کہ ایک شخص جو کہ قریش میں سے ہوگا وہ مکہ میں لوگوں سے پناہ حاصل کرنے کیلئے مکہ میں رہے گا تو وہ لشکر جب مکہ کے قریب صحراء میں ہوگا تو اس پر زمین دھنس جائیگی۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! راستہ میں تو مختلف لوگ ہوتے ہیں؟ آپ نے فرمایا! جی ہاں اس لشکر میں وہ بھی ہونگے جو زبردستی نکلے ہونگے اور وہ بھی ہونگے جو مسافر ہونگے مگر پھر بھی وہ سب ایک ہی دم ہلاک ہو جائیں گے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہیں اپنی اپنی نیت پر زندہ کریں گے۔ (بخاری شریف)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رکن یمانی اور مقام ابراہیم کے درمیان لوگ ایک شخص کی بیعت کریں گے۔ بیت اللہ کی بے حرمتی اس کے اردگرد رہنے والوں کے علاوہ اور کوئی نہ کرے گا اگر انہوں نے بیت اللہ کی بے حرمتی کی تو اہل عرب کی ہلاکت کا مت پوچھنا تو پھر حبشہ میں سے لوگ آئیں گے جو بیت اللہ کو توڑ دیں گے تو پھر وہ کبھی آباد نہ ہوگا اور وہی حبشی لوگ بیت اللہ کا خزانہ نکال لیں گے۔ (مسند احمد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا حال کیسے ہوگا جب ابن مریم تم میں نازل ہوگا اور تمہارا امام تم میں سے ہوگا۔ (بخاری شریف) یہاں بھی امام سے مقصود مہدی علیہ السلام ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے ایک ایسی قوم ہوگی جو دین پر لڑے گی اور وہ قیامت تک حق پر ظاہر رہے گی پھر عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے تو مسلمانوں کے امیر انہیں کہیں گے آیئے نماز پڑھایئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے نہیں بلکہ تم آپس ہی میں ایک دوسرے پر امیر ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس امت کیلئے اکرام ہے۔ (مسند احمد) یہاں بھی امیر سے مقصود مہدی علیہ السلام ہیں۔

فائدہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مہدی کے پیچھے نماز ادا کرنے سے یہ مقصد نہیں کہ مہدی علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز ادا کی ہے۔ اسی طرح حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پیچھے بھی نماز ادا کی ہے۔ تو اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی امت محمدیہ کے ایک شخص کے پیچھے نماز پڑھیں گے تا کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے تابع ہیں اور انہی کی شریعت پر عمل کرنیوالے ہیں پھر بعد میں مہدی علیہ السلام حضرت عیسی علیہ السلام کے تابع ہوں گے کہ مہدی علیہ السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لشکر میں شامل ہو جائیں گے۔

اُم المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

میری امت میں ایک خلیفہ کی موت کے وقت اختلاف پیدا ہوگا تو مدینہ میں سے ایک شخص ڈر کے مارے مکہ میں پناہ لے گا تو اہل مکہ میں سے کچھ لوگ آ کر اسے زبردستی نکالیں گے تو رکن یمانی اور مقام ابراہیم کے درمیان اس کی بیعت کرلیں گے تو پھر اہل شام میں سے ایک لشکر اس شخص کی مخالفت میں چلے گا تو جب وہ مکہ و مدینہ کے درمیان صحرا میں ہوگا تو زمین اس لشکر پر دھنس جائے گی جب لوگ یہ حال دیکھیں گے تو شام وعراق سے آ کر لوگ رکن یمانی اور مقام ابراہیم کے درمیان اس کی بیعت کریں گے تو پھر قریش میں سے ایک اور شخص اٹھے گا جس کے ماموں زاد قبیلہ کلب (یہ عرب کا مشہور قبیلہ ہے) سے ہوں گے تو یہ شخص بنوکلب میں سے ایک لشکر بھیجے گا اس شخص کی طرف جس کی لوگ بیعت کر چکے تھے تو یہ لشکر ان پر غالب آجائے گا اور جو جو قبیلہ کلب کے مال غنیمت میں حصہ نہ لے گا وہ خسارہ میں رہے گا تو اس وقت مال کی تقسیم ہوگی اور وہ لوگوں کے معاملات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرے گا اور وہ زمین پر سات سال رہے گا پھر مر جائے گا اور مسلمان اس پر نماز جنازہ پڑھیں گے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ نو سال تک رہے گا۔ (ابوداؤد)

مہدی علیہ السلام کے متعلق احادیث متواتر ہیں ان میں کوئی شک نہیں تقریباً تیس صحابہ رضی اللہ عنہم سے مہدی علیہ السلام کے متعلق احادیث روایت کی گئی ہیں۔

اور علمائے اہل سنت اور محققین نے ان احادیث پر تحقیق کی ہے اور ان احادیث کو دلیل بنایا ہے حتیٰ کہ مہدی علیہ السلام کا نکلنا علماء میں ایسا اتفاقی مسئلہ ہے جو اہل سنت والجماعت کے عقائد میں سے ہے۔

آخری بات

کیا امام مہدی پر ایمان لانے کا یہی مقصد ہے کہ ہم دینی دعوت اور کام سے رُک کر بیٹھ جائیں؟

خیر وشر کے مقابلہ اور فساد کے پھیلنے کی وجہ سے اور بہت سے اسلامی ممالک میں دینی دعوت میں کمی کی وجہ سے بہت سے مسلمانوں کے دلوں میں نا اُمیدی آ گئی ہے جس سے وہ مہدی علیہ السلام کے انتظار میں بیٹھ گئے ہیں کہ حضرت مہدی علیہ السلام انہیں نصرت کی طرف لے چلیں تو وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر بھی خاموشی اختیار کرتے ہیں۔ دینی علم سیکھنے سکھانے سے بھی نڈھال ہو گئے ہیں حتیٰ کہ تجارت اور کسب معاش سے بھی رُک گئے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اپنے آپ کو یہ کہتا ہے کہ یہ مہدی علیہ السلام کے نکلنے کا زمانہ آ گیا ہے۔

ایسی احادیث کے ساتھ کیا دینی معاملہ کرنا چاہیے جو قیامت کے متعلق ہیں اور ان میں ہمارے لیے بشارت ہے۔ جیسا کہ ● مہدی علیہ السلام کی احادیث کہ اللہ تعالیٰ ان سے دین کی نصرت فرمائیں گے۔

● وہ احادیث جن میں مسلمان یہودیوں کے ساتھ جنگ کریں گے اور ان پر فتح پا جائیں گے۔

● وہ احادیث جن میں مسلمان روم کے ساتھ جنگ لڑیں گے اور ان پر فتح پا جائیں گے۔ وغیرہ

ان جیسی احادیث کے ساتھ ہمیں کیسا معاملہ کرنا چاہیے؟

ہمیں چاہیے کہ یہ جان لیں کہ قیامت کی علامتیں جن میں مسلمانوں کے لیے خوشی اور حوصلہ افزائی آئی ہے کہ ہمارا دین محفوظ اور بلند رہے گا۔ اس کے باوجود ہمیں چاہیے کہ شریعت نے جو ہم پر ذمہ داریاں ڈالی ہیں انہیں نبھائیں اور ان پر کام جاری رکھیں۔ جیسا کہ دین کی نصرت، کسی مسلمان ملک کا دفاع، جہاد فی سبیل اللہ، اسلام کی سربلندی کے لیے جدوجہد اور لڑائی کرنا۔ یہ نہیں کہ ہم نڈھال ہو کر بیٹھ جائیں اور آسمان سے نصرت نازل ہونے یا زمین سے نصرت کے نکلنے کا انتظار کریں۔

لہٰذا ہم مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ یہود کے ساتھ جنگ لڑنے کے لیے اسلحہ تیار کر لیں اور ہر ممکن کوشش جاری رکھیں اور نصاریٰ کو مسلم ممالک سے نکالیں جن پر انہوں نے قبضہ کیا ہوا ہے اور یہ نہیں کہ ہم ذلیل وخوار ہو کر مہدی علیہ السلام کے ظہور کے انتظار میں بیٹھ جائیں بلکہ اکٹھے مل کر دین کی نصرت کریں اور اگر ہمارے دور میں مہدی علیہ السلام نکل بھی آئے تو ہم ان کا ساتھ دیں گے اور ان کی نصرت کریں گے۔

ھوالمعین

شاہ است حسینؑ پادشاہ است حسینؑ
دین است حسینؑ دین پناہ است حسینؑ
سر داد، نداد، دست در دستِ یزید
حقّا کہ بنائے لا الٰہ است حسینؑ

کتبہ محمد یوسف سدیدی علوی

سیّدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ائمہ صاحبزادگان سلامُ اللہ ورحمۃ علیہم

آئندہ صفحات میں امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسل مبارک میں سے درج ذیل ائمہ حضرات کی سیرت ومناقب دی جارہی ہے۔

1. ...امام زین العابدین سلامُ اللہ وَرَحمۃ علیہ
2. ...امام باقر سلامُ اللہ وَرَحمۃ علیہ
3. ...امام زید شہید سلامُ اللہ وَرَحمۃ علیہ
4. ...امام جعفر صادق سلامُ اللہ وَرَحمۃ علیہ
5. ...امام اسماعیل سلامُ اللہ وَرَحمۃ علیہ
6. ...امام موسیٰ کاظم سلامُ اللہ وَرَحمۃ علیہ
7. ...امام علی رضا سلامُ اللہ وَرَحمۃ علیہ
8. ...امام محمد تقی جواد سلامُ اللہ وَرَحمۃ علیہ
9. ...امام علی نقی ہادی سلامُ اللہ وَرَحمۃ علیہ
10. ...امام حسن عسکری سلامُ اللہ وَرَحمۃ علیہ

❶... حضرت امام زین العابدین سَلامُ اللہ وَ رَحمتہ علیہ
(علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

نام ونسب

آپ سَلامُ اللہ وَ رَحمتہ علیہ، کا نام ''علی'' اور کنیت ''ابوالحسن'' تھی۔ ''زین العابدین'' اور ''سجاد'' آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور القاب تھے (آپ رحمۃ اللہ علیہ کی کثرت عبادت اور کثرتِ سجود سے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو یہ لقب ملے تھے) آپ رحمۃ اللہ علیہ نسب کے لحاظ سے قریشی اور ہاشمی تھے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چھوٹے صاحبزادے، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پوتے تھے۔ میدانِ کربلاء میں جب گلدستۂ اہل بیتؑ کو اجاڑ دیا گیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ ہی اس گلدستہ کے واحد پھول تھے جو باقی رہ گئے اور پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ سے ہی حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آگے نسل چلی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ باندی اور عجمی خاتون تھیں، ان کا نام ''غزالہ'' یا ''سلامہ'' تھا۔ (ینظر: البدایہ والنہایہ)

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک دوسرے بھائی کا نام بھی ''علی'' تھا جو عمر میں آپ رحمۃ اللہ علیہ سے بڑے تھے اور کربلاء میں شہید ہو گئے تھے۔ اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کا نام بھی چونکہ ''علی'' تھا، اسلئے ان دونوں ناموں میں فرق کرنے کیلئے اُن شہید بھائی کو ''علی اکبر'' اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کو ''علی اصغر'' کہا جاتا ہے۔ (الأعلام للزرکلی)

ولادت باسعادت

آپ سَلامُ اللہ وَ رَحمتہ علیہ، ۵ شعبان، بروز جمعرات ۳۸ ھ میں مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے۔ یعنی آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے دادا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دورِ خلافت میں اُن کی شہادت سے دو سال قبل پیدا ہوئے۔ (نور الأبصار)

حلیہ مبارک

آپ رحمۃ اللہ علیہ نہایت خوبصورت تھے، لوگوں کے بیچ میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کا حسن و جمال بالکل نمایاں تھا۔ (البدایہ والنہایہ) سر پر زلفیں تھیں جو کندھوں تک لٹکتی رہتی تھیں اور مانگ نکلی ہوتی تھی۔ (الطبقات الکبریٰ)

بالوں کو سیاہ اور سرخ خضاب کیا کرتے تھے۔ (الطبقات الکبریٰ)

لباس

آپ رحمۃ اللہ علیہ خوبصورت لباس اور اعلیٰ قسم کی خوشبو استعمال فرماتے تھے حتیٰ کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بدن سے منفرد عمدہ خوشبو پھوٹتی تھی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ سفید عمامہ باندھتے اور کمر پر اس کا شملہ چھوڑ دیتے۔ (البدایۃ والنہایۃ)

عمدہ قسم کی اون کی چادر اور جبہ استعمال فرماتے تھے۔ اور ایک زردہ چادر تھی جسے جمعہ کے دن زیب تن فرماتے۔ (سیر أعلام النبلاء)....آپ رحمۃ اللہ علیہ کا لباس عمدہ اور قیمتی ہوا کرتا تھا۔ سردیوں میں پچاس دینار (مساوی آٹھ لاکھ روپے) کی اونی چادر پہنتے۔ جب گرمیاں آتیں تو وہ چادر کسی غریب کو دے دیتے یا پھر اس چادر کو بیچ کر اس کی قیمت اسے دے دیتے۔ گرمیوں میں خاص نوع کے سرخ مصری کپڑے پہنتے تھے۔ اور یہ آیت تلاوت فرمایا کرتے تھے: ﴿قل من حرم زينة الله التى أخرج لعباده﴾ (الأعراف:۳۲) کہو کہ: ''آخر کون ہے جس نے زینت کے اُس سامان کو حرام قرار دیا ہو جو اللہ نے اپنے بندوں کیلئے پیدا کیا ہے؟'' (تفسیر القرطبی)....سفید ٹوپی استعمال فرماتے جو سر مبارک کے ساتھ لگی ہوتی تھی، اور ایسا جوتا پہنتے جو آگے سے گول ہوتا تھا۔ (الطبقات الکبریٰ)

اولاد

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے دس صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تھیں۔

صاحبزادے

۱۔ محمد (یہ وہی ''محمد بن علی'' ہیں جو ''امام باقر'' کے لقب سے مشہور ہیں)، ۲۔ زید، ۳۔ عمر، ۴۔ عبداللہ، ۵۔ حسن، ۶۔ حسین، ۷۔ حسین الاصغر، ۸۔ عبدالرحمٰن، ۹۔ سلیمان، ۱۰۔ علی (اور یہ سب سے چھوٹے تھے)۔

صاحبزادیاں

۱۔ خدیجہ، ۲۔ فاطمہ، ۳۔ عُلَیہ، ۴۔ ام کلثوم۔ (نور الابصار فی مناقب آل بیت)

سانحۂ کربلا میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی شرکت

دیگر اہل بیت کے ساتھ میدانِ کربلا میں آپ رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے مگر آپ رحمۃ اللہ علیہ بہت بیمار تھے، اس قدر شدید بخار تھا کہ بستر پر ہی لیٹے رہے اور جنگ میں شرکت نہ کر سکے۔ (سیر أعلام النبلاء) اس وقت آپ رحمۃ اللہ علیہ نوجوان تھے اور تئیس (۲۳) برس عمر تھی لیکن شدت مرض کی وجہ سے آپ رحمۃ اللہ علیہ چونکہ جنت میں شریک نہیں ہو سکے تھے اس لئے ان دشمنوں نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو چھوڑ دیا تھا اور شہید نہیں کیا تھا، اگرچہ بدبخت شمر نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو بھی قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا مگر اُس کے ہی ساتھیوں نے اُسے شرم دلائی کہ بیمار اور کمزور کو قتل کرتے ہو؟ تو وہ باز آ گیا۔ بعض کہتے ہیں: ''آپ رحمۃ اللہ علیہ اُس وقت کم سن بچے تھے اس لئے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو چھوڑ دیا

گیا' لیکن یہ بات درست نہیں ہے۔(مظہر: تاریخ الطبری)

اس کے علاوہ یہ بات ایک معجزہ ربانیہ سے کم نہیں ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اوران کی نسل کو دشمن نے اپنے لحاظ سے صفحہ ہستی سے مٹا دیا تھا اوراس عظیم نسل میں سے تن تنہا صرف آپ رحمۃ اللہ علیہ ہی بچ گئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہی اکیلے فرد کے ذریعے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسل کو پوری روئے زمین پر قیامت تک کیلئے پھیلا دیا اوراپنی رحمت سے اس قدر پھیلایا کہ اب سادات کی ان عظیم ہستیوں کے مبارک وجود سے شاید ہی کوئی اسلامی خطہ محروم ہو اوران نیک بخت حضرات کا اب شمار بھی دشوار ہے۔(مظہر: الجوہر الشفاف فی أنساب السادۃ الأشراف)

سخاوت

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے زندگی میں دو مرتبہ اپنا سارا مال ہی اللہ تعالیٰ کے راستے میں تقسیم کردیا تھا۔اس کے علاوہ رات کو خفیہ طور پر بہت ہی زیادہ صدقہ کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ رات کا صدقہ غضب الٰہی کو دُور کرتا ہے۔(البدایۃ والنہایۃ)

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے سفر حرمین شریفین کا ارادہ کیا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ہمشیرہ حضرت سکینہ بنت حسین نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک ہزار درہم کا زادراہ بھجوادیا تا کہ سفر میں کام آسکے۔

راستہ میں ایک مقام پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے وہ سارا سامان غریب لوگوں میں تقسیم فرمادیا۔ (صفۃ الصفوۃ)

سائل کے آنے پر آپ رحمۃ اللہ علیہ خوش ہوتے،اسے ''مرحبا'' (خوش آمدید) کہتے اور صدقہ دینے سے پہلے اس فقیر کا بوسہ لیتے پھر اس کو صدقہ دیتے اور اُس سے فرماتے:

تم کتنے اچھے آدمی ہو کہ آخرت کی طرف میرا توشہ لے کر جارہے ہو۔(صفۃ الصفوۃ)

بہرحال آپ رحمۃ اللہ علیہ غریبوں و مسکینوں کا بہت خیال رکھتے تھے،ان پر ہمیشہ اپنا مال خرچ کرتے۔حاجت مندوں کی ضرورتیں پوری کرنا آپ رحمۃ اللہ علیہ کی فطرتِ ثانیہ بن چک تھا، آپ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ ہمدردی وسخاوت اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ کسی بھی حاجت مند کو آپ رحمۃ اللہ علیہ خالی نہیں لوٹاتے تھے۔(الامام زید بن علی)

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کا اخلاص

جب حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اور آپ کو غسل دینے لگے تو کمر پر بوری اٹھانے کے نشان تھے...جیسے مزدور اٹھاتے ہیں...تب سارے حیران...دنیا وآخرت کا شہزادہ!اس کی کمر پر کہاں سے نشان آگئے؟ کیا کرتے تھے...رات کو اٹھتے تھے اور سو گھروں میں راشن پہنچاتے تھے لیکن کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی تھی...لوگ دن میں دیکھتے تھے کہ راشن پڑا ہوا ہے ان کی وفات تک کوئی جان نہ سکا کہ دینے والا کون ہے...وہ خاص الخاص کسی آدمی سے پتہ چلا کہ یوں رات کو خود اٹھ اٹھ کر جا کر سو گھروں میں راشن دیا کرتے تھے...(ایمان افروز واقعات ص ۸۸)

سخاوت وفیاضی

قر آن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مومنین متقین کی خاص صفات وعلامات بتلائی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے وہ غصہ کو پی لیتے ہیں اس آیت کریمہ کی تفسیر میں علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے سید السادات حضرت امام زین العابدینؒ کا ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے کہ ''امام زین العابدین رحمہ اللہ کی ایک کنیز آپ کو وضو کرا رہی تھی کہ اچانک پانی کا برتن اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر امام زین العابدین رحمہ اللہ کے اوپر گرا.... آپ کے تمام کپڑے بھیگ گئے .... غصہ آنا طبعی امر تھا .... کنیز کو خطرہ ہوا تو اس نے فوراً یہ آیت پڑھی وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ (وہ اپنے غصہ کو پی جاتے ہیں) یہ سنتے ہی آپ کا سارا غصہ ٹھنڈا ہو گیا بالکل خاموش ہو گئے .... اس کے بعد کنیز نے آیت کا دوسرا جملہ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ (لوگوں کو معاف کرتے ہیں) پڑھ دیا.... آپ نے فرمایا: میں نے تجھے دل سے معاف کر دیا.... پھر اس نے تیسرا جملہ بھی سنا دیا....

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (اللہ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں)

امام زین العابدین رحمہ اللہ نے یہ سن کر فرمایا کہ جا میں نے تجھے آزاد کر دیا....'' (روح المعانی)

ایک تابندہ واقعہ

امام زین العابدین علی بن حسین رحمہ اللہ روٹیوں کا تھیلا اپنی کمر پر اٹھاتے اور صدقہ کرتے' جب ان کا انتقال ہوا تو لوگوں نے دیکھا کہ وہ اہل مدینہ میں سے 100 گھروں کی کفالت کیا کرتے تھے۔ حضرت جریر کہتے ہیں ان کی وفات کے بعد لوگوں نے ان کی کمر پر وہ نشانات دیکھے' جوان تھیلوں کی وجہ سے پڑ گئے تھے جنہیں راتوں کو وہ مساکین کے پاس لے جاتے تھے۔

محمد بن اسحٰق سے منقول ہے کہ مدینہ میں کچھ لوگ رہ رہے تھے اور ان کو معلوم تک نہ تھا کہ ان کا گزر بسر کیسے ہو رہا ہے' جب حضرت امام زین العابدین علی بن حسین رحمہ اللہ کا انتقال ہوا تو انہوں نے نان نفقہ نہ پایا جو ان کے پاس رات کو لایا جاتا رہا۔ منقول ہے کہ ہم نے مخفی صدقہ برابر موجود پایا۔

یہاں تک کہ حضرت علی بن حسین رحمہ اللہ کا انتقال ہو گیا۔ (حلیۃ الاولیاء)

❷... حضرت امام باقر سَلامُ اللہ وَ رَحمتہ علیہ

(محمد بن علی رضی اللہ عنہ)

نام ونسب

آپ سَلامُ اللہ وَ رَحمتہ علیہ کا نام ''محمد'' اور کنیت (بڑے بیٹے ''جعفر صادق'' کے نام کی نسبت سے موسوعۃ آل بیت النبی) ''ابو جعفر'' تھی۔ (البدایۃ والنہایۃ)

جبکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا لقب باقر'' تھا (عربی میں باقر کا معنی ہے: ''وسعت والا'': چونکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا علم بہت وسیع تھا اس لئے آپ کو'' باقر'' کے عظیم الشان لقب سے نوازا گیا)۔ (تاریخ الخمیس)

امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ، آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد اور حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی ''حضرت ام عبداللہ'' آپ رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ تھیں۔ نسب کے لحاظ سے آپ رحمۃ اللہ علیہ قریشی اور ہاشمی ہیں۔ (البدایۃ والنہایۃ)

لیکن آپ رحمۃ اللہ علیہ کو تاریخ کا یہ عظیم ترین اعزاز حاصل ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ پہلی شخصیت ہیں جن کے نسب میں حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں حضرات کا نسب جمع ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ ماں کی طرف سے حسنی اور باپ کی طرف سے حسینی ہیں۔ (علماء اہل البیت فی عصر التابعین)

ولادت باسعادت

آپ رحمۃ اللہ علیہ ۳ صفر المظفر، بروز منگل ۵۷ھ میں مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے۔ (وفیات الاعیان)

حلیہ مبارک

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا گندمی رنگ اور درمیانہ قد تھا۔ (الفصول المہمۃ فی معرفۃ أحوال الأئمۃ لابن الصباغ)

داڑھی کو خضاب لگاتے تھے۔ (علماء اہل البیت فی عصر التابعین)

اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے: ''حِنّاء'' اور ''کَتم'' ہم اہلِ بیت کا خضاب ہے۔ (الطبقات الکبریٰ)

(حناء تو سرخ مہندی کو کہتے ہیں اور 'کتم' ایک بُوٹی ہے جس کا رنگ تقریباً سیاہ ہوتا ہے، اس کو جب سرخ مہندی کے ساتھ ملا کر خضاب لگایا جاتا ہے تو بالوں کا رنگ سیاہی اور سرخی کے درمیان ہو جاتا ہے)۔ (فتح الباری لابن حجر)

لباس

آپ رحمۃ اللہ علیہ عمدہ قسم کا لباس استعمال فرماتے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ''خز'' (جو قیمتی اور خاص قسم کا ایک اونی کپڑا ہوتا ہے) کا جُبہ اور چادر دونوں استعمال فرمائی ہیں۔ بلکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: ہم آلِ محمد ''مُعَصفر (زرد رنگ کی ایک بوٹی) سے رنگا ہوا کپڑا، گیروی رنگ سے رنگا ہوا کپڑا اور یُمنہ (ایک قسم کی یمنی چادر)'' پہنا کرتے ہیں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے سرخ رنگ کی چادر بھی زیب تن فرمائی ہے۔ سر مبارک پر عمامہ باندھتے تھے اور اس کا شملہ پیچھے کی جانب چھوڑتے تھے۔ (منظر: الطبقات الکبریٰ)

آپ رحمۃ اللہ علیہ انگوٹھی بھی پہنتے تھے اور اس انگوٹھی پر سورۂ بقرہ کی ایک آیت کا یہ حصہ نقش تھا: ﴿القوۃ للہ جمیعًا﴾ (البقرہ: ۱۵٦) جس کا ترجمہ ہے کہ قوت و طاقت سب اللہ کی ہے، یعنی گویا اللہ کا طاقتور ہونا اور اپنا کمزور و بے بس ہونا ہر وقت اپنی نظروں کے سامنے رکھتے تھے۔ (حلیۃ الأولیاء وطبقات الأصفیاء)

ذوقِ عبادت

آپ سلام اللہ و رحمۃ اللہ علیہ نے اُس گھرانے میں پرورش پائی جس کا مشغلہ ہی عبادت تھا۔ چنانچہ آپ رحمہ اللہ پر بھی اس عبادت کا اثر بالکل نمایاں تھا۔ آپ رحمہ اللہ (دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں) روزانہ ڈیڑھ سو رکعات نفل پڑھا کرتے تھے۔ اسی کثرتِ عبادت کا یہ اثر تھا کہ آپ رحمہ اللہ کی ناک اور پیشانی مبارک پر سجدے کا نشان پڑ گیا تھا۔ (الطبقات الکبریٰ)

آپ رحمہ اللہ کی عبادت کا ایک واقعہ آپ رحمہ اللہ کے صاحبزادے جعفر صادق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں میں اپنے والد صاحب کیلئے بستر بچھا کر ان کے آنے کی انتظار کیا کرتا تھا، جب وہ بستر پر تشریف لے آتے اور سو جاتے تو میں پھر اپنے بستر پر چلا جاتا تھا۔ ایک رات انہوں نے آنے میں بہت تاخیر کر دی۔ میں ان کی تلاش میں مسجد پہنچا تو دیکھا کہ آپ رحمہ اللہ مسجد میں اکیلے مشغولِ عبادت ہیں اور سجدے میں سر رکھ کر یہ دُعا کر رہے ہیں:

''اے اللہ! تیری ذات پاک ہے، تو میرا سچا رب ہے۔ اے میرے رب! تیری بندگی و غلامی میں، میں نے اپنا یہ سر تیرے آگے رکھ دیا ہے۔ اے اللہ! یقیناً میرا عمل کمزور ہے، تو اُسے دوگنا کر دیجئے۔ اے اللہ! جس روز تو اپنے بندوں کو کھڑا کرے گا، اُس دن مجھے اپنے عذاب سے بچا لینا اور میری توبہ بھی قبول فرما لیجئے۔ تو بلاشبہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔'' (آل البیت حول الرسول، ص: ۱۸۳)

خوفِ الٰہی

لیث بن ابی سلیم کہتے ہیں: میں امام باقر سلام اللہ و رحمۃ علیہ کے پاس حاضرِ خدمت ہوا (خوفِ الٰہی سے ان کی عجب کیفیت تھی) وہ اپنے گناہوں کو یاد کرتے اور اُدھر لوگ جو اُن کی تعریفیں کرتے ہیں اس کو یاد کرتے اور پھر رونا شروع کر دیتے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۴/۴۰۵)

آپ رحمہ اللہ آدھی رات کو اُٹھ کر اللہ کے سامنے آہ وزاری کرتے اور کہتے: "اے اللہ! تو نے مجھے حکم دیا میں نے تابعداری نہ کی، تو نے مجھے روکا میں نہ رُکا۔ یہ تیرا بندہ تیرے سامنے حاضر ہے، سراپا مجرم ہے اس کے پاس کوئی عذر نہیں (اسے معاف فرمادیجئے)"۔(صفۃ الصفوۃ:ا۔۳۶۳)

آپ رحمہ اللہ پر خوف کا اس قدر غلبہ تھا کہ جب کبھی ہنسی آجاتی تو اس کے بعد کہتے: اے اللہ! ناراض نہ ہونا اور آپ رحمہ اللہ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ رحمہ اللہ بہت زیادہ رویا کرتے تھے۔(البدایۃ والنھایۃ ط الفکر:۳۰۹/۹)

دُنیا سے بے رغبتی

جابر جعفی بیان کرتے ہیں امام باقر رحمہ اللہ مجھے ایک مرتبہ فرمانے لگے: جابر! میں رنجیدہ ہوں اور میرا دل سخت فکر میں مشغول ہے۔ میں نے کہا کس وجہ سے آپ رنجیدہ ہیں؟ فرمایا: جابر! جس شخص کا دل صاف اور خالص ہو چکا ہو، وہ جب اپنا سب کچھ اللہ کے دین کے تابع کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے سوا ہر شئی سے اس کو خالی کر دیتا ہے۔ جابر! دُنیا کیا ہے،، بس یہی ایک سواری ہے جس پر سوار ہو کر آئے ہو، یہی کپڑا ہے جس کو پہن رکھا ہے یا یہی بیوی ہے جو مل گئی ہے (بھلا ان میں دل لگانے اور ان کی خاطر فکرمند و پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے)؟

پھر فرمایا: جابر! جو اہلِ ایمان اس دُنیا کی طرف مائل نہیں ہوتے، آخرت سے بے خوف نہیں رہتے، دُنیا کے فتنے ان کو اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتے، اس جہاں کی زیب و زینت انہیں اللہ کے نور سے اندھا نہیں کرتی، وہ صلحاء کی صف میں شامل ہو کر کامیاب ہو جاتے ہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ متقی لوگ دُنیا کا بوجھ کم اُٹھاتے ہیں اور دینی کاموں میں تمہارے بہت معاون ہوتے ہیں۔ وہ ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ اگر تم اللہ کی یاد سے غافل ہو جاؤ تو وہ تمہیں یاددہانی کراتے ہیں، اگر تم اس کی یاد میں مشغول ہوؤ تو اس میں تمہاری اعانت کرتے ہیں، اللہ کے حق کو کھل کر بولتے ہیں، اس کے احکامات کو بخوبی قائم کرتے ہیں، اپنی محبت کو اللہ کی محبت میں فناء کر دیتے ہیں، ان کے دل اللہ اور اس کی محبت میں مشغول ہوتے ہیں، رب کی اطاعت میں ان کے دل دُنیا سے اُچاٹ ہوتے ہیں، اور وہ اس بات کو دل سے جانتے ہیں کہ یہی چیز ان کی مقصودِ حیات ہے۔ جابر! دُنیا کو ایسے سمجھنا جیسے راستے میں چلتا ہوا انسان کسی جگہ تھوڑی دیر کیلئے ٹھہر جاتا ہے اور پھر اسے چھوڑ کر آگے چل دیتا ہے یا اُس مال کی طرح سمجھنا جو خواب میں تو تمہارے پاس تھا لیکن آنکھ کھلی تو تم خالی ہاتھ تھے۔(لہٰذا اس دُنیا سے دھوکا نہ کھانا)۔(حلیۃ الاولیاء:۱۸۲/۳)

سخاوت

آپ رحمہ اللہ اپنے علم وفضل کے ساتھ ساتھ لوگوں میں اپنی سخاوت کی وجہ سے بھی مشہور تھے اور لوگوں پر آپ رحمہ اللہ کی نوازشات و احسانات کا چرچا تھا۔ عجب بات یہ ہے کہ ایک تو آپ رحمہ اللہ خود کثیر العیال تھے اور دوسرے آپ رحمہ اللہ کوئی بڑے مالدار انسان نہیں تھے بلکہ ایک متوسط مالی حیثیت کے حامل تھے، لیکن اس سب کے باوجود

آپ رحمہ اللہ کی سخاوت عوام وخواص سبھی میں جاری تھی۔(الفصول المہمۃ لابن الصباغ،ص:۲۰۴)

آپ رحمہ اللہ کی باندی "سلمٰی" بیان کرتی ہے کہ آپ رحمہ اللہ کے کچھ بھائی آپ رحمہ اللہ کے پاس آیا کرتے تھے، وہ اس وقت تک آپ رحمہ اللہ کے پاس سے نہ جاتے جب تک آپ رحمہ اللہ ان کو بہترین کھانا نہ کھلا دیں اور عمدہ کپڑے اور دراہم نہ دے دیں۔ وہ کہتی ہے: میں اس بارے میں آپ رحمہ اللہ سے بات بھی کرتی تھی مگر وہ فرماتے تھے: سلمٰی! دُنیا کی نیکی یہی تو ہے کہ آدمی اپنے بھائیوں اور دوستوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کرے اور آپ رحمہ اللہ کبھی پانچ سو، کبھی چھ سو اور کبھی ہزار درہم تک بھی دے دیتے تھے اور اس بات سے تنگ بھی نہیں ہوتے تھے کہ وہ آپ رحمہ اللہ کے پاس آ کر بیٹھتے ہیں۔(الفصول المہمۃ لابن الصباغ،ص:۲۰۴)

اسود بن کثیر کہتے ہیں میں نے حضرت امام باقر رحمہ اللہ سے اپنی ضرورت کے بارے میں کچھ عرض کیا اور اپنے بھائیوں کی کسی قدر شکایت بھی کی کہ انہوں نے مجھ سے بے رُخی برت لی ہے۔ آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: بہت بُرا ہے وہ بھائی جو تمہاری مالداری کے وقت تو تمہارا ساتھ دے اور جب تم غریب ہو جاؤ تو تمہیں چھوڑ دے۔ اس کے بعد آپ رحمہ اللہ نے اپنے غلام کو بھیجا، وہ گیا اور ایک تھیلی لے آیا جس میں سات سو درہم تھے۔ آپ رحمہ اللہ نے وہ ساری تھیلی انہیں دے کر کہا کہ یہ اپنی ضرورت میں خرچ کرو، جب ختم ہو جائے تو بتا دینا۔(صفۃ الصفوۃ:۱/۳۶۴)

خدمت والدین

والدین کی خدمت کا یہ عالم تھا کہ آپ رحمہ اللہ وقت کے امام اور علامہ ہونے کے باوجود اپنی والدہ کے سر سے خود جوئیں نکالتے تھے۔(الطبقات الکبریٰ:۵/۲۴۶)

اور جب آپ رحمہ اللہ کے والد ماجد حضرت امام زین العابدین رحمہ اللہ نے انتقال فرمایا تو ان کی تجہیز وتکفین وغیرہ کی خدمات سرانجام دینے میں آپ رحمہ اللہ بھی شریک رہے۔(الطبقات الکبریٰ:۵/۱۷۱)

صحابہ رضی اللہ عنہم سے آپ رحمہ اللہ کی عقیدت ومحبت

آپ رحمہ اللہ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے گہری محبت تھی۔ جیسا کہ آپ رحمہ اللہ کے مختلف ارشادات سے ظاہر ہوتا ہے: ایک دفعہ کسی نے آپ رحمہ اللہ سے قرآن مجید کی آیات:

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ۝ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝(المائدہ:۵۵-۵۶)

ترجمہ: (مسلمانو!) تمہارے دوست تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور ایماندار لوگ ہیں جو کہ اس حالت سے نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں کہ ان کے دلوں میں خشوع ہوتا ہے اور جو شخص اللہ سے دوستی رکھے گا اور اس کے رسول سے اور ایماندار لوگوں سے تو (وہ اللہ کے گروہ میں داخل ہو گیا اور) اللہ کا گروہ بے شک غالب ہے۔"

کے بارے میں پوچھا کہ ان آیات میں مذکور "ایماندار لوگ" (جن کی اتنی زیادہ تعریف اور شان بیان کی گئی ہے، ان) سے کون مراد ہیں؟ فرمایا: ان سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔ (حلیۃ الاولیاء، وطبقات الأصفیا: ۳/۱۸۵)

ایک مرتبہ فرمایا: حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما ہدایت کے امام و پیشوا تھے اور اسی طرح ایک موقع پر ارشاد فرمایا: جو شخص ان دونوں حضرات (یعنی حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما) کی شان و مرتبے کو نہیں پہچانتا وہ سنت نبویہ سے بھی جاہل ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی آپ رحمہ اللہ سے عقیدت ومحبت

آپ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر خدمت ہوئے۔ انہوں نے سب لوگوں سے ان کے بارے میں پوچھا، جب میری باری آئی تو میں نے کہا کہ میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے امام زین العابدین رحمہ اللہ کا بیٹا "محمد" ہوں۔ یہ سن کر انہوں نے نہایت پیار کے انداز میں اپنا ہاتھ میرے سر کی طرف بڑھایا (اور دستِ شفقت پھیرا) اس کے بعد پہلے میرا اوپر والا بٹن کھولا، پھر نیچے والا کھولا اور اپنی ہتھیلی میرے سینہ پر رکھ دی (میں اس وقت نوجوان تھا) پھر فرمایا: "میرے پیارے بھتیجے! تمہاری اس تشریف آوری پر میری طرف سے تمہیں خوش آمدید ہو اور جو پوچھنا ہے پوچھ لو۔" اس کے بعد آپ رحمہ اللہ نے ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کی تفصیلات دریافت کیں اور انہوں نے اہتمام کے ساتھ بہت مفصل اور تسلی بخش جواب ارشاد فرمایا:

متفرقات

ذوقِ عبادت، دُنیا سے بے رغبتی، خوفِ الٰہی وغیرہ، یہ سب آپ رحمہ اللہ کے فضل و کمال اور عمدہ اوصاف کی واضح نشانیاں ہیں۔ تاہم چند دیگر فضائل و اوصاف کا مختصر اور اجمالی تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے۔

❶ ...آپ رحمہ اللہ جلیل القدر تابعی تھے اور اس اُمت کی ممتاز شخصیات میں سے علم و عمل، زہد و عبادت، حسب و نسب اور شرف و اعزاز کے لحاظ سے آپ رحمہ اللہ ایک منفرد شخصیت تھے۔ علماء اور متقین کے اعلیٰ طبقہ میں آپ رحمہ اللہ کا شمار ہوتا تھا۔ آپ رحمہ اللہ وہ ہستی ہیں جن کی ذات کے اندر علم و عمل کے ساتھ ساتھ بیک وقت سرداری اور شان و شوکت، وقار و سنجیدگی اور خلقت کا اعتماد و بھروسہ جمع تھا۔ یہی وہ صفات ہیں جن کے باعث آپ رحمہ اللہ کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ رحمہ اللہ امیر المؤمنین بننے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ آپ رحمہ اللہ اگرچہ امیر المؤمنین نہیں تھے مگر اپنی گوناگوں اعلیٰ صفات و صلاحیات کی بدولت اپنے زمانہ میں بنو ہاشم کے سردار کہلاتے تھے۔

❷ ...آپ رحمہ اللہ کی صفات وجلالتِ شان کا ابن کثیر رحمہ اللہ نے مختصر لفظوں میں عجب نقشہ کھینچا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: آپ رحمہ اللہ ذکر الٰہی کے پابند، خشوع سے لبریز اور صبر کا مجسمہ تھے۔ خاندانِ نبوت کے چشم و چراغ اور بلند و بالا حسب و نسب کے مالک تھے۔ درپیش خطرات سے بخوبی واقف تھے۔ اللہ کے سامنے آہ و زاری آپ رحمہ اللہ کی گھٹی میں تھی اور لڑائی جھگڑوں سے بالکل ہی کنارہ کش تھے۔

❸ ...امام جعفر صادق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میرے والد (حضرت امام باقر رحمہ اللہ) اپنے زمانہ میں روئے زمین پر موجود اُمت محمدیہ کے سب سے بہترین لوگوں میں تھے۔

❹ ...حضرت معاویہ بن عمار ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں: امام باقر رحمہ اللہ نے قرآنِ مجید کی آیت مبارکہ ''اگر تمہیں علم نہیں ہے تو ''اہل علم'' سے پوچھ لو۔'' پڑھ کر فرمایا: ''ہم اہل علم ہیں۔''

امام باقر رحمہ اللہ ہشام کی جیل میں

حضرت امام باقر سلام اللہ ورحمہ اللہ کے فضل وکمال اور نیک نامی کی شہرت جب عام ہوگئی تو ہشام بن عبدالملک نے حسد وبغض کی وجہ سے آپ رحمہ اللہ کو گرفتار کر کے جیل میں قید کردیا۔ جب آپ رحمہ اللہ جیل پہنچے تو کچھ ہی عرصہ میں آپ کے ساتھ موجود دوسرے قیدی آپ کے اخلاق اور علم وکمال کی وجہ سے آپ رحمہ اللہ کے قریب ہونا شروع ہوگئے اور آپ سے مختلف علوم وآداب سیکھنے لگے۔ یہ منظر دیکھ کر جیل کے نگران نے ہشام کو ساری صورتِ حال سے آگاہ کیا کہ جیل کے اندر بھی اس کی مقبولیت ہونے لگی ہے اور لوگ اس سے علوم حاصل کرنا شروع ہوگئے ہیں۔ ہشام نے حکم دیا کہ اسے جیل سے نکال کر واپس اپنے وطن (مدینہ) بھیج دیا جائے۔

ہشام نے اِدھر حضرت امام باقر رحمہ اللہ کو حکم جاری کردیا کہ دمشق چھوڑ کر چلے جاؤ اور اُدھر دمشق سے مدینہ جانے والے راستوں کے بازاروں میں اپنا یہ حکم نامہ بھجوادیا کہ ''محمد بن علی'' (یعنی امام باقر رحمہ اللہ) کو کوئی شخص کھانے پینے وغیرہ کی کوئی چیز نہ بیچے حتیٰ کہ اس کے وہاں سے گزرنے کے دوران کوئی شخص دُکان بھی کھلی نہ رکھے تاکہ (نعوذ باللہ) یہ بھوکا مرجائے۔

آپ رحمہ اللہ کا قافلہ چلتا رہا یہاں تک کہ بھوک وپیاس نے بے تاب کردیا۔ اسی دوران یہ مبارک قافلہ ایک شہر میں داخل ہوا۔ آپ رحمہ اللہ کے قافلہ کی اطلاع پاتے ہی اہل شہر نے حکم شاہی کے موافق اپنی دُکانیں بند کردیں۔ جب یہ صورت حال دیکھی تو آپ رحمہ اللہ قریب ہی ایک پہاڑ پر چڑھ گئے اور اونچی آواز میں وہاں کے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا: اے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے باشندو! میں ''بَقِيَّةُ اللّٰه'' ہوں، (یعنی اللہ کی طرف سے اہل بیت میں سے بچا ہوا، اُس کا بندہ ہوں) اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ'' (سورۃ ہود:۸۶) ''بقیۃ اللہ (یعنی اللہ کی طرف سے دیئے ہوئے مال میں سے، اداءِ حقوق کے بعد بچا ہوا مال) تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم ایمان والے ہو۔'' (مستفاد من معارف القرآن:۴/۶۵۶)

آپ رحمہ اللہ نے ابھی اتنی بات ہی کہی تھی کہ اسی شہر کا ایک بوڑھا شخص جلدی سے آیا اور اپنے شہر کے لوگوں کو بلند آواز میں پکار کر کہا: لوگو! اللہ کی قسم! یہ وہی الفاظ ہیں جن سے حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو پکارا تھا (اور اس قوم نے ان کی پکار پر کوئی توجہ نہیں دی تھی جس کے نتیجہ میں ان پر عذاب الٰہی مسلط کردیا گیا تھا)۔ واللہ! اگر تم لوگوں نے اس قافلہ والوں کے لیے اپنی دکانیں نہ کھولیں تو اللہ کا عذاب تمہیں اوپر سے اور نیچے سے آپکڑے گا پھر تم بچ نہ پاؤ گے۔ اس

دفعہ میری بات تسلیم کرلو اور میرا کہنا مان لو، بھلا اس کے بعد تم کبھی میری بات نہ ماننا۔ سنو! میں اس وقت تمہارا خیر خواہ ہوں۔ اس بوڑھے کی یہ باتیں سن کر بستی والے گھبرا گئے اور اس کی بات مان لی اور آ کر ان کے لیے دُکانیں کھول دیں۔ امام باقر رحمہ اللہ نے اپنی اشیاء ضرورت خریدیں اور آگے چل دیئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندے کی حاجت روائی کی اور ہشام کے بادشاہ ہونے کے باوجود اس کی تدبیر کو خاک میں ملا دیا۔ (آل البیت حول الرسول، ص: ۱۹۲، ۱۹۳)

سفر حج اور آہ و بکاء

آپ سلام اللہ ورحمۃ اللہ علیہ اپنے غلام "افلح" کے ساتھ حج پر تشریف لے گئے۔ جب مسجد حرام میں داخل ہوئے اور بیت اللہ شریف پر نظر پڑی تو اتنا روئے کہ چیخیں نکل گئیں۔ افلح کہتے ہیں: میں نے عرض کی: میرے ماں باپ آپ رحمہ اللہ پر قربان ہوں! آپ آواز ذرا آہستہ کریں کہ اس زور دار رونے سے لوگوں کی نظریں آپ پر لگ گئی ہیں۔ آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: میں کیوں نہ روؤں؟ شاید اس رونے کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ میرے اوپر اپنی نظرِ رحمت فرمائے اور میں روزِ محشر کامیاب ہو جاؤں۔ اس کے بعد آپ رحمہ اللہ نے طواف کیا اور طواف ختم کر کے مقامِ ابراہیم پر پہنچے، دو نفل ادا کیے اور سجدے میں اتنا روئے کہ جب سر اُٹھایا تو سجدے کی جگہ آنسوؤں سے مکمل بھیگ چکی تھی۔ (صفۃ الصفوۃ: ۳۶۳/۱)

سفر دمشق اور آپ رحمہ اللہ کی عزت و منزلت

اللہ تعالیٰ نے آپ رحمہ اللہ کو عزتوں سے نوازا تھا۔ جہاں علماء آپ رحمہ اللہ کے معتقد تھے وہاں امراء و خلفاء بھی آپ رحمہ اللہ کا غایت درجہ احترام کرتے تھے۔ چنانچہ جب عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ مسلمانوں کے خلیفہ بنے تو انہوں نے امام باقر رحمہ اللہ کے اکرام و اعزاز میں انہیں مدینہ طیبہ سے اپنے ہاں دمشق آنے کی دعوت دی۔ آپ رحمہ اللہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے پاس جب دمشق پہنچے تو دیکھا کہ وہاں بہت سارے لوگ امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے پاس اندر جانے کے لیے پہلے سے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ آپ رحمہ اللہ کی تواضع کی یہ حالت تھی کہ آپ رحمہ اللہ بھی وہیں انہی عام لوگوں کے ساتھ مل کر بیٹھ گئے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو پتا چلا کہ آپ رحمہ اللہ تشریف لا چکے ہیں تو انہوں نے باہر خادم بھیج کر باقی لوگوں میں سے آپ رحمہ اللہ کو اندر بلا لیا۔ آپ رحمہ اللہ کچھ وقت ان کے پاس ٹھہرے رہے۔ جب روانگی کا ارادہ کیا تو ان سے فرمایا: امیر المؤمنین! مجھے اجازت؟ میں واپس جانا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا: ابوجعفر! مجھے کچھ نصیحت فرماتے جائیں۔ آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: "اللہ کے خوف کو لازم پکڑنا اور اپنے سے ہر بڑے شخص کو باپ، چھوٹے کو اولاد اور باقی لوگوں کو بھائی کا درجہ دینا۔" یہ مختصر اور جامع نصیحت سن کر انہوں نے کہا: اللہ آپ کا بھلا کرے، آپ نے تو اس چھوٹے سے جملے میں ہمارے لیے بڑی خیر کو جمع کر دیا ہے۔ اس کے بعد آپ رحمہ اللہ باہر تشریف لے آئے، جب اپنی سواری کے پاس پہنچے تو پیچھے سے انہوں نے قاصد کے ذریعہ یہ پیغام بھجوایا کہ آپ تشریف رکھیں، میں آپ

کے پاس آرہا ہوں۔ آپ رحمہ اللہ نے اسی قاصد کے ہاتھ واپس یہ کہلا بھیجا کہ نہیں، بلکہ میں خود حاضر ہو جاتا ہوں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے قسم دے کر کہا: آپ تشریف رکھیں، میں ابھی حاضر ہوتا ہوں اور تھوڑی ہی دیر میں وہیں سواری کے پاس آپ رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ رحمہ اللہ کو گلے لگایا اور روتے رہے، پھر باادب آپ رحمہ اللہ کے سامنے بیٹھ گئے، کچھ دیر بعد اُٹھے اور آپ رحمہ اللہ کی ہر حاجت جو آپ رحمہ اللہ نے ان کو بتائی پوری کی اور واپس آ گئے۔ حضرت امام باقر رحمہ اللہ بھی واپسی مدینہ طیبہ روانہ ہو گئے۔ اس کے بعد پھر موت تک ان دونوں حضرات کی ملاقات نہیں ہوئی۔ (تاریخ دمشق لابن عساکر: ۲۷۰/۵۴)

ارشادات ونصائح امام باقر رحمہ اللہ

آپ سلام اللہ ورحمۃ اللہ علیہ نے اپنی علم ودانش بھری مبارک زندگی میں مختلف مواقع پر ایسی انمول نصیحتیں ارشاد فرمائیں جن پر عمل کرنے سے انسان ٹھوکریں کھانے سے بچ جاتا ہے اور اُسے اپنی زندگی کا صحیح رُخ مل جاتا ہے۔ ان نصائح میں سے بعض درج ذیل ہیں:

(۱) آپ رحمہ اللہ نے اپنے صاحبزادے حضرت جعفر صادق رحمہ اللہ سے فرمایا: میرے بیٹے! اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کو تین چیزوں میں چھپا رکھا ہے:

اپنی رضا کو اپنی اطاعت میں چھپایا ہے، لہٰذا اطاعت کے چھوٹے سے عمل کو بھی حقیر نہ جاننا، ممکن ہے اللہ کی رضا اسی میں چھپی ہو۔ اپنی ناراضی کو اپنی نافرمانی میں چھپایا ہے۔ لہٰذا تھوڑی سی نافرمانی کو بھی ہلکا نہ سمجھنا، ہوسکتا ہے کہ اس کی ناراضی اسی میں ہو اور اپنے ولی بندوں کو انہی لوگوں میں چھپا رکھا ہے، لہٰذا کسی شخص کو گھٹیا نہ سمجھنا، کیا پتا وہی شخص ولی ہو۔ (نثر الدر فی المحاضرات)

(۲) اپنے ایک عقیدت مند سے فرمایا: حق پر قائم رہنا، جس چیز سے تجھے کوئی غرض ومقصد نہ ہو اس میں نہ پڑنا، اپنے دُشمن سے دور رہنا، دوستوں میں سے بھی صرف امانت دار پر اعتماد کرنا اور امانت دار وہی ہوسکتا ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو، فاسق شخص سے دوستی نہ کرنا، بالخصوص اُسے اپنا راز دار نہ بنانا، اور اپنے کاموں کے لیے مشورہ ہمیشہ ان لوگوں سے لینا جن کے دلوں میں اللہ کا خوف ہو۔ (آل البیت حول الرسول، ص: ۱۸۹)

(۳) اپنے شاگرد جابر جعفی سے فرمایا: میں تمہیں پانچ باتوں کی خاص طور پر نصیحت کرتا ہوں۔ اگر تم پر کوئی ظلم کرے تو تم کسی پر ظلم نہ کرنا، اگر تمہارے ساتھ لوگ خیانت کریں تو تم کسی سے خیانت نہ کرنا، اگر تم سے کوئی جھوٹ بولے تو غصے نہ ہونا، اگر تمہاری کوئی تعریف کرے تو اِترانا مت اور اگر بُرائی بیان کرے تو گھبرانا مت۔ (آل البیت حول الرسول)

(۴) ایک شخص سے کہا: میں نے تمہیں کچھ لوگوں میں بیٹھے ہوا دیکھا جنہیں میں پہچانتا نہیں تھا، وہ کون لوگ تھے؟ اس نے کہا: وہ بس میرے بھائی ہی ہیں۔ آپ رحمہ اللہ نے پوچھا: کیا ان میں سے کوئی ایسا بھی ہے کہ تم اس کی جیب میں ہاتھ ڈال کر اس کی اجازت کے بغیر اپنی ضرورت کے پیسے نکال لو؟ کہنے لگا: ایسا تو کوئی نہیں ہے۔ آپ رحمہ

اللہ نے فرمایا: پھر تم بھائی بھی نہیں ہو۔ (تفسیر البحر المحیط: ۷۲/۲)

(۵) آپ رحمہ اللہ کا ایک رشتہ دار بیمار ہوا تو آپ رحمہ اللہ کو کافی پریشانی لاحق ہوئی، پھر جب اس کے انتقال کی اطلاع ملی تو آپ رحمہ اللہ کی وہ پریشانی جاتی رہی۔ کسی نے اس بارے میں دریافت کیا تو فرمایا: ہم اللہ سے دُعا تو اُس چیز کی کیا کرتے ہیں جو ہمیں پسند ہوتی ہے لیکن جب ہماری پسند کے خلاف اللہ کی تقدیر اور اس کا فیصلہ واقع ہو جاتا ہے تو پھر ہم اللہ کی مخالفت نہیں کرتے اور اس کی پسند کو اپنی پسند پر ترجیح دیتے ہیں۔ (عیون الأخبار للدینوری: ۶۶/۳)

(۶) علم اور علماء کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا: علم حاصل کرو کہ اس کا سیکھنا جنت ہے، اس کو حاصل کرنے کیلئے کہیں جانا عبادت ہے، اس کا یاد کرنا اللہ کی تسبیح کرنا ہے، اس کی تحقیقات میں بحث کرنا جہاد ہے، اس کا ادب کرنا صدقہ ہے، اس کا اہل پر خرچ کرنا موجب ثواب ہے۔ یہ جنت کے راستوں کا نشان ہے، وحشت میں دل بہلانے والا ہے، سفر میں ہم سفر ہے، تنہائی میں ساتھی ہے، خوشی میں رہبر ہے، دُکھ میں مددگار ہے، دوستوں کی مجلس میں زینت وعزت بخشنے والا ہے، دُشمنوں پر ہتھیار ہے۔ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ایک جماعت (یعنی علماء) کو بلند مرتبہ سے نوازتا ہے جسے خیر کے کاموں میں استعمال فرماتا ہے، یہ وقت کے امام ہوتے ہیں، ان کے کاموں کی اتباع کی جاتی ہے اور ان کے نقشِ قدم پر چلا جاتا ہے۔ ہر خشک وتر چیز حتیٰ کہ سمندر کی مچھلیاں اور زہریلے جانور اور جنگل کے درندے اور چوپائے تک ان کیلئے دُعائے مغفرت کرتے ہیں۔ (التذکرۃ الحمدونیۃ: ۳۹/۱)

(۷) فرمایا: پیٹ یا شرمگاہ کی پاکدامنی سے بہتر کوئی عبادت نہیں، دُعاء سے زیادہ کوئی شئی اللہ کو محبوب نہیں اور دُعاء تو ایسی چیز ہے کہ تقدیر کو بدل دیتی ہے۔ جس بھلائی کا بدلہ بہت جلد مل جاتا ہے وہ لوگوں کے ساتھ حُسنِ سلوک ہے اور جس بُرائی کی سزا بہت جلد مل جاتی ہے وہ ظلم ہے۔

آدمی کے عیب کیلئے یہی باتیں کافی ہیں کہ وہ اپنے عیبوں سے غافل ہو کر دوسروں کے عیب دیکھے، جس چیز کو خود نہیں چھوڑ سکتا لوگوں پر اس کا حکم جاری کرے، اور اپنے ساتھیوں کیلئے بلاوجہ تکلیف کا سبب بنے۔ (صفۃ الصفوۃ: ۳۶۳/۱)

(۸) فرمایا: اپنے بھائی کے دل میں اپنے بارے میں محبت کا اندازہ اس سے لگالو جتنی تمہارے دل میں اس کی محبت ہے۔ (صفۃ الصفوۃ: ۳۶۴/۱)

(۹) آپ رحمہ اللہ اپنی مجالس میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا یہ قول ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جب تم کسی عالم وقاری کو دیکھو کہ وہ مالداروں سے تعلق رکھتا ہے تو سمجھ لو کہ وہ دُنیادار ہے اور جب اسے دیکھو کہ بادشاہ کے آس پاس رہتا ہے تو وہ چور ہے (جو اس سے مال بٹورنا چاہتا ہے)۔ (البدایۃ والنھایۃ ط الفکر: ۳۱۰/۹)

(۱۰) فرمایا: انسان کے دل میں جتنا تکبر داخل ہوتا ہے اسی کے بقدر عقل کم ہو جاتی ہے، یعنی تکبر تھوڑا ہو تو تھوڑی عقل اور زیادہ ہو تو زیادہ عقل جاتی رہتی ہے۔ (۱۱) فرمایا: گھٹیا درجے کے لوگوں کا ہتھیار بدکلامی ہوتی ہے۔

(۱۲) فرمایا: اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ابلیس کو ستر عابدوں کی موت سے ایک عالم کی موت زیادہ پسند ہے۔

(۱۳) اپنے صاحبزادے سے فرمایا: بیٹے! سستی اور اُکتاہٹ سے بچنا کہ یہ دونوں ہر بُرائی کی کنجی ہیں کیونکہ اگر تم سستی سے کام لوگے تو حقوق کی ادائیگی نہ کر پاؤ گے اور اگر اُکتاہٹ کا شکار ہوگے تو حق پر نہ جم سکو گے۔ (صفۃ الصلوۃ: ۱/۳۶۲)

(۱۴) فرمایا: میرا ایک ساتھی تھا جو میری نظر میں بڑا آدمی تھا۔ دراصل اس کی نظر میں دُنیا کی بے وقعتی اور چھوٹے پن نے میری نظر میں اُسے صاحب وقعت اور بڑا بنا دیا تھا۔ (صفۃ الصفوۃ: ۱/۳۶۳)

(۱۵) فرمایا: ہر چیز کیلئے کوئی نہ کوئی آفت ہوتی ہے، علم کی آفت نسیان (یعنی اس کا بھول جانا) ہے۔ (البدایۃ والنھایۃ)

وفات

راجح قول کے مطابق آپ رحمہ اللہ نے ۱۱۴ھ میں انتقال فرمایا جبکہ صفر کے مہینے کی تئیس تاریخ تھی۔ آپ رحمہ اللہ کی وصیت تھی کہ کفن اُسی قمیص میں دیا جائے جس میں آپ رحمہ اللہ نماز پڑھا کرتے تھے۔ آپ رحمہ اللہ کے صاحبزادے امام جعفر صادق رحمہ اللہ ذرا تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: میرے والد صاحب نے مجھے وصیت کی تھی کہ میں تین کپڑوں میں ان کو کفن دوں۔

ایک وہی قمیص (جس میں نماز پڑھا کرتے تھے) اُس کے بٹن کاٹ کر اسے ایک چادر کی طرح بنالوں، دوسرے وہ چادر جو آپ رحمہ اللہ اوڑھا کرتے تھے۔

تیسرے یہ کہ میں ایک یمنی چادر خرید کر اُس کو کفن میں شامل کروں، اور یہ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تین کپڑوں میں کفن دیا گیا تھا جس میں ایک یمنی چادر تھی۔

آپ رحمہ اللہ کا انتقال ''حمیمہ'' (یہ ملک شام میں دمشق کے قریب ایک بستی تھی جس میں بنواُمیہ کے زمانہ میں حضرت علی بن عبداللہ بن عباس کی اولاد رہا کرتی تھی) کے مقام پر ہوا تھا (بعض حضرات نے لکھا ہے کہ زہر دیئے جانے سے آپ رحمہ اللہ کا انتقال ہوا تھا) آپ رحمہ اللہ کو وہاں سے مدینہ طیبہ لاکر جنت البقیع میں اپنے والد ماجد امام زین العابدین رحمہ اللہ اور اُن کے چچا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ (الوافی بالوفیات: ۴/۷۷)

③...امام زید شہید سَلامُ اللہ وَ رَحمتہ علیہ

(زید بن علی بن حسین بن علی کرم اللہ وجہہ)

نام ونسب

آپ سَلامُ اللہ وَ رَحمتہ علیہ کا نام ''زید'' تھا، آپ رحمۃ اللہ علیہ امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے اور امام باقر رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی تھے۔ (تہذیب الکمال فی اسماء الرجال)

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت ''ابوالحسین'' تھی۔ (الکنی والاسماء للدولابی)

اور ''زید شہید'' کے نام سے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو یاد کیا جاتا ہے۔ (الأعلام للزرکلی)

آپ رحمۃ اللہ علیہ نسب کے لحاظ سے قریشی وہاشمی اور وطن کے اعتبار سے ''مدنی'' تھے۔ (بغیۃ الطلب فی تاریخ حلب)

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ کے نام میں اختلاف ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں متعدد اقوال منقول ہیں: ''جید''، (سر السلسلۃ لعلویۃ) ''جیدا''، (الافادۃ فی التاریخ الأئمۃ السادۃ)، جیداء، (سر السلسلۃ لعلویہ)، ''حیدان'' (المعارف لابن قتیبۃ)، وہ باندھی تھیں اور ان کا تعلق ''سندھ'' سے تھا۔ (الطبقات الکبری)

دراصل مختار ثقفی نے ان کو تیس ہزار درہم (مساوی تقریباً ۶۳ لاکھ روپے) میں خریدا، پھر انہیں بطور ہدیہ امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد کردیا جن سے امام زید رحمۃ اللہ علیہ جیسا پھرنیک بخت لڑکا پیدا ہوا۔ (الافادہ للہارونی)

ولادت

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے سن ولادت میں اختلاف ہے (حیث ذکرت سنۃ) تاہم قابلِ اعتماد بات یہی ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ ۸۰ ہجری میں پیدا ہوئے۔ (الامام زید لأبی زہرۃ)

اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ پیدائش مدینہ منورہ میں ہوئی۔ (الامام زید بن علی)

پرورش وتربیت

آپ سَلامُ اللہ وَ رَحمتہ علیہ، نے جب مدینہ منورہ کے مقدس شہر میں آنکھ کھولی تو ہر سُو علم وتقویٰ کی فضا عام تھی اور جس گھرانے میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے پرورش پائی وہ تو علمِ نبوت سے سراپا معمور تھا۔ جس والدِ ماجد کی گود میں آپ

رحمۃ اللہ علیہ پروان چڑھے وہ عبادت میں عابدوں کے سردار و پیشوا، اخلاقیات میں رہبر و رہنما اور علم میں سید الفقہاء تھے۔ گویا امام زید رحمۃ اللہ علیہ نے، اپنے والد ماجد کے سایۂ تربیت میں رہنے کے دوران، بچپن میں ہی علم وتقویٰ اور اخلاق وروحانیت کے عملی نظارے اُن کی ذات میں مشاہدہ کر لیے تھے جنہوں نے بعد میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت پر بہت گہرے دُوررس اثرات چھوڑے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے اِن عابد وزاہد، عالم وفاضل والدِ محترم کا جب انتقال ہوا تو اس وقت آپ رحمۃ اللہ علیہ حسنِ بلوغ کو پہنچ چکے تھے، اور علمی وعملی ترقی کی منازل طے کرنے کا دَور شروع ہونے لگا تھا، ایسے وقت میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے عظیم وفاضل، شفیق ومشفق بڑے بھائی ''امام باقر'' کی کفالت وتربیت میں رہنے کی سعادت نصیب ہوئی، وہ بھی اپنے عظیم والد کے پروَردہ وتربیت یافتہ ہونے کے سبب زہد وتقویٰ کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔

ان عظیم ہستیوں کی کفالت وتربیت نے بچپن سے ہی آپ رحمۃ اللہ علیہ میں تقویٰ وخوف الٰہی کی وہ روح بھر دی تھی جس کی مثال ملنا مشکل ہے، کہ امام زید رحمۃ اللہ علیہ کا خود اپنا بیان ہے، وہ قسم کھا کر فرماتے ہیں:

''جب سے میں نے اتنا شعور سنبھالا کہ اپنے دائیں اور بائیں ہاتھ کا فرق سمجھنے لگا تھا اُس وقت سے میں نے ایک مرتبہ بھی جھوٹ نہیں بولا، اور جب سے مجھے یہ پتا چلا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے حساب لے گا اُس دن سے میں نے اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو ترک کر دیا ہے۔'' (الامام زید بن علی)

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش و پرورش تو مدینہ میں ہوئی جیسا کہ اوپر گزرا، بلکہ شروع میں رہائش بھی مدینہ طیبہ میں رہی لیکن آخر میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کوفہ میں گزری۔ (ینظر: الخطط للمقریزی)

حلیہ مبارک ولباس

اللہ تعالیٰ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو خوب سیرت کے ساتھ خوب صورت بھی بنایا تھا، چنانچہ لکھا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا رنگ گورا تھا، آنکھیں بڑی بڑی اور ابرو دونوں ملے ہوئے تھے، بدن کی بناوٹ مکمل تھی (یعنی کسی عضو میں نقص نہیں تھا) قد دراز تھا، داڑھی گھنی، سینہ فراخ وکشادہ، اور ناک بلندی مائل تھی۔ سر اور ڈاڑھی کے بال سیاہ تھے، البتہ دونوں رخساروں کے اطراف میں کچھ سفید بال آچکے تھے۔ (المصابیح لأبی العباس)

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے لباس میں صرف اتنا مل سکا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے سفید چوغہ اور سیاہ عمامہ استعمال فرمایا ہے۔ (انساب الأشراف للبلاذری) اس کے علاوہ آپ رحمۃ اللہ علیہ انگوٹھی بھی پہنتے تھے جس کا نقش تھا: اصبر تؤجر، اصدق تنج (صبر کرو اجر پاؤ گے، سچ بولو نجات پاؤ گے) (بغیۃ الطلب فی تاریخ حلب)

شادی واولاد

کسی مؤرخ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کی بیویوں اور باندیوں کے عنوان سے باقاعدہ بحث نہیں کی، البتہ مختلف کتب

تاریخ کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی تین بیویاں تھیں۔(الامام زید بن علی)

ایک بیوی ''رَیْطہ بنت ابی ہاشم'' تھی جن سے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور بیٹے ''یحییٰ بن زید'' پیدا ہوئے جو خراسان میں شہید ہوئے تھے۔(الطبقات الکبری العلمیۃ)

جب آپ رحمۃ اللہ علیہ کوفہ میں قیام پذیر تھے اُس دوران آپ رحمۃ اللہ علیہ نے دوعورتوں سے شادی کی: ایک قبیلہ بنوسلمہ میں، یعوب بن عبداللہ سلمی کی بیٹی سے اور دوسری قبیلہ ازد میں، عبداللہ بن ابی العنبس ازدی کی بیٹی سے۔(الخطط المقریزیۃ)

ان کے علاوہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک باندی کا تذکرہ بھی ملتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو تین بیٹے عطا فرمائے، عیسیٰ، حسین اور محمد۔(الطبقات الکبری)

چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں صرف یہی چار صاحبزادے تھے۔(موسوعۃ آل بیت النبی)

پھران میں سے حضرت یحییٰ نے تو پیچھے اپنی کوئی اولاد نہیں چھوڑی تھی۔(اسیر أعلام النبلاء)

البتہ باقی تین بیٹوں نے اولاد چھوڑی تھی۔(الافادۃ فی تاریخ الائمۃ السادۃ)

قاتلانِ زید رحمہ اللہ کا انجام بد

امام زید سَلامُ اللہ وَ رَحمتہ علیہ کو شہید کرنے میں جن ظالموں کا ہاتھ تھا اللہ تعالیٰ نے آخرت کے عذاب کے علاوہ دنیا میں بھی ان کو سزا کا مزہ چکھایا، چنانچہ امام زین العابدین کے پوتے حضرت ''عبداللہ بن حسین'' فرماتے ہیں: میں نے دیکھا کہ میرے والد ''حسین بن علی'' یہ دعا کررہے ہیں: ''اے اللہ! ہشام کی رضامندی سے، امام زید کو سولی دی گئی۔تُو ہشام سے اُس کی بادشاہت چھین لے اور یوسف بن عمر نے سنگدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُن کو زندہ جلایا تھا، اے اللہ! تُو یوسف پر بھی کسی سنگدل کو مسلط فرما۔اے اللہ! اگر تیری منشا ہو تو ہشام کو جیتے جی آگ میں جلا ورنہ اس کی موت کے بعد اسے آگ میں جلا۔''

حضرت عبداللہ بن حسین کہتے ہیں: جب حکومت بنوامیہ سے بنوعباس میں منتقل ہوئی تو واللہ! ہشام (کی لاش) کو جلایا جانا میں نے اپنی ان آنکھوں سے دیکھا تھا اور اسی طرح میں نے دیکھا کہ دمشق میں یوسف بن عمر کے ٹکڑے کردیئے گئے اور اس کے اعضاء کو تقسیم کرکے شہر دمشق کے ہر داخلی دروازے پر لٹکا دیا گیا۔

یہ منظر دیکھ کر میں نے والد صاحب سے کہا: ابا جان! لگتا ہے یہ دعا آپ نے لیلۃ القدر میں بھی کی تھی جس کی برکت سے یہ دعا پوری طرح قبول ہوئی۔فرمانے لگے: نہیں، بیٹا! بلکہ میں نے رجب، شعبان اور رمضان میں (بدھ، جمعرات اور جمعہ کے) تین تین روزے اس طرح رکھے کہ ہر جمعہ والے روزے میں عصر سے لے کر مغرب کی نماز تک میں ان دونوں (ہشام ویوسف) کے لئے یہی دعا کیا کرتا۔(المواعظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار)

دوسری روایت۔جس میں قدرے تفصیل ہے۔کے مطابق یوسف بن عمر کا یہ انجام ہوا کہ اس کی ڈاڑھی نوچی گئی

اور اس کو تڑپا تڑپا کر مارا گیا، پھر اس کے جسم کے ٹکڑے کر کے ایک ایک حصہ دمشق کے مختلف مقامات میں لٹکایا گیا۔

(امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی، حاشیہ)

عمرو بن ہانی سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ بنو عباس کے خلیفۂ اول ''ابوالعباس سفاح'' کا زمانہ تھا کہ میں عبداللہ بن علی عباسی کے ساتھ اموی حکمرانوں کی قبروں کی تلاش میں نکلا یہاں تک کہ ہم ہشام بن عبدالملک کی قبر کے پاس پہنچے، اُس کی لاش کو قبر سے باہر نکالا، صرف ناک کا کچھ حصہ ضائع ہوا تھا، باقی سارا بدن ٹھیک تھا (کہا جاتا ہے کہ اس کی لاش کو ایک مخصوص مَسالہ لگا کر دفن کیا گیا تھا۔ (الرجساء: قد قرأت ہذا المقال)

عبداللہ عباسی نے اُس کی لاش کو اَسی کوڑے لگوائے پھر اسے آگ میں جلا دیا، اسی طرح اور بھی کئی ظالم اموی حکمرانوں کی لاشوں کو نکال کر انہیں جلایا۔ اس کا ذکر کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ ان عباسیوں کا یہ فعل شرعاً جائز و درست تھا بلکہ اس سے صرف اتنا بتلانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ عبرت حاصل کرنے کی خاطر ظالموں پر بھی ظالم مسلط کرتا ہے اور ان اموی حکمرانوں نے، خاص طور پر اہل بیت اطہار کے ساتھ بہت زیادتیاں کیں اور ان پر طرح طرح کے ظلم ڈھائے تھے چنانچہ ان پر بھی پھر اسی طرح کے ظالم لوگ مسلط ہوئے۔ واقعی اللہ نے اپنی کتاب میں سچ فرمایا ہے:

﴿و كذالک نولی بعض الظالمين بعضًا بما كانوا يكسبون﴾ (سورۃ الانعام: ۱۲۹)

مطلب یہ ہے کہ ہم ظالموں کی بداعمالیوں کی وجہ سے اُن پر دوسرے ظالموں کو مسلط کر دیتے ہیں)۔ (الامام زید لأبی زہرۃ)

سعد بن حسن بن قحطبہ سے روایت ہے کہ ''کیسان'' کی اولاد میں سے جس شخص نے امام زید رحمۃ اللہ علیہ کو تیر کے ذریعے قتل کیا تھا، بنو عباس میں سے عبداللہ بن علی نے اسے شام میں پکڑوا کر پہلے قتل کرایا پھر سولی پر لٹکا دیا۔ (انساب الأشراف للبلاذری)

❹... حضرت امام جعفر صادق سَلامُ اللہ وَ رَحمۃ علیہ

(جعفر بن محمد)

نام ونسب

آپ سَلامُ اللہ وَ رَحمۃُ علیہ، کا نام ''جعفر'' تھا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام باقر رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ حضرت ابوبکر صدیق کی پوتی ''اُمّ فَروہ'' تھیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت ''ابوعبداللہ'' اور مشہور لقب ''صادق'' تھا (اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کو یہ لقب اس وجہ سے ملا کہ زندگی بھر آپ رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے جھوٹ نہیں سنا) (الأعلام للزرکلی) تاہم اس مشہور لقب کے علاوہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے اور بھی کئی القاب تھے جیسے صابر، فاضل اور طاہر، مگر معروف لقب وہی ''صادق'' ہی تھا جس سے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے دنیا میں شہرت پائی۔

یہاں ایک خوبصورت بات یہ ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو نسب کے لحاظ سے ایک منفرد اعزاز و شرف حاصل ہے، وہ یہ کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ کے نانا بھی بنتے ہیں اور دادا بھی، (کیونکہ حضرت ام فروہ کی والدہ کا نام اسماء بنت عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے اور والد کا نام قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے)۔ اسی اظہار شرف کے طور پر آپ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: ولدنی ابو بکر مرتین) یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے دوبارہ جنا ہے)۔ (تاریخ الخمیس)

ولادت

آپ رحمۃ اللہ علیہ، ۸ رمضان المبارک (فتاویٰ محمودیہ) ۸۰ ہجری میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ (الفصول المہمۃ)

حلیہ مبارک

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا اعتدال کے ساتھ درمیانہ قد تھا، نہ بہت لمبا اور نہ بہت چھوٹا۔ چہرہ مبارک سفید سرخی مائل (نہایت خوبصورت) اور چمکدار تھا۔ لکھا ہے کہ چہرہ اس حد تک نورانی اور چمکدار تھا جیسے کوئی چراغ روشنی بکھیر رہا ہو۔ سر کے بال، سیاہ اور قدرے گھنگھریالے تھے۔ ناک بلندی مائل تھی۔ پیشانی بالوں سے بالکل صاف تھی جس سے چہرہ اور زیادہ روشن لگتا تھا اور رُخسار پر ایک سیاہ تل تھا۔ یہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے دورِ شباب کا حلیہ مبارک ہے، بڑھاپے میں اس پر رونق و وقار اور جلال و ہیبت کا اضافہ ہو گیا تھا۔ (الامام الصادق)

لباس

آپ رحمۃ اللہ علیہ صاف ستھرا اور عمدہ لباس پہنتے تھے، دیکھنے والوں کو اچھی صورت و ہیئت میں نظر آتے تھے۔ خصوصاً جب درسِ حدیث کیلئے تشریف لاتے تو نہایت ہی خوشنما لباس، اور چہرہ اور سر کے بال وغیرہ سنوار کے آتے اور فرماتے: ''میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کوئی نعمت دے رکھی ہو اور وہ اس کو ظاہر نہ کرے''، پھر فرماتے: **البس الجمیل فان اللہ جمیل یحب الجمال، ولیکن من الحلال** ''خوبصورت لباس پہنا کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے، لیکن اس کا خیال رکھو کہ وہ لباس حلال مال سے ہو''۔ (موسوعۃ بیت النبی)

آپ رحمۃ اللہ علیہ اس غرض سے بھی عمدہ لباس زیب تن فرماتے تھے تا کہ ہلکا اور موٹا جھوٹا لباس پہننے کی وجہ سے لوگ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو ''زاہد'' (دنیا سے بے رغبت) انسان نہ سمجھیں اور ریا کاری نہ ہو، گویا اپنی صفتِ زُہد (دنیا سے بے رغبتی) کو ریا کاری سے بچانے کے لئے آپ رحمۃ اللہ علیہ عمدہ لباس کا استعمال فرماتے تھے۔ (الامام الصادق)

آپ رحمۃ اللہ علیہ انگوٹھی بھی پہنتے تھے اور انگوٹھی پر یہ کلمات نقش تھے: **ماشاء اللہ، لاقوۃ الا باللہ، استغفر اللہ** (گویا اللہ کی طاقت وقدرت اور اپنے گناہ گار ہونے کا، ہر وقت دھیان رہتا)۔ (نور الأبصار فی مناقب آل بیت النبی المختار)

اولاد

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے چھ صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھی جن کے نام درج ذیل ہیں:

اسماعیل، محمد، علی، عبداللہ، اسحاق، موسیٰ کاظم، اور صاحبزادی کا نام فَروہ تھا۔ (نور الأبصار)

اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کردار

صاحب قلیوبی بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص مسجد میں سویا ہوا تھا اور اس کے پاس ایک تھیلی تھی..... جب وہ بیدار ہوا تو اس نے اپنی تھیلی نہ پائی اور حضرت امام جعفر صادق کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے ہیں یہ شخص امامؒ سے الجھ گیا..... امامؒ نے اس سے فرمایا کہ کیا بات ہے جو تو مجھ سے الجھ رہا ہے اس نے کہا کہ میری تھیلی چوری ہوگئی ہے اور آپ کے علاوہ کوئی دوسرا میرے پاس نہیں ہے..... حضرت امامؒ نے فرمایا کہ تیری تھیلی میں کتنا مال تھا..... اس نے کہا کہ اس میں ایک ہزار اشرفیاں تھیں..... حضرت امام جعفرؒ اپنے مکان تشریف لے گئے اور ایک ہزار اشرفیاں لاکر اس کے حوالہ کیں پھر جب وہ شخص اپنے ساتھیوں کے پاس گیا تو انہوں نے اس سے کہا کہ تیری تھیلی ہمارے پاس ہے..... ہم نے تجھ سے مذاق کیا تھا..... وہ شخص اشرفیاں لے کر واپس آیا اور جس نے اس کو اشرفیاں دی تھیں ان کو دریافت کیا..... لوگوں نے اس سے کہا کہ وہ صاحب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے ہیں..... چنانچہ وہ ان کے پاس گیا اور وہ اشرفیاں واپس کرنا چاہیں لیکن امامؒ نے اس کو قبول نہ کیا اور فرمایا کہ ہم جب کوئی چیز اپنی ملک سے خارج کر دیتے ہیں تو پھر واپس نہیں لیتے اللہ تعالیٰ ان سے راضی رہے..... (انمول موتی جلد۲)

امام جعفر صادق رحمہ اللہ کی تحقیق

قزوینی کی کتاب عجائب المخلوقات میں ایک عجیب بات لکھی ہے کہ امام جعفر صادق" فرماتے تھے کہ ہر رمضان المبارک کا جو پانچواں دن ہوتا ہے وہ آنے والے رمضان المبارک کا پہلا دن ہوتا ہے.....انہوں نے یہ ایک قانون بتا دیا.....وہ فرماتے ہیں کہ اس بات کو پچاس سال تک ہر رمضان المبارک میں دیکھا گیا اور اسے ٹھیک پایا گیا.....آج دنیا سائنس دان بنتی پھرتی ہے، دیکھیں ہمارے مشائخ نے کیسی کیسی باتیں بتادیں.....آپ بھی اس چیز کو آزما کر دیکھ لیجئے کہ اس رمضان المبارک کا جو پانچواں دن تھا وہی آئندہ رمضان المبارک کا پہلا دن ہوگا.....(خطبات فقیر)

حضرت جعفر صادق......ایثار وہمدردی کے پیکر!

مسجد میں ایک مسافر تھکا ہارا پہنچا...... وضو کیا، نماز پڑھی۔ اپنا زادسفر یعنی ایک چھوٹی سی گٹھڑی سرہانے رکھ کر لیٹ گیا۔ چند لمحے بھی نہ گزرے تھے کہ نیند نے اسے آدبوچا۔ کافی دیر بعد آنکھ کھلی تو سر کے نیچے سے گٹھڑی غائب تھی۔

وہ فوراً ہی اٹھ کر بیٹھ گیا۔ حیران تھا کہ ایسی گہری نیند سویا کہ سر کے نیچے سے گٹھڑی نکالے جانے کا بھی علم نہ ہوسکا۔

پریشانی کی اصل وجہ یہ تھی کہ اس گٹھڑی میں ایک تھیلی بھی تھی، جس میں ایک ہزار دینار تھے جو اس کی زندگی بھر کی پونجی تھی۔ قریب ہی ایک بزرگ ذکر وفکر میں مشغول تھے اس وقت مسجد میں بس یہی ایک بزرگ تھے۔ مسافر نے ان ہی کو پکڑ لیا۔ ان صاحب نے حیرت سے پوچھا۔ ''بھئی! کیا بات ہے؟'' مسافر بولا ''میرے سرہانے میری گٹھڑی رکھی تھی اور اس میں ایک تھیلی بھی تھی جس میں میری زندگی بھر کی پونجی تھی جب میں نماز پڑھ کر لیٹا تو اس وقت بھی تم اسی جگہ اور اسی طرح بیٹھے تھے اور اب بھی تم اسی جگہ اسی طرح بیٹھے ہو۔ یقیناً تم ہی نے میری گٹھڑی چرائی ہے یا تم جانتے ہو کہ کون میری گٹھڑی لے گیا ہے اس لئے میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔''

وہ بزرگ بولے ''بھائی! میں تو ذکر میں مشغول تھا مجھے نہ تو تمہارے آنے کی خبر ہوئی اور نہ یہ معلوم ہوا کہ تمہارے سرہانے گٹھڑی تھی اور نہ ہی میں یہ جانتا ہوں کہ یہاں کوئی تیسرا آدمی بھی آیا جو تمہاری گٹھڑی لے گیا۔''

مسافر نے اس بزرگ کا گریبان ہاتھ میں لیا اور بولا ''بزرگوں کی سی صورت بنا کر مسافروں کو لوٹتا ہے، میں تجھے ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔'' اس بزرگ کے سکون واطمینان میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اس نے نہایت نرم لہجے میں کہا ''اے مسافر! ذرا ٹھنڈے دل سے اتنا سوچ کہ اگر میں ہی چور ہوتا تو یہاں کیوں بیٹھا ہوتا، گٹھڑی لے کر بھاگ کیوں نہ جاتا......''؟ ''میں کچھ نہیں جانتا۔ میں تو تجھ سے ہی اپنی رقم وصول کروں گا۔'' مسافر کی گرفت اس بزرگ کے گریبان پر اور سخت ہوگئی۔ بزرگ نے پوچھا ''اچھا! یہ بتا کہ تیری تھیلی میں کتنی رقم تھی؟''

مسافر بولا ''ایک ہزار دینار''۔ اچھا! میرے ساتھ آ...... وہ بزرگ مسافر کو اپنے ساتھ لے گیا اور اپنے گھر سے ایک ہزار دینار اس کے حوالے کردیئے۔''

مسافر بولا'' گٹھڑی میں دینار کے علاوہ میرے کپڑے بھی تھے'' اس بزرگ نے سو دینار دیتے ہوئے کہا'' لے یہ سو دینار اور رکھ لے۔ اب تو تیرا نقصان پورا ہو گیا؟''

مسافر نے سو دینار بھی لے لئے اور خوشی خوشی گیارہ سو دینار لے کر اس جگہ پہنچا جہاں اپنے دوسرے ساتھیوں کو چھوڑ آیا تھا اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ ساتھیوں نے بیک زبان کہا'' ارے تمہارے دینار کی تھیلی اور گٹھڑی تو ہم نے مزاقاً تم سے چرالی تھی۔'' ''لو یہ رہا تمہارا مکمل سامان...... وہ اللہ کا بندہ کون تھا؟ جس نے تمہیں یہ رقم دے دی، چلو اس کے پاس چلیں، یقیناً وہ اللہ کا کوئی بزرگ بندہ ہوگا۔''

سب کے سب اس بزرگ کے مکان پر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں ایک محفل جمی ہوئی ہے۔ سینکڑوں افراد ادب و احترام سے سر جھکائے بیٹھے ہیں اور وہی بزرگ جو مسجد میں ذکر میں مشغول تھے، مسند پر بیٹھے ہوئے ہیں اور بڑے ہی مؤدب انداز میں درس قرآن دے رہے ہیں اور تمام لوگ ہمہ تن گوش تھے۔

اس نے قرآنی آیات کی تشریح ایسے دل نشین انداز میں کی کہ لوگ جھوم جھوم اٹھے۔ کافی دیر تک یہ محفل جاری رہی۔ یہ مسافر بھی سننے میں ایسے محو ہوئے کہ اپنے یہاں آنے کا مقصد تک بھول گئے انہیں یہ تک یاد نہ رہا کہ کہاں سے وہ آئے تھے، کیوں آئے تھے؟ اور کہاں کھڑے ہیں؟ وہ تو بس بت بنے کھڑے تھے۔

اللہ کا وہ نیک بندہ قرآن سنا رہا تھا، سمجھا رہا تھا اور یہ سن رہے تھے، سمجھ رہے تھے اور اس کی باتیں ان کے دلوں میں گھر کئے جا رہی تھیں۔ ایسی پیاری باتیں انہوں نے آج سے پہلے کبھی نہیں سنی تھیں۔ پھر اس بزرگ نے دعا مانگنی شروع کی۔ دعا میں وہ آہ وزاری شروع کی کہ سب کی آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں۔ سارا مجمع دست بہ دعا ہے۔ آنکھیں پرنم ہیں، چہروں پر پشیمانی ہے۔ دعا کے اختتام پر سب لوگ قدم بوسی کے لئے آگے بڑھے، لیکن اس نے کسی کو ہاتھ چومنے کی مہلت نہ دی۔ اس محفل میں کچھ غریب، مفلس لوگ بھی تھے جن کو اس بزرگ نے دینار بھی دیئے۔

جب ذرا رش کم ہوا تو یہ مسافر بھی آگے بڑھے اور گیارہ سو دینار کی تھیلی بزرگ کے قدموں میں رکھ کر کہنے لگے:

''حضور! ہم سے بڑی غلطی ہو گئی ہے۔ ہمارے ایک ساتھی نے اس کی تھیلی مزاقاً چھپائی تھی یہ سمجھا کہ (خدانہ کرے) یہ تھیلی آپ کے پاس ہے تو اس نے گستاخانہ رویہ اختیار کیا جس کا ہمیں بہت افسوس ہوا۔ ہم سب معافی چاہتے ہیں اور آپ کی رقم واپس کرتے ہیں۔''

بزرگ مسکرائے اور بولے'' جو ہوا سو ہوا، ہم کسی کی غلطی کی پروا نہیں کرتے بلکہ اللہ پاک کی نعمتوں میں غور کرتے ہیں۔'' پھر وہ بزرگ دوسرے لوگوں کی طرف متوجہ ہو گئے اور وہ دینار واپس کر دیئے۔ مسافروں نے قریب بیٹھے لوگوں سے دریافت کیا'' کہ یہ کون ہیں؟'' لوگوں نے بتایا'' یہ جعفر صادق ہیں۔'' مسافر ان کی ہمدردی و ایثار دیکھ کر ان کی ارادت میں شامل ہو گئے۔ (ناقابل فراموش تاریخ کے سچے واقعات)

ارشادات ونصائح حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ

آپ رحمہ اللہ کے اقوال وفرمودات ایک ایسا قیمتی ذخیرہ ہیں جس میں ہر قسم کی نصیحتیں ملتی ہیں۔ان میں کہیں تہذیب اخلاق کا تذکرہ ہے تو کہیں اُصولِ زندگی کا بیان، کہیں علم وحکمت کی ترغیب ہے تو کہیں زہد وتقویٰ کی دعوت، کہیں رزقِ حلال پہ اُبھارا ہے تو کہیں اداءِ حقوق پہ روشنی ڈالی ہے۔الغرض نصیحتوں کا ایک خوبصورت گلدستہ ہے جس کے چند پھولوں کا نمونہ پیش خدمت ہے:

(۱) ایک آدمی نے آپ رحمہ اللہ سے اپنے پڑوسی کی شکایت کی۔آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: صبر سے کام لو اور کوئی جوابی کارروائی نہ کرو۔اس نے کہا: اس طرح وہ مجھے چھوٹا اور ذلیل شخص سمجھے گا۔آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: ”ذلیل تو وہ شخص ہوتا ہے جو ظلم کرتا ہے، بلاشبہ ظالم ہی درحقیقت ذلت کا سامنا کرنے والا ہے۔“

(۲) چار چیزیں ایسی ہیں جن کا تھوڑا بھی زیادہ ہوتا ہے: آگ، دُشمنی، فقر وفاقہ اور بیماری۔

(۳) اللہ تعالیٰ چھ کو چھ کی وجہ سے ہلاک کرتا ہے: حکمرانوں کو ظلم کی وجہ سے، عربوں کو عصبیت کی وجہ سے، زمینداروں کو تکبر کی وجہ سے، تاجروں کو خیانت کی وجہ سے، دیہات والوں کو دین سے ناواقفیت کی وجہ سے اور علماء کو حسد کی وجہ سے۔(۴) بیٹیاں ”نیکی“ اور بیٹے ”نعمت“ ہیں اور ضابطہ یہ ہے کہ نیکیوں پر اَجر وانعام دیا جائے گا جبکہ نعمتوں کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی۔(۵) باطن (یعنی انسان کا اندر) جب درست ہوجاتا ہے تو ظاہر طاقتور ہوجاتا ہے۔

(۶) بے عمل داعی کی مثال اس تیر انداز کی سی ہے جو بغیر کمان کے تیر پھینکنا چاہتا ہو۔(ظاہر ہے کہ اس تیر میں قوت نہیں ہوگی اور مؤثر ثابت نہیں ہوگا)۔(۷) جب تم خیر کے کسی کام کا ارادہ کرو تو اس میں دیر نہ کرو کیونکہ بعض گھڑیاں ایسی ہوتی ہیں کہ ان میں اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو خیر کے کام میں مشغول دیکھتا ہے تو خوش ہوکر فرماتا ہے: اے بندے! میری عزت ومیرے جلال کی قسم! میں تجھے ہرگز عذاب نہیں دوں گا اور جب تم بُرائی کے کسی کام کا ارادہ کرو تو اس کے قریب تک نہ جاؤ کیونکہ بعض گھڑیاں ایسی ہوتی ہیں کہ ان میں اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو بُرائی کے کسی کام میں دیکھتا ہے تو ناراض ہوکر فرماتا ہے کہ اے بندے! میری عزت ومیرے جلال کی قسم! میں تجھے کبھی نہیں بخشوں گا۔

(۸) آپ رحمہ اللہ نے سفیان ثوری رحمہ اللہ سے فرمایا: نیکی تین چیزوں سے پوری ہوتی ہے، اس کو جلدی کرنے سے، چھوٹا سمجھنے سے اور چھپانے سے۔

(۹) زیادہ ہنسی مذاق سے بچو کہ اس سے چہرے کی رونق جاتی رہتی ہے۔

(۱۰) کسی کو معاف کر کے پچھتانا مجھے اس سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ میں کسی کو سزا دے کر پچھتاؤں۔

(۱۱) کسی نے آپ رحمہ اللہ سے پوچھا: کیا وجہ ہے کہ ہم دُعا کرتے ہیں مگر ہماری دُعا قبول نہیں ہوتی؟ فرمایا کیونکہ جس سے تم دُعا کرتے ہو اُسے تم پہچانتے ہی نہیں۔ (۱۲) جو شخص بغیر خاندانی جتھے کے قوت و عزت اور بغیر بادشاہت کے رُعب و ہیبت چاہتا ہو، اسے چاہیے کہ وہ نافرمانی کی ذلت بھری زندگی چھوڑ کر فرمانبرداری کی پُرعزت زندگی شروع کر دے۔

(۱۳) جو بُرے آدمی کے ساتھ اُٹھتا بیٹھتا ہے وہ خود بھی بُرائی میں مبتلا ہو جاتا ہے، جو بُری جگہوں پر آتا جاتا ہے وہ لوگوں میں متہم (بدنام) ہو جاتا ہے اور جو اپنی زبان پر قابو نہیں پاتا وہ شرمندگی کا سامنا کرتا ہے۔

(۱۴) ایک تاجر (جس کو آپ رحمہ اللہ سے بہت لگاؤ تھا اور مالی لحاظ سے بھی بہت خوشحال تھا) آپ رحمہ اللہ کے پاس اکثر آتا جاتا رہتا تھا۔ ایک دفعہ وہ کچھ مدت گزرنے کے بعد آیا اور بہت پریشان تھا، اس کے مالی حالات یکسر تبدیل ہو گئے تھے۔ اس نے اپنی اس زبوں حالی اور تنگدستی کی شکایت کی تو آپ رحمہ اللہ نے اسے دو اشعار میں خوبصورت نصیحت کی جو آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے:

فلا تجزع وان اعسرت یومًا فقد ایسرت بالزّمن الطویل ولا تیأس

فان الیاس کفر لعلّ اللّٰہ یُغنی عن قلیل.

"گھبراؤ نہیں، اگر آج تم غریب ہو گئے ہو تو ایک عرصۂ دراز تک امیر بھی رہے ہو اور اللہ کی رحمت سے مایوسی میں نہ پڑو کیونکہ اس کی رحمت سے نا اُمیدی کفر ہے، کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ عنقریب ہی پھر تمہیں مال دار کر دے۔"

(۱۵) علماء امانت انبیاء کے حاملین ہیں۔ جب تم دیکھو کہ علماء بادشاہوں کی طرف مائل ہو رہے ہیں تو ان علماء کو متہم سمجھو۔

(۱۶) جب تم اپنے کسی دوست کے گھر جاؤ تو اس کی طرف سے ہمہ قسمی اکرام قبول کر لینا مگر اس کی خاص نشست گاہ پر نہ بیٹھنا۔ (۱۷) مؤمن کی شان یہ ہے کہ جب اسے غصہ آتا ہے تو اس کا غصہ اُسے "حق" بات سے باہر نہیں نکالتا، جب وہ خوش ہوتا ہے تو اس کی خوشی اسے کسی ناجائز کام پر نہیں ڈالتی اور جب کسی چیز پر اس کو اختیارات حاصل ہو جاتے ہیں تو وہ اپنے حق سے زیادہ اس میں سے نہیں لیتا۔

(۱۸) جس آدمی کو اپنی غلطی چھوٹی نظر آتی ہے اس کو دوسروں کی غلطیاں بڑی نظر آتی ہیں اور جس کو اپنی غلطی بڑی نظر آتی ہے اس کو دوسروں کی غلطیاں چھوٹی نظر آتی ہیں۔

(۱۹) بُرے لوگوں کے ساتھ دوستی لگانے سے بچنا کیونکہ ان لوگوں کی مثال اس پتھر کی ہے جس سے پانی نہ بہتا ہو، اس درخت کی ہے جس کے پتے مرجھا چکے ہوں اور اس زمین کی ہے جو بنجر ہو چکی ہو۔ (۲۰) تقویٰ سے افضل کوئی توشہ نہیں، خاموشی سے بہتر کوئی شئی نہیں، جہالت سے زیادہ نقصان دہ کوئی دُشمن نہیں، اور جھوٹ سے بڑی کوئی بیماری نہیں۔

شہنشاہِ حقیقی (اللہ) سے تعلق کی مضبوطی

(ا) ''ربیع'' (جو خلیفہ منصور کے دربان تھے) کہتے ہیں:

مجھے خلیفہ ابو جعفر منصور نے بلوایا اور کہا: جعفر بن محمد کو میری بادشاہت پر اعتراض ہے۔ مجھ پر رب کی مار ہو اگر میں نے اس کو قتل نہ کیا۔ جاؤ، اس کو بلا کے لاؤ۔ چنانچہ میں امام جعفر رحمہ اللہ کے پاس آیا اور کہا کہ آپ رحمہ اللہ کو امیر المؤمنین بلا رہے ہیں۔ انہوں نے وضو کیا اور صاف ستھرے کپڑے پہنے۔ میں ان کو لے کر آیا اور ان کو اندر لانے کی خلیفہ سے اجازت طلب کی۔ خلیفہ نے کہا: لے آؤ اُس کو، مجھ پر رب کی مار ہو اگر میں نے اس کو قتل نہ کیا۔ لیکن جب آپ رحمہ اللہ اندر داخل ہوئے اور بادشاہ کی نظر آپ رحمہ اللہ پر پڑی تو معاملہ ہی برعکس ہو گیا۔ اس نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر استقبال کیا اور کہا: ''خوش آمدید! ایسی شخصیت کو جو گناہوں سے پاک اور فساد و خیانت سے بری ہے اور وہ ہستی جو میرے لیے میرے بھائی و چچازاد بھائی کی طرح ہے۔'' پھر آپ رحمہ اللہ کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا اور پوری توجہ کے ساتھ حال دریافت کیا۔ پھر کہا: اپنی کوئی ضرورت مجھے بتائیں میں اسے پورا کروں گا۔ آپ رحمہ اللہ نے اپنی ذاتی کوئی حاجت بیان کرنے کے بجائے اجتماعی ضرورت بتاتے ہوئے فرمایا: مکہ اور مدینہ والوں کو ایک مدت سے وظائف (بادشاہ کی طرف سے مقرر کردہ عطیات) نہیں مل رہے، آپ ان کے لیے وظائف کی ادائیگی جاری کروا دیں۔ بادشاہ نے کہا: ٹھیک ہے، میں کروا دیتا ہوں۔

اس کے بعد اس نے اپنی باندی سے کہا: وہ تحفہ لے آؤ۔ وہ گئی اور ایک شیشی لے آئی جس میں ''غالیہ'' (مشک وعنبر وغیرہ سے بنی ہوئی ایک خاص قسم کی شاہی خوشبو) تھی۔ آپ رحمہ اللہ نے وہ ہدیہ قبول کیا اور واپس تشریف لے آئے۔

ربیع کہتے ہیں کہ میں آپ رحمہ اللہ کے پیچھے ہولیا اور باہر نکل کر میں نے آپ رحمہ اللہ سے کہا: اے رسول اللہ کے صاحبزادے! جب میں آپ رحمہ اللہ کو بادشاہ کے پاس لے کر آیا تھا تو مجھے ذرا برابر بھی آپ رحمہ اللہ کے قتل کر دیئے جانے میں شک نہیں تھا لیکن یہاں آ کر جو کچھ ہوا ہے وہ سب آپ رحمہ اللہ کے سامنے ہے اور جب آپ رحمہ اللہ بادشاہ کے پاس داخل ہو رہے تھے تو میں نے دیکھا کہ آپ رحمہ اللہ زیرِ لب کچھ پڑھتے جا رہے تھے، وہ کیا چیز تھی؟

آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: میں نے یہ دُعا پڑھی تھی:

ترجمہ: ''اے اللہ! اپنی اس آنکھ سے میری نگہبانی فرما جو کبھی سوتی نہیں اور مجھے اپنی اس طاقت کی آڑ میں لے جس کے پاس کوئی پھٹک نہیں سکتا اور اپنی اس قدرت سے میری حفاظت فرما جو تجھے مجھ پر حاصل ہے اور مجھے ہلاک نہ فرما، تو ہی میری اُمید گاہ ہے۔

اے میرے رب! کتنی ہی ایسی نعمتیں ہیں جو تو نے مجھے عطا فرمائیں اور میری طرف سے ان کا شکر کم ہی رہا۔ اسی طرح کتنی ہی ایسی مصیبتیں اور پریشانیاں ہیں جن سے تو نے مجھے آزمایا اور میرا اُن پر صبر کم ہی رہا۔ اے وہ ذات! جس

کی نعمت پر میرا شکر کم رہا، پھر بھی اس نے مجھے ان نعمتوں سے محروم نہ فرمایا، اور اے وہ ذات! جس کی آزمائش پر میرا صبر کم ہی رہا پھر بھی اس نے میرا ساتھ نہ چھوڑا، اور اے وہ ذات! جس نے مجھے گناہوں میں دیکھا پھر بھی مجھے رُسوا نہ کیا اور میرے عیبوں پہ پردہ ڈالا، اور اے وہ ذات! جو ان نعمتوں والی ہے جو نعمتیں کبھی شمار نہ ہوسکیں، اور اے وہ ذات! جو ایسے احسان والی ہے جو احسان کبھی ختم نہ ہو، (میری التجاء ہے کہ) دُنیا کو میرے دین پر مددگار بنا دیجئے اور تقویٰ کو میری آخرت پر مددگار بنا دیجئے، جو چیزیں میری آنکھوں سے اوجھل ہیں ان کے بارے میں تو میرا محافظ ہو جا، اور جو چیزیں میرے سامنے ہیں ان میں مجھے میرے نفس کے حوالے نہ فرما۔ اے وہ ذات! جس کو گناہ نقصان نہیں پہنچاتے اور جس کے پاس مغفرت کی کمی نہیں ہے! مجھے وہ چیز معاف کردے جو تجھے نقصان نہیں پہنچاتی اور وہ چیز عطا فرما جس کی تیرے پاس کمی نہیں ہے۔ اے بہت عطا کرنے والے! میں تجھ سے فوری کشادگی ،صبر جمیل، تمام مصیبتوں سے عافیت اور پھر اس عافیت پر توفیق شکر مانگتا ہوں)۔"

(۲) ایک دفعہ خلیفہ منصور پر مکھی آکر بیٹھی، اس نے اسے ہٹا دیا، وہ دوبارہ آکر بیٹھ گئی، اس نے پھر ہٹا دیا، یہاں تک کہ مکھی نے اسے تنگ کر دیا۔ اتنے میں امام جعفر رحمہ اللہ اس کے پاس تشریف لے آئے۔ منصور نے آپ رحمہ اللہ سے کہا: اے ابوعبداللہ! اللہ تعالیٰ نے مکھی کو کیوں پیدا کیا ہے؟ آپ رحمہ اللہ نے بلا کسی خوف و جھجک کے فرمایا: "ظالموں کو ذلیل کرنے کیلئے" یہ سن کر منصور چپ ہو کر رہ گیا۔

(۳) ایک دن منصور نے امام جعفر رحمہ اللہ کی طرف پیغام کہلا بھیجا کہ تم ہمارے پاس کیوں نہیں آتے جس طرح باقی لوگ ہمارے پاس آتے ہیں؟ آپ رحمہ اللہ نے جواب میں فرمایا: ہمارے پاس کوئی ایسی چیز تو ہے نہیں جس پر ہمیں تمہارا ڈر رہو، نہ تمہارے پاس آخرت کی کوئی ایسی چیز ہے جس کے ہم تجھ سے اُمیدوار ہوں، نہ تم کوئی ایسی نعمت میں ہو کہ جس پر ہم تمہیں مبارک باد دیں، اور نہ ہم اسے کوئی مصیبت سمجھتے ہیں کہ اس پر ہم تمہاری تعزیت کریں، تو پھر کس وجہ سے ہم تمہارے پاس آیا کریں؟ منصور نے اس کے جواب میں کہا: تم ہمارے پاس آیا کرو تا کہ ہمیں کوئی نصیحت کر دیا کرو۔ اس پر آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: جو دُنیا کا طالب ہے وہ تمہیں نصیحت نہیں کرے گا اور جو آخرت کا طالب ہے وہ تمہارے ساتھ رہے گا نہیں۔

سخاوت

آپ رحمہ اللہ جس عظیم خاندان کے فرد تھے وہ سخاوت میں معروف بلکہ ضرب المثل تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو "اَسۡخَی العرب" (یعنی عربوں کا سخی آدمی) کہا جاتا تھا اور حضرت امام زین العابدین رحمہ اللہ کی سخاوت کا ذکر کہ اہل مدینہ کے سو (۱۰۰) گھرانوں کی خفیہ کفالت انہوں نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی، سخاوت کا بالکل یہی رنگ بلکہ یہی طرز حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ میں تھا کہ وہ بھی اپنے دادا کے نقش قدم پر چلتے ہوئے رات کی تاریکی میں اپنی پیٹھ

پر بوری لادتے جس میں درہم اور کھانے پینے کا سامان ہوتا اور جا کر اہل مدینہ کے حاجت مند لوگوں کو دے آتے اور کسی کو پتا بھی نہ چلتا۔ جب آپ رحمہ اللہ کا انتقال ہوا اور ان حاجت مند لوگوں کے پاس سامان آنا بند ہو گیا تو اس وقت آپ رحمہ اللہ کا یہ راز لوگوں پر ظاہر ہوا۔

اس کے علاوہ بھی آپ رحمہ اللہ کی سخاوت عام تھی۔ آپ رحمہ اللہ صرف مستحقین کو ہی نہیں دیتے تھے بلکہ اپنے متعلقین کو اس بات کا حکم بھی فرمایا کرتے تھے کہ وہ اپنی طرف سے مال کی ادائیگی کر کے لوگوں کے باہمی مالی جھگڑے ختم کرایا کریں اور آپ رحمہ اللہ کا عام دستور یہ تھا کہ خفیہ طور پر مال خرچ کرتے تھے۔

صبر وشکر

آپ رحمہ اللہ نہایت صابر وشاکر تھے اور مشکل سے مشکل گھڑیوں میں صبر کیا حتیٰ کہ قریبی دوستوں بلکہ اولاد کی وفات پر بھی صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور کمال درجہ کے صبر وشکر کا مظاہرہ کیا۔ آپ رحمہ اللہ کے سامنے آپ رحمہ اللہ کے چھوٹے بیٹے کے گلے میں کوئی چیز اٹکی اور وہ وہیں فوت ہو گیا۔ اس اچانک اور دل ہلا دینے والے صدمہ سے آپ رحمہ اللہ کی آنکھوں سے آنسو تو جاری ہوئے (جو ایک فطری اور جائز چیز ہے) مگر آپ رحمہ اللہ نے اس وقت میں بھی اللہ کی دوسری نعمتوں کو یاد رکھا اور فرمایا: ''اگر ایک طرف مجھ سے کسی چیز (یعنی اس بیٹے) کو لے لیا گیا ہے تو دوسری طرف کتنی ساری چیزیں میرے پاس باقی بھی تو چھوڑ دی گئی ہیں، اور اگر ایک شئی کے ذریعہ مجھے آزمائش میں ڈالا بھی گیا ہے تو دوسری جانب کتنی ہی چیزوں میں مجھے عافیت بھی تو دے رکھی ہے۔''

پھر وہ بچہ اندر عورتوں کے پاس بھجوا دیا۔ اس بچے کو فوت شدہ دیکھ کر انہوں نے چلانا شروع کر دیا۔ آپ رحمہ اللہ نے قسم دے کر نہایت تاکید کے ساتھ ان کو چلانے سے روک دیا (کیونکہ حدیث شریف کی رُو سے میت کے اوپر آواز کے ساتھ رونا منع ہے)۔ اس کے بعد آپ رحمہ اللہ اس کو دفن کرنے کیلئے لے گئے اور اللہ کی تعریف میں یہ الفاظ ارشاد فرما رہے تھے: ''پاک ہے وہ ذات جو ہماری اولادیں واپس بلا لیتی ہے اور ہمارے دلوں میں اُس ذات کی محبت اور بڑھ جاتی ہے۔'' اور تدفین مکمل ہو جانے کے بعد فرمایا: ''ہم اللہ سے اپنے پیاروں کے بارے میں اپنی پسندیدہ چیز مانگتے ہیں اور وہ ہماری دُعا قبول فرما کر وہ چیز ہمیں عطا فرماتا ہے، اور اگر وہ ہماری پسند کے خلاف فیصلہ فرما دیتا ہے تو ہم اس پر دل وجان سے راضی ہوتے ہیں۔''

حلم ودرگزر (برداشت کرنا اور معاف کرنا)

بردباری آپ رحمہ اللہ کا خاص وصف تھا، آپ رحمہ اللہ لوگوں کی زیادتیوں کو برداشت کر جاتے اور ان کی زیادتی کا جواب حُسنِ سلوک سے دیتے، اور فرماتے تھے: جب تمہارا کوئی بھائی تمہارے بارے میں ایسی بات کہے جس سے تمہاری دل آزاری ہو تو اسے کچھ نہ کہنا اور نہ غمزدہ ہونا، کیونکہ اگر تم ویسے ہی ہو جیسے وہ کہہ رہا ہے تو تمہاری غلطی کی سزا

یہیں دُنیا میں تمہیں دے دی گئی ہے اور اگر تم ایسے نہیں ہو تو اس کا یہ بول تمہارے حق میں ایک نیکی ہے، جو تمہارے کیے بغیر تمہارے نامۂ اعمال میں درج کر دی گئی ہے۔

آپ رحمہ اللہ نرم مزاج انسان تھے، اپنے ماتحتوں کی غلطیوں پر انہیں سزا دینے کے بجائے درگزر سے کام لیتے اور نرمی سے سمجھاتے۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ رحمہ اللہ نے اپنا غلام کسی کام کے لیے بھیجا، اس نے واپس آنے میں بہت دیر کر دی۔ آپ رحمہ اللہ اسے ڈھونڈنے کیلئے باہر نکلے تو دیکھا کہ ایک جگہ سو رہا ہے۔ آپ رحمہ اللہ اس کے سر کے پاس بیٹھ گئے اور اسے پنکھا جھلنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ وہ اُٹھ گیا۔ آپ رحمہ اللہ نے اسے کوئی ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی، صرف اتنا کہا: ''تمہارے لیے یہ سونا مناسب نہیں تھا، تم رات کو بھی سوتے ہو اور دن کو بھی۔ رات کو سو یا کرو اور دن کو ہمارے کام کر دیا کرو۔'' آپ رحمہ اللہ کا لوگوں سے درگزر کرنا تو اس حد تک تھا کہ اگر آپ رحمہ اللہ کو پتا چلتا کہ فلاں شخص نے آپ رحمہ اللہ کی پیٹھ پیچھے آپ رحمہ اللہ کو بُرا بھلا کہا ہے تو آپ رحمہ اللہ اُٹھتے، نماز کی تیاری کرتے اور لمبی نماز پڑھتے، پھر اس کیلئے دُعا کرتے کہ: ''اے اللہ! تُو اس کی پکڑ نہ فرمانا، میں نے اسے معاف کر دیا ہے۔''

الغرض ہر ایک کو معاف کرنا آپ رحمہ اللہ کا شیوہ تھا، کسی سے بدلہ نہ لیتے، بدلہ لینا تو درکنار آپ رحمہ اللہ بدلہ لینے والے انسان کو ہی کمتر شخص سمجھتے تھے اور فرماتے: ''معاف کرنے میں کوئی ذلت نہیں اور بدلہ لینے میں کوئی بڑائی نہیں کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: صدقہ وزکوٰۃ سے مال نہیں گھٹتا، معاف کرنے سے بندے کی عزت ہی بڑھتی ہے اور جو اللہ کیلئے کسی کے آگے جھک جاتا ہے، اکڑتا نہیں اللہ تعالیٰ اس کو بلندیاں اور عزتیں عطا فرماتے ہیں۔''

صحابہ سے آپ رحمہ اللہ کی محبت

حفص بن غیاث کا بیان ہے کہ میں نے خود امام جعفر سلام اللہ ورحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: روزِ محشر جتنی مجھے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شفاعت کی اُمید ہے اتنی ہی مجھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے شفاعت کی اُمید ہے اور انہوں نے تو مجھے دو مرتبہ جنا ہے۔ ایک مرتبہ فرمایا: اللہ کی قسم! میں اس بات کا اُمیدوار ہوں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ میری رشتہ داری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مجھے نفع عطا فرمائیں گے اور ایک دفعہ کہا: میں حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے محبت کرتا ہوں۔

ہیبت ووجاہت

اللہ تعالیٰ نے آپ رحمہ اللہ کو کثرت عبادت، فضول گوئی سے اجتناب، خواہشاتِ نفسانیہ کی مخالفت اور مصائب پر صبر واستقلال کے سبب، ہیبت وجلال نصیب فرما رکھا تھا حتیٰ کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے جب آپ رحمہ اللہ کو خلیفہ ''منصور'' کے ساتھ بیٹھا ہوا دیکھا تو ان کو دیکھنے سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر ہیبت طاری ہوگئی۔ چنانچہ بعد میں اس منظر کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ رحمہ اللہ نے خود بتایا کہ ''منصور'' جیسے طاقتور بادشاہ (جس کی سلطنت میں سورج غروب

نہیں ہوتا) کو دیکھ کر مجھ پر وہ ہیبت طاری نہیں ہوئی جو امام جعفر صادق رحمہ اللہ کے چہرہ کو دیکھ کر طاری ہوئی۔

حضرت امام جعفر رحمہ اللہ کی عراق میں ''ابن العوجاء'' سے ملاقات ہوئی، یہ زندیقوں (لادِین کافروں) کا بہت بڑا خطیب اور مبلغ تھا۔ آپ رحمہ اللہ نے اس سے بات کرنا شروع کی مگر وہ اتنا بڑا خطیب ہونے کے باوجود جواب میں ایک لفظ تک نہ بولا۔ امام جعفر رحمہ اللہ سمیت دیگر حاضرین مجلس بھی اس پر بڑے حیران ہوئے۔ بالآخر آپ رحمہ اللہ نے اس سے پوچھا کہ کس چیز نے تمہیں بولنے سے روک رکھا ہے؟ اس نے کہا: آپ رحمہ اللہ کی ہیبت اور جلال نے، دراصل میری زبان آپ رحمہ اللہ کے سامنے چل ہی نہیں رہی۔ میں مسلمانوں کے کئی علماء سے ملا ہوں اور ان سے مناظرے کیے ہیں مگر میرے اوپر کبھی ایسی ہیبت طاری نہیں ہوئی جو آپ رحمہ اللہ کو دیکھ کر ہوئی ہے۔

تواضع

اِس ہیبت وجلال اور اس قدر بڑے آدمی ہونے کے باوجود آپ رحمہ اللہ میں نہایت عاجزی وانکساری تھی۔ آپ رحمہ اللہ اگرچہ خود بھی ایک عالی مقام عالم وفقیہ تھے مگر آپ رحمہ اللہ دوسرے علماء کو عزت واکرام دیتے، ان سے ملاقات کی خواہش رکھتے اور ان سے مل کر خوش ہوتے۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ (جو امام جعفر رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں) فرماتے ہیں کہ جب میں آپ رحمہ اللہ سے ملنے آتا تو آپ رحمہ اللہ (میرے اُستاد ہونے کے باوجود) اپنے نیچے سے تکیہ اُٹھا کر مجھے دے دیتے (اور خود بغیر تکیہ کے بیٹھتے)۔ آپ رحمہ اللہ نے کسی قبیلہ کے ایک شخص سے پوچھا: اس قبیلہ کا سردار کون ہے؟ اس نے کہا: ''میں''۔ آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: اگر میں اس قبیلہ کا سردار ہوتا تو میں یہ لفظ (یعنی ''میں'') کبھی نہ کہتا۔

حرمازی سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی شخص امام جعفر رحمہ اللہ کے پاس آیا کرتا تھا اور آپ رحمہ اللہ کافی دیر تک اس کے ساتھ بیٹھے رہتے۔ ایک دن وہ نہیں آیا تو آپ رحمہ اللہ نے اس کے بارے میں دریافت کیا۔ وہاں موجود ایک شخص (جو اُسے آپ رحمہ اللہ کے سامنے کم حیثیت انسان کے طور پر بیان کرنا چاہتا تھا) نے عرض کی: حضرت! وہ تو بس کھیتی باڑی کرنے والا ایک آدمی ہے۔ آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: آدمی کی اصلیت اس کی عقل ہے، اس کا حسب اس کا دین ہے اور اس کی شرافت وعزت اس کا تقویٰ ہے اور لوگ آدمی ہونے میں تو سب برابر ہیں، اس میں کسی کو کسی پر کوئی فوقیت نہیں ہے۔ یہ سن کر اس آدمی کو اپنے جواب پر ندامت ہوئی۔ (الفصول المہمۃ، ص:۲۱۳)

وفات

آپ رحمہ اللہ نے اڑسٹھ (۶۸) سال کی عمر پائی اور مدینہ طیبہ میں ۱۵ رجب بروز پیر ۱۴۸ھ میں انتقال فرمایا۔ (بعض حضرات نے لکھا ہے کہ آپ رحمہ اللہ کا انتقال بھی زہر سے ہوا تھا اور بادشاہ ''ابوجعفر منصور'' نے یہ زہر دلوایا تھا) آپ رحمہ اللہ کو آپ کے والد حضرت باقر رحمہ اللہ، دادا حضرت زین العابدین رحمہ اللہ اور ان کے چچا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے پہلو میں جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ واہ! کیا کہنے اس جگہ کے شرف وتقدس کے، جہاں اتنی جلیل القدر ہستیاں اکٹھے آرام فرما ہیں۔

❺...امام اسماعیل بن جعفر سَلامُ اللہ وَ رَحمتہ علیہ

(اسماعیل بن جعفر صادق)

بلاشبہ حضرت اسماعیل بن جعفر سَلامُ اللہ وَ رَحمتہ علیہ، ائمہ اہل بیت میں سے ایک امام تھے۔ (خلاصۃ تذہب تہذیب الکمال) اگرچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کم عمری میں یعنی نوجوانی میں ہی انتقال فرما گئے تھے، (نفس المرجع السابق مع سیر أعلام النبلاء) تاہم اہلِ بیت کا ایک دَرَخشندہ ستارہ تھے مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس ہستی کی سیرتِ طیبہ کے احوال ہمیں کتب میں نہیں مل سکے جبکہ اس تلاش میں ہم نے بفضلہٖ تعالیٰ اپنی ہمت کے بقدر غیر معمولی کوششیں صرف کیں۔

اس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایک تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نوعمری میں ہی انتقال فرما گئے تھے، دوسرا آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کمالِ تواضع اختیار کرتے ہوئے، شاید اپنے آپ کو مشہور ہونے سے کوسوں دور رکھا تھا جس سے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی لوگوں سے مخفی رہے اور کتب میں درج نہ ہو سکے۔

جیسا کہ ہماری اس بات کی تائید، علم تاریخ وتراجم میں دَورِ قریب کے ماہر عالم، علامہ خیرالدین زِرِکلی (المتوفی ۱۳۹۶ھ) کے قول سے ہوتی ہے، کہ وہ اس فن میں اپنی معروف تصنیف ''الأعلام'' (الأعلام للزرکلی) میں لکھتے ہیں: ''جتنی کتب تاریخ ہمارے پاس موجود ہیں اُن میں یہ بات کہیں نہیں ملتی کہ حضرت اسماعیل بن جعفر اپنی زندگی میں کوئی مشہور شخصیت تھے۔'' بہرحال ہمیں اس پر دکھ ہے کہ ہم اہلِ بیت کی اس ہستی کی سیرت سامنے لانے کے عنوان سے کوئی خاطر خواہ خدمت نہ کر سکے تاہم ان کی حیاتِ طیبہ سے متعلقہ جو چند ایک عبارات ہمیں دستیاب ہو سکی ہیں، وہ ہم ذیل میں درج کئے دیتے ہیں:

آپ سَلامُ اللہ وَ رَحمتہ علیہ، کا اسم گرامی ''اسماعیل'' تھا آپ رحمۃ اللہ علیہ امام جعفر صادق کے صاحبزادے تھے اور والدہ ماجدہ کا نام ''فاطمہ'' تھا یہ امام حسن مُثنّیٰ کی صاحبزادی تھیں، نسب کے لحاظ سے ہاشمی اور قریشی تھے۔ (الأعلام للزرکلی)

نیز والدین میں سے ہر ایک کی طرف سے عالی نسب کے مالک تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے چھ صاحبزادے تھے۔ (نور الأبصار) ان میں سب سے بڑے بیٹے آپ رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ (الوافی بالوفیات) امام اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ نے جوانی میں ہی وفات پائی۔ (سیر أعلام النبلاء)

جبکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد ابھی باحیات تھے، (الأعلام للزرکلی) چنانچہ روایت میں ہے کہ وقت کے عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور نے حضرت اسماعیل کو مدینہ سے اپنے پاس طلب کیا، آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں ایک تحریر لکھ کر اُسے ارسال کی۔ جس پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے منصور عباسی کے گورنر مدینہ کے تصدیقی دستخط بھی کرائے۔ کہ اسماعیل بن جعفر وفات پاچکے ہیں۔ (تاریخ ابن خلدون)

امام اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۱۴۳ ہجری میں مدینہ طیبہ میں ہوئی، یعنی اپنے والد ماجد سے پانچ برس قبل انتقال فرمایا اور پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ کو وہیں جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ (الأعلام للزرکلی)

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اولاد میں فقط تین بچے چھوڑے (اس سے بھی اشارہ ملتا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نوعمری میں انتقال فرما گئے تھے): دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی۔ صاحبزادوں کے نام ''محمد'' اور ''علی'' جبکہ صاحبزادی کا نام ''فاطمہ'' تھا۔ (سیر أعلام النبلاء)

آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ مدینہ طیبہ میں رہتے تھے، مگر بعد میں جب عباسی حکمرانوں کی طرف سے آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے آلِ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر زیادتیاں حد سے بڑھنے لگیں تو آپ رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد نے مدینہ کی سکونت ترک کردی چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے ''محمد'' جو بعد میں ''محمد مکتوم'' کے نام سے معروف ہوئے اور وہ یہیں مدینہ میں ہی پیدا ہوئے تھے اپنے اِس آبائی وطن مدینہ کو چھوڑ کر ''دُماوَند (''رَیّ'' اور ''طَبرِستان'' کے درمیان ایک علاقے کا نام (معجم البلدان))'' چلے گئے اور چھوٹے صاحبزادے ''علی'' ملکِ شام چلے گئے تھے۔ (موجز دائرۃ المعارف الاسلامیۃ)

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں بیٹوں (محمد مکتوم وعلی) کو صاحب اولاد کیا تھا، اس طرح ان دونوں صاحبزادوں کے ذریعے امام اسماعیل کی نسل مبارک آگے چلی۔ (اتعاظ الحنفا بأخبار الأئمۃ الفاطمین الخلفاء)

اور جو فرقہ ''اسماعیلیہ'' ہے وہ امام جعفر صادق کے بعد اُن کے اِنہی صاحبزادے حضرت اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا امام مانتا ہے اور اپنے آپ کو انہی کی طرف منسوب کرتے ہوئے ''اسماعیلیہ'' کہلاتا ہے۔ (الأعلام للزرکلی)

❻... حضرت امام موسیٰ کاظم سَلامُ اللّٰہِ وَ رَحمۃُ علیہ
(موسیٰ بن جعفر)

نام ونسب

آپ سَلامُ اللّٰہِ وَ رَحمۃ علیہ، کا اسمِ گرامی ''موسیٰ'' اور کنیت ''ابوالحسن'' تھی۔ کئی القابات سے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو نوازا گیا جیسے کاظم، صابر، صالح اور امین، البتہ مشہور لقب جس سے آپ رحمۃ اللہ علیہ عام طور پر یاد کئے جاتے ہیں، وہ ''کاظم'' تھا۔ (مطالب السؤول) (''کاظم'' کا عربی میں معنی ہے: ''غصہ پینے والا''، اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کو یہ لقب اس وجہ سے حاصل ہوا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ میں غصہ پینے کی صفت بہت ہی زیادہ تھی، جو لوگ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ زیادتی کرتے آپ رحمۃ اللہ علیہ ان کو معاف کر دیا کرتے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ ان کی زیادتی کے بعد بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آتے رہتے، اور عمر بھر آپ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ مبارک عادت رہی۔ (تاریخ الخمیس)

نسب کے لحاظ سے آپ رحمۃ اللہ علیہ قریشی ہاشمی علوی، اور نسبت کے اعتبار سے مدنی تھے۔ حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے تھے۔ (تہذیب الکمال) اور والدہ کا نام ''حمیدہ'' تھا، نسبت کے ساتھ ''حمیدہ بربریہ'' کہلاتی تھی، یہ اُمّ ولد (یعنی باندی) تھیں، (تاریخ الخمیس) اور صالح بربری کی ہمشیرہ تھیں۔ (مختصر أخبار الخلفاء)

ولادت

آپ رحمۃ اللہ علیہ، ۷ صفر المظفر بروز اتوار ۱۲۸ ہجری کو ''ابواء'' میں پیدا ہوئے۔ (تاریخ الخمیس) (''ابواء'' مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک بڑی بستی ہے، یہ وہی بستی ہے جس میں سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بنت وہب کا انتقال ہوا، (الروض المعطار فی خبر الأقطار) اور یہیں ان کی قبر ہے۔ (وفاء الوفاء بأخبار دار المصطفی) یہ بستی چونکہ مدینہ طیبہ کے کچھ قریب ہے۔ (الأعلام للزرکلی) اس لئے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے پھر ساری زندگی مدینہ میں ہی رہائش رکھی۔ (وفیات الأعیان)

سخاوت اور انسانی ہمدردی

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا شمار بڑے سخی لوگوں میں ہوتا تھا، (اسعاف الراغبین) بلکہ اپنے دَور کے آپ رحمۃ اللہ علیہ

سب سے سخی انسان تھے۔ (الفصول المہمۃ) اور عراق میں تو آپ رحمۃ اللہ علیہ، "باب الحوائج" (حاجتوں کا دروازہ) سے معروف تھے، کیونکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جو بھی حاجتمند آتا وہ کبھی خالی ہاتھ نہ لوٹتا۔ (خیرالدول وآثار الاُول)

بلکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ خود حاجت مندوں کو تلاش کرتے، فقراء، مدینہ کا تو خصوصی پتا لگاتے اور اس طریقہ سے پیسے اور سامانِ ضروریات ان کے گھر پہنچا آتے کہ ان کو پتا بھی نہ چلتا کہ یہ سب کچھ کہاں سے آیا ہے، آخر جب آپ رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو پھر یہ راز فاش ہوا۔ (نورالابصار)

بسا اوقات آپ رحمۃ اللہ علیہ درہموں کی تھیلیاں اپنے ساتھ لیے رات کو باہر نکل جاتے جن کو دینے کے ارادے سے نکلتے ان کو بھی دیتے اور ان کے علاوہ جو راستہ میں مل جاتا اس کو بھی دیتے۔ (الجوہرۃ الشفاف فی أنساب السادۃ الأشراف)

آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے مال کے لئے بہترین مصرف یہ سمجھتے تھے کہ اس مال سے کسی بھوکے کی بھوک دور کردیں، جس کے پاس کپڑے نہ ہوں اسے کپڑا پہنادیں، جو کسی مصیبت میں گرفتار ہو اس کی دادرسی کردیں اور جو حالات و پریشانیوں میں گھر چکا ہو اس کی مدد کردیں۔ (آل البیت حول الرسول)

آپ رحمہ اللہ کے دلائل سے عیسائی عالم اور عوام کا اسلام قبول کرنا

ملک شام میں ایک راہب (عیسائی عالم) رہا کرتا تھا جس کی عیسائی لوگ بڑی تعظیم وتکریم کرتے تھے اور ان کے ہاں وہ بڑا عالم شمار ہوتا تھا۔ وہ ہر دوسرے روز اپنے عبادت خانہ سے باہر آکر لوگوں کے مجمع میں بیان کرتا اور لوگ بڑی توجہ سے اس کی بات سنتے۔ ایک دن جبکہ اس کے بیان کا دن تھا، حضرت امام کاظم رحمہ اللہ بھی وہاں پہنچ گئے، اس نے آپ رحمہ اللہ کو دیکھ کر کہا: ارے! تم پردیسی ہو؟ آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: ہاں!

راہب: تم ہم میں سے ہو یا ہمارے مخالفین میں سے ہو؟ امام کاظم رحمہ اللہ: میں تم میں سے نہیں ہوں۔

راہب: "تم اُمت مرحومہ" (یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت) میں سے ہو؟

امام کاظم رحمہ اللہ: ہاں!

راہب: اس اُمت کے عالموں میں سے ہو یا جاہلوں میں سے؟

امام کاظم رحمہ اللہ: اس کے جاہلوں میں سے نہیں ہوں۔ یہ سن کر راہب پر بہت اثر ہوا اور کچھ ایسے مسائل پوچھنے کے لیے آپ رحمہ اللہ کی طرف بڑھا جو اس کے نزدیک سب سے پیچیدہ تھے، اور کہا:

راہب: اس "طوبیٰ" درخت کی کیا کیفیت وصورت ہے جس کی جڑ ہمارے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور تمہارے نزدیک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ہے اور اس کی ٹہنیاں ہر ہر اُمتی کے گھر تک پہنچتی ہیں؟ (سوال کا مقصود اس بات کی وضاحت مطلوب تھی کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک چیز خود ایک ہی جگہ موجود رہے اور اس سے نکلنے والی چیزیں ہر ہر جگہ پہنچ جائیں)

امام کاظم رحمہ اللہ: یہ بالکل ایسے ہے جیسے سورج کہ اس کی روشنی ہر ہر جگہ پہنچتی ہے حالانکہ وہ خود آسمان میں ہی ہوتا ہے۔

راہب: اس جنت کی کیا کیفیت ہے جس کے بارے میں آتا ہے کہ اس کا کھانا ختم نہیں ہوگا۔ اگرچہ جنتی اس میں سے کھاتے رہیں گے۔ کھانے کے باوجود کیسے اس میں کمی نہیں آئے گی؟

امام کاظم رحمہ اللہ: یہ ایسے ہے جیسے یہاں دُنیا میں ''چراغ'' کہ وہ روشنی دیتا ہے، اس کی روشنی لوگ خرچ کرتے ہیں، اس کے باوجود روشنی میں کمی نہیں آتی۔

راہب: جنت میں ''ظِلّ ممدود'' (پھیلا ہوا سایہ) ہوگا، وہ کیا چیز ہے؟

امام کاظم رحمہ اللہ: سورج طلوع ہونے سے پہلے جو ٹھنڈا میٹھا وقت ہے، وہ ''ظل ممدود'' ہے۔

پھر یہ آیت تلاوت فرمائی: ''اَلَمْ تَرَ اِلٰی رَبِّکَ کَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ. وَلَوْشَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاکِنًا. ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَیْهِ دَلِیْلًا'' (الفرقان:۴۵)..... ترجمہ: کیا تم نے اپنے رب (کی قدرت) کو نہیں دیکھا کہ وہ کس طرح سائے کو پھیلاتا ہے؟ اور اگر وہ چاہتا تو اسے ایک جگہ ٹھہرا دیتا۔ پھر ہم نے سورج کو اُس کیلئے رہنما بنا دیا ہے۔

راہب: جنت میں رہنے والے لوگ کھائیں گے، پئیں گے، اس کے باوجود ان کو پیشاب، پاخانے کی حاجت نہیں ہوگی، یہ کیسے ہوگا؟ امام کاظم رحمہ اللہ: یہ ایسے ہوگا جیسے ماں کے پیٹ میں بچہ۔

راہب: اہل جنت کے ایسے خدام ہوں گے جو اُن جنتیوں کے پاس اُن کے منہ سے بولے بغیر اُن کی مطلوبہ اشیاء حاضر کر دیں گے؟ (یعنی یہ کیسے ہوگا کہ بتائے بغیر صرف اندر ہی اندر حاجت وضرورت کے پیدا ہونے پر وہ خدام سمجھ جائیں گے اور اس ضرورت کو پورا کر دیں گے)۔

امام کاظم رحمہ اللہ: یہاں دُنیا میں انسان کو جب کسی چیز کی ضرورت پڑتی ہے تو اس کے اعضاء اس کو خود ہی سمجھ جاتے ہیں، ان کے خدام بھی اسی طرح سمجھ جائیں گے۔

راہب: جنت کی چابی سونے کی ہے یا چاندی کی؟ امام کاظم رحمہ اللہ: جنت کی چابی انسان کا یہ بول ہے: لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ. یہ سب کچھ سن کر راہب بولا: آپ رحمہ اللہ نے سچ کہا، اس کے بعد راہب اور اس کے ساتھ جتنے لوگ تھے سب نے کلمہ پڑھ لیا اور مسلمان ہو گئے۔ (آل البیت حول الرسول، ص:۲۳۳)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے ملاقات

امام کاظم رحمہ اللہ کی جب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے پہلی بار ملاقات ہوئی تو ان سے فرمایا: کیا فقیہ ''نعمان'' آپ ہی ہیں؟ عرض کیا: جی ہاں! لیکن آپ نے مجھے کیسے پہچانا؟ امام کاظم رحمہ اللہ نے جواب میں قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت کی:

''سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ'' (الفتح:۲۹)

''اُن کی نشانیاں سجدے کے اثر سے اُن کے چہروں پر نمایاں ہیں۔''

حاضر دماغی

ہارون الرشید حج کے لیے گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کیلئے حاضری دی، اس کے ساتھ اشراف قریش اور مختلف سردارانِ قبائل بھی تھے۔ حضرت موسیٰ کاظم رحمہ اللہ بھی ساتھ تھے۔ جب ہارون الرشید قبر اطہر کے قریب پہنچا تو اپنے ساتھ والے لوگوں پر فخر جتلانے کے لیے اس طرح سلام کیا:

"اَلسَّلَامُ عَلَیۡکَ یَا رَسُوۡلَ اللّٰہِ یَا ابۡنَ عَمِّیۡ!" اے اللہ کے رسول! اے میرے چچازاد بھائی! السلام علیکم! (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا چچازاد بھائی کہا) اس کے بعد حضرت موسیٰ کاظم رحمہ اللہ قبر اطہر کی طرف بڑھے اور کہا: "السَّلامُ علیکَ یَا أَبَتِ!" اے ابا جان السلام علیکم! یہ سن کر ہارون الرشید کا رنگ فق ہو گیا اور آپ رحمہ اللہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا: اے ابوالحسن! واقعی، یہ ہے فخر کی بات۔ (تاریخ بغداد: ۱۳/۳۲)

جیل خانوں کی آزمائشیں

اہل حق عموماً ہر زمانہ میں مصائب و آزمائش کا شکار ہوئے ہیں۔ چنانچہ حضرت امام موسیٰ کاظم سلام اللہ ورحمۃ اللہ علیہ نے بھی کئی مرتبہ جیل کی قید برداشت کی۔ آپ رحمہ اللہ مدینہ طیبہ میں رہا کرتے تھے۔ خلیفہ مہدی نے آپ رحمہ اللہ کو مدینہ سے بغداد بلوا کر جیل میں قید کر دیا۔ رات کو اُس نے خواب میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ آپ رضی اللہ عنہ ناراضگی کے ساتھ مہدی سے کہہ رہے تھے: اے محمد! (یعنی تم سے عجب نہیں کہ اگر تم حاکم ہو جاؤ تو ملک میں خرابی کرنے لگو اور اپنے رشتوں کو توڑ ڈالو)۔ مہدی گھبرا کر اُٹھا۔

ربیع کہتے ہیں کہ اسی وقت رات کو مہدی نے میرے پاس قاصد بھیج کر مجھے بلوایا، اچانک قاصد کو دیکھ کر میں پریشان ہو گیا۔ بہر حال میں خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ مذکورہ آیت پڑھ رہے تھے، اور ان کی آواز بھی بہت خوبصورت تھی۔ مجھے دیکھتے ہی کہا: "موسیٰ بن جعفر کو میرے پاس لاؤ"۔ میں تعمیل حکم میں انہیں لے آیا، خلیفہ نے انہیں گلے لگایا اور اپنے ساتھ بٹھایا، پھر اُن سے کہا: اے ابوالحسن! میں نے امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خواب میں یہ آیت پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ اب تم مجھے اس بات پر اطمینان دلاؤ کہ تم میرے اور میری اولاد میں سے کسی کے خلاف خروج (بغاوت) نہیں کرو گے تا کہ میں تمہیں رہا کر دوں۔ آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: "میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے آج تک کبھی خروج نہیں کیا اور نہ ہی یہ مجھے زیب دیتا ہے۔" خلیفہ نے کہا: آپ سچ کہہ رہے ہیں۔ اس کے بعد ان کو تین ہزار دینار (مساوی تقریباً ساڑھے پانچ کروڑ روپے) دے کر بصد عزت و اکرام انہیں ان کے اہلِ خانہ کی طرف مدینہ طیبہ روانہ کر دیا۔ (وفیات الاعیان: ۵/۳۰۸)

پھر ہارون الرشید کے زمانہ تک آپ رحمہ اللہ وہیں مدینہ منورہ میں قیام پذیر رہے۔ ہارون ماہ رمضان ۱۷۹ھ میں عمرہ کی غرض سے حرمین شریفین گیا، عمرہ کر کے جب مدینہ طیبہ پہنچا تو قبر اطہر پر حاضری دی اور وہاں سے واپسی پر حضرت

موسیٰ کاظم رحمہ اللہ کو بھی اپنے ساتھ بغداد لیتے آیا اور "سندھی بن شاہک" کے پاس ان کو جیل میں بند کردیا۔ سندھی بن شاہک کی بہن ان کی خدمت پر مامور تھی، وہ بہت نیک و دیندار خاتون تھی، اس نے ان کی شبانہ روز عبادت کو بڑے قریب سے دیکھا۔ وہ آپ رحمہ اللہ کو دیکھ کر کہا کرتی: "ناس ہو اُن لوگوں کا جنہوں نے اس جیسے نیک پارسا شخص کو (جیل میں ڈال کر) تنگ کر رکھا ہے۔" پھر اسی جیل میں آپ رحمہ اللہ انتقال کر گئے۔ (الکامل فی التاریخ: ۳۳۲/۵)

جرأت وحق گوئی

آپ رحمہ اللہ جب ہارون الرشید کی قید میں تھے اور عرصۂ قید کافی دراز ہو چلا تھا تو آپ رحمہ اللہ نے جیل خانہ سے ہی اُسے ایک خط لکھا جس میں آپ رحمہ اللہ کی جرأت وحق گوئی بالکل واضح تھی۔ وہ خط یہ تھا: (امیر المؤمنین! جیسے جیسے میری آزمائش کا دن گزرتا ہے ویسے ویسے تمہارے عیش وراحت کا دن بھی گزر جاتا ہے حتیٰ کہ ہم دونوں ایک ایسے دن میں پہنچنے والے ہیں جس دن وہ لوگ بہت نقصان اُٹھائیں گے جو ناحق تھے)۔ (البدایۃ والنہایۃ ط الفکر: ۱۸۳/۱۰)

جیل سے رہائی پانے کے لیے دُعاءِ نبوی

آپ رحمہ اللہ ایک مرتبہ جیل میں تھے تو خواب میں آپ رحمہ اللہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ کاظم رحمہ اللہ سے فرمایا: موسیٰ! تمہیں ناحق جیل میں ڈال رکھا ہے۔ یہ چند دُعائیہ کلمات ہیں ان کو پڑھو، ان کی برکت سے یہ رات بھی نہ گزرنے پائے گی کہ تم رہا ہو جاؤ گے:

(اے ہر آواز کو سننے والے! اے وہ ذات جس سے کوئی چیز چھوٹ نہیں سکتی! اے ہڈیوں کو گوشت پہنانے والے اور مرنے کے بعد ان ہڈیوں کو دوبارہ جوڑنے والے! میں آپ کے خوبصورت ناموں اور اُس جلیل القدر اسم اعظم کے طفیل آپ سے سوال کرتا ہوں جو اس طرح چھپا ہوا ہے کہ اس پر کوئی مخلوق مطلع نہیں ہو سکتی، اے باقدرت حلیم ذات! اے اس احسان کے مالک جو کبھی ختم نہیں ہوتا اور نہ اس کا شمار ممکن ہے! میری تکلیف دُور فرما دیجئے۔)

پھر اسی رات ان کو جیل سے رہائی حاصل ہوگئی، یہ اس وقت ہارون الرشید کی طرف سے قید تھے۔ (وفیات الاعیان: ۳۱۰/۵)

(اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہارون الرشید نے ان کو بظاہر ایک سے زائد مرتبہ جیل میں قید کیا تھا، جن میں سے ایک موقع پر امام موسیٰ کاظم رحمہ اللہ کو زیارتِ نبوی والا یہ خواب آیا جس مین وہ رہا بھی ہوگئے اور آخری مرتبہ جب آپ رحمہ اللہ کو ہارون الرشید نے قید کیا تو اس بار امام صاحب رحمہ اللہ نے رضا بر قضا کے تحت یہ دُعا نہیں کی۔ چنانچہ پھر اسی قید میں ہی ان کا انتقال ہوا.... واللہ اعلم)

سفرِ حج اور ظہورِ کرامت

حضرت شقیق بلخی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں ۱۴۹ھ میں حج کو جا رہا تھا، راستہ میں قادسیہ (ایک شہر کا نام ہے) میں اُترا۔ میں لوگوں کی زیب وزینت اور ان کا ہجوم اور کثرت دیکھ رہا تھا، میری نظر ایک خوبصورت نوجوان پر پڑی کہ

اس نے کپڑوں کے اوپر، بالوں کا ایک کپڑا پہن رکھا تھا، پاؤں میں جوتا بھی تھا اور سب سے علیحدہ بیٹھا تھا، میں نے خیال کیا کہ یہ لڑکا صوفی قسم کے آدمیوں میں سے معلوم ہوتا ہے کہ راستہ میں دوسروں پر بوجھ ہی بنے گا، میں اس کو جاکر کچھ سمجھاؤں۔ اس خیال سے میں اس کے قریب گیا۔ جب اس نے مجھے اپنی طرف آتے دیکھا تو کہنے لگا: اے شقیق! بدگمانی سے بچو، بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ (الحجرات:۱۲) اور یہ کہہ کر مجھے چھوڑ کر چل دیا۔ میں نے سوچا کہ یہ تو بڑی مشکل بات ہوگئی۔ میرا نام لے کر (حالانکہ مجھ کو جانتا بھی نہیں) میرے دل کی بات کہہ کر چل دیا، یہ تو کوئی واقعی بزرگ ہے (جس کو اللہ کی طرف سے الہام ہوتا ہے) میں اس کے پاس جاکر اپنے گمان کی معافی کراؤں۔ میں جلدی جلدی اس کے پیچھے چلا مگر وہ میری نظروں سے غائب ہوگیا، پتا نہ چلا۔

جب ہم مقام ''واقصہ'' پہنچے تو دفعۃً اس پر نظر پڑی کہ وہ نماز پڑھ رہا ہے، اس کا بدن کانپ رہا ہے اور آنسو بہہ رہے ہیں۔ میں نے اس کو پہچان لیا اور اس کی طرف بڑھا تاکہ اپنے اس گمان کی معافی کراؤں مگر میں نے اس کی نماز سے فراغت کا انتظار کیا۔ جب وہ سلام پھیر کر بیٹھا تو میں اس کی طرف بڑھا۔ اس نے جب مجھے اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو کہنے لگا: اے شقیق! پڑھو: ''وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی'' (طٰہٰ:۸۲)

اور بلاشبہ میں بڑا بخشنے والا ہوں ایسے لوگوں کو جو توبہ کرلیں اور ایمان لے آئیں اور پھر سیدھے راستے پر قائم رہیں)۔ یہ آیت پڑھ کر وہ پھر چل دیا، میں نے کہا: یہ شخص تو ابدال میں سے معلوم ہوتا ہے، دو مرتبہ میرے دل کی بات پر متنبّہ کرچکا، پھر جب ہم ''زبالا'' میں پہنچے تو دفعۃً میری نظر اس نوجوان پر پڑی کہ وہ ایک کنویں پر کھڑا ہے، ایک بڑا سا پیالہ اس کے ہاتھ میں ہے اور کنویں سے پانی لینا چاہ رہا تھا کہ وہ پیالہ کنویں میں گر پڑا، میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا، اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور یہ شعر پڑھا:

اَنْتَ رَبِّیْ اِذَا ظَمِئْتُ مِنَ الْمَاءِ وَقُوْتِیْ اِذَا اَرَدْتُ الطَّعَامَا

(جب مجھے پانی کی پیاس لگتی ہے تو تُو ہی میری پرورش کرنے والا ہے، اور جب کھانے کی مجھے ضرورت ہوتی ہے تو تُو ہی میری روزی (کا ذریعہ) ہے۔)

اس کے بعد اُس نے کہا: ''اے میرے اللہ! تجھے معلوم ہے۔ اے میرے معبود میرے آقا! کہ اس پیالے کے سوا میرے پاس کچھ نہیں، اس پیالے سے مجھے محروم نہ فرمائیے۔'' شقیق کہتے ہیں: اللہ کی قسم! میں نے دیکھا کہ کنویں کا پانی اوپر کو آگیا، اس نے ہاتھ بڑھایا اور پیالہ پانی سے بھر کر نکال لیا۔ پھر وضو کیا اور چار رکعات نماز پڑھی، اس کے بعد ریت کو اکٹھا کرکے ایک ایک مٹھی بھر کر اس پیالہ میں ڈالتا جاتا تھا اور اس کو ہلا کر پی رہا تھا۔ میں اس کے قریب گیا اور سلام کیا، اس نے سلام کا جواب دیا۔ میں نے کہا: اللہ نے جو نعمت تمہیں عطا کی ہے، اُس میں سے کچھ اپنا بچا ہوا مجھے بھی کھلا دیجئے۔ کہنے لگا کہ شقیق! اللہ جل شانہ کی ظاہری اور باطنی نعمتیں ہم پر رہی ہیں، اپنے رب کے ساتھ نیک گمان

رکھو۔ یہ کہہ کر وہ پیالہ مجھے دے دیا۔ میں نے جو اس کو پیا تو اللہ کی قسم! اس میں ستو اور شکر گھلی ہوئی تھی۔ اس سے زیادہ خوش ذائقہ اور اس سے زیادہ خوشبودار چیز میں نے کبھی نہیں کھائی تھی۔ میں نے خوب پیٹ بھر کر پیا جس کی برکت سے کئی دن تک نہ تو مجھے بھوک لگی نہ پیاس لگی۔

اس کے بعد مکہ مکرمہ داخل ہونے تک میں نے اس کو نہیں دیکھا۔ جب ہمارا قافلہ مکہ مکرمہ پہنچ گیا تو میں نے "قبة الشراب" کے پاس ایک مرتبہ آدھی رات کے قریب نماز پڑھتے دیکھا، بڑے خشوع سے نماز پڑھ رہا تھا اور خوب رو رہا تھا۔ صبح تک اسی طرح نماز پڑھتا رہا، جب صبح صادق ہوگئی تو وہ اسی جگہ بیٹھا تسبیح پڑھتا رہا، اس کے بعد صبح کی نماز پڑھی اور پھر بیت اللہ کا طواف کیا۔ پھر وہ باہر جانے لگا تو میں اس کے پیچھے لگ لیا۔ باہر جا کر دیکھا تو راستہ میں جس حالت پر دیکھا تھا اس کے بالکل برعکس بڑے حشم و خدم غلام اس کے موجود ہیں۔ چاروں طرف سے اس کو گھیر رکھا ہے، سلام کر کے حاضر ہو رہے ہیں۔ میں نے ایک شخص سے جو میرے قریب تھا، دریافت کیا کہ یہ بزرگ کون ہیں؟ اس نے بتایا: حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کے صاحبزادے حضرت امام موسیٰ کاظم رحمہ اللہ ہیں۔ مجھے تعجب ہوا اور میں نے خیال کیا کہ یہ عجائب واقعی ایسے ہی سید کے ہونے چاہئیں۔ (روض الریاحین، الحکایة: ۴۷، ص: ۱۰۰)

نصائح وارشادات

ان حضرات اہل بیت کی ہستیاں علم و عمل کا مجموعہ اور زہد و تقویٰ کا مجسمہ تھیں، چنانچہ ان کی نصائح اپنے اندر ایک حقیقی روح اور منفرد اثر سموئے ہوتی تھیں۔ اسی پس منظر میں حضرت امام موسیٰ کاظم رحمہ اللہ نے اپنے والد حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ سے بھی نصیحتیں حاصل کیں اور خود بھی لوگوں کو اپنی بیش قیمت نصائح سے مستفید کیا۔ ذیل میں ان میں سے چند روح پرور نصائح درج کی جارہی ہیں۔ ❶ ...یہ انصاف نہیں ہے کہ دو آدمی کسی جرم میں شریک ہوں، پھر اس میں طاقتور کو تو چھوڑ دیا جائے اور کمزور کو سزا دی جائے۔

❷ ...دشمن سے دور رہو اور دوست کے ساتھ بھی احتیاط سے رہو، کیونکہ دل کا کوئی پتا نہیں کہ کس وقت بدل جائے۔

❸ ...آپ رحمہ اللہ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ موت کی تمنا کر رہا تھا۔ آپ رحمہ اللہ نے اس سے پوچھا: کیا تمہارے اور اللہ کے درمیان کوئی ایسا تعلق ہے کہ جس کی وجہ سے اللہ تمہارے ساتھ آسانی و نرمی والا معاملہ فرمائے؟ اس نے کہا: نہیں۔ پھر پوچھا: کیا تم نے اتنی نیکیاں آگے بھیج دی ہیں جو تمہارے گناہوں سے بڑھ جائیں؟ کہا: نہیں۔ فرمایا: پھر تم اپنی دائمی ہلاکت کی تمنا کر رہے ہو۔

❹ ...جس کے دونوں دن برابر ہوں وہ دھوکے میں پڑا ہوا ہے اور جس کا دوسرا دن پہلے دن کی نسبت بُرا ہو اس سے اللہ کی رحمت دُور ہو چکی ہے۔ ❺ ...جو اپنے اندر بہتری اور ترقی محسوس نہ کرے وہ نقصان میں ہے اور جو نقصان میں ہو اس کے لیے جینے سے مرجانا بہتر ہے۔ جو نصائح آپ رحمہ اللہ نے اپنے والد سے حاصل کیں ان میں سے

بعض درج ذیل ہیں: جو شخص اپنی قسمت کے حصہ پر راضی رہتا ہے وہ لوگوں سے بے نیاز رہتا ہے، جو دوسرے کے مال کی طرف نظر اُٹھاتا ہے وہ فقیر مرتا ہے، جو اللہ کی تقسیم پر راضی نہیں ہوتا وہ اللہ کو اس کے فیصلے کے معاملہ میں متہم کرتا ہے، جو دوسرے کی پردہ دری کرتا ہے اس کی اپنی پردہ دری ہوتی ہے، جو بغاوت کی تلوار اُٹھاتا ہے وہ خود اسی سے قتل ہوتا ہے، جو نادان لوگوں کے ساتھ رہتا ہے وہ حقیر ہو جاتا ہے، جو علماء کے ساتھ رہتا ہے وہ معزز ہو جاتا ہے۔

حق بات ہی کہنا خواہ تمہارے موافق ہو یا مخالف، قرآن کی تلاوت کرنا، سلام کو عام کرنا، نیکی کا حکم اور بُرائی سے منع کرنا، توڑنے والے سے جوڑنا، مانگنے والے کو عطا کرنا اور چغل خوری سے بچنا کہ یہ دلوں میں بغض و عداوت پیدا کرتی ہے۔ (ملخص من: تہذیب الکمال ۵/۸۹)

سخاوت ایثار وفیاضی

ایک مرتبہ کسی غلام نے آپ رحمہ اللہ کو "حریرَہ" (یعنی آٹے اور گھی سے تیار کردہ حلوہ) ہدیہ کیا تو آپ رحمہ اللہ نے وہ غلام اور زرعی زمین جس میں وہ غلام کام کرتا تھا، دونوں کو ان کے مالک سے ایک ہزار دینار (مساوی تقریباً پونے دو کروڑ روپے) میں خرید لیا، پھر اس غلام کو آزاد کر دیا اور وہ زمین بھی اسی غلام کو دے دی۔ (مواصد الاطلاع علی اسماء الامکنۃ والبقاع: ۱/۳۵۶)

ابو مغیث قرظی (جبکہ وہ نوے سال کے ہو چکے تھے) کہتے ہیں: میں نے "جوَانِیَہ" (یہ مدینہ طیبہ کے قریب ایک بستی تھی) میں "اُمّ عظام" نامی کنویں کے پاس تربوز، کھیرا اور کدو کاشت کر رکھے تھے۔ جب فصل تیار ہوگئی اور آمدنی کا وقت قریب آ گیا تو ایک رات ٹڈیاں آئیں اور سارا کھیت چٹ کر گئیں۔ حالانکہ میں اس فصل اور اس میں کام کرنے کے لیے دو اونٹوں کی خریداری پر ایک سو بیس دینار خرچ کر چکا تھا۔

میں اسی پریشانی میں بیٹھا تھا کہ حضرت امام کاظم رحمہ اللہ تشریف لے آئے، مجھے سلام کیا اور حال پوچھا۔ میں نے کہا: میں تو کنگال ہو کے رہ گیا ہوں، رات ٹڈیاں آئیں اور میرا سارا کھیت صاف کر گئیں۔ انہوں نے پوچھا: "کَمْ غَرِمْتَ فِیْهِ؟" اس میں تمہارا کتنا نقصان ہو گیا ہے؟" میں نے کہا: دو اونٹوں کی قیمت بھی اگر شامل کر لیں تو کل ایک سو بیس دینار بنتے ہیں۔ انہوں نے مجھے ڈیڑھ سو دینار دیئے اور فرمایا: "تُرْبِحُکَ ثَلَاثِیْنَ دِیْنَارًا وَالْجَمَلَیْنِ" (تیس دینار اور دو اونٹ ہماری طرف سے آپ رحمہ اللہ کا نفع ہے)۔ (تاریخ بغداد: ۱۳/۳۰)

حُسنِ اَخلاق

آپ رحمہ اللہ نہایت بااخلاق انسان تھے، تحمل و بردباری آپ رحمہ اللہ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ زندگی بھر آپ رحمہ اللہ کا یہ دستور رہا کہ بُرائی کرنے والے کے ساتھ اچھائی سے پیش آتے۔ جب آپ رحمہ اللہ کو کسی شخص کے بارے میں معلوم ہوتا کہ اس نے آپ رحمہ اللہ کو بُرا بھلا کہا ہے تو آپ رحمہ اللہ سیخ پا ہونے کے بجائے اس کے پاس قیمتی ہدایا و تحائف بھیج کر بُرائی کا بدلہ اچھائی سے دیتے۔ ایک مرتبہ کسی شخص سے آپ رحمہ اللہ کو تکلیف پہنچی تو آپ رحمہ اللہ نے اس کو ایک ہزار دینار دلوا بھیجے۔ (البدایۃ والنھایۃ ط الفکر: ۱۰/۱۸۳)

وفات

آپ رحمہ اللہ نے پچیس رجب بروز جمعہ ۱۸۳ھ میں بغداد میں انتقال فرمایا جبکہ آپ رحمہ اللہ کی عمر پچپن برس تھی۔ بغداد میں آپ رحمہ اللہ کی قبراب بھی مشہور ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ جیل کے اندر زہر دیئے جانے سے آپ رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔ (یعنی شہادت کی موت آپ رحمہ اللہ کونصیب ہوئی)۔

اس کا مختصر قصہ یہ ہے کہ ہارون الرشید آپ رحمہ اللہ کو مدینہ سے بغداد لے آیا اور جیل میں قید کردیا، ایک مدت تک آپ رحمہ اللہ جیل میں رہے۔

بالآخر وہیں جیل کے اندر کھانے کی کسی چیز میں آپ رحمہ اللہ کو زہر ملا کر دیا گیا جس سے آپ رحمہ اللہ کی طبیعت خراب ہوگئی اور بخار کی طرح کوئی کیفیت ہوگئی

آخر تین روز بعد اسی زہر کے اثر سے جیل خانہ کے اندر شہید ہوگئے۔ بعض کہتے ہیں کہ یحییٰ بن خالد برمکی نے ہارون الرشید کے حکم سے آپ رحمہ اللہ کو زہر دیا تھا۔

(تاریخ الخمیس فی احوال انفس النفیس: ۲/۲۸۷)

❼... حضرت امام علی رضا سَلامُ اللہ وَ رَحمتہ علیہ

(علی بن موسیٰ)

نام ونسب

آپ سَلامُ اللہ وَ رَحمتہُ علیہ، کا نام ''علی'' تھا، اور امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے تھے۔ (البدایۃ والنہایۃ)
والد کی کنیت کی طرح آپ رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت بھی ''ابوالحسن'' تھی۔ (تاریخ الخمیس)

اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کی عمدہ صفات کے پیش نظر آپ رحمۃ اللہ علیہ کو بہت سارے القابات سے نوازا گیا، جیسے: صابر (آزمائشوں پر صبر کرنے والا)، زَکی (پاکیزہ اخلاق والا)، وَفی (لین دین میں دیانتدار)، ولی (اطاعت گزار/ نیک وصالح)، تاہم آپ رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور لقب ''رِضا'' تھا۔ (الفصول المہمۃ)

(اس مبارک لقب کی کئی وجوہات ہیں (جو کہ مختلف اعتبار سے آپ رحمۃ اللہ علیہ کی فضیلت کو بھی ظاہر کرتی ہیں)۔

❶ ....آپ رحمۃ اللہ علیہ اللہ، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، اور اُس کی شریعت پر اپنے ظاہر و باطن سے راضی ہو چکے تھے۔ (آل البیت حول الرسول)

❷ ....آب بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ سے راضی تھا اور لوگ بھی خوش تھے۔ (الفصول المہمۃ)

❸ ....موافق ومخالف (مجموعی طور پر) سب لوگ آپ رحمۃ اللہ علیہ سے راضی وخوش تھے۔ (العبر اس)

نسب کے لحاظ سے آپ رحمۃ اللہ علیہ قریشی ہاشمی علوی تھے۔ (البدایۃ والنہایۃ ط الفکر)

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ باندی تھیں۔ اُن کا نام ''سُکَینہ''، کنیت ''امّ البَنِین'' اور لقب ''شَقراء'' تھا۔ (الوافی بالوفیات) بعض نے ''سُکَینہ'' کے بجائے ''اَروىٰ'' نام بتایا ہے۔ (انظر: نورالأبصار)

ولادت

آپ سَلامُ اللہ وَ رَحمتہ علیہ، ۱۱/ ربیع الثانی، بروز جمعرات، ۱۵۳ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ (تاریخ الخمیس)

حلیہ مبارک ولباس

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا تیز گندمی رنگ تھا، (أخبار الدول) اور قد مبارک درمیانہ تھا۔ (الفصول المہمۃ) لباس میں

اُون اور ریشم کی بُنی ہوئی چادر اوڑھنے کا ذکر آتا ہے۔(اکمال تہذیب الکمال)

اور یہ بھی لکھا ہے کہ جب خلوت میں ہوتے تو فقیرانہ لباس پہنتے اور جب شاہی مجالس وغیرہ میں جاتے تو لباس فاخرہ زیب بدن فرماتے۔(ریحان عترت)

انگوٹھی بھی پہنتے تھے جس کا نقش تھا: ”حسبی اللہ“ یعنی مجھے اللہ کافی ہے۔(الفصول المہمۃ)

اولاد آپ کے پانچ صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھی محمد حسین جعفر ابراہیم حسن اور عائشہ رحمہم اللہ تعالیٰ

ارشادات ونصائح

● ایک آدمی نے آپ رحمہ اللہ سے اپنے بھائی کی شکایت کی تو آپ رحمہ اللہ نے اِن اشعار کے ذریعے نصیحت فرمائی:

اعذِر أخاک علی ذُنوبِه واصْبِرْ وغَطِّ علی عیوبه

واصبر علی سفه السّفیه و للزّمان علی خطوبه

وَدَعِ الجوابَ تَفَضُّلا وكِلِ الظَّلُوْمَ علی حَسِیبِهِ

”اپنے بھائی کی غلطیاں معاف کردو اور صبر سے کام لیتے ہوئے اس کی خامیوں پر پردہ ڈال دو(کہ وہ آخر تمہارا بھائی ہے)۔ناسمجھ شخص کی نادانی کو برداشت کرلو، اور حالاتِ زمانہ پر صبر ورضا اختیار کرو۔تم حُسنِ خلق کی بناء پر جواب نہ دیا کرو، اور ظالم کو اُس کے محاسب(یعنی اللہ) کے حوالے کردو۔“

❷ کسی نے آپ رحمہ اللہ سے پوچھا کیا اللہ تعالیٰ بندوں کو ان احکامات کا پابند بناتا ہے جن کی ان میں طاقت و ہمت بھی نہ ہو؟ فرمایا: وہ بہت زیادہ انصاف کرنے والا ہے(یعنی وہ ایسا نہیں کرتا کیونکہ یہ انصاف کے خلاف ہے)

اس نے پھر پوچھا: تو کیا بندے جو کچھ چاہیں وہ سب کچھ کرسکتے ہیں؟

فرمایا: وہ بہت زیادہ عاجز ہیں(یعنی وہ اپنی ہر چاہت پوری کرنے پر قادر نہیں ہیں)۔(اس سب کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو حکم وغیرہ دیگر اُمور بجالانے کی طاقت دیتا ہے، مگر اس کو اتنی طاقت بھی نہیں دے دیتا کہ وہ دُنیا میں جو چاہے کرسکے۔لہٰذا اصل طاقت وقوت اللہ ہی کی ہے)۔(الوافی بالوفیات:۲۲/۱۵۵)

❸ ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: اے اللہ کے بندے! اللہ کی رضا پر راضی رہ اور اُس چیز کی تیاری کر جس کا آنا ضروری ہے(یعنی آخرت)۔(الصواعق المحرقۃ:۲/۵۹۴)

❹ آپ رحمہ اللہ کی مجلس میں کسی نے آپ رحمہ اللہ سے کہا: منصب امامت وخلافت کا تقاضا یہ ہے کہ امیر المؤمنین کو روکھا سوکھا کھانا چاہیے، موٹا جھوٹا پہننا چاہیے، گدھے کی سواری کرنی چاہیے، مریض کی عیادت کرنی چاہیے اور جنازوں میں شرکت کرنی چاہیے۔

آپ رحمہ اللہ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے۔اُس کی بات سن کر سیدھے ہوکر بیٹھ گئے، پھر اس سے فرمایا: حضرت

یوسف بن یعقوب علیہ السلام نبی (اور شاہِ مصر) تھے، انہوں نے تو سونے کے بٹنوں والے قیمتی ریشم کے چوغے پہنے، سونے سے بُنے ہوئے خاص قسم کے عمدہ مصری لباس پہنے، آلِ فرعون کی مسندوں پر بیٹھے، فیصلے بھی کیے، احکامات بھی جاری کیے اور پابندیاں بھی نافذ کیں۔

سنو! امامت وخلافت کا تقاضا یہ ہے کہ امیر المؤمنین عادل وحق پرست ہو، جب بات کرے تو سچ بولے، فیصلہ کرے تو عدل وانصاف سے کام لے اور وعدے کرے تو انہیں پورا کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہننے اور کھانے کو حرام نہیں قرار دیا، پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:

''ان سے کہو کہ کس نے زینت کی اُن چیزوں کو حرام قرار دیا ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کیلئے پیدا کی ہیں اور (اسی طرح اللہ تعالیٰ کے) پاکیزہ رزق کی چیزوں کو (کس نے حرام قرار دیا ہے)؟'' (اعراف:۳۲)

❺ لوگ دو قسم کے ہیں: ایک وہ شخص جو اِس سے اچھا اور زیادہ متقی ہو، دوسرا وہ شخص جو اِس سے بُرا اور اِس سے کم درجے کا ہو۔ جب یہ اُس شخص سے ملے جو اِس سے بُرا اور کم درجہ ہو تو یہ کہے: شاید اُس کی بھلائی مخفی اور چھپی ہوئی ہو اور وہ اُس کے لیے (روزِ محشر) سراپا خیر ثابت ہو اور میری بھلائی ظاہر صورت میں تو بھلائی ہو لیکن (کل قیامت میں) میرے لیے شر ثابت ہو۔ اِس کے برعکس جب یہ اُس شخص کو دیکھے جو اِس سے اچھا اور زیادہ متقی ہو تو اُس کے سامنے تواضع سے پیش آئے تاکہ یہ بھی اُس جیسا ہو جائے۔ یہ شخص جب یہ سب کچھ کرلے گا تو (اللہ اور لوگوں کے نزدیک) اِس کا مقام بلند ہو جائے گا، اِس کا ذکرِ خیر ہوگا اور یہ اپنی قوم کا سردار ہوگا۔ (الفصول المہمۃ، ص:۲۴۴)

❻ دل مختلف کیفیات میں رہتا ہے، کبھی یہ چست ہوتا ہے تو کبھی سست، اور کبھی یہ پُرعزم ہوتا ہے تو کبھی بے ہمت، چنانچہ جب یہ چست وپُرعزم ہو تو اس سے فائدہ اُٹھالو اور جب یہ سست وبے ہمت ہو تو اُس وقت اِس کی طرف توجہ نہ دو۔ (آل البیت حول الرسول، ص:۲۴۸)

❼ ...جب آپ رحمہ اللہ سے ''عُجب'' (خود پسندی) کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا:

''عُجب'' کے کئی درجات ہیں: ایک یہ ہے کہ آدمی کو اپنا بُرا عمل بھی اچھا لگتا ہے اور وہ اس کو اچھا سمجھ کر خوش ہوتا رہتا ہے اور ایک درجہ یہ بھی ہے کہ آدمی اللہ پر ایمان لاکر اللہ پر اپنا احسان سمجھتا ہے حالانکہ اللہ کا اس پر احسان ہے کہ اسے ہدایت دی۔ (آل البیت حول الرسول، ص:۲۴۹)

❽ جس شخص میں پانچ صفات نہ ہوں اُس سے کسی شئ کی اُمید نہ رکھنا، طبیعت میں سخاوت، مزاج میں سنجیدگی، بلندئ اَخلاق، خوفِ الٰہی اور معتبر ومصدق نسب (یعنی نسب میں غلط بیانی نہ کررکھی ہو)۔ (آل البیت حول الرسول، ص:۲۴۹)

❾ آپ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: کس حالت میں آپ رحمہ اللہ نے صبح کی؟ جواب دیا: میں نے اس حال میں صبح کی ہے کہ عمر گھٹ چکی ہے، عمل محفوظ کرلیا گیا ہے، موت سر پر سوار ہے، جہنم کی آگ ہمارے پیچھے ہے اور ہمیں معلوم بھی نہیں کہ ہمارے ساتھ کیا ہوگا؟ (آل البیت حول الرسول، ص:۲۴۹)

⑩... فرمایا: مال کے انبار لگانا تو پانچ طریقوں سے ہی ممکن ہے: سخت کنجوسی، لمبی اُمید، ہر وقت کی حرص، قطع رحمی (رشتہ داروں کو ان کے حقوق نہ دینا) اور دُنیا کو آخرت پر ترجیح دینا۔ (آل البیت حول الرسول، ص:۲۴۹)

وفات

جمعہ رات ۲۱ رمضان المبارک ۲۰۳ھ کو ''طوس'' (جس کا موجودہ نام ''مشہد'' ہے) میں آپ رحمہ اللہ کا انتقال ہوا جبکہ آپ رحمہ اللہ کی عمر ساڑھے اُنچاس سال تھی۔ چنانچہ آپ رحمہ اللہ کی قبر وہیں ''طوس'' میں ہے جو کہ خراسان میں واقع ہے۔ مامون الرشید کی زندگی میں ہی آپ رحمہ اللہ کا انتقال ہوا۔

مامون کو آپ رحمہ اللہ کے انتقال کا بہت زیادہ دُکھ اور رنج ہوا حتیٰ کہ کئی روز تک اُس پر غم کی یہ کیفیت چھائی رہی، نہ کھانے میں اس کا جی لگتا تھا، نہ پینے میں اور دیگر لذات تک ان دنوں میں اُس سے چھوٹ گئی تھیں۔ نمازِ جنازہ اُس نے خود پڑھائی تھی اور اپنے والد ہارون الرشید کے پہلو میں آپ رحمہ اللہ کو دفن کیا تھا۔

کئی مؤرخین نے لکھا ہے کہ آپ رحمہ اللہ شہید فوت ہوئے اور شہادت کا یہ قصہ درج کیا ہے کہ آپ رحمہ اللہ غسل خانہ میں گئے، وہاں سے باہر نکلے تو آپ رحمہ اللہ کے سامنے ایک تھال میں زہریلے انگور پیش کیے گئے جن میں زہریلی سوئیوں سے اس طرح زہر داخل کیا گیا تھا کہ اس کا اثر ظاہر نہیں ہوتا تھا۔ اُن کے تناول فرمانے سے آپ رحمہ اللہ انتقال کر گئے۔ (تذکرۃ الخواص، ص:۳۱۸)

❽ ... حضرت امام محمد تقی جوّاد سَلامُ اللہ وَ رَحمتہ علیہ

(محمد بن علی)

نام ونسب

آپ سَلامُ اللہ وَ رَحمتہ علیہ، کا نام ''محمد'' تھا، اور امام علی رضا رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے تھے۔ کنیت ''ابوجعفر'' تھی، چونکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے آبائی سلسلۂ نسب میں امام باقر رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت بھی ''ابوجعفر'' تھی اس لئے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو ابوجعفر ثانی کہا جاتا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے کئی القابات تھے جو آپ رحمۃ اللہ علیہ کے اوصاف وکمالات کے ترجمان اور فضائل وخصائص کا مظہر تھے، جیسے ''تقی'' (متقی وپرہیز گار)، ''جوّاد'' (بہت سخی)، ''قانع'' (قناعت پسند یعنی تھوڑے پر صبر وشکر کرنے والا) اور ''مرتضیٰ'' (محبوب شخص)، مگر ان میں سے دو القاب ''تقی'' اور ''جوّاد'' زیادہ مشہور تھے، پہلے لقب کی نسبت سے ''امام محمد تقی'' اور دوسرے کے لحاظ سے ''امام محمد جواد'' کہلاتے تھے۔ البتہ عموماً آپ رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ عوام الناس میں ''امام تقی'' اور مصنفین کے ہاں ''امام جواد'' سے کیا جاتا ہے۔ (العبر اس، تاریخ الخمیس)

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ باندی تھیں، جن کا نام ''خیزران'' تھا۔ (تاریخ الخمیس فی احوال انفس النفیس)

بعض نے ''سکینہ'' لکھا ہے۔ (تذکرۃ الخواص)

ولادت ومسکن

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد امام علی رضا رحمۃ اللہ علیہ کی چالیس برس سے زائد عمر بیت چکی تھی مگر کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی، آخر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس مبارک بچے کی پیدائش کے ذریعے ان کی آنکھیں ٹھنڈی فرمائیں، آپ کی پیدائش پر سب اتنے خوش ہوئے جس کی کوئی مثال نہیں۔ (آل البیت حول الرسول)

آپ رحمۃ اللہ علیہ ۵/ رمضان المبارک، بروز منگل، سن ۱۹۵ھ میں پیدا ہوئے۔ (وفیات الأعیان)

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش مدینہ طیبہ میں ہوئی تھی لیکن بعد میں اپنے والد امام علی رضا رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بغداد منتقل ہوگئے تھے، والد کے انتقال کے بعد بھی وہیں بغداد رہے، اور وہیں خلیفہ مامون الرشید عباسی کی صاحبزادی (ام الفضل) سے شادی ہوئی۔ شادی کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ اہلیہ کے ساتھ مدینہ طیبہ آکر آباد ہوگئے۔ آخر عمر میں اہلیہ کے ساتھ بغداد تشریف لے گئے تو وہیں انتقال ہوگیا۔

ارشادات ونصائح

کتب تاریخ میں آپ رحمہ اللہ کے ارشادات ونصائح کا ایک وسیع ذخیرہ موجود ہے تاہم اُن میں سے چند درج ذیل ہیں:

(۱) مؤمن کی عزت اس میں ہے کہ وہ لوگوں سے مستغنی ہو کر رہے یعنی اُن سے کوئی طمع ولالچ نہ رکھے۔

(۲) جس نے اللہ کیلئے کسی کو دوست بنایا تو اس نے جنت میں گھر بنایا۔

(۳) اللہ اپنے بعض بندوں کو اموال ونعمتوں سے نوازتا ہے۔ جب تک وہ ان میں سخاوت سے کام لیتے رہتے ہیں وہ نعمتیں ان کے پاس برقرار رہتی ہیں اور جب وہ بخل شروع کر دیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے وہ نعمتیں لے کر اپنے دوسرے بندوں کو دے دیتا ہے۔

(۴) جو کسی انسان کو بڑا سمجھتا ہے وہ اُس انسان کی تعظیم بھی کرتا ہے، جو شخص کسی چیز سے ناواقف ہوتا ہے وہ اس چیز کو (اپنی ناواقفیت وجہالت کی وجہ سے) غلط سمجھتا ہے، فرصت غنیمت ہے، جو اکثر پریشان وغمگین رہتا ہے وہ امراض کا شکار ہو جاتا ہے، حیاتِ مسلم کے مضمون کا مرکزی خیال ''حُسنِ اَخلاق'' ہے۔

(۵) فقر کی زینت، سوال سے بچنا ہے۔ آزمائش کی زینت، شکر ہے۔ خاندانی شرافت کی زینت، عاجزی ہے، گفتگو کی زینت، فصاحت ہے۔ احادیث وغیرہ بیان کرنے کی زینت، قوتِ حافظہ ہے۔ علم کی زینت، تواضع ہے۔ کسی کے ساتھ بھلا کرنے کی زینت، اُس پر احسان نہ جتلانا ہے۔ نماز کی زینت، خشوع ہے۔ قناعت (تھوڑے پر راضی رہنا) کی زینت، چہرے پر مسکراہٹ ہے اور تقویٰ کی زینت، لایعنی سے بچنا ہے۔

(۶) کمالِ مروت یہ ہے کہ آدمی کے قول وفعل سے کسی کو ناگواری نہ پہنچے، کسی کو تکلیف نہ پہنچانا آدمی کے اچھے اَخلاق کی علامت ہے، حق دار (کی ادائیگی حق کے ساتھ ساتھ اُس) کے ساتھ اچھے معاملے سے پیش آنا سخاوت کی علامت ہے، دوسرے کو اپنی ذات پر ترجیح دینا شرافت کی علامت ہے، حق سمجھ آ جانے پر اُسے قبول کر لینا انصاف کی علامت ہے، جو چیز اپنے لیے ناپسند ہو دوسرے کو اُس سے روکنا ہمدردی کی علامت ہے، تمہارے حریف کی موجودگی میں کسی شخص کا تمہیں بُرا بھلا نہ کہنا اُس شخص کے تمہارے لیے شفیق ومہربان ہونے کی علامت ہے، کسی شخص کا اکثر تمہاری موافقت کرنا اور (بوقت ضرورت) کبھی کبھار مخالفت کرنا اُس کے سچے دوست ہونے کی علامت ہے، احسان کرنے والے کے احسان کو احسان سمجھنا قدر دانی کی علامت ہے، اپنی حیثیت (وحقیقت) کی پہچان رکھنا تواضع کی علامت ہے، دوسروں کے عیوب سے بے توجہی اور اپنے عیوب پر توجہ دینا، نیک انسان ہونے کی علامت ہے۔

(۷) ظلم کرنے والا، ظلم پر مدد کرنے والا اور ظلم پر راضی رہنے والا یہ سب ظلم میں باہم شریک ہیں اور جو کسی بُرائی کو اچھا سمجھے وہ بھی اس بُرائی میں شریک کار ہے۔ (۸) جاہلوں کی کثرت کی وجہ سے علماء اجنبی معلوم ہوتے ہیں۔

(۹) مصیبت پر صبر کرنا، دُشمن کیلئے مصیبت ہے۔

(۱۰) تین چیزیں بندے کو اللہ کی رضا تک پہنچا دیتی ہیں: کثرتِ استغفار، نرم مزاجی اور کثرتِ صدقہ۔
تین صفات ایسی ہیں کہ جس شخص میں ہوں وہ کبھی پچھتاتا نہیں، جلد بازی نہ کرنا، مشورہ کرنا اور پختہ ارادہ کر کے اللہ پر بھروسہ کر لینا۔ اور تین اعمال ایسے ہیں جن سے دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے: ساتھ رہنے والوں میں انصاف برتنا، مشکل وقت میں ہمدردی و غمخواری کرنا اور صاف دل والا ہونا۔

(۱۱) آدمی کی قتل گاہ اُس کے دو جبڑوں کے درمیان ہے۔ (۱۲) رائے تو وہ ہوتی ہے جو غور و فکر کے ساتھ دی جائے اور جو رائے بن سوچ سمجھے دی جائے وہ بے قیمت ہوتی ہے۔

(۱۳) لوگ آپس میں بھائی ہیں جس کی دوستی اور بھائی چارہ اللہ کیلئے نہ ہو (بلکہ کسی دُنیاوی غرض کی وجہ سے ہو) تو وہ دوستی انجام کار دُشمنی میں بدل جاتی ہے۔

(۱۴) نعمت کی ناشکری اللہ کی ناراضگی کا سبب ہے اور دُنیا میں جو شخص تمہارے کسی احسان کا بدلہ ''شکریہ'' سے دے دے تو اُس نے تمہیں اُس سے کہیں زیادہ دے دیا ہے جو اُس نے تم سے لیا تھا۔

(۱۵) جو اپنے کسی بھائی کو ایک طرف بلا کر نصیحت کرتا ہے وہ اُسے سنوار دیتا ہے اور جو سب کے سامنے نصیحت کرنا شروع کر دیتا ہے وہ اُسے بگاڑ دیتا ہے۔ (۱۶) حقیقی معززین تو علماء ہیں اور اصل سردار تو متقی لوگ ہیں۔

(۱۷) اپنے کمزور لوگوں پر رحم کرو اور خود رحم کر کے اللہ سے رحم حاصل کرو۔

(۱۸) گناہوں کی وجہ سے انسان کا روحانی طور پر مر جانا، اُس کی ظاہری اور بدنی موت سے کہیں بڑی موت ہے اور اطاعت و برکات والی زندگی، اِس ظاہری زندگی سے کہیں بڑی حیات ہے۔ (۱۹) جو اللہ پر اعتماد و بھروسا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ہر پریشانی سے اُسے نجات دیتا ہے اور ہر دُشمن سے اس کی حفاظت کرتا ہے۔

دین سراپا عزت ہے، علم خزانہ ہے، بے فائدہ باتوں سے چپ رہنا نور ہے، دُنیا سے بے رغبتی کی انتہاء تقویٰ و پرہیز گاری ہے، بدعت سے بڑھ کر کوئی چیز دین کی عمارت کو گرانے والی نہیں ہے، حرص و طمع سے بڑھ کر کوئی چیز لوگوں کو خراب کرنے والی نہیں ہے، حاکم (کی نیکی) کی وجہ سے عوام نیک بنتی ہے، دُعاء (کے اہتمام) کی وجہ سے مصیبت ٹلتی ہے، جو ''صبر'' کی سواری پر سوار ہوتا ہے، وہ ''نصرت الٰہی'' کی منزل پر پہنچتا ہے اور جو تقویٰ کے درخت بوتا ہے، وہ اُمیدوں کے پھل توڑتا ہے۔ (نور الأبصار، ص: ۲۲۲، ۲۲۳)

فضائل وخصائص

اپنے والد ماجد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آپ رحمہ اللہ بھی علم و تقویٰ اور زہد و سخاوت جیسے عمدہ اوصاف میں اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ اگر چہ عمر کے لحاظ سے آپ رحمہ اللہ بڑے نہیں تھے لیکن مرتبہ کے لحاظ سے جلیل القدر شخصیت اور عظیم الشان حیثیت کے مالک تھے اور رفعت و مرتبت (بلندیٔ شان) میں اُسلاف کے حقیقی جانشین تھے۔ علاوہ ازیں ذہین و

فطین، حاضر دماغ اور فصیح اللسان تھے اور کم عمری کے باوجود اپنے زمانہ کی معروف ومشہور شخصیات میں سے تھے۔
چنانچہ آپ رحمہ اللہ خاندانِ اہل بیت کے قائدین ومعززین میں سے شمار ہوتے تھے۔ (تاریخ اسلام، ۵/۳۸۵)
ذیل میں آپ رحمہ اللہ کے چند اوصافِ جمیلہ درج کیے جاتے ہیں:

عبادت

آپ رحمہ اللہ اپنے زمانہ کے بڑے عبادت گزار، نہایت فرمانبردار اور خوفِ الٰہی سے سرشار تھے، نماز کی کیفیت یہ تھی کہ فرض نمازوں کے خصوصی اہتمام کے ساتھ نوافل کی بھی کثرت رکھتے تھے اور تہجد کا تو خاص طور پر اہتمام تھا۔
جہاں تک روزوں کا تعلق ہے تو نفلی روزے بھی بکثرت رکھتے تھے اور "اشھر حُرُم" (یعنی ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب کے مہینوں) میں روزے رکھنے کا بطور خاص اہتمام فرماتے تھے۔ اس کے علاوہ عمرہ وحج بھی کثرت سے کیا کرتے تھے، ہر مرتبہ حجر اسود کو بوسہ دیتے، زمزم نوش فرماتے اور اپنے بدن پر اُسے چھڑکتے۔
دُعائیں مانگنے کی طرف بھی خصوصی توجہ دیتے، اکثر وبیشتر دُعاء کی ابتداء، حمد وثناء کے اِن کلمات سے کرتے:
(اے اللہ! اے وہ ذات جس کے کوئی مشابہ نہیں اور نہ ہی اس کی کوئی مثل ہے، تو اللہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ ہی تیرے سوا کوئی پیدا کرنے والا ہے، تو تمام مخلوقات کو فنا کرے گا اور تو خود باقی رہے گا۔ اے اللہ! تو اپنے نافرمان بندے سے حلم سے کام لیتا ہے اور مغفرت میں تیری خوشنودی ہے) اِس کے بعد اپنی دُعاء مانگنا شروع کرتے۔)
اپنی دُعاؤں میں آہ وزاری کرتے اور کثرت سے مناجاتِ الٰہی میں مشغول رہتے، رات کو تہجد کے وقت اُٹھ کر دُعاء ومناجات میں مشغول رہنا تو خاص وظیفہ تھا۔ آپ رحمہ اللہ کی بعض مناجات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ رحمہ اللہ اللہ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر اپنے گناہوں سے معافی مانگتے تھے اور بعض دیگر مناجات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ رحمہ اللہ دیر تک اللہ کے سامنے اپنی عاجزی وکمزوری ظاہر کرتے رہتے، اُس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے اور اُس سے اپنی حاجات طلب کرتے۔

دُنیا سے بے رغبتی

امام تقی سلام اللہ ورحمۃ اللہ علیہ آخرت کے مشتاق اور دُنیا سے بے رغبت انسان تھے، اس فانی دُنیا کا مال ومتاع اور اس کی زیب وزینت ان کو آخرت سے غافل نہیں کرتی تھی۔ آپ رحمہ اللہ جوانی کے دور سے گزر رہے تھے، اس کے باوجود سادہ لباس زیب تن فرماتے اور سادہ کھانا تناول فرماتے۔ دورِ شباب عموماً خواہشات پوری کرنے کے لیے مال اکٹھا کرنے کا زمانہ ہوتا ہے مگر آپ رحمہ اللہ مال کی دُنیوی محبت سے یکسر خالی تھے، مامون الرشید آپ رحمہ اللہ کے پاس ہر سال لاکھوں دراہم (یعنی کروڑوں روپے) بھیجتا تھا مگر آپ رحمہ اللہ ان کو اپنی خواہشات پر صرف کرنے کے بجائے غریبوں، حاجت مندوں اور خاص طور پر سفید پوش ضرورت مندوں پر خرچ فرماتے تھے۔
اگرچہ بادشاہِ وقت کے داماد ہونے کے سبب آپ رحمہ اللہ مال ومتاع اور عزت وشہرت کے ماحول میں رہتے تھے مگر

آپ رحمہ اللہ کے دل میں ان چیزوں کی کوئی حقیقت وحیثیت نہ تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ بغداد میں تھے اور آپ رحمہ اللہ کے اِردگرد لوگوں کا مجمع تھا جس نے تعظیم وتکریم کے آداب بجالاتے ہوئے آپ رحمہ اللہ کو گھیر رکھا تھا، وہیں قریب ہی ''حسین'' نامی ایک شخص کھڑا یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ مالی وسعت اور عزت وشہرت کے اس مقام کو چھوڑ کر اب یہ اپنے وطن (مدینہ منورہ) نہیں جائیں گے۔ اُس کی ان حیرت زدہ اور سوچوں میں گم نظروں کو دیکھ کر آپ رحمہ اللہ نے بھانپ لیا اور اُسے قریب کر کے فرمایا: ''حسین! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں رہ کر جَو کی روٹی اور کوٹے ہوئے نمک کے ساتھ زندگی گزارنا، بغداد میں ملنے والی اس عزت اور مال ومتاع سے کہیں زیادہ محبوب ہے۔''

واقعی آپ رحمہ اللہ آخرت کے عشاق میں سے تھے اور اپنے آباء واجداد کی طرح دُنیا سے دل ہٹا کر اللہ کی طرف یکسو ہو چلے تھے۔ (آل البیت حول الرسول، ص:۲۵۲)

سخاوت

آپ رحمہ اللہ کی سخاوت تو حد درجہ مشہور ومعروف تھی، اسی وجہ سے آپ کو ''جواد'' (یعنی بہت سخی) کا لقب ملا۔ (تاریخ الاسلام)

لوگوں کیساتھ آپ رحمہ اللہ کے مالی تعاون اور سخاوت کے کئی واقعات ہیں جن میں سے بطورِ نمونہ چند درج ذیل ہیں:

❶ احمد بن حدید اپنے ساتھیوں کی ایک جماعت کے ساتھ حج کے لیے جا رہے تھے، راستے میں ڈاکوؤں نے حملہ کر دیا اور جو کچھ مال وسامان ساتھ تھا، سب لوٹ لیا، یہ لٹا پٹا قافلہ جب مدینہ طیبہ پہنچا تو ''احمد بن حدید'' امام جواد رحمہ اللہ کے پاس حاضر خدمت ہوئے اور اُن کو سارا ماجرا کہہ سنایا۔

آپ رحمہ اللہ نے اُن کو کپڑے اور بہت سارے دینار دیئے کہ یہ اہل قافلہ میں تقسیم کر دو۔ راوی کہتے ہیں اِن کی مقدار اُس لوٹے ہوئے سامان کے برابر یا اُس سے کچھ زائد تھی۔ (آل البیت حول الرسول، ص:۲۵۳)

❷ ایک علوی شخص کہتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں ایک باندی تھی جو مجھے بہت ہی پسند تھی لیکن اس کی قیمت زیادہ ہونے کی وجہ سے، میں اُس کے خریدنے سے عاجز تھا۔ ایک دن میں نے امام تقی سلام اللہ ورحمۃ اللہ علیہ سے اپنی اس حسرت کا تذکرہ کیا۔ اس کے بعد انہوں نے چپکے سے اُسے خرید لیا۔ جب مجھے پتا چلا کہ وہ بِک گئی ہے تو مجھے اس کا بہت زیادہ قلق وافسوس ہوا۔ میں اسی پریشانی میں آپ رحمہ اللہ کے پاس آیا اور کہا کہ وہ اب بِک گئی ہے۔ انہوں نے پوچھا: ''مَنِ اشْتَرَاهَا؟'' کس نے خریدی ہے؟ میں نے کہا: یہ پتا نہیں ہے لیکن وہ بہرحال بِک گئی ہے۔ فرمایا: ابھی تمہارے پاس کچھ وقت ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں، ابھی میں فارغ ہوں۔ پھر وہ مجھے ساتھ لے کر اپنے اُس مکان کی طرف چلے جو اُن کے باغ میں واقع تھا (اُن کے کچھ اور احباب بھی ساتھ چل دیئے) ہمارے جانے سے پہلے ہی انہوں نے کھانا اور بستر وغیرہ وہاں بھجوا دیا تھا۔ بہرحال جب ہم باغ کی چار دیواری کے پاس پہنچے تو انہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور اندر لے گئے جبکہ اپنے ساتھ آنے والے احباب کو وہیں باہر ہی ٹھہرا دیا۔ آپ اندر داخل ہو کر مجھ سے یہ

فرماتے جارہے تھے: ''وہ بک بھی گئی اور تمہیں پتا بھی نہیں کہ کس نے خریدی ہے؟'' میں روتے ہوئے کہہ رہا تھا، جی ہاں! مجھے نہیں پتا چل سکا۔ اُس وسیع باغ میں چلتے چلتے ہم ایک کمرے کے پاس پہنچے جس پر پردہ پڑا ہوا تھا اور اس میں ایک بیش بہا بستر پر ایک باندی بیٹھی ہوئی تھی، میں پیچھے ہٹنے لگا، انہوں نے مجھے فرمایا: واللہ! میرے ساتھ تمہیں بھی اس میں ضرور داخل ہونا ہوگا۔ میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ یہ بعینہ وہی باندی ہے جس سے میں محبت کرتا تھا، یہ دیکھ کر میری حیرانی کی حد نہ رہی۔ فرمایا: اِسے پہچانا ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں! پھر فرمانے لگے: یہ باغ، اس کی آمدنی، یہ گھر اور یہ کھانا و بستر، اِس سب سمیت یہ باندی میں نے تمہیں ہدیہ کی ہے۔ تم خوشی خوشی اس باندی کے ساتھ زندگی گزارو۔ یہ کہا اور مجھے وہیں بٹھا کر باغ سے باہر تشریف لے گئے۔ (تاریخ ابن الجوزی: ۱۱/۶۲)

ہمدردی وغم خواری

لوگوں کے ساتھ ہمدردی وغم خواری اور ان کے ساتھ حُسنِ سلوک آپ رحمہ اللہ کی خاص صفت تھی۔ ذیل میں اس کے چند نمونے ذکر کیے جاتے ہیں۔

❶ ''سجستان'' کے قبیلہ بنو حنیفہ کے ایک شخص کہتے ہیں کہ خلیفہ معتصم کے ابتدائی دورِ خلافت میں جب امام جواد رحمہ اللہ حج کے لیے تشریف لے گئے تو میں بھی اس وقت اُن کا رفیقِ سفر تھا۔ ہم ایک دفعہ دستر خوان پر بیٹھے ہوئے تھے، میں نے ان سے عرض کیا: میں آپ پر قربان جاؤں، ایک عرض کرنی ہے کہ ''گورنر سجستان'' آپ اہل بیت حضرات سے بہت محبت کرتا ہے اور میرے اوپر ''خراج'' (زمین پر عائد کی جانے والی ایک خاص رقم) کی ادائیگی واجب ہے۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو اُس ''گورنر'' کے نام رقعہ لکھ دیں کہ وہ میرے ساتھ آسانی اور مہربانی والا معاملہ کرے۔

آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''لَا أَعْرِفُه'' میں اُسے نہیں جانتا۔ اس شخص نے کہا: میں آپ پر قربان جاؤں، جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ وہ آپ حضرات سے محبت کرتا ہے، آپ کا رقعہ یقیناً میرے لیے نفع بخش ثابت ہوگا۔ آپ رحمہ اللہ نے اُس کی بات مان لی اور گورنر سجستان کے نام اُسے رقعہ لکھ دیا۔ رقعہ کے شروع میں لکھا کہ حامل رقعہ ہذا نے مجھے بتایا کہ آنجناب ہم اہل بیت سے محبت کرتے ہیں، پھر اُس ''گورنر'' کو اِس شخص کے ساتھ حُسنِ معاملہ کرنے کی درخواست کی۔ شخص مذکور جب اِس رقعہ کے ہمراہ سجستان واپس ہوا تو اُدھر اُس ''گورنر'' (حسین بن عبداللہ نیشاپوری) کو پتا چل چکا تھا کہ ایک شخص حضرت امام تقی رحمہ اللہ کا میرے نام رقعہ لے کر آ رہا ہے تو اُس نے سجستان سے دو فرسخ (تقریباً دس کلومیٹر) باہر آکر اُس کا استقبال کیا، رقعہ لیا، اُس کو چوما، اُسے اپنے لیے باعث شرف سمجھا۔ پھر اُس شخص سے اس کی حاجت پوچھی، اُس نے وہی ''خراج'' والی پریشانی بتائی کہ میرے لیے اس کی ادائیگی مشکل ہے۔

اس پر اُس نے کہا: ''جب تک میں گورنر ہوں تم ''خراج'' نہ دینا'' پھر اُس کے اہل وعیال کے بارے میں پوچھا، اس نے بتایا کہ ہم اہل خانہ اتنے افراد ہیں۔ گورنر نے اس شخص سمیت ان سب افراد کیلئے وظیفہ مقرر کر دیا۔ چنانچہ گورنر

کی زندگی بھر اس شخص سے خراج معاف رہا اور گورنر کی جانب سے مقرر شدہ وہ وظیفہ بھی جاری رہا۔

❷ آپ رحمہ اللہ اپنی ہمت وبساط کے قدر، لوگوں کے دُکھ سکھ میں شریک رہتے تھے۔ اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ ابراہیم بن محمد ہمدانی پر وقت کے گورنر کی طرف سے زیادتیاں ہو رہی تھیں۔ اُس نے حضرت امام جواد رحمہ اللہ کو اپنی یہ صورتِ حال لکھ کر بھیجی۔ آپ رحمہ اللہ کچھ کر تو نہیں سکتے تھے۔ البتہ آپ رحمہ اللہ کو دُکھ بہت ہوا اور اس کی پریشانی میں شریک ہو کر اسے واپسی یہ خط لکھا: میری اللہ تعالیٰ سے دلی دُعا ہے کہ اللہ آپ کی مدد ونصرت فرمائے۔ اُمید رکھو ان شاء اللہ دُنیا میں بھی جلد اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال ہوگی اور آخرت میں بھی، اور اس کے ساتھ کثرت سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہو۔

❸ آپ رحمہ اللہ پریشان حال اور مصیبت زدہ لوگوں کے غم میں شریک ہو کر انہیں تسلی دیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک شخص جس کا بیٹا فوت ہو گیا تھا، کی طرف خط لکھ کر روانہ کیا جس میں تھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ اس وقت اپنے صاحبزادے کی وجہ سے دُکھ ومصیبت میں ہیں، اور مجھے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ آپ کو اولاد میں سے سب سے زیادہ پیارا تھا۔ دیکھو، اللہ تعالیٰ اولاد وغیرہ دیگر اشیاء میں سے بھی عموماً عمدہ چیز لیتا ہے تا کہ اس بڑی مصیبت پر صبر کرنے سے بڑا اُجر نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اُجر عظیم اور صبر جمیل عطا فرمائے اور آپ کو جلد اس کا نعم البدل عطا فرمائے، اور مجھے اللہ تعالیٰ سے قوی اُمید ہے کہ ان شاء اللہ، اُس نے آپ کے حق میں یہ طے فرما دیا ہے۔

آپ رحمہ اللہ کی انہی ہمدردیوں کا ہی نتیجہ تھا کہ لوگوں کے دلوں میں آپ رحمہ اللہ کی محبت گھر کر چکی تھی اور وہ آپ رحمہ اللہ پر دل وجان سے فدا ہوتے تھے۔ (آل البیت حول الرسول، ص: ۲۵۲)

کرامات

آپ رحمہ اللہ کی کئی کرامات ہیں۔ ان میں سے ایک خاص کرامت نیچے درج کی جا رہی ہے:

آپ رحمہ اللہ جب بغداد سے مدینہ منورہ جانے لگے تو لوگوں کی ایک بڑی تعداد الوداع کرنے کے لیے آپ رحمہ اللہ کے ساتھ چل دی، جب آپ رحمہ اللہ شہر کے ''باب کوفہ'' پر پہنچے تو مغرب ہوگئی، آپ رحمہ اللہ سواری سے اُترے اور مغرب کی نماز ادا کرنے کیلئے وہیں قریب ایک پرانی مسجد میں تشریف لے گئے۔

مسجد کے صحن میں بیر کا درخت تھا جس نے کبھی پھل نہیں اُٹھایا تھا۔ آپ رحمہ اللہ نے پانی کا ایک مگ منگوایا اور اس درخت کی جڑ میں وضو کیا۔ پھر اُٹھے اور لوگوں کو مغرب کی نماز پڑھائی۔ پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ سورۃ النصر اور دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد سورۃ الاخلاص کی تلاوت کی۔ نماز سے فارغ ہو کر وہیں تھوڑی دیر بیٹھے ذکر میں مشغول رہے، پھر اُٹھے اور چار رکعات نوافل ادا کیے۔ آخر میں آپ رحمہ اللہ نے سجدۂ شکر ادا کیا، پھر کھڑے ہوئے اور لوگوں نے الوداع کیا۔ اس کے بعد آپ رحمہ اللہ سفر پر روانہ ہوگئے۔

جب اگلے دن صبح ہوئی تو لوگوں نے دیکھا کہ رات ہی رات میں اس درخت نے پھل اُٹھا لیے ہیں اور عمدہ قسم

کے بیروں سے لدا ہوا ہے۔ لوگوں کو بہت حیرانی ہوئی اور اس سے بھی زیادہ حیرت اس وقت ہوئی جب ان بیروں کو کھایا تو ان میں گٹھلی نہیں تھی۔ لوگ اس کرامت سے بہت بہت حیران ہوئے۔ (الفصول المہمۃ، ص:۲۵۸)

وفات

آپ مدینہ طیبہ سے اپنی اہلیہ ''اُم الفضل'' کے ہمراہ خلیفۂ وقت کے پاس بغداد تشریف لائے۔ خلیفۂ وقت (''ابو اسحاق محمد بن ہارون الرشید'' جو ''خلیفہ معتصم'' کے لقب سے معروف تھا اور مامون الرشید کے بعد خلیفہ بنا تھا) آپ رحمہ اللہ کی اہلیہ کا چچا تھا، اُس نے آپ رحمہ اللہ کا بہت اعزاز و اکرام کیا۔ پھر ۵ ذی الحجہ بروز منگل سن ۲۲۰ھ میں آپ رحمہ اللہ وہیں بغداد میں انتقال فرما گئے۔ (بعض نے کہا ہے کہ آپ رحمہ اللہ کو زہر دی گئی تھی لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے) عین جوانی کے زمانہ میں جبکہ آپ رحمہ اللہ کی عمر عزیز صرف ۲۵ برس اور چند ماہ تھی، آپ رحمہ اللہ نے انتقال فرمایا۔ واثق بن معتصم نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور وہیں بغداد (کے علاقہ کاظمیہ) کے اندر ''مقبرۂ قریش'' میں آپ رحمہ اللہ کو اپنے دادا امام موسیٰ کاظم رحمہ اللہ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ (وفیات الأعیان:۴/۱۷۵)

آپ رحمہ اللہ کے انتقال کے بعد ''اُم الفضل'' کو ان کے چچا خلیفہ معتصم باللہ کے گھر منتقل کر دیا گیا اور پھر وہ وہیں رہنا شروع ہو گئیں۔ (تاریخ الاسلام:۱۵/۳۸۶)

۹... حضرت امام علی نَقی ہادی سَلامُ اللہ وَ رَحمۃُ علیہ

(علی بن محمد)

نام ونسب

آپ سَلامُ اللہ وَ رَحمۃ علیہ، کا نام ''علی'' تھا، اور امام محمد تقی جوادرحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ باندی تھیں۔ اور اُن کا نام ''سمانہ'' تھا۔ (تاریخ الخمیس)

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت ''ابوالحسن'' تھی، اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کو ''ابوالحسن ثالث'' کہا جاتا تھا (کیونکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت بھی ''ابوالحسن'' تھی، اور آپ ''ابوالحسن عسکری'' سے بھی معروف تھے۔ (تاریخ الخمیس)

''عسکر'' ایک شہر ہے جس کی نسبت سے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو ''عسکری'' کہا جاتا تھا حالانکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا وطن ولادت مدینہ منورہ تھا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ مدینہ طیبہ میں ہی رہتے تھے۔

''عسکری'' کہنے کی دراصل وجہ یہ ہے کہ بعض ناعاقبت اندیش لوگوں نے خلیفہ متوکل عباسی کے پاس کثرت سے آپ رحمۃ اللہ علیہ کی شکایتیں کیں، جس سے خلیفہ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو ''مدینہ منورہ'' سے بلوا کر ''سامرا'' شہر میں ٹھہرادیا اور اس شہر کو ''عسکر'' کہا جاتا تھا۔ چونکہ اب آپ رحمۃ اللہ علیہ کی رہائش مستقل طور پر ''عسکر'' میں ہوگئی تھی اس لئے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو ''عسکری'' کہا جانے لگا اور پھر اسی نسبت سے ہی مشہور ہوئے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی حیاتِ طیبہ کے بیس سال اور نو ماہ یہاں گزارے اور یہیں انتقال ہوا۔ (الاعلام للزرکلی)

آپ رحمۃ اللہ علیہ کئی القابات سے نوازے گئے تھے، جیسے: نَقی، ہادی، زَکی، متوکل، تقی ناصح، فتاح، مرتضیٰ، فقیہ، متقی، امین، مؤتمن، اور طیب۔ (العبر ا س ص ۳۱۳)

لیکن ان میں سے دو لقب زیادہ مشہور تھے: نَقی اور ہادی۔ پہلے لقب کی نسبت سے ''امام علی نقی'' اور دوسرے کے لحاظ سے ''امام علی ہادی'' کہلاتے ہیں، اور دونوں کو اکٹھا ملا کر ''امام علی نقی ہادی'' کہا جاتا ہے۔ البتہ عموماً عوام الناس میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ ''امام نقی'' اور مصنفین کے ہاں ''امام ہادی'' سے کیا جاتا ہے۔

ولادت

آپ رحمۃ اللہ علیہ، ۱۳ رجب، بروز اتوار، سن ۲۱۴ ہجری میں مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے۔ (تاریخ الخمیس)

حلیہ مبارک

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا گندمی رنگ تھا۔ (الفصول المہمۃ)

اولاد

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے چار صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھی:
حسن (جو امام حسن عسکریؒ کے نام سے مشہور ہوئے) حسین، محمد، جعفر، اور عائشہ۔ (الصواعق المحرقۃ)

دُنیا سے بے رغبتی

امام علی ہادی رحمہ اللہ نے دُنیا کی رنگینیوں سے کنارہ کش ہو کر نہایت زاہدانہ زندگی بسر کی۔ عمر بھر عبادت وزہد کا دامن تھامے رکھا، دنیاوی دھوکے سے بچ کر آخرت کے خیال کو اس طرح سینے سے لگا رکھا تھا کہ ہر معاملہ میں اطاعتِ الٰہی کو ترجیح دیتے تھے۔ آپ رحمہ اللہ دُنیا میں زیادہ ساز وسامان جمع کرنے میں نہیں لگے بلکہ اس کے بجائے آخرت کی تیاری پر توجہ صرف کی۔ یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ مدینہ منورہ میں رہائش کے دوران جب حکومتی کارندے کی طرف سے آپ رحمہ اللہ کے گھر کی تلاشی لی گئی تو چند اشیاء کے سوا کچھ نہ مل سکا، اور اسی طرح پھر جب فوجی دستے نے آپ رحمہ اللہ کے ''سامراء'' والے گھر کی تلاشی لی تھی تو اُس وقت بھی آپ رحمہ اللہ کے گھر کی یہی کیفیت تھی کہ صرف ضروری سامان موجود تھا۔ بہر حال یہ وہ حضرات تھے جو واقعی دُنیا سے بے رغبت اور آخرت کے مشتاق تھے۔ (آل البیت حول الرسول، ص: ۲۶۵)

سخاوت

آپ رحمہ اللہ سخاوت میں بھی اپنے والد ماجد (امام تقی رحمہ اللہ) کے حقیقی جانشین تھے۔ ایک مرتبہ عثمان بن سعید، احمد بن اسحاق اشعری اور علی بن جعفر ہمدانی امام نقی رحمہ اللہ کے پاس آئے۔ ان میں سے احمد بن اسحاق نے اپنی پریشانی ذکر کی کہ اُن پر قرض چڑھ چکا ہے۔ آپ رحمہ اللہ نے اُسی وقت اپنے وکیل ''ابوعمروؓ'' سے کہا کہ انہیں تیس ہزار دینار (مساوی سوا ۵۶ کروڑ روپے) دے دو۔ ذرا ملاحظہ فرمائیے کہ یہ کس قدر سخاوت ہے، ایسی سخاوت تو کوئی بادشاہ ہی کر سکتا ہے۔ واقعی یہ بے مثال سخاوتوں میں سے ایک سخاوت تھی۔

لوگوں کی حاجات پوری کرنا اِن حضرات کی گھٹی میں اس طرح پڑ چکا تھا کہ یہ اپنی عزت ووجاہت کی پرواہ کیے بغیر لوگوں کے قرضے ادا کیا کرتے۔ چنانچہ اسی نوعیت کا امام نقی رحمہ اللہ کا ایک عجب واقعہ سارے مصنفین نے ذکر کیا ہے جو نیچے درج کیا جا رہا ہے۔

ایک دن آپ رحمہ اللہ کسی کام کے سلسلہ میں ''سامرا'' سے باہر ایک بستی میں تشریف لے گئے۔ پیچھے سے کوفہ کا ایک دیہاتی شخص آپ رحمہ اللہ کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے آپ رحمہ اللہ کے گھر پہنچ گیا، وہاں جا کر پتا چلا کہ آپ رحمہ اللہ گھر پر نہیں ہیں۔ کسی کام سے باہر فلاں جگہ گئے ہوئے ہیں۔ الغرض وہ شخص وہیں آپ رحمہ اللہ کے پاس پہنچ گیا۔ آپ رحمہ اللہ نے اُس سے دریافت فرمایا: ''مَا حَاجَتُکَ؟'' کس کام سے آنا ہوا؟ اُس نے کہا: میں کوفہ کے ایک دیہات کا رہنے والا ہوں اور آپ رحمہ اللہ کے جدامجد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے محبین میں سے ہوں۔ عرض یہ کرنی ہے کہ میرے اوپر اتنے قرضے چڑھ چکے ہیں کہ اُن کے بوجھ نے میری کمر توڑ کر رکھ دی ہے، ادائیگی کیلئے مجھے آپ کے علاوہ کوئی شخص نظر نہیں آیا، اس لیے حاضر خدمت ہوا ہوں۔ آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: کتنا قرض ہے؟ کہا: تقریباً دس ہزار درہم (مساوی تقریباً اکیس لاکھ روپے)۔ آپ رحمہ اللہ نے اُس سے فرمایا: پریشانی کی ضرورت نہیں، اطمینان رکھو، ان شاءاللہ تمہارا قرض ادا ہو جائے گا۔

پھر اس کو اپنے پاس ٹھہرایا، جب صبح ہوئی تو اُس سے فرمایا: بھائی! ایک گزارش ہے، انکار بالکل نہ کرنا اور تمہارا کام ہو جائے گا ان شاءاللہ۔ اُس نے کہا: آپ جو حکم کریں، میں بالکل انکار نہیں کروں گا۔ اس کے بعد امام نقی رحمہ اللہ نے ایک کاغذ لیا اور اُس میں اپنے ہاتھ سے اِس شخص کے متعلق لکھا کہ اِس نے اُن (یعنی امام نقی رحمہ اللہ) سے دس ہزار درہم لینے ہیں۔ یہ تحریر لکھ کر اُس کے حوالے کر دی اور فرمایا: یہ اپنے پاس سنبھال کر رکھنا، جب میں ''سامرا'' واپس آ جاؤں اور تم دیکھو کہ لوگوں کی مجلس اچھی طرح لگ چکی ہے اور میں بھی آ کر بیٹھ گیا ہوں تو تم یہ تحریر لے کر آنا اور سب کے سامنے اس میں مذکور رقم کا مجھ سے مطالبہ کرنا اور سختی سے مطالبہ کرنا، میری طرف سے تمہیں اس کی اجازت ہے۔ دیکھو جو کچھ میں نے کہا ہے، ذرا بھر بھی اس کے خلاف نہ کرنا۔

پھر آپ رحمہ اللہ جب ''سامرا'' پہنچے اور مجلس کا وقت ہو گیا، آپ رحمہ اللہ جا کر وہاں بیٹھ گئے، شہر کی اہم شخصیات اور خاص لوگ بھی آ گئے حتیٰ کہ خلیفۂ وقت ''متوکل علی اللہ'' کے قریبی اور خاص قسم کے لوگ بھی اُس مجلس میں پہنچ گئے اور مجلس جم گئی تو عین اُسی وقت وہ شخص سامنے سے نمودار ہوا، اُس کے ہاتھ میں وہ تحریر تھی، اس نے آپ رحمہ اللہ کے قریب آ کر اس تحریر میں مذکور رقم کا مطالبہ کیا اور آہستہ آہستہ سخت لب ولہجہ پر اُتر آیا۔ آپ رحمہ اللہ اُس سے معذرت کے انداز میں، نرمی کے ساتھ بات کر رہے تھے اور اُس سے وعدہ کر رہے تھے کہ ان شاءاللہ عنقریب جیسے ہی میرے پاس رقم آئے گی میں ادا کر دوں گا، جب اُس کے کلام کی سختی حد سے بڑھنے لگی تو آپ رحمہ اللہ نے اُس سے تین دن کی مہلت مانگ لی، اس پر وہ شخص راضی ہو کر چلا گیا۔

پھر جب مجلس برخاست ہوئی تو حاضرین مجلس میں سے کسی نے جا کر یہ سارا ماجرا خلیفہ متوکل کو سنایا۔ خلیفہ نے فوراً حکم جاری کیا کہ ابوالحسن علی ہادی رحمہ اللہ کو ابھی تیس ہزار درہم دے دیئے جائیں۔

آپ رحمہ اللہ کے پاس جب وہ تیس ہزار درہم کی تھیلی پہنچی تو آپ رحمہ اللہ نے اُسے وہیں سنبھالے رکھا، اتنے میں وہ شخص بھی آ گیا۔ آپ رحمہ اللہ نے اُسے فرمایا: یہ لو رقم، اس سے اپنا قرضہ ادا کرو، جو بچ جائے وہ اپنے بال بچوں پر خرچ کر لینا۔ اُس نے کہا: اے رسول اللہ کے صاحبزادے! مجھے تو دس ہزار ہی کافی ہیں، انہی سے میری ضرورت پوری ہو جائے گی۔ آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''واللہ! یہ ساری رقم تمہیں لینی ہوگی، یہ سب تمہارا ہی رزق ہے جسے اللہ نے تمہارے لیے بھیجا ہے، اگر یہ رقم اس سے بھی زیادہ ہوتی تب بھی ہم اس میں سے کچھ نہ لیتے۔'' اُس شخص نے وہ تیس ہزار درہم لیے اور چلتا بنا اور جاتے ہوئے کہہ رہا تھا:

''یعنی اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنی پیغمبری کس کو سپرد کرے۔'' مراد یہ تھی کہ اِس ہستی (امام نقی رحمہ اللہ) میں اِس بات کے واضح آثار موجود ہیں کہ یہ اللہ کے رسول کے خاندان میں سے ہیں۔ (نور الابصار، ص: ۲۲۴)

وفات

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس برس کی عمر پائی اور ۲۵ جمادی الثانیہ، بروز پیر سن ۲۵۴ ہجری کو ''سترمن رای'' میں انتقال فرمایا۔ (الفصول المہمۃ)

خلیفہ ''متوکل علی اللہ'' نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو مدینہ منورہ سے ''سترمن رای'' بلوایا تھا۔ پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے یہیں اقامت اختیار کر لی تھی، اور بیس سال نو ماہ قیام پذیر رہے بالآخر یہیں (''سترمن رای'' میں) انتقال ہوا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کو یہیں اپنے گھر میں دفن کیا گیا۔

جو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے دلیل بن یعقوب نصرانی سے خریدا تھا۔ (تاریخ بغداد وذیولہ)، اب آپ رحمۃ اللہ علیہ کی قبر وہیں ''سترمن رأی'' میں ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی قبر ایران کے شہر ''قُم'' میں ہے لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے، صحیح یہ ہے کہ امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی ''فاطمہ'' کی قبر ''قُم'' میں ہے۔ (مطالب السؤول) متوکل کے بیٹے ''ابواحمد'' نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کی نماز جنازہ پڑھائی اور یہ نماز ''ابواحمد'' کی طرف منسوب ایک شاہراہِ عام پر ادا کی گئی۔ (تاریخ الطبری)

بعض نے کہا ہے کہ زہر دیے جانے سے آپ رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا اور آپ رحمۃ اللہ علیہ شہید فوت ہوئے تھے، واللہ اعلم۔ (صحاح الأخبار)

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد چھ خلفاء کا زمانہ پایا:

مُعتصم باللہ، واثق باللہ، مَتوکل علی اللہ، مُنتصر باللہ، مستعین باللہ، اور معتز باللہ۔ اِسی معتز باللہ کے اخیر دورِ حکومت میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا۔ (الفصول المہمۃ)

❀❀❀

⑩... حضرت امام حسن عسکری سَلامُ اللہ وَ رَحمۃ علیہ

(حسن بن علی)

نام ونسب

آپ سَلامُ اللہ وَ رَحمۃ علیہ، کا نام ''حسن''، اور کنیت ''ابو محمد'' تھی۔ (تاریخ الخمیس)

''خالص''، ''سراج''، اور ''زکی'' جیسے عمدہ القابات سے نوازے گئے۔ (تاریخ الخمیس)

البتہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت ''عسکری'' کے لفظ سے ہوئی جیسا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد بھی اسی نسبت سے معروف ہوئے جس کی وجہ پیچھے گزر چکی ہے کہ خلیفہ متوکل علی اللہ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے والد ''امام علی نقی، سَلامُ اللہ وَ رَحمۃ علیہ'' کو مدینہ منورہ سے ''عسکر'' بلوالیا تھا اور انہوں نے اپنی بقیہ زندگی وہیں گزاری پھر اسی نسبت سے عسکری معروف ہوئے۔ چونکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے والد کے ہمراہ مدینہ طیبہ سے ''عسکر'' آ گئے تھے اور پھر یہیں آباد ہو گئے، اس لئے آپ رحمۃ اللہ علیہ بھی ''عسکری'' سے مشہور ہو گئے۔ (تاریخ الخمیس)

البتہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو ''عسکری ثانی'' بھی کہا جاتا تھا، تاکہ فرق ہو سکے۔ (العبر اس، ص ۳۱۴)

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا آبائی شجرۂ نسب تو بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ امام علی نقی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے تھے، البتہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ باندی تھیں، جن کا نام اکثر روایات کے مطابق ''سَوسَن'' تھا۔ (تاریخ الخمیس)

ولادت

اکثر روایات کے مطابق آپ رحمۃ اللہ علیہ ۶/ ربیع الاول بروز جمعہ، سن ۲۳۱ ہجری کو مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے۔ (العبر اس)

ارشادات ونصائح

آپ سلام اللہ و رحمۃ علیہ، کے وہ بیش بہا و مفید تر ارشادات و نصائح جن سے اُمت کو رہنمائی ملی اور انسانیت فیضیاب ہوئی، کا ایک انمول ذخیرہ ہے۔ اُس میں سے چند درج ذیل ہیں:

❶ ایک مرتبہ اپنے رفقاء و طلباء کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ کا خوف دل میں رکھنا، اپنے دین میں تقویٰ اختیار کرنا، اللہ کیلئے مجاہدہ و محنت کرتے رہنا، سچ بولنا، جو شخص تمہارے پاس امانت رکھوائے،

خواہ وہ نیک ہو یا فاسق اُس میں خیانت نہ کرنا، لمبے سجدوں کو لازم پکڑنا اور اچھے پڑوسی بن کر رہنا۔ پھر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہی تعلیمات لے کر تشریف لائے تھے۔

اس کے بعد کچھ مزید نصیحتیں فرمائیں: جنازوں میں شرکت کرنا، بیماروں کی عیادت کرنا، حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرنا، لوگوں کے ساتھ حُسنِ اَخلاق سے پیش آنا، اللہ سے ڈرتے رہنا، اچھے انسان بن کر رہنا، بُرا انسان بننے سے بچنا، ہم اہل بیت سے بھرپور محبت کرنا اور اگر کوئی ہماری طرف فساد و بُرائی کی نسبت کرے تو اس میں ہمارا دفاع کرنا کیونکہ ہم اہل بیت خیر و خوبی کے اہل ہیں اور شر و فساد کے سزاوار نہیں ہیں۔ کتاب اللہ میں ہمارے حقوق مذکور ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہماری رشتہ داری ہے (اس لیے اہل بیت کا خاص خیال رکھنا) اس کے علاوہ اللہ کا ذکر، موت کی یاد اور تلاوتِ قرآن کثرت سے کرنا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم و آلِ نبی پر دُرود کی بھی کثرت کرنا اور جو کچھ میں نے عرض کیا ہے اسے محفوظ رکھنا۔

❷ ایک موقع پر درج ذیل نصائح ارشاد فرمائیں: جہاں تک ہو سکے سوال سے بچنا کہ ہر آنے والے دن کے لیے نئی روزی ہوتی ہے، یہ بات ذہن نشین رکھنا کہ بار بار سوال کرنے سے عزت جاتی رہتی ہے اور تکلیف و مشقت کا بھی سامنا ہوتا ہے۔ لہٰذا سوال کرنے کے بجائے صبر کرنا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لیے سہولت و عافیت والا کوئی دروازہ کھول دے۔ جو پھل ابھی پکا نہ ہو اس میں جلدی نہ کرنا کہ وہ اپنے وقت پر ہی تمہیں ملے گا۔

دیکھو تمہارے کاموں کی تدبیر کرنے والا (اللہ تعالیٰ) اُس وقت کو بہتر جانتا ہے جس میں تمہارے حالات درست ہوں گے۔ لہٰذا اپنے تمام اُمور میں اسی کے انتخاب پر اعتماد کرو، وہ تمہارے حالات دُرست کردے گا اور اپنی حاجات کے معاملے میں اُن کا وقت آنے سے پہلے جلدی نہ مچاؤ ورنہ اضطراب و پریشانی کا شکار ہوگے اور مایوسی چاروں طرف سے گھیر لے گی۔

❸ ایک مرتبہ ایک عالم کو چند نصیحتیں فرمائیں۔ یہ نصائح چونکہ سب علماء کیلئے مشعلِ راہ کا کام دیتی ہیں، اس لیے افادۂ عام کی خاطر ذیل میں درج کی جاتی ہیں: امابعد! اے میرے بزرگ اور میرے قابل اعتماد فقیہ! میری آپ کے لیے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی رضائے عالی کے لیے موافق فرمائے اور اپنی رحمت سے آپ کو نیک و صالح اولاد عطا فرمائے۔

میں آپ کو چند باتیں عرض کرتا ہوں:

خوفِ الٰہی کے ساتھ زندگی بسر کرنا، نماز کو اچھے طریقے سے ادا کرنا، ادائیگی زکوٰۃ کا اہتمام کرنا، قصور والے کا قصور معاف کردینا، غصہ آئے تو پی جانا، صلہ رحمی (یعنی رشتہ داروں کے ساتھ حُسنِ سلوک) کرنا، اپنے بھائیوں اور ساتھ رہنے والوں کے ساتھ ہمدردی کرنا، دُکھ سکھ میں ان کے کام آنے کی کوشش کرنا اور اگر وہ زیادتی کریں تو برداشت کر جانا اور علم دین میں کمال حاصل کرنے کی کوشش کرنا، اپنے کام نظم و ضبط سے سرانجام دینا، احکاماتِ قرآنیہ کا پابند رہنا، اچھے اَخلاق

اختیار کرنا، نیکی کا حکم کرنے اور بُرائی سے روکنے کا فریضہ ادا کرتے رہنا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ ۢ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ○ (النساء:۱۱۴)

ترجمہ: ''لوگوں کی بہت سی خفیہ سرگوشیوں میں کوئی خیر نہیں ہوتی، سوائے یہ کہ کوئی شخص صدقے کا، یا کسی نیکی کا، یا لوگوں کے درمیان اِصلاح کا حکم دے اور جو شخص اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ایسا کرے گا ہم اس کو زبردست ثواب عطا کریں گے۔''

اور تمام برائیوں سے بالکل الگ تھلگ رہنا، تہجد کا بالخصوص اہتمام کرنا، جو شخص تہجد کی نماز کو اہمیت نہ دے اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں۔ ان جامع نصیحتوں کے علاوہ آپ رحمہ اللہ کے ایسے فرامین بھی ہیں جو دیکھنے میں مختصر مگر درحقیقت بہت پُراثر ہیں، ان میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

(۱) معزز شخص، کسی کا حق دبا لینے سے ذلیل اور ذلیل شخص حقوق ادا کرنے سے معزز ہو جاتا ہے۔

(۲) چھوٹی عمر میں اپنے والد کے سامنے بے باک ہونا، بڑی عمر میں پہنچ کر والد کی نافرمانی کا سبب بنتا ہے۔

(۳) تواضع (عاجزی) ایسی نعمت ہے جس پر حسد نہیں کیا جاتا۔ (۴) جو اپنے بھائی کو تنہائی میں نصیحت کرتا ہے وہ اُسے سنوار دیتا ہے اور جو سب کے سامنے سمجھانا شروع کر دیتا ہے وہ اسے بگاڑ دیتا ہے۔

(۵) ہر آزمائش، اللہ تعالیٰ کی کسی نہ کسی نعمت کو بھی اپنے اندر لیے ہوتی ہے۔

(۶) مؤمن کیلئے یہ کتنی بُری شے ہے کہ اسے کوئی ایسی چیز پسند ہو جو اس کی ذلت کا سبب ہو۔

(۷) آدابِ زندگی سے ناواقفیت کی علامت ہے کہ آدمی کسی غمزدہ شخص کے سامنے خوشی کا اظہار کرے۔

(۸) وہ رزق جو اللہ نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے، وہ تجھے کسی فرض عمل کی ادائیگی سے غفلت میں نہ ڈال دے۔

(۹) بے وقوف آدمی کا دل اُس کے منہ میں جبکہ سمجھدار شخص کا منہ اُس کے دل میں ہوتا ہے۔

(۱۰) آدمی زیادہ جاگا ہوا ہو تو نیند لذیذ معلوم ہوتی ہے اور بھوک زیادہ لگی ہو تو کھانا لذیذ معلوم ہوتا ہے۔

(۱۱) جو ''باطل'' کی پیٹھ پر سوار ہوتا ہے، اس کی منزل ''دار الندامۃ'' (شرمندگی کا گھر) ہوتی ہے۔

(۱۲) تمہارا بہترین دوست وہ ہے جو تمہارا جرم بھول جائے اور احسان یاد رکھے۔

(۱۳) جو اپنی دُشمنی ظاہر کر دے، تدبیر کے لحاظ سے وہ سب سے کمزور دُشمن ہے۔

(۱۴) شکل کی خوبصورتی، ظاہری حُسن و جمال ہے جبکہ عقل کی خوبصورتی باطنی جمال ہے۔

(۱۵) جو اللہ سے لَو لگا لیتا ہے اس کا پھر لوگوں میں دل نہیں لگتا اور اللہ سے لَو لگنے کی علامت یہ ہے کہ لوگوں کی محفلوں میں اس کا دل نہ لگے۔ (من آل البیت حول الرسول، ص:۲۷۶)

وفات

آپ رحمہ اللہ کی وفات ۸ ربیع الاوّل بروز جمعہ سن ۲۶۰ھ میں ہوئی جبکہ آپ رحمہ اللہ کی عمر عزیز اُنتیس برس تھی۔ خلیفہ ''معتمد علی اللہ'' کے دورِ حکومت میں ''سُرَّ مَن رَّای'' میں انتقال ہوا تھا اور وہیں اپنے والد امام علی نقی رحمہ اللہ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ زہر دیئے جانے سے انتقال ہوا تھا۔ واللہ اعلم (الصواعق المحرقۃ: ۲۱۶۰)

علامہ ابن صباغ رحمہ اللہ نے آپ رحمہ اللہ کی وفات کو قدرے تفصیل سے بیان کیا ہے جو درج ذیل ہے:

''عبداللہ بن خاقان'' کا بیان ہے کہ امام حسن عسکری سلام اللہ ورحمۃ علیہ کی وفات کے وقت، خلیفہ معتمد علی اللہ (احمد بن متوکل) کی جو کیفیت ہوگئی تھی اُس سے ہمیں بڑا تعجب ہوا، ہمارا خیال نہیں تھا کہ کسی کی بیماری اور وفات پر ایک بادشاہ جیسے انسان کی اس قدر عجب کیفیت ہوسکتی ہے (کہ وہ اپنی پوری توجہ ان کی دیکھ بھال میں صرف کردے)۔ بہرحال ہوا یہ تھا کہ ابومحمد امام حسن عسکری رحمہ اللہ کی جب طبیعت خراب ہوئی تو خلیفہ نے اپنے پانچ خاص اور معتمد افراد (جو بڑے درجے کے عالم اور فقیہ تھے) امام عسکری رحمہ اللہ کے گھر بھیجے اور انہیں حکم دیا کہ ہر وقت امام کے گھر رہیں، ان کی خیر خبر معلوم کرتے رہیں اور بیماری میں جو کوئی تکلیف وغیرہ انہیں درپیش ہو، اس میں اُن کے ساتھ رہیں۔ ان کے علاوہ کچھ طبیب بھیجے جنہیں صبح شام امام کے پاس جانے اور اُن کا مکمل خیال رکھنے کا حکم دیا۔

ابھی دو تین دن ہی گزرے تھے کہ خلیفہ کو اطلاع دی گئی کہ ان کی حالت کافی خراب ہوچکی ہے اور شفایابی کی بظاہر کوئی اُمید نظر نہیں آرہی۔ اس پر خلیفہ نے ادھر طبیبوں کو حکم جاری کردیا کہ اب ہر وقت اُن کے ساتھ رہنا شروع کردیں اور اُدھر قاضیِ وقت ''ابن بختیار'' کو پیغام بھجوادیا کہ وہ دس قابل اعتماد اور نیک و دیانتدار افراد کو چھانٹ کر فوراً امام کے گھر بھیجے جو صبح شام اُن کے پاس رہیں، چنانچہ وہ افراد مسلسل ان کے پاس رہے یہاں تک کہ چند روز بعد اُن کا انتقال ہوگیا۔

جب انتقال کی خبر ''سامرا'' میں پھیلی تو پورا ''سامرا'' کانپ اُٹھا، ہر طرف آہ و بکاء کا شور تھا، فریاد وگریہ زاری کی آہیں تھیں، لوگوں نے اپنی دُکانیں بند کردیں اور آن کی آن میں سارے بازاروں میں ایک سناٹا چھا گیا۔ کیا عوام، کیا خواص، سب لوگ ہی جنازے کیلئے پہنچ گئے۔ صدمہ میں لوگوں کی عجیب حالت ہورہی تھی، پورا سامرا غم سے نڈھال تھا اور ایک محشر بپا تھا۔ بہرحال جنازے سے پہلے جب ''جسد مبارک'' کی تجہیز و تکفین مکمل ہوچکی تو نمازِ جنازہ پڑھانے کے لیے خلیفہ نے خود اپنے بھائی ''عیسیٰ بن متوکل'' کو بھیجا۔ نماز پڑھانے کے لیے جب جنازہ زمین پر رکھا گیا تو ''عیسیٰ بن متوکل'' نے جنازے کے قریب آکر اُن کے چہرۂ مبارک سے کپڑا اٹھایا اور علوی وعباسی بنو ہاشم کو اور دیگر خواص کو چہرہ دکھلایا اور کہا: ''دیکھو، یہ ابومحمد امام حسن عسکری رحمہ اللہ ہیں، اور فطری وطبعی موت سے ان کا انتقال ہوا ہے۔ اس بات کے گواہ امیر المؤمنین کے فلاں فلاں خدام ہیں جو وفات کے وقت اُن کے پاس موجود تھے۔'' اس کے بعد اُن کا چہرہ ڈھانپ دیا، پھر نماز جنازہ پڑھائی اور اُن کی تدفین کا حکم دے دیا۔ (الفصول المہمۃ، ص: ۲۷۷)

مدینہ منورہ کے تین شہزادے

جس روز ایران کے آخری بادشاہ یزدگرد کو ذلت آمیز انداز میں موت کے گھاٹ اُتار دیا' اُس روز اس کے تمام جرنیل' حفاظتی دستہ اور اہلِ خانہ مسلمانوں کے ہاتھوں قیدی بن گئے اور مالِ غنیمت کو سمیٹ کر مدینہ منورہ لایا گیا۔اس عظیم فتح کے موقع پر جس کثیر تعداد میں قیمتی قیدی مدینہ منورہ میں لائے گئے۔اس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی' ان قیدیوں میں ایران کے آخری بادشاہ یزدگرد کی تین بیٹیاں بھی تھیں۔

❶ ...لوگ قیدیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور انہوں نے پلک جھپکتے ہی انہیں خرید لیا اور رقم بیت المال میں جمع کرادی۔صرف ایران کے بادشاہ یزدگرد کی بیٹیاں باقی رہ گئیں۔وہ بلاشبہ حسن و جمال کا پیکر' پری رُخ اور سیمیں بدن دوشیزائیں تھیں۔جب اُنہیں فروخت کرنے کے لیے پیش کیا گیا تو مارے ذلت و رسوائی کے ان کی آنکھیں زمین میں گڑ گئیں۔حسرت و یاس اور انکساری و درماندگی کی وجہ سے ان کی غزالی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے' انہیں دیکھ کر حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کے دل میں ترس آ گیا اور یہ خیال آیا کہ انہیں وہ شخص خریدے جو اُن سے حسنِ سلوک سے پیش آئے۔اس میں حیران ہونے کی بھی کوئی بات نہیں۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:

''شکست خوردہ قوم کے معزز افراد پر ترس کھایا کرو۔''

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا:

''اے امیر المؤمنین! بادشاہ کی بیٹیوں کے ساتھ امتیازی سلوک ہونا چاہیے۔''

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''آپ سچ کہتے ہیں' لیکن اس کی صورت کیا ہو؟''

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ''ایک تو ان کی قیمت زیادہ لگائیں اور دوسرے ان کو اختیار دے دیں جس پر یہ راضی ہو جائیں' ان کے ہاتھ انہیں دے دیا جائے اور ان پر قطعاً کوئی جبر نہ ہو۔''

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ سن کر بہت خوشی ہوئی اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس تجویز کو نافذ کر دیا۔

ان میں سے ایک نے حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پسند کیا۔دوسری نے حضرت محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور تیسری حسن و جمال کی وجہ سے جسے ملکہ خواتین کہا جاتا تھا۔اس نے اپنے لیے نواسۂ رسول حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پسند کیا۔

❷ ...تھوڑے ہی عرصہ بعد ملکہ خواتین نے اپنی دلی رغبت سے اسلام قبول کرلیا۔ یہ دین قیم کی راہ پر گامزن ہوئیں۔ غلامی سے آزاد کردی گئیں، کنیز سے آزاد ہوکر بیوی کا باعزت مقام حاصل کیا، پھر اس نے سوچا کہ ماضی کی تمام شرکیہ یادیں یکسر بھلادی جائیں اور اس نے اپنا نام شاہ زندہ سے بدل کر غزالہ رکھ لیا۔

غزالہ کے نصیب میں بہترین رفیق حیات آیا۔ بڑی خوشگوار زندگی بسر ہونے لگی، مہینے لمحوں میں گزرنے لگے۔ اب ایک ہی دلی خواہش باقی رہ گئی تھی کہ اسے چاند سا بیٹا نصیب ہو جائے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کی یہ خواہش بھی پوری کردی، ایک مہتاب چہرہ بیٹے نے جنم لیا۔ برکت کے لیے اس کا نام دادا کے نام پر علی رکھا گیا۔ لیکن غزالہ کے لیے یہ خوشی چند لمحات سے زیادہ دیکھنا نصیب نہ ہوئی کیوں کہ اپنے بیٹے کو جنم دیتے ہی اللہ کو پیاری ہوگئی۔

❸ ...اس نومولود کی پرورش ونگہداشت ایک کنیز کے سپرد کردی گئی جس نے اسے ماں جیسا پیار دیا، اس نے اس پر اپنی محبت کو اس طرح نچھاور کیا جس طرح کوئی ماں اپنے اکلوتے بیٹے سے پیار کرتی ہے اور اس کی اس طرح پرورش کی کہ یہ نومولود بڑا ہوکر اسے ہی اپنی حقیقی ماں سمجھنے لگا۔

❹ ...حضرت علی بن حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب سن شعور کو پہنچے تو حصولِ علم کی طرف شوق ورغبت سے متوجہ ہوئے۔ پہلا مدرسہ گھر ہی تھا اور یہ کتنا اچھا مدرسہ تھا۔

پہلے استاد اُن کے والد حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور یہ کتنے عظیم استاد تھے۔ دوسرا مدرسہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد تھا۔ مسجد نبویؐ میں ان دنوں صحابہ کرام اور تابعین عظام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کی چہل پہل تھی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور تابعین عظام بڑی ہی دلی رغبت کے ساتھ پھولوں جیسے نونہال بیٹوں کو کتاب الٰہی پڑھایا کرتے تھے اور اس میں غور وتدبر کی تلقین کرتے۔ حدیث رسول ان کے سامنے بیان کرتے اور اس کے مقاصد سمجھاتے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور غزوات کے واقعات بیان کرتے، مختلف شعراء کے اشعار پڑھ کر سناتے اور پھر اُن کے مطالب بیان کرتے اور ان کے دلوں میں حب الٰہی، خشیت الٰہی اور تقویٰ کی جوت جگاتے۔ اس طرح یہ نونہال باعمل علماء اور باکردار راہنما بن کر اُبھرتے۔

❺ ...حضرت علی بن حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دل میں قرآنی علم نے گھر کرلیا۔ اس کے سوا کسی اور علم کی طرف دل راغب ہی نہ ہوا۔ قرآن مجید کے وعدہ ووعید کی وجہ سے ان کے احساسات میں لرزہ طاری ہو جاتا۔ جب قرآن مجید کی کوئی ایسی آیت پڑھتے جس میں جنت کا تذکرہ ہوتا تو دل شوق ورغبت سے اس کے حصول کا متمنی ہوتا اور جب قرآن مجید کی ایسی آیت پڑھتے جس میں جہنم کا تذکرہ ہوتا تو ایک گرم اور لمبی سانس لیتے، انہیں یوں محسوس ہوتا جیسے جہنم کی آگ کا دہکتا ہوا شعلہ ان کے دامن میں اُتر آیا ہے۔

❻ ...حضرت علی بن حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جوانی اور علم کے نکتہ عروج پر پہنچے تو مدنی معاشرے کو ایک ایسا جوان ملا

جو بنو ہاشم کے جوانوں میں عبادت اور تقویٰ میں مثالی شان رکھنے والا' فضل وشرف اور اخلاق و کردار میں سب سے بڑھ کر' نیکی و بردباری میں سب سے اعلیٰ مقام پر فائز' ان کی عبادت اور تقویٰ کا یہ حال تھا کہ وضو اور نماز کے درمیان ان کے بدن میں کپکپی طاری ہو جاتی اور ان کا جسم مسلسل رعشے کی زد میں آ جاتا اور اس سلسلے میں ان سے بات کی جاتی تو فرماتے:

''تم پر بڑا افسوس ہے' کیا تم جانتے نہیں کہ میں کس کے سامنے کھڑا ہونے والا ہوں؟ کیا تم جانتے نہیں کہ کس کے ساتھ میں سرگوشی کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں؟''

❼...اس ہاشمی نوجوان کی نیکی' تقویٰ اور عبادت گزاری سے متاثر ہو کر لوگوں نے اسے زین العابدین کے نام سے پکارنا شروع کر دیا اور اسی نام سے آپ مشہور ہو گئے۔ یہاں تک کہ لوگ ان کے اصلی نام کو بھول گئے۔ غرضیکہ لقب اصلی نام پر غالب آ گیا' ان کی سنجیدہ ریزی اور نماز کے دوران دُنیا کی بے نیازی کی وجہ سے اہل مدینہ نے انہیں ''فنافی السجود'' کا لقب دے دیا۔ ان کے باطن کی صفائی اور دل کی پاکیزگی کی وجہ سے لوگوں نے انہیں پاک باز و پاک طینت شخصیت قرار دے دیا۔

❽...حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اس بات پر یقین تھا کہ عبادت کا مغز دُعا ہے۔ وہ کعبہ شریف کے پردے سے چمٹ کر گھنٹوں رب جلیل کی بارگاہ میں دُعائیں کرتے۔ بیت اللہ کے ساتھ کتنی ہی مرتبہ چمٹ کر انہوں نے یہ دُعا کی: ''پروردگار! تو نے بے پایاں رحمت مجھ پر نچھاور کی' مجھ پر انعام واکرام کی بے انتہا بارش کی۔ میں بلاخوف وخطر تیری بارگاہ میں التجا کرتا ہوں' محبت والفت کی بنا پر تجھ سے سوالی ہوں' تیری بارگاہ سے مزید رحمت کا ملتجی ہوں۔ تیرے حقوق کی ادائیگی کے لیے ہمت وطاقت کی التجا ہے۔ الٰہی! میں تجھ سے اس بے چارے گہرے پانی میں ڈوبنے والے کے مانند مانگتا ہوں جسے کنارے لگنے کے لیے تیرے سوا کوئی سہارا نظر نہ آتا ہو۔ الٰہی! کرم فرما اور میری زندگی کی منجدھار میں پھنسی ہوئی ناؤ کو کنارے لگا دے' بلاشبہ تو سب سے بڑھ کر اپنی مخلوق پر کرم کرنے والا ہے۔''

❾...حضرت طاؤس بن کیسان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک مرتبہ دیکھا کہ یہ بیت اللہ کے سائے میں کھڑے مضطرب شخص کی طرح پیچ وتاب کھا رہے ہیں۔ سخت بیمار کی طرح کراہ رہے تھے۔ محتاج کی طرح دُعا کر رہے تھے۔ حضرت طاؤس بن کیسان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کھڑے انتظار کر رہے تھے' یہاں تک کہ انہوں نے رونا بند کر دیا۔ دعا سے فارغ ہوئے تو طاؤس بن کیسان نے ان سے کہا: ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے! میں نے آج تیری حالت دیکھی ہے' تجھ میں تین خوبیاں ایسی پائی جاتی ہیں جو تجھے خوف سے بچا لیں گی۔''

حضرت زین العابدین نے پوچھا: ''اے طاؤس! وہ کون سی خوبیاں ہیں؟''

آپ نے فرمایا: ''ایک تو آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے ہیں' دوسری تجھے اپنے نانا کی شفاعت حاصل ہوگی اور تیسری اللہ تعالیٰ کی رحمت تیرے شامل حال ہوگی۔''

انہوں نے فرمایا: ''اے طاؤس! قرآن مجید کی درج ذیل آیت سننے کے بعد میں سمجھتا ہوں کہ میرا رسول کے ساتھ انتساب مجھے فائدہ نہ دے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَھُمْ یَوْمَئِذٍ وَّلَا یَتَسَآءَ لُوْنَ. (سورۂ مومنون' آیت:۱۰۱)

''تو جب صور پھونکا جائے گا تو اس دن ان کے درمیان کوئی حسب ونسب کام نہ آئے گا اور نہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔'' جہاں تک میرے نانا کی شفاعت کا تعلق ہے' اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد میرے پیش نظر ہے:

وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی (سورۂ انبیاء: آیت ۲۸)

ترجمہ: ''کسی کی سفارش نہیں کرتے بجز اس کے جس کے حق میں سفارش سننے پر اللہ راضی ہو۔''

اور جہاں تک اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تعلق ہے' اس سلسلے میں ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ رَحْمَۃَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ (سورۂ اعراف: آیت ۵۶)

ترجمہ:...... ''بے شک اللہ کی رحمت نیک کردار لوگوں سے قریب ہے۔''

تقویٰ اور خوفِ خدا نے حضرت زین العابدین میں بہت سی خوبیاں پیدا کر دیں۔ فضل وشرف اور نرمی و بردباری کے خوگر ہوئے' ان مثالی اوصاف کے دل پذیر تذکروں سے سیرت کی کتابیں مزین ہیں اور تاریخ کے صفحات چمک رہے ہیں۔

حضرت حسن بن حسن بیان کرتے ہیں۔ میرے اور چچا زاد بھائی زین العابدین کے درمیان ایک مرتبہ اختلاف پیدا ہو گیا۔ میں ان کے پاس گیا وہ مسجد میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ بیٹھے ہوئے تھے' غصے میں آ کر میں نے جو منہ میں آیا انہیں کہہ دیا لیکن وہ میری کڑوی کسیلی باتیں خاموشی سے سنتے رہے اور مجھے کوئی جواب نہ دیا۔ میں غصے کا بھرپور اظہار کر کے چلا گیا' رات کو میرے دروازے پر کسی نے دستک دی' یہ دیکھنے کے لیے اُٹھا کہ اس وقت میرے دروازے پر کون ہو سکتا ہے۔ میں نے دیکھا کہ زین العابدین کھڑے ہیں' مجھے اس بات میں کوئی شک نہ رہا کہ یہ اب اپنا بدلہ لینے آئے ہیں لیکن انہوں نے فرمایا:

''میرے بھائی! آج صبح جو آپ نے میرے بارے میں کہا' اگر اس میں آپ سچ ہیں تو اللہ تعالیٰ مجھے معاف کر دے اور اگر آپ ان باتوں میں سچے نہیں ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو معاف کر دے۔''

یہ کہا' مجھے سلام کیا اور واپس چلے گئے۔ میں نے اُنہیں روکا اور عرض کیا: ''آئندہ میں کوئی ایسی بات نہیں کروں گا جو آپ کو ناگوار گزرے۔ بھائی مجھے معاف کر دیجئے۔''

اُن کا دل نرم ہو گیا اور فرمایا: ''کوئی بات نہیں! میرے بارے میں آپ کو بات کرنے کا حق پہنچتا ہے۔''

⑩ ...مدینہ منورہ کا ایک باشندہ بیان کرتا ہے کہ ایک مرتبہ زین العابدین مسجد سے باہر نکلے اور میں بھی ان کے پیچھے ہو لیا' میں بغیر کسی وجہ کے انہیں گالیاں دینے لگا' لوگ یہ سن کر مجھ پر پل پڑے' مجھے اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ قریب تھا کہ وہ میرا کچومر نکال دیتے' زین العابدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لوگوں کی طرف دیکھا اور فرمایا: رُک جاؤ۔ تو وہ سب رُک گئے' جب آپ نے مجھے کانپتے ہوئے دیکھا تو بڑی خندہ پیشانی سے میری طرف متوجہ ہوئے' مجھے

دلاسہ دینے لگے تا کہ میرا خوف جاتا رہے۔

پھر آپ نے فرمایا: ''آپ نے مجھے اپنی معلومات کے مطابق گالی دی، لیکن وہ عیب جن پر پردہ پڑا ہوا ہے، آپ نہیں جانتے وہ تو کہیں زیادہ ہیں۔'' پھر مجھ سے پوچھا: ''کیا تمہاری کوئی ایسی ضرورت ہے جسے پورا کر کے ہم تمہاری مدد کر سکیں۔'' میں شرمندہ ہوا اور کچھ کہہ نہ سکا۔ جب انہوں نے میری شرمساری دیکھی تو اپنی قیمتی چادر اُتار کر مجھ پر ڈال دی اور ایک ہزار درہم مجھے عنایت کیے۔

ایک غلام کہتے ہیں کہ میں زین العابدین علی بن حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا غلام تھا۔ انہوں نے مجھے کسی کام کے لیے بھیجا، میں نے تاخیر کر دی، جب میں ان کے پاس آیا تو بڑے غصے سے کوڑا پکڑا اور میری پٹائی شروع کر دی، میں رونے لگا، مجھے غصہ بھی بہت آیا، آپ نے اس سے پہلے کسی کو مارا بھی نہیں تھا۔

میں نے کہا: ''اے علی بن حسین! اللہ سے ڈریں، ایک تو آپ مجھ سے خدمت لیتے ہیں، میں آپ کے حکم کے مطابق ہر کام پوری محنت سے کرتا ہوں، اوپر سے آپ میری پٹائی کرتے ہیں، یہ کہاں کا انصاف ہے؟''

میری یہ بات سن کر رو پڑے اور فرمایا: ''ابھی مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں جاؤ، دو رکعت نماز پڑھو، پھر یہ دُعا کرو، الٰہی! علی بن حسین کو معاف کر دے، اگر آج آپ یہ کریں گے تو میری غلامی سے آپ آزاد ہوں گے۔'' میں مسجد گیا، نماز پڑھی اور دُعا کی۔ جب میں گھر واپس لوٹا تو آزاد تھا۔

⑪ ...اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر بڑی وافر مقدار میں مال و دولت اور رزق کے خزانے کھول رکھے تھے۔ تجارت میں انہیں بہت نفع ہوتا تھا۔ زراعت میں بھی بڑی فراوانی میسر تھی۔

یہ دونوں کام آپ کے نوکر چاکر انجام دیا کرتے تھے۔ زراعت وتجارت کے ذریعے وافر مقدار میں مال و دولت ان کے ہاتھ لگتا، لیکن اس تونگری وفراوانی نے ان کے اندر نخوت یا تکبر کا کوئی شائبہ پیدا نہیں کیا۔ البتہ دُنیا کے مال کو انہوں نے آخرت کی کامیابی کا ذریعہ بنایا۔ ان کی دولت وثروت ہر لحاظ سے ان کے لیے مفید وکارآمد ثابت ہوئی۔ رازداری اور پوشیدہ انداز میں صدقہ وخیرات کرنا انہیں بہت محبوب تھا۔ جب رات کا اندھیرا چھا جاتا تو یہ اپنی کمزور کمر پر آٹے کے تھیلے اُٹھاتے اور مدینے کے ان ضرورت مندوں کے گھر چپکے سے چھوڑ آتے جو خودداری کی وجہ سے لوگوں کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کرتے تھے۔ یہ کام سرانجام دینے کے لیے رات کی تاریکی میں اس وقت نکلتے جبکہ لوگ سوئے ہوئے ہوتے۔

مدینہ منورہ میں بہت سے گھر خوشحالی سے زندگی بسر کر رہے تھے جنہیں یہ بھی پتا نہیں تھا کہ ان کے پاس وافر مقدار میں رزق کہاں سے آتا ہے۔ حضرت زین العابدین علی بن حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فوت ہو گئے اور ان لوگوں کے پاس آٹا آنا بند ہو گیا، تب پتا چلا کہ یہ کہاں سے آتا تھا۔

حضرت زین العابدین کو غسل دینے کے لیے جب تختے پر رکھا گیا، غسل دینے والوں نے پیٹھ پر سیاہ نشان دیکھا تو کہنے لگے، یہ کیا ہے؟ انہیں بتایا گیا کہ یہ آٹے کی بوریاں اُٹھانے کی وجہ سے

نشان پڑا جو وہ مدینے کے تقریباً ایک سو گھروں میں پہنچایا کرتے تھے، آج اس طرح فیاضی کے ساتھ خرچ کرنے والا دُنیا سے رخصت ہو گیا۔

⑫ ... حضرت زین العابدین بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے غلاموں کو اس کثرت اور فیاضی سے آزاد کیا کرتے تھے کہ اس کا چرچا مشرق و مغرب میں سفر کرنے والے مسافروں تک پہنچ چکا تھا۔ ان کا یہ کارنامہ لوگوں کی فکر و نظر کے اُفق سے بھی کہیں بلند تھا، اس کی پرواز تخیلات سے بھی کہیں اونچی تھی، کوئی عام انسان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

یہ ہر اُس غلام کو آزاد کر دیا کرتے تھے جو اُن سے حسن سلوک سے پیش آتا، اس کی آزادی اس کے حسن وسلوک کا بدلہ ہوگی۔ یہ اُس غلام کو بھی آزاد کر دیا کرتے تھے جو نافرمانی کرتا اور پھر توبہ کر لیتا۔ اُسے اپنی توبہ کے بدلے آزادی مل جاتی۔ ان کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں ایک ہزار غلام آزاد کیے۔ آپ اپنے کسی غلام یا کسی کنیز سے ایک سال سے زائد خدمت نہیں لیا کرتے تھے۔

عیدالفطر کی رات بہت زیادہ غلاموں کو آزاد کیا کرتے تھے، ان سے یہ مطالبہ کیا کرتے تھے قبلہ رُخ ہو کر اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا کریں: ''الٰہی! علی بن حسین کو معاف کر دے۔'' اس طرح انہیں دُہری خوشی نصیب ہوتی۔ ایک خوشی عید کی اور دوسری خوشی آزادی کی۔

⑬ .... حضرت زین العابدین علی بن حسین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی محبت لوگوں کے دلوں میں اُتر چکی تھی۔ لوگ انہیں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے، لوگوں کے دلوں میں ان کا بہت مرتبہ تھا۔ گویا یہ لوگوں کے بے تاج بادشاہ تھے۔ ان کے دور میں یہ مقام کسی اور کو حاصل نہ تھا، لوگوں کو ان سے سچی محبت تھی، ان کے ساتھ بڑی تعظیم سے پیش آتے، بڑا ہی گہرا تعلق تھا، لوگوں کی نگاہیں ہر دم ان کی متلاشی رہتیں۔ گھر سے نکلتے ہوئے یا گھر میں داخل ہوتے ہوئے مسجد جاتے ہوئے یا مسجد سے واپس آتے ہوئے لوگ ان کی زیارت کی سعادت حاصل کیا کرتے تھے۔

اہل بیت کی سخاوت کا نرالہ انداز

واقدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میرے دو دوست تھے۔ ایک ہاشمی اور ایک غیر ہاشمی۔ ہم تینوں میں ایسے گہرے تعلقات تھے کہ ایک جان تین قالب تھے۔ میرے اوپر سخت تنگی تھی۔ عید کا دن آ گیا، بیوی نے کہا کہ ہم تو ہر حال میں صبر کر لیں گے مگر عید قریب آ گئی ہے، بچوں کے رونے اور ضد کرنے نے میرے دل کے ٹکڑے کر دیئے ہیں یہ محلّہ کے بچوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ عمدہ عمدہ لباس اور سامان عید کیلئے خرید رہے ہیں اور یہ پھٹے پرانے کپڑوں میں پھر رہے ہیں۔ اگر کہیں سے تم کچھ لاسکتے ہو تو لا دوان بچوں کے حال پر مجھے بہت ترس آتا ہے، میں ان کے بھی کپڑے بنا دوں۔

میں نے بیوی کی یہ بات سن کر اپنے ہاشمی دوست کو پرچا لکھا، اس میں صورت حال ظاہر کی، اس کے جواب میں اس نے سر بمہر ایک تھیلی میرے پاس بھیجی اور کہا کہ اس میں ایک ہزار درہم ہیں تم ان کو خرچ کر لو، میرا دل اُس تھیلی سے ٹھنڈا بھی نہ ہونے پایا تھا کہ میرے دوسرے دوست کا پرچہ میرے پاس اسی رقم کے مضمون کا جو میں نے اپنے ہاشمی دوست کو لکھا تھا، آ گیا، میں نے وہ تھیلی سر بمہر اس کے پاس بھیج دی اور گھر جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ مسجد میں چلا گیا اور دو دن رات مسجد میں ہی رہا، شرم کی وجہ سے خالی ہاتھ گھر جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ تیسرے دن میں گھر گیا اور بیوی سے سارا قصہ سنا دیا، اس کو ذرا بھی ناگوار نہ ہوا، نہ اس نے کوئی حرف شکایت کا مجھ سے کہا۔ بلکہ میرے اس فعل کو پسند کیا اور کہا کہ تم نے بہت اچھا کیا۔ میں ابھی یہ بات ہی کر رہا تھا کہ میرا وہ ہاشمی دوست وہی سر بمہر تھیلی ہاتھ میں لیے ہوئے آیا، اور مجھ سے پوچھنے لگا کہ سچ سچ بتاؤ، اس تھیلی کا کیا قصہ ہوا۔ میں نے اس کو واقعہ سنا دیا، اس کے بعد اس ہاشمی نے کہا کہ جب تیرا پرچہ پہنچا تو میرے پاس اس تھیلی کے سوا کوئی چیز بالکل نہ تھی، میں نے یہ تھیلی تیرے پاس بھیج دی، اس کے بعد میں نے تیسرے دوست کو پرچہ لکھا تو اس نے جواب میں یہی تھیلی میرے پاس بھیجی۔ اس پر مجھے بہت تعجب ہوا کہ یہ تو میں تیرے پاس بھیج چکا تھا۔ یہ اس تیسرے دوست کے پاس کیسے پہنچ گئی۔ اس لئے میں تحقیق کے واسطے آیا تھا۔

واقدی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ہم نے اس تھیلی میں سے سو درہم تو اس عورت کو دے دیئے، اور نو سو درہم ہم تینوں نے آپس میں بانٹ لئے اور اس واقعہ کی کسی طرح مامون الرشید کو خبر ہو گئی۔ اس نے مجھے بلایا اور مجھ سے سارا قصہ سنا۔ اس کے بعد مامون الرشید نے سات ہزار درہم دیئے، دو دو ہزار ہم تینوں کو اور ایک ہزار عورت کو۔ (اتحاف)

❀❀❀

اہل بیت علیہم الرضوان کے ادب پر حیرت انگیز انعامات

(اسلامی تاریخ سے چند واقعات کی روشنی)

الدین کله ادب (دین سراپا ادب کا نام ہے)

حضرات اہل بیت علیہم الرضوان کی محبت... عقیدت... ادب واحترام
اوران کے مبارک اُسوہ کی اتباع دین ہے۔

حضرات سادات ہم سب کیلئے قابل ادب ہیں... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کی وجہ سے ان کا ادب واحترام نہایت ضروری ہے... حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر سید عملی اعتبار سے کمزور ہو تب بھی ہمارے لیے قابل احترام ہے... پھر اس کی مثال ذکر فرمائی... کہ اگر خدانخواستہ قرآن کریم کی طباعت میں غلطی ہو جائے... تو اگر چہ اس پر تلاوت تو نہ کی جائے گی... لیکن وہ صفحات پھر بھی قابل ادب ہیں... اسی طرح اگر کوئی سید اعمال کے لحاظ سے کمزور حالت میں بھی ہو... تب بھی اپنی اعلیٰ نسبت کی وجہ سے ہم سب کیلئے قابل احترام ہے...

آئندہ صفحات میں اہل بیت کی عزت واکرام... اور ادب کے چند واقعات نقل کر کے... بے ادبی کے بھی خطرناک انجام کے عبرتناک واقعات دیئے گئے ہیں... کہ حضرات صحابہ کرام... اہل بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی بے ادبی کرنے پر کس طرح خدائی پکڑ ہوئی... اللہ تعالیٰ ہمیں ہر قسم کی بے ادبی سے محفوظ رکھے۔

آل رسول کی عزت کرنے پر انعامات

دین ادب کا نام ہے شریعت نے ہمیں جن نفوس قدسیہ کے ادب کا پابند کیا ہے...ان میں آل رسول کی عزت و ادب کو ایک خصوصی مقام حاصل ہے...حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کوئی سید خدانخواستہ بے عمل ہو تو بھی ہمارے لئے قابل احترام ہے...پھر اس کی مثال ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جس طرح قرآن کریم غلط چھپ جائے تو اس پر تلاوت تو نہ کی جائے گی لیکن اس کا ادب واحترام پورا کیا جائے گا...آیئے آل رسول کی عزت پر انعام کے واقعات پڑھتے ہیں...

سیدہ کے احترام پر قاتل کی رہائی

ابراہیم بن اسحٰق کوتوال بغداد کہتے ہیں...کہ میں نے خواب میں دیکھا...کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ قاتل کو قید خانے سے رہا کردے...بیدار ہونے پر میں نے دریافت کیا...کہ قید خانہ میں کیا کوئی ملزم قتل کا ہے معلوم ہوا ہے کہ ہے اور اس کو میرے سامنے پیش کیا گیا...میں نے اس سے احوال بیان کرنے کو کہا...اس نے کہا کہ میں اس گروہ سے ہوں جو ہر رات حرام کاری کیا کرتے ہیں...

ایک بڑھیا ہم نے مقرر کر رکھی تھی جو حیلے بہانے اور دھوکے سے عورتوں کو ہمارے پاس لے آتی تھی ایک روز ایک نہایت خوبصورت حسینہ کو لائی...جس نے نہایت عاجزی سے کہا کہ میری عصمت کو داغدار نہ بناؤ میں سیدانی ہوں...میرے نانا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ماں حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا ہیں...خدا کے واسطے مجھے پناہ دو...اس بڑھیا نے مجھے دھوکا دیا ہے...میرے دل پر اس کی باتوں کا اثر ہوا مگر میرے ساتھی بگڑ گئے اور کہنے لگے کہ تو ہم کو فریب دے کر اس کو حاصل کرنا چاہتا ہے...میں نے انہیں بہت سمجھایا...مگر جب دیکھا کہ وہ اس حسینہ کی عزت وآبرو لوٹنے پر تلے بیٹھے ہیں تو میں نے ان کا مقابلہ کیا...چھری میرے ہاتھ میں تھی اور میں زخمی ہو گیا...لیکن اس شیطان کو جو اس حسینہ کی عصمت دری پر ادھار کھائے بیٹھا تھا قتل کر ڈالا...میں نے حسینہ کو اشارہ کیا...وہ ہمیں لڑتا ہوا دیکھ کر چپ چاپ فرار ہوگئی...غل غپاڑہ سن کر لوگ جمع ہو گئے...خون آلود چھری میرے ہاتھ میں اور ایک لاش دیکھ کر سپاہی مجھے گرفتار کر کے لے گئے...کوتوال نے یہ واقعہ سن کر ملزم سے کہا کہ خدا تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں میں نے تجھ کو رہا کیا...اُس کے بعد وہ ملزم جملہ افعال قبیحہ سے بھی تائب ہو گیا...(دینی دسترخوان جلد اوّل)

سید زادے کی مالی مدد کرنا

احمد بن خصیب کہتے ہیں: میں خلیفہ وقت ''متوکل'' کی والدہ محترمہ ''شجاع'' کا بطور کاتب ملازم تھا۔ ایک دن میں اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا کہ ان کا خادم ایک تھیلی لیے میرے پاس آیا اور آ کر کہنے لگا: امیر المؤمنین کی والدہ محترمہ آپ کو سلام کہنے کے بعد یہ کہہ رہی ہیں: یہ ایک ہزار دینار میرے عمدہ و پاکیزہ مال میں سے ہے یہ لے لو اور اسے مستحق لوگوں میں تقسیم کر دو اور ان مستحقین کے نام اور پتے بھی لکھ کر مجھے دے دینا کہ جب اس طرح کا مال ہمارے پاس آیا کرے گا تو ہم انہی مستحقین میں اسے خرچ کیا کریں گے۔ بہر حال میں نے وہ تھیلی لی اور اپنے گھر کی طرف چلتا بنا۔ پھر میں نے اپنے قابل اعتماد احباب کو یہ ساری بات بتائی جو ''شجاع'' نے مجھے کہی تھی اور ساتھ میں نے ان سے یہ کہا کہ مجھے کچھ سفید پوش لوگوں کے نام بتاؤ جنہیں تم پہچانتے ہو۔ انہوں نے مجھے کچھ لوگوں کے نام بتائے۔ میں نے ان لوگوں میں تین سو دینار تقسیم کر دیئے۔ ابھی سات سو دینار باقی تھے اور مجھے کوئی مستحق نہیں ملا تھا کہ رات ہوگئی۔ گلیوں کے دروازے بند کر دیئے گئے اور میں ان دیناروں کے متعلق ہی سرگرداں تھا کہ گلی کے ایک دروازے کی آواز میں نے سنی کہ کوئی اسے کھٹکھٹا رہا ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ دروازے پر کوئی سید زادہ آیا ہے۔ میں نے کہا: آ جائے، وہ اندر آیا اور آ کر مجھے سلام کیا۔ ادھر میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ اس وقت رات کو میرے پاس یہ شخص آیا ہے جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق و رشتہ ہے (یعنی سید خاندان سے ہے) واللہ! اس وقت ہمارے پاس اس کو دینے کے لیے کوئی چیز نہیں تھی، میں نے اس کو صرف ایک دینار دیا اور بس۔ وہ شکر گزاری کے ساتھ اسے لے کر چلا گیا۔

جب وہ چلا گیا تو میری اہلیہ باہر آ کر مجھے کہنے لگی: آپ کو ''شجاع صاحبہ'' نے مستحقین کو دینے کے لیے ایک ہزار دینار دیئے ہیں۔ بھلا آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی کی اولاد سے بھی کوئی زیادہ حقدار نظر نہیں آتا ہے؟ آپ یہ بقیہ پوری تھیلی اسی سید زادے کو ہی دے دیں۔ گھر والی کی یہ بات سن کر میں نے اس شخص کو واپس بلوایا اور وہ پوری تھیلی ہی اس کے حوالے کر دی۔ جب وہ چلا گیا تو میرے ذہن میں شیطان نے یہ خیال ڈالا کہ کل اگر خلیفۂ وقت ''متوکل'' آپ سے یہ کہے کہ یہ تو سید خاندان کا آدمی نہیں تھا، تمہارے پاس اس کے سید ہونے کی کیا دلیل ہے؟ تو تم کیا جواب دو گے؟ چنانچہ میں نے بیوی سے کہا: تم نے تو مجھے مشکل میں ڈال دیا۔ وہ کہنے لگی: فکر نہ کرو، ہم ان کے نانا (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اعتماد کرتے ہیں (کہ ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ آسانی فرمائیں گے)۔ بہر حال میں اسی کشمکش میں اُٹھا اور سونے کی غرض سے بستر پر چلا گیا۔ ابھی مجھے گہری نیند نہیں آئی تھی کہ شجاع صاحبہ کا قاصد مجھے بلانے کیلئے آ گیا، میں اُٹھا اور ان لوگوں کے ہمراہ چل دیا۔ میں وہاں جب ان کے گھر میں داخل ہونے لگا تو ایک خادم نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے کہا: احمد! آپ نے خود ''امیر المؤمنین کی والدہ صاحبہ'' سے بات کرنی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے مجھے اندر داخل کر دیا۔ جب میں داخل ہوا تو دروازے پر ہی مجھے ٹھہرا لیا گیا اور یہ آواز آئی: احمد! میں نے عرض کی:

"جی! حاضر!" شجاع صاحبہ کہنے لگیں: "ایک ہزار دینار کا حساب، بلکہ ان سات سو دینار کا حساب؟" یہ کہہ کر وہ رونے لگیں۔ میں نے دل میں کہا: شاید اُس سیدزادے نے باہر آ کر ساری بات بتادی ہے (کہ میں نے پورے سات سو دینار کی تھیلی اُس سیدزادے کو بلا تحقیق ہی دے دی ہے) اور میرے قتل کا حکم جاری کیا جاچکا ہے، اب یہ مجھ پر رحم و شفقت کی وجہ سے رو رہی ہیں (کہ عنقریب میرا سر قلم کر دیا جائے گا)۔ پھر انہوں نے دوبارہ وہی بات کہی: "احمد! ایک ہزار دینار کا حساب، بلکہ ان سات سو دینار کا حساب؟" اور رونا شروع کر دیا۔ تین بار انہوں نے اسی طرح کیا۔ اس کے بعد اس نے بمشکل اپنے رونے کو ضبط کر کے مجھ سے ان کا حساب طلب کیا۔ میں نے ان کو سچ سچ بتانا شروع کر دیا، جب میں اس سیدزادے کا ماجرا بیان کرنے لگا تو وہ ایک بار پھر آبدیدہ ہوگئیں اور کہا: احمد! اللہ تعالیٰ تمہارا بھلا کرے اور تمہاری اہلیہ کا بھی بھلا کرے۔ تم جانتے ہو کہ آج رات میرے ساتھ کیا بات پیش آئی ہے؟ میں نے عرض کیا: نہیں جی!

انہوں نے کہا: میں سوئی ہوئی تھی کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: "اللہ تعالیٰ تمہارا بھلا کرے، احمد بن حصیب کا بھلا کرے اور اس کی گھر والی کا بھلا کرے۔ تم لوگوں نے آج رات میری اولاد میں سے تین افراد کی تکلیف دور کی، اُن کے پاس کچھ بھی نہیں تھا۔"

یہ خواب سنانے کے بعد شجاع نے کہا: احمد! یہ زیورات و کپڑے اور یہ مزید دینار لو اور اُسی سیدزادے کو دے دینا، اور انہیں یہ پیغام بھی پہنچا دینا کہ اس طرح کا جو بھی (عمدہ و پاکیزہ) مال ہمارے پاس آتا رہے گا ہم آپ کو آئندہ بھی پہنچاتے رہیں گے۔ نیز یہ زیورات و کپڑے اور یہ مال لو اور اپنی اہلیہ کو دے دینا اور اسے کہنا: اے بابرکت خاتون! اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے کہ یہ سب تمہاری رہنمائی کی وجہ سے ہوا ہے۔ اور احمد! یہ مال تم لے لو، یہ تمہارا ہے اور مجھے بھی بہت سارا مال اور کپڑے دیئے۔

احمد بن حصیب کہتے ہیں: میرے پاس اس طرح بہت سا مال اکٹھا ہوگیا، میں اس کو لے کر نکلا۔ اس کی ادائیگی کے سلسلہ میں، ابتداء میں نے اس سیدزادے سے کی۔ چنانچہ میں نے جا کر ان کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہ باہر آئے اور آ کر مجھے کہا: لاؤ بھائی وہ سامان؟ میں نے پوچھا: آپ کو کیسے پتا چلا اس سامان کا؟ کہنے لگے: وہ تھیلی لے کر میں اپنی گھر والی کے پاس آیا تھا جو کہ میری چچازاد بہن ہے، میں نے اسے ساری بات بتائی۔ اس نے مجھے کہا: اُٹھو نماز پڑھو اور ان کے لیے دُعا کرو، میں تمہاری دُعا پر آمین کہوں گی۔ تو میں نے اُٹھ کر نماز پڑھی اور دُعا کی، اس نے آمین کہی۔ اس کے بعد میں سو گیا۔ مجھے خواب میں نانا جان (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زیارت ہوئی اور مجھ سے فرمایا: "ان لوگوں نے تمہارے ساتھ جو احسان کیا ہے اس پر میں نے ان کا شکریہ ادا کر دیا ہے۔ وہ تمہارے ساتھ مزید بھی کچھ احسان والا معاملہ کریں گے، تم وہ ان سے قبول کر لینا۔" احمد کہتے ہیں میں وہ سامان ان کے حوالے کر کے گھر واپس آ گیا۔

گھر پہنچا تو دیکھا کہ گھر والی بیچاری کھڑی نماز و دُعا میں مشغول ہے (کہ اللہ تعالیٰ خلیفۂ وقت کی طرف سے

آنے والی پریشانی سے حفاظت فرمائے) وہ دُعا سے فارغ ہوکر میرے پاس آئی اور آتے ہی میری خیر، خبر دریافت کی۔ میں نے اس کو سارا حال کہہ سنایا، وہ کہنے لگی: میں نے آپ کو کہا نہیں تھا کہ ہم نے ان کے نانا (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اعتماد کیا ہے۔ اب دیکھا ہے کہ کیسا انہوں نے حُسنِ معاملہ کیا؟ (البر والصلۃ لابن الجوزی: ۲۵۳۱)

مصیبت زدہ سادات کی مدد کو نفلی حج پر ترجیح دینا

ربیع بن سلیمان رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں حج کے لیے جا رہا تھا، میرے ساتھ میرے بھائی تھے اور ایک جماعت تھی۔ جب ہم کوفہ میں پہنچے تو وہاں ضروریاتِ سفر خریدنے کے لیے میں بازاروں میں گھوم رہا تھا کہ ایک ویران سی جگہ میں ایک خچر مرا ہوا پڑا تھا، اور ایک عورت جس کے کپڑے بہت پرانے بوسیدہ تھے چاقو لیے ہوئے اس کے گوشت کے ٹکڑے کاٹ کاٹ کر ایک زنبیل میں رکھ رہی تھی۔ مجھے یہ خیال ہوا کہ یہ مردار گوشت لے جا رہی ہے اس پر سکوت کرنا ہرگز نہ چاہیے۔ عجب نہیں، یہ کوئی بھٹیاری عورت ہے۔ یہی پکا کر لوگوں کو کھلا دے گی۔ میں چپکے سے اس کے پیچھے ہولیا، اس طرح کہ وہ مجھے نہ دیکھے۔ وہ عورت ایک بڑے مکان میں پہنچی جس کا دروازہ بھی اونچا تھا۔ اس نے جا کر دروازہ کھٹکھٹایا، اندر سے آواز آئی: کون ہے؟ اس نے کہا: کھولو! میں ہی بدحال ہوں۔ دروازہ کھولا گیا اور اس میں سے چار لڑکیاں آئیں جن کے چہرہ سے بدحالی اور مصیبت کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ وہ عورت اندر گئی اور وہ زنبیل ان لڑکیوں کے سامنے رکھ دی۔ میں کواڑوں کی درزوں سے جھانک رہا تھا، میں نے دیکھا اندر سے گھر بالکل برباد خالی تھا۔ اس عورت نے روتے ہوئے لڑکیوں کو آواز دی کہ ''لو! اس کو پکالو اور اللہ کا شکر ادا کرو۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر اختیار ہے اسی کے قبضہ میں لوگوں کے قلوب ہیں۔''

وہ لڑکیاں اس کو کاٹ کاٹ کر آگ پر بھوننے لگیں، مجھے بہت ضیق (بے چینی) ہوئی۔ میں نے باہر سے آواز دی: ''اے اللہ کی بندی! اللہ کے واسطے اس کو نہ کھا'' وہ کہنے لگی: تو کون ہے؟ میں نے کہا: میں ایک پردیسی آدمی ہوں، کہنے لگی: اے پردیسی! تو ہم سے کیا چاہتا ہے؟ ہم خود ہی مقدر کے قیدی ہیں۔ تین سال سے ہمارا نہ کوئی معین ہے، نہ مددگار۔ تو ہم سے کیا چاہتا ہے؟ میں نے کہا: مجوسیوں کے ایک فرقہ کے سوا مُردار کا کھانا کسی مذہب میں جائز نہیں۔ وہ کہنے لگی: ہم خاندانِ نبوت کے شریف (سید) ہیں۔ ان لڑکیوں کا باپ بڑا شریف تھا، وہ اپنے ہی جیسوں سے ان کا نکاح کرنا چاہتا تھا۔ اس کی نوبت نہ آئی، اس کا انتقال ہوگیا، جو ترکہ اس نے چھوڑا تھا وہ ختم ہوگیا۔ ہمیں معلوم ہے کہ مُردار کھانا جائز نہیں لیکن اضطرار میں جائز ہو جاتا ہے ہمارا چار دن کا فاقہ ہے۔

ربیع رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس کے حالات سن کر مجھے رونا آ گیا اور میں روتا ہوا دل بے چین وہاں سے واپس ہوا اور میں نے اپنے بھائی سے آ کر کہا کہ میرا ارادہ تو حج کا نہیں رہا۔ اس نے مجھے بہت سمجھایا، حج کے فضائل بتائے کہ حاجی ایسی حالت میں لوٹتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں رہتا وغیرہ وغیرہ۔ میں نے کہا: بس لمبی چوڑی باتیں نہ کرو۔ یہ

کہہ کر میں نے اپنے کپڑے اور احرام کی چادریں اور جو سامان میرے ساتھ تھا وہ سب لیا اور نقد چھ سو درہم تھے، وہ لیے اور ان میں سے سو درہم کا آٹا خریدا، اور سو درہم کا کپڑا خریدا، اور باقی درہم جو بچے وہ آٹے میں چھپا کر اس بڑھیا کے گھر پہنچا اور یہ سب سامان اور آٹا وغیرہ اس کو دیدیا۔

اس عورت نے اللہ کا شکر ادا کیا اور کہنے لگی: "اے ابن سلیمان! جا، اللہ جل شانہ تیرے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کرے اور تجھے حج وعمرہ کا ثواب عطا کرے، اور اپنی جنت میں تجھے جگہ عطا فرمائے اور اس کا ایسا بدل عطا فرمائے جو تجھے بھی ظاہر ہو جائے۔" سب سے بڑی لڑکی نے کہا: "اللہ جل شانہ تیرا اَجر دوگنا کرے اور تیرے گناہ معاف کرے۔" دوسری نے کہا: "اللہ جل شانہ تجھے اس سے بہت زیادہ عطا فرمائے جتنا تو نے ہمیں دیا۔"

تیسری نے کہا: "حق تعالیٰ شانہ ہمارے نانا (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ تیرا حشر کرے۔"

چوتھی نے، جو سب سے چھوٹی تھی، کہا: "اے اللہ! جس نے ہم پہ احسان کیا تو اس کا نعم البدل اس کو جلدی عطا کر اور اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر۔"

ربیع رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حج کا قافلہ روانہ ہو گیا، میں کوفہ ہی میں مجبوراً پڑا رہا کہ وہ سب حج سے فارغ ہو کر لوٹ بھی آئے۔ مجھے خیال ہوا کہ ان حجاج کا استقبال کروں، ان سے اپنے لیے دُعاء کراؤں، کسی کی مقبول دُعا مجھے بھی لگ جائے۔ جب حجاج کا ایک قافلہ میری آنکھوں کے سامنے آ گیا تو مجھے اپنے حج سے محرومی پر بہت افسوس ہوا اور رنج کی وجہ سے میرے آنسو نکل آئے۔ جب میں ان سے ملا تو میں نے کہا: اللہ جل شانہ تمہارا حج قبول کرے اور تمہارے اخراجات کا بدل عطا فرمائے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ یہ دُعا کیسی؟ میں نے کہا: ایسے شخص کی دُعا جو دروازہ تک کی حاضری سے محروم رہا۔ وہ کہنے لگے: بڑے تعجب کی بات ہے، اب تو وہاں جانے سے انکار کرتا ہے، تو ہمارے ساتھ عرفات کے میدان میں نہیں تھا؟ تو نے ہمارے ساتھ رمی جمرات نہیں کی؟ تو نے ہمارے ساتھ طواف نہیں کیے؟

میں اپنے دل میں سوچنے لگا کہ یہ اللہ کا لطف ہے، اتنے میں خود میرے شہر کے حاجیوں کا قافلہ آ گیا۔ میں نے کہا: حق تعالیٰ شانہ تمہاری سعی مشکور فرمائے، تمہارا حج قبول فرمائے، وہ بھی یہی کہنے لگے کہ تو ہمارے ساتھ عرفات پر نہیں تھا؟ یا رمی جمار نہیں کی؟ اب انکار کرتا ہے۔ ان میں سے ایک شخص آگے بڑھا اور کہنے لگا کہ بھائی اب انکار کیوں کرتے ہو، کیا بات ہے؟ آخر تم ہمارے ساتھ مکہ میں نہیں تھے یا مدینہ میں نہیں تھے۔ جب ہم قبر اطہر کی زیارت کر کے باب جبرائیل سے باہر کو آ رہے تھے، اس وقت اژدھام کی کثرت کی وجہ سے تم نے یہ تھیلی میرے پاس امانت رکھوائی تھی جس کی مہر پر لکھا ہوا ہے: 'مَنْ عَامَلَنَا رَبِحَ'' (جو ہم سے معاملہ کرتا ہے نفع کماتا ہے) یہ تمہاری تھیلی واپس ہے۔

ربیع کہتے ہیں کہ واللہ! میں نے اس تھیلی کو کبھی اس سے پہلے دیکھا بھی نہ تھا۔ اس کو لے کر گھر واپس آیا۔ عشاء کی نماز پڑھی، اپنا وظیفہ پورا کیا، اس کے بعد اسی سوچ میں جاگتا رہا کہ آخر یہ قصہ کیا ہے؟ اسی میں میری آنکھ لگ گئی تو

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا اور ہاتھ چومے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرماتے ہوئے سلام کا جواب دیا اور ارشاد فرمایا: ''اے ربیع! آخر ہم کتنے گواہ اس پر قائم کریں کہ تو نے حج کیا ہے تو مانتا ہی نہیں، سن بات یہ ہے کہ جب تو نے اس عورت پر جو میری اولاد تھی۔ صدقہ کیا اور اپنا زادِراہ ایثار کر کے اپنا حج ملتوی کر دیا تو میں نے اللہ جل شانہ سے دُعا کی کہ وہ اس کا نعم البدل تجھے عطا فرمائے تو حق تعالیٰ شانہ نے ایک فرشتہ تیری صورت کا بنا کر اس کو حکم فرمادیا کہ وہ قیامت تک ہر سال تیری طرف سے حج کیا کرے اور دُنیا میں تجھے یہ عوض دیا کہ چھ سو درہم کے بدل چھ سو دینار (اشرفیاں) عطا کیں۔ تو خوش رہ اور اپنی آنکھ ٹھنڈی رکھ۔'' اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وہی الفاظ ارشاد فرمائے۔ ربیع کہتے ہیں جب میں سو کر اُٹھا تو اس تھیلی کو کھولا، اس میں چھ سو اشرفیاں تھیں۔ (رشفۃ الصادی، ص:۲۵۳)

سیدزادی کے طعام وقیام کا بندوبست

سید خاندان کے ایک صاحب ''بلخ'' میں رہتے تھے، ان کی اہلیہ بھی سادات میں سے تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اولاد میں ان کو بیٹیاں دی تھیں۔ ان پر فقر وغربت نے ڈیرے ڈالے، وہ حضرات اسی فاقہ کشی کی زندگی گزار رہے تھے کہ وہ صاحب اپنی اُس بیوی اور ان صاحبزادیوں کو چھوڑ کر انتقال کر گئے۔

وہ سیدہ خاتون دُشمنوں کے طعنوں کے خوف سے اپنی ان صاحبزادیوں کو لے کر بلخ سے سمرقند روانہ ہوگئی۔ جب یہ سمرقند پہنچی تو وہاں شدید سردی پڑ رہی تھی، اس نے اپنی ان بیٹیوں کو مسجد میں بٹھایا اور خود کھانے کی تلاش میں باہر نکل گئی۔ اسی تلاش میں اس کا گزر دو مجمعوں کے پاس سے ہوا۔

ایک مجمع ایک مسلمان کے پاس لگا ہوا تھا جو اس شہر کا حاکم تھا اور دوسرا مجمع اسی شہر کے ایک بڑے مجوسی آدمی کے پاس لگا ہوا تھا۔

سب سے پہلے وہ اس مسلمان حاکم کے پاس گئی اور اس کے سامنے اپنی کسمپرسی کا پورا حال بیان کیا اور کہا کہ مجھے آج رات کا کھانا چاہیے۔ اس مسلمان حاکم نے کہا:

پہلے میرے پاس اس بات کے گواہ لا کہ تو واقعی سیدزادی ہے۔ اس خاتون نے کہا: مجھے تو اس شہر میں کوئی نہیں جانتا۔ اس جواب پر اس حاکم نے اس کو بے رُخی دکھلائی (جس سے وہ بیچاری آگے چلتی بنی)۔ اس سیدزادی نے پھر اس مجوسی شخص کا رُخ کیا، اسے اپنی ساری پریشانی بتائی اور اس مسلمان حاکم کا بھی پورا ماجرا کہہ سنایا۔ اس مجوسی نے اس سیدزادی کی پریشانی سن کر اپنے اہل خانہ کو اس عورت کے ساتھ مسجد بھیجا، وہ اسی وقت اس عورت کو بیٹیوں سمیت گھر لے آئی، اسی مجوسی نے ان کیلئے اپنے گھر میں قیام وطعام کا انتظام کیا، نیز عمدہ قسم کے کپڑوں سے انہیں نوازا۔

جب آدھی رات گزر گئی تو اس مسلمان حاکم نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہوگئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں جھنڈا ہے اور سامنے سبز زمرد کا ایک خوبصورت محل ہے تو اس نے کہا: یارسول اللہ! یہ محل کس کا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لِرَجُلٍ مُسْلِمٍ مُوَحِّدٍ" (ایک مسلمان آدمی کا ہے)

اس نے کہا: یارسول اللہ! میں بھی مسلمان آدمی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پہلے اس بات کے میرے پاس گواہ لے آ کہ تو مسلمان شخص ہے۔ یہ سنتے ہی وہ شخص ہکا بکا رہ گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا: جب وہ سیدزادی تمہارے پاس آئی تھی تو تم نے اس سے کہا تھا کہ پہلے اپنے سیدزادی ہونے پر گواہ لے آ، اسی طرح تم بھی پہلے اپنے مسلمان ہونے پر گواہ لے آؤ۔ اسی حال میں اس کو جاگ آ گئی، اس نے رونا اور سر پیٹنا شروع کر دیا اور اس سیدزادی خاتون کو ڈھونڈنے کیلئے شہر میں چکر لگانا شروع کر دیا یہاں تک کہ اس کو سراغ مل گیا کہ وہ فلاں مجوسی کے گھر میں ہے۔ وہ اس مجوسی کے پاس آیا اور آ کر کہنے لگا کہ آپ کے پاس جو سیدزادی خاتون ہیں ان کو میں اپنے پاس لے کر جانا چاہتا ہوں۔ مجوسی نے کہا: یہ نہیں ہوسکتا۔ اس نے کہا: ایک ہزار سونے کی اشرفیاں مجھ سے لے لو اور وہ گھرانہ مجھے دے دو۔ مجوسی نے کہا: انہوں نے مجھ سے کھانا طلب کیا تھا، میں نے ان کو کھانا اور ٹھکانا دیا اور اب تو میں اس مبارک گھرانے کی برکات اپنی کھلی آنکھوں مشاہدہ کر چکا ہوں۔ ان بابرکت لوگوں کو اپنے پاس رکھنا میں اپنے لیے ضروری سمجھتا ہوں۔

پھر وہ مجوسی کہنے لگا: جس چیز کو تم طلب کر رہے ہو، میں اس کا زیادہ حق دار ہوں۔ وہ محل جو تم دیکھ کر آ رہے ہو وہ میرے مقدر میں ہے۔ اللہ کی قسم! میں اور میرے اہل خانہ گزشتہ رات اس وقت تک نہیں سوئے جب تک ہم نے اس سیدزادی کے ہاتھ پر اسلام قبول نہیں کرلیا اور سنو! جیسا خواب تم نے دیکھا ہے، ویسا ہی خواب میں نے بھی رات دیکھا ہے، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت فرمایا تھا: وہ سیدزادی اور اس کی صاحبزادیاں آپ کے پاس ہیں؟ میں نے عرض کی: جی ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: یہ محل تمہارا اور تمہارے اہل خانہ کا ہے، تم اور تمہارے اہل خانہ جنتی لوگ ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی تقدیر میں تمہیں ایمان والا ہی پیدا کیا تھا۔ (البر والصلۃ لابن الجوزی: ۲۵۴/۱)

اہل بیت علیہم الرضوان کی گستاخی پر عبرتناک انجام

(اِسلامی تاریخ سے واقعات کی روشنی میں)

گستاخ رسول کو خدائی سزا

ہلاکو خان کے دور میں منگولوں کے ایک سردار نے عیسائیت اختیار کرنے کے موقع پر ایک عظیم الشان محفل منعقد کی...اس موقع پر ایک عیسائی پادری نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں نازیبا الفاظ وکلمات کہنا شروع کر دیئے... پاس ہی بندھا ہوا کتا اس ملعون پادری پر جھپٹ پڑا، لوگوں نے بیچ بچاؤ کرا دیا...

ایک شخص نے اس پادری سے کہا کہ تم نے چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کا ارتکاب کیا اس لئے یہ کتا تم پر جھپٹ پڑا...اس نے طنزیہ انداز میں کہا نہیں یہ کتا بڑا خوددار ہے اس کی عزت نفس نے میرے ہاتھ کے یوں یوں والے اشارے دیکھ کر یہ خیال کیا کہ شاید میں اسے مارنا چاہتا ہوں یہ دیکھ کر اس نے بھونکنا شروع کر دیا اور مجھ پر حملہ آور ہوگیا...پھر اس ملعون عیسائی پادری نے دوبارہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عالی میں پہلے سے زیادہ بدگوئی شروع کر دی یہ دیکھ کر کتا اپنی رسی توڑ کر اس پر حملہ آور ہوا اور شیر کی طرح جست لگا کر اس عیسائی بدباطن کی گردن میں اپنے نوکیلے دانت گاڑ دیئے اور منٹوں میں اس خبیث گستاخ رسول کو جہنم واصل کر دیا...اس عجیب منظر کو دیکھ کر وہاں پر موجود چالیس ہزار منگول حلقہ بگوش اسلام ہوگئے...(درمنثورابن حجرؒ)

محترم قارئین! دیکھئے ایک کتے نے جب امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی وامی) کی شان میں نازیبا الفاظ سنے تو کیسا غضب ناک ہوگیا اور اس نے کس انداز میں اپنے غیرت مند ہونے کا ثبوت پیش کیا...آج ہماری غیرت کہاں رخصت ہوگئی؟ کیا آج ہم سے ہماری ایمانی جرأت وحمیت بالکل ختم ہوگئی؟

اے امت محمدیہ! بتاؤ دشمنان اسلام نے میری عزت وحرمت پر ڈاکے ڈالے، مجھے خوب اذیتیں پہنچائیں تو تم نے میری عزت وآبرو، حرمت وناموس کے دفاع میں کیا کردار پیش کیا؟ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ گستاخان رسول کا مکمل معاشی وسفارتی بائیکاٹ کریں...

امام بیہقی نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب زادی ام کلثوم رضی اللہ عنہا ابولہب کے بیٹے

عتبہ کے نکاح میں تھیں... جب قرآن کی سورۃ تبت نازل ہوئی تو ابولہب اور اس کی بیوی نے اپنے دونوں بیٹوں سے کہا کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیوں کو طلاق دیدو ورنہ ہمارا تم سے کوئی تعلق نہ رہے گا...

چنانچہ عتبہ نے ام کلثوم کو طلاق دے دی اور آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جا کر اس نے طلاق کی خبر دی اور بہت بے ادبی کی باتیں کہیں... تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابولہب کے بیٹے عتبہ کیلئے بددعا فرمائی کہ ”اے اللہ اس پر اپنے کتوں میں سے کوئی کتا مسلط فرمادے“...

چنانچہ بددعا کا جو اثر ہوا اس کا قصہ حاکم نے بیان کیا ہے کہ ابولہب اور اس کا بیٹا عتبہ ملک شام کے سفر پر گئے تھے... راستہ میں مقام زرقاء پر ایک راہب تھا ان کے پاس دونوں ٹھہرے راہب نے کہا کہ یہاں درندے بہت رہتے ہیں تم اپنے بچاؤ کا سامان کر لینا... ابولہب نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبہ پر بددعا کی ہے اسلئے اس کو بڑی حفاظت سے رکھنے کی ضرورت ہے... چنانچہ سارا سامان اکٹھا کر کے خوب اونچائی پر عتبہ کو سلا دیا اور سب آس پاس نگرانی کیلئے سوئے رات میں ایک شیر آیا... اس نے ہر ایک کا منہ سونگھ کر چھوڑ دیا اور کود کر عتبہ کا سر چبا ڈالا... یہ شیر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا پر خدا کی طرف سے آیا تھا اسلئے آس پاس والوں کو چھوڑ کر عتبہ کو ہلاک کر گیا اور چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دشمنی کی وجہ سے عتبہ کا گوشت خباثت سے بھرا ہوا تھا اس لئے اس کے گوشت کو شیر نے بھی نہ کھایا... شیر کے گوشت نہ کھانے سے معلوم ہوا کہ شیر کا تقرر صرف دشمن رسول سے انتقام تھا اور بس... اللہ تعالیٰ ہمیں کامل اتباع سنت کی توفیق بخشیں اور ہر قسم کی گستاخی و بے ادبی سے محفوظ فرمائیں... آمین...

بغض صحابہ رضی اللہ عنہم و اہل بیت کا وبال

فرمان الٰہی ہے: بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قصداً ایذاء دیتے ہیں اللہ تعالیٰ جل شانہ ان پر دُنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے اور ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے اور (اسی طرح) جو لوگ ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو بدون اس کے کہ انہوں نے کچھ (ایسا کام) کیا ہو (جس سے وہ مستحق سزا ہو جاویں) ایذاء پہنچاتے ہیں تو وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا (اپنے اوپر) بار لیتے ہیں۔ (یعنی اگر وہ ایذاء قولی ہے تو بہتان ہے اور اگر فعلی ہے تو مطلق گناہ ہی ہے۔)

درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایذاء سے روکنا اور اس پر وعید کرنا مقصود ہے مگر آیت میں ایذاء رسول کو ایذاءِ حق تعالیٰ کے عنوان سے تعبیر کر دیا گیا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذاء پہنچانا درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کو ایذاء پہنچانا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایذاء کا اللہ تعالیٰ کے لیے ایذاء ہونا حضرت عبدالرحمٰن بن مغفل مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ثابت ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ ان کو

میرے بعد اپنے اعتراضات وتنقیدات کا نشانہ نہ بناؤ کیونکہ ان سے جس نے محبت کی میری محبت کی وجہ سے کی اور جس نے بغض رکھا میرے بغض کی وجہ سے رکھا اور جس نے ان کو ایذاء پہنچائی اس نے مجھے ایذاء دی اور جس نے مجھے ایذاء دی اس نے اللہ کو ایذاء دی اور جس نے اللہ کو ایذاء دی تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے گرفت کرے گا۔

اس حدیث سے جیسا یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایذاء سے اللہ تعالیٰ کو ایذاء ہوتی ہے اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ میں سے کسی کو ایذاء پہنچانا ان کی شان میں گستاخی کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایذاء ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ایذاء پہنچانے اور ان کی تنقیص واہانت کو بھی آپ نے اپنی ایذاء قرار دیا ہے یعنی ان کو بدنام کرنے کے لیے ان پر بہتان باندھنا ان کی ناجائز تنقیص وتوہین کرنا ہے جیسے روافض صحابہ کرامؓ پر سب وشتم کرتے اور ان کی طرف ایسی باتیں منسوب کرتے ہیں جس کا ارتکاب انہوں نے نہیں کیا۔ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں رافضی منکوس القلوب ہیں' ممدوح اشخاص کی مذمت کرتے اور مذموم لوگوں کی مدح کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ ایک صحابی کا جنازہ آیا تو آپ نے نمازِ جنازہ پڑھنے سے انکار کر دیا۔ لوگوں نے سبب دریافت کیا تو ارشاد ہوا: ''**كان يبغض عثمان فلم اصل عليه**'' ''یہ شخص عثمان سے بغض رکھتا تھا اس لیے میں نے نماز نہیں پڑھی۔''

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جہجاہ غفاری حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف لپکا اور حضرت عثمان منبر پر خطبہ دے رہے تھے۔ عصا آپ کے ہاتھ سے چھینا اور اس عصا سے آپ کے گھٹنے پر مارا اور آپ کا گھٹنا پھوڑ دیا اور عصا ٹوٹ گیا جہجاہ پر ابھی ایک سال نہیں گزرا تھا اللہ پاک نے اس کے ہاتھ پر آکلہ (کینسر) کی بیماری کر دی جس سے یہ مر گیا۔

زاذان سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بات بیان کی' ان کی کسی آدمی نے تکذیب کی' اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا اگر تو جھوٹا ہے تو میں تیرے لیے بددعا کروں گا' اس نے کہا بددعا کرو' حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے لیے بددعا کی وہ شخص ابھی جدا نہیں ہوا تھا کہ اس کی بینائی جاتی رہی۔

ابوقلابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں ملک شام میں تھا۔ ایک شخص کو میں نے یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہائے آتش دوزخ سے میری خرابی! میں نے دیکھا تو اس کے دونوں ہاتھ دونوں پاؤں کٹے ہوئے تھے' منہ کے بل زمین پر گرا ہوا تھا' میں نے اس کا حال پوچھا تو اس نے کہا میں ان لوگوں میں تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کے اندر انہیں شہید کرنے کو گئے تھے۔ جب میں قریب ان کے گیا تو ان کی بی بی نے شور کیا' میں نے ایک طمانچہ ان کو مار دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھ کو بددعا دی کہ خدا تیرے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دے اور تجھے دوزخ میں ڈال دے' یہ سن کر میرے بدن پر لرزہ پڑ گیا' اور میں بھاگ اُٹھا مگر اب میری حالت یہ ہے جو تم دیکھ رہے ہو' ہاتھ پاؤں تو میرے کٹ چکے ہیں بس اب آتش دوزخ میں جانا باقی ہے۔ یہ سن کر میں نے کہا جا دور ہو۔

یزید بن حبیب کہتے ہیں کہ جس قدر لوگ مصر سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بغاوت کر کے آئے تھے ان میں ایک بھی ایسا نہ تھا جس کو جنون نہ ہو گیا ہو۔ ابو رجا عطاردی نے کہا نہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برا کہو اور نہ اہل بیت میں سے کسی کو اس لیے کہ ہمارا ایک پڑوسی قبیلہ بلہجیم میں سے تھا۔ اس نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے کہا تھا کیا اس فاسق کی طرف نہیں دیکھتے ہو خدا اسے قتل کرے' اللہ پاک نے دو ستارے اس کی دونوں آنکھوں کی طرف بھیجے اور اللہ نے اس کی دونوں آنکھوں کا نور مٹا دیا۔

ابو بکر بن محمد بن عمر بن حزم رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اروئی نے حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف مروان بن حکم کے پاس فریاد رسی کی تو حضرت سعید نے فرمایا' اے میرے اللہ! وہ دعویٰ کر رہی ہے کہ میں نے اس پر ظلم کیا' اگر وہ جھوٹی ہے تو اس کی آنکھ کو اندھا کر دے اور اسے اس کے کنویں میں ڈال دے اور میرے حق سے ایسا نور واضح کر جو مسلمانوں کے لیے اس بات کو واضح کر دے کہ میں نے اس پر ظلم نہیں کیا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ یہ دونوں اسی جھگڑے میں تھے کہ اچانک وادیٔ عقیق سے پانی کی ایک ایسی رو بہی کہ اس جیسی رو کبھی نہیں بہی تھی جس سے زمین کی وہ حد کھل گئی جس میں ان دونوں کا اختلاف تھا اور اس حد کے واضح ہو جانے سے ظاہر ہو گیا کہ حضرت سعید سچے ہیں اور اروئی کچھ مہینے نہ ٹھہری یہاں تک کہ اندھی ہو گئی۔ یہ اسی حالت میں اپنی اسی زمین میں پھر رہی تھی کہ اپنے کنویں میں گر پڑی۔ راوی کہتے ہیں ہم لڑکے تھے' لوگوں کو سنتے تھے کہ وہ لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ تجھے اللہ اسی طرح پر اندھا کر دے جیسا کہ اروئی کو اندھا کیا تو ہم لوگوں کو اس کہنے سے خیال کیا کرتے تھے کہ لوگوں نے اروئی سے مراد وحشی جانور لیا ہو گا یعنی جنگلی پہاڑی بکرا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ وہی اروئی ہے کہ جس کو حضرت سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بددعا لگی تھی اور جو چیز لوگ بیان کرتے ہیں یہ وہی ہے کہ اللہ نے حضرت سعید بن زید کی دُعا سن لی۔

کلبی نے بیان کیا کہ ایک شخص نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عیب لگایا اور وہ آدمی پانی پینے جا رہا تھا اور اپنے دونوں جبڑوں کے بیچ میں اس نے پانی رکھا تھا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا' اللہ تجھے سیراب نہ کرے' اس آدمی نے پیا اور پانی کے پھندا لگ جانے سے مر گیا۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو لوگ قتل حسینؓ میں شریک تھے ان میں سے ایک بھی نہیں بچا جس کو آخرت سے پہلے دنیا میں سزا نہ ملی ہو' کوئی قتل کیا گیا کسی کا چہرہ سخت سیاہ ہو گیا یا مسخ ہو گیا۔ قاتلان حسین پر طرح طرح کی آفات ارضی و سماوی کا ایک سلسلہ تو تھا ہی' واقعہ شہادت سے پانچ ہی سال بعد ۶۶ ہجری میں مختار نے قاتلانِ حسین سے قصاص لینے کا ارادہ ظاہر کیا تو عام مسلمان اس کے ساتھ ہو گئے اور تھوڑے عرصہ میں اس کو یہ قوت حاصل ہو گئی کہ کوفہ اور عراق پر اس کا تسلط ہو گیا۔ اس نے اعلان عام کر دیا کہ قاتلانِ حسین کے سوا سب کو امن دیا جاتا ہے اور قاتلانِ حسین کی تفتیش و تلاش پر پوری قوت خرچ کی اور ایک ایک کو گرفتار کر کے قتل کیا۔ ایک روز میں دو سو اڑتالیس آدمی اس جرم میں قتل کیے گئے کہ وہ قتل حسینؓ میں شریک تھے اس کے بعد خاص لوگوں کی تلاش اور گرفتاری شروع ہوئی۔

عمرو بن حجاج زبیدی پیاس اور گرمی میں بھاگا' پیاس کی وجہ سے بیہوش ہو کر گر پڑا' ذبح کر دیا گیا۔ شمر ذی الجوشن جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں سب سے شقی اور سخت تھا اس کو قتل کر کے لاش کتوں کے سامنے ڈال دی گئی۔

مالک بن بشیر بدی، حمل بن مالک کا محاصرہ کرلیا گیا۔ انہوں نے رحم کی درخواست کی، مختار نے کہا، ظالمو! تم نے سبطِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر رحم نہ کھایا تم پر کیسے رحم کیا جائے، سب کو قتل کیا گیا اور مالک بن بشیر نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ٹوپی اُٹھائی تھی اس کے دونوں ہاتھ پیر قطع کر کے میدان میں ڈال دیا، تڑپ تڑپ کر مرگیا۔

ابن جوزی نے سدی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے ایک شخص کی دعوت کی۔ مجلس میں یہ ذکر چلا کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل میں جو بھی شریک ہوا اس کو دنیا میں بھی جلد سزا مل گئی۔ اس شخص نے کہا کہ بالکل غلط ہے میں خود ان کے قتل میں شریک تھا، میرا کچھ بھی نہیں بگڑا، یہ شخص مجلس سے اُٹھ کر گھر گیا، جاتے ہی چراغ کی بتی درست کرتے ہوئے اس کے کپڑوں میں آگ لگ گئی اور وہیں جل بھن کر رہ گیا۔ سدی کہتے ہیں کہ میں نے خود اس کو صبح دیکھا تو کوئلہ ہو چکا تھا۔

ابن جوزی نے نقل کیا ہے کہ جس شخص نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر مبارک کو اپنے گھوڑے کی گردن میں لٹکایا تھا اس کے بعد اسے دیکھا گیا کہ اس کا منہ کالا تارکول ہو گیا، لوگوں نے پوچھا کہ تم سارے عرب میں خوش رو آدمی تھے، تمہیں کیا ہوا، اس نے کہا جس روز سے میں نے یہ سر گھوڑے کی گردن میں لٹکایا جب ذرا سوتا ہوں دو آدمی میرے بازو پکڑتے ہیں اور مجھے ایک دہکتی ہوئی آگ پر لے جاتے ہیں اور اس میں ڈال دیتے ہیں جو مجھے جھلسا دیتی ہے اور اسی حالت میں چند روز کے بعد مر گیا۔ جس شخص نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تیر مارا اور پانی نہیں پینے دیا اس پر اللہ تعالیٰ جل شانہ نے ایسی پیاس مسلط کر دی کہ کسی طرح پیاس بجھتی نہ تھی، پانی کتنا ہی پی جائے پیاس سے تڑپتا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ اس کا پیٹ پھٹ گیا اور وہ مر گیا۔

ظاہر ہے کہ یہ ان کے اعمال کی اصلی سزا نہیں بلکہ اس کا ایک نمونہ ہے جو لوگوں کو عبرت کے لیے دنیا میں دکھایا گیا ہے۔ قاتلانِ حسین کا یہ عبرتناک انجام معلوم کر کے بے ساختہ یہ آیت زبان پر آتی ہے:

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ. وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ م لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ

''عذاب ایسا ہی ہوتا ہے اور آخرت کا عذاب اس سے بڑا ہے، کاش وہ سمجھ لیتے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بُرا کہنے والے کیلئے ذبح کا حکم

امام مستغفری نے اپنی کتاب ''دلائل النبوۃ'' میں بیان کیا ہے کہ ایک نہایت نیک آدمی نے خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور تمام لوگ حساب کے لیے بلائے جا رہے ہیں۔ میں پل صراط کے قریب پہنچا اور گزر گیا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حوض کوثر پر کھڑے ہیں اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہم لوگوں کو آب کوثر پلا رہے ہیں میں نے بھی پانی مانگا۔ آپ دونوں نے انکار کر دیا۔ پس میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ انہوں نے مجھے آب کوثر نہیں پلایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرما دیجئے کہ وہ مجھے پانی پلائیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''تیرا ایک ہمسایہ ہے جو علی رضی اللہ

عنہ کو برا بھلا کہتا ہے اور تو اس کو منع نہیں کرتا'' میں نے عرض کیا کہ مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ اس کو روک سکوں وہ قوی ہے مجھ کو مار ڈالے گا۔ اس پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ کو ایک چھری عنایت فرمائی اور فرمایا کہ جا اس کو اس سے ذبح کر دے۔ میں نے خواب ہی میں اس کو ذبح کر ڈالا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میں نے اس کو قتل کر ڈالا ہے۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اس کو پانی پلا دو۔ اس پر انہوں نے مجھے پانی کا پیالہ عنایت فرمایا۔ میں نے پیالہ ان سے لے لیا لیکن یاد نہیں کہ پانی پیا یا نہیں۔ اتنے میں میری آنکھ کھل گئی۔ میں نہایت خوفزدہ تھا۔ میں نے جلدی سے وضو کیا اور نماز میں مشغول ہو گیا۔ پھر دن نکل آیا۔ میں نے لوگوں کو شور وغل مچاتے سنا کہ فلاں آدمی کو کوئی اس کے بستر پر مار گیا ہے۔

حاکم کے پیادے آئے اور ہمسائیوں کو پکڑ کر لے گئے۔ میں نے دل میں کہا کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے یہ تو وہ خواب ہے جو میں نے دیکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو سچا کر دکھایا۔ میں جلدی سے اٹھا اور سارا ماجرا حاکم سے کہہ سنایا۔ حاکم نے خواب سن کر کہا کہ اللہ تعالیٰ اس کی جزا دے۔ خیر اب اٹھو اور اپنا راستہ لو کہ تم واقعی بے گناہ ہو۔ اور یہ سب لوگ بھی جن کو میرے سپاہی گرفتار کر کے لائے ہیں بے قصور ہیں۔ (برکات درود شریف)

حضرات شیخین کو برا کہنے والا بندر کی شکل ہو گیا

امام مستغفری نے کتاب ''دلائل النبوۃ'' میں بیان کیا ہے کہ ایک ثقہ نے بیان کیا کہ ہم تین آدمی یمن کو جاتے تھے اور ہمارے ساتھ ایک شخص کوفہ کا تھا۔ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا کرتا تھا ہم ہر چند اسے منع کرتے لیکن وہ باز نہ آتا تھا۔ جب ہم یمن کے نزدیک پہنچے تو ایک جگہ اتر کر سو رہے اور جب کوچ کا وقت آیا تو ہم سب نے اٹھ کر وضو کیا اور اس کو جگایا۔ وہ اٹھ کر کہنے لگا افسوس میں تم سے جدا ہو کر اسی منزل میں رہ جاؤں گا۔ ابھی میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے سر پر کھڑے فرماتے ہیں کہ اے فاسق تو اس منزل میں مسخ ہو جائیگا۔ ہم نے کہا کہ وضو کر۔ اس نے اپنے پاؤں سمیٹے۔ ہم نے دیکھا کہ انگلیوں سے اس کا مسخ ہونا شروع ہوا اور دونوں پاؤں اس کے بندر کے سے ہو گئے۔ پھر گھٹنوں تک پھر کمر تک پھر سینہ تک پھر منہ تک مسخ پہنچا اور وہ بالکل بندر بن گیا۔ ہم نے اس کو پکڑ کر اونٹ پر باندھ لیا اور وہاں سے روانہ ہوئے اور وقت غروب آفتاب ایک جنگل میں پہنچے وہاں چند بندر جمع تھے۔ اس نے جب انہیں دیکھا تو رسی تڑوا کر ان میں جا ملا۔ نعوذ باللہ منہا.. (دینی دستر خوان جلد ۲)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل عبید اللہ بن زیاد کا حشر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کی ٹھنڈک یعنی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اہل بیت کے قاتلوں کے سردار عبید اللہ بن زیاد کا حشر اس زمانہ کے لوگوں نے دیکھ لیا کہ ابراہیم بن اشتر نے اس کے اور اس کے ساتھیوں کے سروں کو کاٹ کر ایک مسجد کے صحن میں مولی، گاجر کی طرح ڈھیر لگا دیا۔ ترمذی شریف کے اندر حضرت

عمارہ بن عمیر سے ایک روایت مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب عبیداللہ بن زیاد اور اس کے ساتھیوں کے سروں کو مسجد کے صحن میں کاٹ کر ڈھیر لگا دیا گیا تو اس منظر کو دیکھنے کے لیے لوگوں کی ایک بھیڑ لگی ہوئی تھی تو میں بھی گیا جس وقت میں پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد لوگوں میں شور ہوتا رہا اور شور اس بات کا ہو رہا تھا کہ ان سروں میں ایک سانپ گشت کر رہا تھا اور گشت کرتا ہوا عبیداللہ بن زیاد کی ناک میں گھس جاتا تھا تھوڑی دیر اس کی ناک میں ٹھہرنے کے بعد پھر نکل کر غائب ہو جاتا تھا پھر تھوڑی دیر بعد آ کر اسی کی ناک میں گھستا تھا، میں نے اپنی آنکھوں سے یہ منظر مسلسل دو تین مرتبہ دیکھا ہے۔ (ترمذی شریف:۲/۲۱۸، البدایہ والنہایہ:۸/۲۸۱)

سیدزادہ پر زیادتی کے سبب زیارت بند ہوگئی

حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی نوراللہ مرقدہ فرماتے تھے کہ ان کے اُستاد حضرت مولانا قلندر صاحب جو جلال آباد میں رہتے تھے...وہ صاحب حضوری تھے...یعنی اُن کو روزانہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوتی تھی...گو اللہ تعالیٰ کے بندے بعض ایسے بھی ہوئے ہیں جن کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت بیداری میں بھی ہوتی رہی ہے...لیکن خواب میں زیارت کرنے والے زیادہ ہوئے ہیں...حضرت مولانا قلندر صاحب جب مدینہ شریف جا رہے تھے...تو کسی غلطی پر اپنے حمال کو جو ایک نوجوان شخص تھا تھپڑ مار دیا بس اسی روز سے زیارت بند ہوگئی...انہیں اس کا بڑا غم ہوا...اس غم کو وہی جانتا ہے جس کو کچھ ملا ہو اور پھر لے لیا جائے...جس کو کچھ ملا ہی نہ ہو وہ کیا جانے...اِسی غم میں مدینہ طیبہ پہنچے وہاں کے مشائخ سے رجوع کیا مگر سب نے کہا...ہمارے قابو سے باہر ہے...البتہ ایک مجذوب عورت کبھی کبھی روضہ اطہر کی زیارت کیلئے آتی ہے...وہ برابر ٹکٹکی لگائے دیکھتی رہتی ہے...وہ کبھی آئے اور توجہ کرے...تو ان شاءاللہ پھر زیارت نصیب ہونے لگے گی...وہ اس مجذوبہ کے منتظر رہے...ایک دن وہ بی بی آئیں...اُن سے اُنہوں نے عرض کیا...تو انہیں ایک جوش آیا اور اسی جوش میں انہوں نے روضہ اقدس کی طرف اشارہ کر کے کہا ''شف یعنی دیکھ'' انہوں نے جو اس وقت نظر کی تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں...جاگنے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے...اور اس کے بعد وہی کیفیت حضوری کی جو جاتی رہی تھی پھر حاصل ہوگئی...گو تھپڑ مارنے کے بعد مولانا نے اُس سے معافی مانگ لی تھی اور اس نے معاف بھی کر دیا تھا لیکن پھر بھی اِس حرکت کا یہ وبال ہوا...تحقیق پر معلوم ہوا کہ وہ لڑکا سیدزادہ تھا...(سیرۃ النبی بعداز وصال النبی)

سید کی بے ادبی سے بچئے

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ اپنے خطبات میں فرماتے ہیں: کہ میری پھوپھی کے پاس ایک سید بچی قرآن کریم پڑھنے کیلئے آتی تھی تو ایک دن پھوپھی صاحبہ کو خواب میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زیارت ہوئی اور انہوں نے تاکید فرمائی کہ میری ایک سید بچی آپ کے پاس پڑھنے آتی ہے...آپ اسے صحیح انداز میں پڑھائیں۔

یہ سیدہ زادی کی برکت تھی کہ خواب میں خاتون جنت کی زیارت ہوگئی۔

بے ادبی پر شکلیں مسخ ہونے کے واقعات

1 ... بغض صحابہ رضی اللہ عنہم کی معنوی صورت

حضرت ابن عربی اپنی مشہور کتاب ''فتوحات مکیہ'' کے باب ۷۲ میں لکھتے ہیں شافعی مذہب کے دو ثقہ آدمی تھے۔ جن پر عداوت صحابہ رضی اللہ عنہم کا کسی کو گمان تک نہ تھا۔ وہ اس کو بہت مخفی رکھتے تھے۔ وہ ایک بزرگ کی خدمت میں رہا کرتے تھے وہ بزرگ میرے دوست تھے۔ ایک دن میں ان بزرگ کے پاس بیٹھا تھا اور اس مجلس میں وہ دو آدمی بھی موجود تھے۔ میں نے ان کو دیکھ کر کہا کہ مجھے تمہاری باطنی شکل خنزیر کی نظر آتی ہے۔ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مقام حاصل ہے۔ کہ جس سے میں دشمن صحابہ رضی اللہ عنہم کی باطنی شکل خنزیر کی صورت میں دیکھتا ہوں۔ انہوں نے فوراً توبہ کرلی۔ اس کے بعد مجھے ان کی شکل اصلی صورت میں نظر آنے لگی۔ (فتوحات مکیہ باب ۷۲ مطبوعہ مصر)

2 ... بغض صحابہ رضی اللہ عنہم کی وجہ سے آنکھیں باہر نکل آنا

علامہ ابن قیم اپنی کتاب ''کتاب الروح'' میں حضرت ابوالحسن مطلی خطیب مسجد نبوی سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے مدینہ طیبہ میں ایک عجیب واقعہ دیکھا۔ کہ ایک شخص مدینہ شریف میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ ہم ایک دن صبح کی نماز پڑھ کر بیٹھے تھے کہ وہ شخص ہمارے سامنے ظاہر ہوا جسکی دونوں آنکھیں باہر نکل کر اس کے گالوں تک لٹک رہی تھیں۔ ہم نے اس سے بڑے تعجب سے کہا کہ یہ تیری کیا حالت ہے؟ وہ کہنے لگا آج رات کو خواب میں میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے۔ میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے دیکھ کر کہا کہ یارسول اللہ! یہی شخص ہے جو ہمیں ایذاء اور گالیاں دیا کرتا ہے۔ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تجھے کس نے کہا ہے جو تو ان کو گالیاں دیا کرتا ہے۔ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا۔ بس یہ سنتے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ میری طرف غصے سے لپکے اور اپنی دونوں انگلیوں سے میری طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ اگر تو نے جھوٹ بولا ہے تو خدا تعالیٰ تیری دونوں آنکھیں نکال ڈالے۔ بس یہ کہہ کر اپنی دونوں انگلیوں کو میری آنکھوں میں چبھو دیا۔ جس سے میں بیدار ہو گیا اور یہ حالت ہو گئی جو آپ دیکھ رہے ہیں۔ حضرت خطیب فرماتے ہیں بس وہ شخص رو رو کر اس واقعہ کو لوگوں کو سناتا تھا اور اپنی توبہ کا اعلان کرتا تھا۔ (کتاب الروح مطبوعہ دکن ص ۲۳۲)

3 ...بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی وجہ سے چہرہ سیاہ ہونا

حضرت امام ابن ابی الدنیا حضرت محمد بن علی رضی اللہ عنہ سے نقل فرماتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ ہم مکہ میں کعبہ شریف کے نزدیک بیٹھے تھے کہ ایک شخص ہمارے سامنے آیا اس کا آدھا چہرہ سیاہ تھا اور آدھا سفید۔ کہنے لگا اے لوگو! میری شکل دیکھ کر عبرت حاصل کرو۔ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیا کرتا تھا ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کسی نے میرے منہ پر تھپڑ مارا اور کہا او اللہ کے دشمن او فاسق! کیا تو ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیا کرتا ہے۔ پس جب میں بیدار ہوا تو یہ میری حالت ہو گئی جو آپ لوگ مشاہدہ کر رہے ہیں۔ (کتاب الروح لابن قیم ص ۲۳۲)

4 ...ایک رافضی کا خنزیر بن جانا

حضرت امام شعرانی اپنی کتاب المنن الکبریٰ میں حضرت علامہ عبدالغفار قوصی سے نقل فرماتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ ایک شخص حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیا کرتا تھا۔

اس کی عورت اور اس کا بیٹا اس کو منع کیا کرتے تھے لیکن وہ اپنی اس شرارت سے باز نہ آتا تھا بلکہ انہیں بھی اس پر مجبور کرتا تھا۔ خدا کے غضب سے اس کی صورت خنزیر کی صورت میں بدل گئی۔ اس کے لڑکے نے اس کے گلے میں زنجیر ڈال کر اس کو اپنی دکان میں باندھ رکھا تھا وہ خنزیر کی طرح چنگھاڑتا تھا۔

ہمسایہ لوگ اس کی آواز کو سنا کرتے تھے۔ کئی دنوں کے بعد وہ مر گیا اس کے بیٹے نے اس کو ایک گندے گڑھے میں پھینک دیا۔ علامہ شیخ محبّ الدین طبری فرماتے ہیں کہ مجھ سے ایک شخص نے ذکر کیا تو میں اس کے بیٹے سے ملا اس نے اپنے والد کا یہ حیرت انگیز واقعہ سنایا۔ اس نے کہا کہ میرا والد مجھے بھی اس چیز پر مجبور کرتا تھا اور مارتا تھا۔ لیکن میں نے اس کا کہا نہ مانا۔ (لطائف المنن والاخلاق للشعرانی ص ۸۰ جلد ۲)

5 ...نماز کی توہین سے خنزیر بن جانا

امام شعرانی تاریخ ملک منصور بن سلطان سے نقل کرتے ہیں کہ:

۷۸۲ھ میں حلب کے گورنر نے والیءِ مصر کو خط کے ذریعہ اطلاع دی کہ یہاں حلب میں ایک عجیب واقعہ صادر ہوا ہے۔ کہ جامع مسجد میں ایک امام نماز پڑھا رہا تھا ایک شرارتی آدمی نے امام سے حالت نماز میں اس کے ساتھ مذاق اور استہزاء سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی اور اپنی شرارت دیر تک کرتا رہا۔

لیکن امام نے اپنی نماز نہ توڑی۔ جس وقت امام نے سلام پھیرا اس مذاق کرنے والے کا چہرہ خنزیر کی صورت میں بدل گیا۔ جس سے وہ جنگل کی طرف دوڑ گیا۔

اس واقعہ کی گورنر حلب نے شاہی خط کے ذریعہ والیءِ مصر کو اطلاع دی۔ (سعادۃ الدارین للنبہانی ص ۱۵۶)

❻...نسبی ترجیح سے ایک عالم کو عذاب

جو شخص کسی صحابی کی اولاد ہو اور اس صحابی کو محض نسب اور ہوائے نفس کی وجہ سے دوسرے اکابر صحابہ پر ترجیح دیتا ہو اگر چہ اپنے آپ کو اہل سنت کہلاتا ہو۔ وہ بھی غلط طریقہ پر ہے۔ ایسے ایک بڑے عالم کا واقعہ درج کرتا ہوں۔ کہ اسے قبر میں اس عقیدہ کی وجہ سے کیا عذاب ملا۔ علامہ شعرانی حضرت علامہ قوصی سے نقل کرتے ہیں کہ ایک عالم جو اکابر علماء سے تھا فوت ہو گیا۔ اس کو میں نے خواب میں دیکھا اور اس سے اسلام کے بارے میں پوچھا تو اس کی زبان بند ہو گئی۔ اور اس کا چہرہ کوئلے کی طرح سیاہ تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ تو ایک بڑا عالم تھا اب یہ تیرا کیا حال ہے؟ کہنے لگا۔ کہ میں ایسے عذاب میں اس لئے گرفتار ہوا ہوں کہ میں بعض کو بعض پر محض عصبیت اور ہوائے نفس کی وجہ سے ترجیح دیا کرتا تھا۔ (لطائف المنن الکبریٰ ص ۸۱ جلد ۲)

حضرت خواجہ غلام فرید اپنے شیخ حضرت خواجہ فخر الدین سے نقل کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں: ''ہر کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ راز سائر صحابہ ازیں وجہ زیادہ تر دوست مے دارد کہ آن پیر پیران اوسط یا جد اوست و پیدا است کہ ہر کس آباؤ اجداد خود را دوست ترمے دارد۔ یا آں کہ آں شخص بہادری پیشہ مے کند و حضرت علی رضی اللہ عنہ نیز شجاع می بودند ازیں باعث اوشاں را دوست ترمے دارد۔ این تمام اقسام موہم اویند۔ ازیں ہا اجتناب باید کرد۔

ترجمہ: جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس وجہ سے محبوب رکھتا ہے کہ وہ تمام پیروں کے پیر ہیں یا اس کے جد میں ہیں ظاہر ہے کہ ہر شخص اپنے آباؤ اجداد کے ساتھ زیادہ محبت رکھتا ہے یا وہ شخص بہادری وغیرہ مثل کشتی گیری کرتا ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بڑے بہادر تھے اس وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ محبت رکھتا ہے۔ یہ تمام محبت کی قسمیں...... غلو کی طرف لے جانے والی ہیں۔ ان تمام سے بچنا چاہئے۔ (منقول از مقابیس المجالس مقدمہ دیوان فرید)

❼...حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی لاشیں نکالنے کا مشہور واقعہ

یہ ایک ایسا مشہور واقعہ ہے جس کو بڑے بڑے علماء امت نے نقل کیا ہے۔ علامہ امام قرطبی و علامہ مرجانی نے تاریخ مدینہ میں اور علامہ امام محب الدین طبری نے اپنی کتاب ریاض النضرۃ میں اور علامہ سمہودی اپنی مشہور کتاب تاریخ مدینہ عرف خلاصۃ الوفاء فی الاخبار دار المصطفیٰ میں حضرت شمس الدین الملطی شیخ خدام روضۂ نبوی سے نقل کرتے ہیں کہ ایک جماعت نے حاکم مدینہ کو جو کہ ایک نیم مسلمان حاکم تھا بہت سی دولت کا لالچ دے کر یہ بات منوائی کہ ہمیں روضۂ نبوی سے ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کی لاشیں نکالنے کی اجازت دی جائے۔ وہ لالچ میں آ کر یہ بات مان گیا۔ تو انہوں نے چالیس آدمی اوزاروں کے ساتھ بھیج دیئے۔ شیخ شمس الدین جو اس وقت روضۂ نبوی کے خادم تھے۔ ان کو حاکم مدینہ نے بلا کر کہا۔ کہ رات کو چالیس آدمی روضۂ نبوی میں داخل ہوں گے۔ وہ جو کچھ کریں ان کو مت روکنا۔ شیخ نے اس ظالم حاکم کی ہیبت کی وجہ سے دبی زبان سے کہا۔ جیسے آپ حکم دیں حاضر ہوں۔ پھر آ کر مسجد نبوی میں روتا رہا اور

دعائیں مانگتا رہا۔ وہ کہتے ہیں کہ جب میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی۔ تو یکا یک چالیس آدمیوں کی جماعت اوزاروں سمیت مسجد نبوی میں داخل ہوئی۔ پس جب وہ روضہ کے قریب گئے۔ تو اچانک زمین پھٹ گئی اور وہ سارے کے سارے اوزاروں سمیت زمین میں غرق ہو گئے۔ صبح کو اس بے دین حاکم نے خادم روضۂ نبوی کو بلا کر پوچھا کہ رات کو جو اتنے آدمی مسجد نبوی میں آئے تھے وہ کہاں گئے؟ خادم نے کہا حضور وہ سارے کے سارے غرق ہو گئے۔ اس حاکم نے آ کر اس جگہ کو دیکھا جہاں زمین پھٹنے کا نشان تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ اس جگہ کو کھودا بھی گیا لیکن ان کا نشان تک نہ ملا۔ پھر علامہ محب الدین طبری لکھتے ہیں کہ حاکم مدینہ کو کوڑھ کے مرض نے آ گھیرا۔ جس سے اس کا گوشت بدن سے گرتا تھا حتی کہ وہ بہت بری حالت میں مر گیا۔ یہ روایت مختلف الفاظ سے مروی تھی میں نے مختصر طور پر سب کا خلاصہ جمع کر دیا ہے۔ (المنن الکبریٰ للشعرانی ص۱۸۱ ج۲ کتاب سعادۃ الدارین ص۱۵۵)

8 ... بغض صدیق رضی اللہ عنہ کی وجہ سے خنزیر بن جانا

حضرت علامہ امام ابن حجر مکی اپنی مشہور کتاب الزواجر میں علامہ کمال سے نقل کرتے ہیں۔ وہ حضرت شیخ الصالح عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ میں مدینہ شریف میں رہا کرتا تھا۔ عاشورہ کے موقع پر جہاں کچھ اعدائے صحابہ جمع ہو جایا کرتے۔ میں ان کے پاس گیا۔ میں نے ان سے کہا کہ مجھے محبت صدیق رضی اللہ عنہ کے بدلے کچھ چیز عطاء کرو۔ تو ان میں سے ایک آدمی نے جواب دیا تھوڑی دیر یہاں بیٹھ جا۔ چیز مل جائے گی۔ جب وہ فارغ ہو گئے۔ تو ایک آدمی مجھے اپنے گھر میں لے گیا جب میں ان کے گھر میں گیا تو اس نے اندر سے دروازے بند کر دیئے اور مجھ پر دو نوکر مقرر کر دیئے کہ اس کو خوب مارو۔ تو انہوں نے مجھے باندھ کر خوب مارا اور میری زبان کاٹ کر مجھے دروازے سے باہر نکال دیا اور کہا جس کی محبت کے بدلے چیز مانگتا تھا۔ اب ان سے اپنی زبان درست کرانا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں تکلیف کی وجہ سے روتا ہوا مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچا اور روضہ مبارک کے سامنے روتا رہا۔ حتی کہ روتے روتے مجھے نیند آ گئی۔ خواب میں دیکھتا ہوں کہ میری زبان درست ہو گئی ہے۔ جب میں جاگا تو اللہ کے فضل سے میری زبان بالکل درست تھی۔

اس واقعہ سے میری محبت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے زیادہ بڑھ گئی۔ جب دوسرا عاشورہ آیا تو میں پھر ان کی مجلس میں گیا اور وہی بات کہی جو پچھلے سال کہی تھی۔ ان میں سے ایک جوان نکلا میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گیا اور میری بہت عزت کی اور کھانا کھلایا پھر اسی مکان کا دروازہ کھول کر مجھے اندر لے گیا اور پھر وہ جوان رونے لگا۔ میں نے اندر دیکھا کہ ایک خنزیر بندھا ہوا ہے۔ میں نے اس سے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے بڑی مشکل سے بتلایا اور قسم دلوائی کہ کسی کو یہ راز نہ بتلانا۔ پھر اس نے یہ کہا کہ پچھلے عاشورہ کو ایک سائل آیا تھا اس نے محبت صدیق رضی اللہ عنہ کے بدلے کوئی چیز مانگی تھی اور اس نے وہ سارا واقعہ مارنے کا سنایا۔ اس نے کہا جب میں نے اس کو نکال دیا تو جس وقت رات ہوئی ہم سو گئے یکا یک ہم نے رات کو ایک ایسی ہولناک چیخ سنی کہ سب ڈر کر اٹھ بیٹھے اور ہم نے دیکھا کہ یہ میرا والد خنزیر کی شکل میں مسخ

ہو چکا ہے۔ ہم نے اس کو مکان میں بند کر دیا اور لوگوں میں اس کی موت کا اعلان کر دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا میں وہی ہوں جس کے بدلے یہ عذاب میں گرفتار ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے میری زبان کو محبت صدیق رضی اللہ عنہ کی برکت سے صحیح سالم کر دیا ہے۔ پس اس نوجوان نے مجھے کچھ چیزیں دے کر رخصت کر دیا۔ (زواجر لابن حجر مکی ص ۱۹۳ ج ۲)

⑨...ایک رافضی کا خواب میں قتل ہو جانا

علامہ امام ابن قیم حضرت علامہ قیروانی سے نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ بعض اسلاف سے مروی ہے کہ میرا ایک ہمسایہ تھا وہ ہمیشہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہتا تھا۔ ایک دن میری اس سے سخت چھیڑ چھاڑ ہو گئی۔ آخر میں اس بات سے بہت مغموم ہوا۔

اسی غم کی حالت میں رات کو سو گیا۔ رات کو میں نے خواب میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت! فلاں آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو سخت برا بھلا کہتا ہے۔ آپ نے فرمایا کون سے اصحاب کو؟ میں نے عرض کیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ چھری لے لے اور اس کو جا کر ذبح کر دے۔ میں نے جا کر اس کو پکڑا اور لٹا کر اس کی گردن پر چھری پھیر دی۔ میں نے دیکھا کہ اس کے خون سے میرے ہاتھ بھر گئے ہیں۔

میں نے چھری پھینک دی اور ارادہ کیا کہ اپنے ہاتھوں کو مٹی سے پونچھ کر صاف کر دوں پس میں جاگ پڑا۔ کیا سنتا ہوں کہ اس کے گھر سے رونے کی آواز آرہی ہے۔ میں نے پوچھا یہ کیسا رونا ہے؟ انہوں نے کہا کہ فلاں آدمی اچانک موت سے مر گیا ہے۔ جب صبح ہوئی تو میں نے جا کر دیکھا اس کی گردن کے اوپر ایک دھاری سی پڑی ہوئی ہے جس سے ذبح کا نشان ظاہر ہوتا ہے۔ (کتاب الروح لابن قیم ص ۲۳۰)

اس واقعہ پر ایک شبہ پڑتا ہے کہ خواب میں قتل کرنے سے وہ گھر میں کیسے قتل ہو گیا؟ جواب یہ ہے کہ ایک تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ ہے جو معجزات بعد وفات بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہر ہوتے رہیں گے۔ دوسرا جواب: امام ابن قیم فرماتے ہیں سونے والے کی روح خواب میں ایسی ایسی چیزیں دیکھتی ہے کہ بیدار ہونے پر بعض دفعہ اس کے آثار بدن پر محسوس ہوتے ہیں۔ یہ اس روح کی قوت کا دوسری روح میں تاثر کہلاتا ہے۔ (کتاب الروح ص ۲۳۰)

اسی قسم کے بہت سے واقعات ہیں جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ اسی قسم کا ایک دوسرا واقعہ بھی امام ابن قیم حضرت علامہ محمد بن عباد سے نقل کرتے ہیں۔ کہ انہوں نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ایک دشمن صحابہ کو قتل کر دیا تھا۔ (کتاب الروح ص ۲۲۳)......اسی قسم کا واقعہ حضرت امام علامہ تلمسانی نے بھی اپنی کتاب مصباح الظلام میں نقل کیا ہے) یہاں تک ایسے واقعات نقل کئے ہیں جو بعض دشمن صحابہ رضی اللہ عنہم کو دنیا میں پیش آئے۔ اب ایسے واقعات درج کرتا ہوں جو انہیں مرتے وقت اور قبر میں پیش آئے۔

⑩ ...بغض صحابہ رضی اللہ عنہم کی وجہ سے گلے میں سانپ کا چمٹ جانا

حضرت امام ابن ابی الدنیا ابو اسحاق سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں ایک میت کے نہلانے کے لئے بلایا گیا۔ پس جب میں نے اس کے منہ سے کپڑا اٹھایا تو ناگہاں اس کے گلے میں ایک کالا سانپ چمٹا ہوا تھا۔ حاضرین نے ذکر کیا کہ یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ (کتاب الروح لابن قیم ص ۸۶ شرح الصدور للسیوطی ص ۲۶۸)

⑪ ....قبر میں خنزیر بن جانا

حضرت علامہ ابن حجر مکی اپنی کتاب زواجر میں تاریخ حلب سے ایک واقعہ نقل کرتے ہیں۔ حلب میں ایک شخص ابن منیر جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیا کرتا تھا مر گیا۔ حلب کے چند نوجوان سیر و سیاحت کے لئے نکلے۔ کسی نے کہا یہ جو کہتے ہیں کہ جو شیخین کو گالیاں دیا کرتا ہے قبر میں اس کی صورت خنزیر کی ہو جاتی ہے۔ آؤ آج ابن منیر کی قبر کھود کر تماشہ دیکھیں۔ پس سب جوان اس بات پر متفق ہو کر اس قبرستان میں گئے۔ اور جا کر ابن منیر کی قبر کو کھودا۔ دیکھا تو قبر میں ایک خنزیر پڑا ہوا ہے جس کا رخ قبلے سے پھرا ہوا ہے۔ پس انہوں نے اس کو مار کر قبر میں دفن کر دیا اور گھر چلے آئے۔ (کتاب الزواجر لابن حجر مکی ص ۱۹۳ جلد ۲)

اس حکایت پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ بہت سے دشمنان صحابہ کو قبروں میں دیکھا گیا لیکن ان کی صورت خنزیر کی نہ تھی۔ جواب یہ ہے کہ عالم برزخ کے حالات کا مشاہدہ ہم ان ظاہری آنکھوں سے نہیں کر سکتے۔ ہو سکتا ہے کہ ہر دشمن صحابہ قبر میں خنزیر کی صورت میں ہو لیکن ہم اس صورت کو جو برزخی عذاب کی صورت ہے ادراک نہیں کر سکتے۔ اور کبھی کبھی کسی برزخی عذاب کو اس دنیا میں نظر آ جانا بطور عبرت کے ہوتا ہے۔

⑫ ...بغض صحابہ سے قبر میں آنکھ نکل جانا

امام ابن عساکر ایک شیخ سے روایت کرتے ہیں کہ میرا ایک ہمسایہ مر گیا۔ اس کو میں نے خواب میں دیکھا اس کی ایک آنکھ نہیں ہے۔ میں نے پوچھا کہ اے فلانے! تیری آنکھ کہاں گئی۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص کی تھی۔ اسی وجہ سے اس عذاب میں گرفتار کیا گیا ہوں۔ جو تو میری حالت دیکھ رہا ہے۔ (شرح الصدور للسیوطی)

⑬ ...بغض صحابہ رضی اللہ عنہم سے نصرانیوں کے ساتھ

امام ابن ابی الدنیا نے حضرت ابو بکر صیرنی سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ ایک شخص مر گیا جو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیا کرتا تھا۔ اور مذہب جہمیہ کو اچھا سمجھتا تھا۔ اس کو کسی نے خواب میں دیکھا کہ گویا وہ ننگا ہے۔ اور اس کے سر پر ایک سیاہ چیتھڑا ہے اور اس کے ستر پر ایک دوسرا چیتھڑا ہے۔ اس نے کہا تیرے ساتھ خدا تعالیٰ نے کیا کیا؟ اس نے کہا مجھے بکر بن قیس اور عون بن اعسر کے ساتھ کر دیا اور یہ دونوں نصرانی تھے۔ (شرح الصدور للسیوطی ص ۲۲۴)

⑭... حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی محبت کا عذاب

امام ابن عساکر اپنی تاریخ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ کہ جو آدمی اس حالت میں مرے گا جس کے دل میں رتی برابر بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کی محبت ہو وہ ضرور دجال کی پیروی کرے گا۔ اگر اس کا زمانہ نہ پایا تو قبر میں دجال پر ایمان لائے گا۔ یعنی ایسی حالت میں مرے گا جیسے کوئی دجال پر ایمان رکھتا ہو۔ (شرح الصدور للسیوطی ص ۲۴۸)

⑮... بغض شیخین سے گلے میں طوق بن جانا

حضرت علامہ تلمسانی اپنی کتاب مصباح الظلام میں علامہ ابو محمد عبداللہ فقیہ حنبلی سے روایت نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ایک جماعت مکہ شریف حج کے لئے روانہ ہوئی ان میں ایک آدمی تھا جو نوافل نماز بہت پڑھتا تھا وہ راستے میں فوت ہو گیا اس کے دفن کے لئے ان کے پاس کوئی کدال وغیرہ نہ تھا جس سے اس کی قبر کھود کر دفن کریں۔ انہوں نے اس جنگل میں گھومنا شروع کیا۔ ایک بڑھیا عورت کی جھونپڑی دیکھی۔ اس کے پاس گئے دیکھا اس کی جھونپڑی میں لوہے کا ایک بڑا سا کدال پڑا ہے۔ انہوں نے اس سے طلب کیا اس نے کہا کہ تم حلفیہ عہد کرو کہ ہم اسے ضرور واپس کر دیں گے۔ انہوں نے واپس کرنے کا حلف اٹھایا اور اس سے کدال لے کر آ گئے پس اس کدال سے قبر کھودی اور اس کو دفن کر دیا۔ جب فارغ ہوئے تو دیکھا کہ کدال غلطی سے قبر میں رہ گئی ہے اور اس بڑھیا کا عہد بھی یاد آیا۔ کدال نکالنے کے لئے اس قبر کو کھودا تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ کدال اس مردہ کی گردن میں طوق بنی ہوئی ہے۔ اور ہاتھ بھی اس میں بند ہیں۔ وہ حیران رہ گئے۔ انہوں نے اسے ویسے ہی بند کر دیا اور اس واقعہ کو بڑھیا کے پاس جا کر بیان کر دیا۔ بڑھیا نے **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** پڑھا اور کہا کہ یہ کدال میرے پاس تھی مجھے خواب میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اس کدال کو محفوظ رکھنا یہ ایک ایسے شخص کی قبر میں طوق بنے گی جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیتا ہے۔ (سعادۃ الدارین للنبہانی ص ۱۵۲)

⑯... بغض صحابہ رضی اللہ عنہم سے قبر میں سانپ

علامہ تلمسانی فرماتے ہیں کہ ایک بوڑھے شیخ نے بیان کیا کہ میں جامع مسجد حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ میں موجود تھا کہ ایک شور سنا پتہ چلا کہ کسی نے ایک دشمن صحابہ کو مار ڈالا ہے۔ اس کے قاتل کو گرفتار کر کے بادشاہ کے پاس لے گئے۔ اس قاتل کو سزا دی گئی۔ اور دشمن صحابہ کی لاش کے متعلق بادشاہ نے حکم دیا کہ جاؤ اسے دفن کر دو۔ پس جب انہوں نے اس کے لئے قبر کھودی تو اس میں ایک بڑا سانپ ظاہر ہوا۔ پھر انہوں نے دوسری جگہ قبر کھودی وہاں بھی وہی سانپ ظاہر ہوا۔ غرضیکہ جہاں قبر کھودتے وہاں وہی سانپ نکل آتا۔ آخر انہوں نے تنگ آ کر اسی سانپ کے ساتھ اسے دفن کر دیا۔ (سعادۃ الدارین للنبہانی ص ۱۵۳)

17... بغض صحابہ رضی اللہ عنہم کی وجہ سے قبر میں سے غائب ہو جانا

علامہ حق نازلی اپنی مشہور تفسیر روح البیان میں لکھتے ہیں کہ مدینہ شریف میں ابن ہیلان نامی ایک شخص رہا کرتا تھا۔ جو صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہا کرتا تھا۔ جب وہ فوت ہوا تو اس کو جنت البقیع کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ کسی وجہ سے دوسرے دن اس کی قبر کھودی تو دیکھا کہ اسکی لاش غائب تھی۔ اس واقعہ میں حضرت قاضی جمال الدین بھی موجود تھے۔ اس واقعہ کو اس زمانہ کے لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی سمجھا۔ (تفسیر روح البیان ص ۳۳۷ ج ۱)

18... دشمنان صحابہ پر کتے کا مسلط ہونا

حضرت امام سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے بصرہ میں ایک کتا دیکھا جس نے لوگوں کا راستہ چلنا بند کر دیا تھا۔ میں جب اس راستہ سے گذرا تو دل میں خوف پیدا ہوا کتا مجھے دیکھ کر کہنے لگا تم ہرگز نہ ڈرو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو برا کہنے والوں پر مسلط کیا ہے۔ (سیرۃ فاروق لابن جوزی نزہۃ المجالس ص ۲۹۸ ج ۲)

اس کتے کو اللہ تعالیٰ نے بطور عبرت مقرر کر دیا ہوگا شاید اس وقت بصرہ میں دشمن شیخین بہت ہوں گے دوسرے کتے کا بولنا یہ بھی بطور عبرت کے تھا۔ اولیاء کرام سے جانوروں کا بات کرنا خرق عادات سے ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کے ساتھ ایک کتے کا کلام کرنا بہت علماء کرام نے نقل کیا ہے۔

19... حضرت علی رضی اللہ عنہ کی توہین کرنیوالے کا چہرہ خنزیر کی شکل میں

علامہ بارزی حضرت منصور سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے شام میں ایک آدمی کو دیکھا کہ اس کا بدن آدمی جیسا ہے لیکن اس کا چہرہ خنزیر کی شکل میں ہے اس کی وجہ پوچھی گئی تو معلوم ہوا کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر روزانہ ایک ہزار مرتبہ لعنت کیا کرتا تھا۔ اور جمعہ کے دن چار ہزار مرتبہ۔ کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور اس مردود کی شکایت کی آپ نے اس کے چہرہ کی طرف تھوک دیا جس کی وجہ سے اس کا چہرہ خنزیر کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ (صواعق الحرقہ ۱۹۴)

20... حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی توہین کرنیوالے کا اندھا ہو جانا

حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو فاسق ابن فاسق کہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر دو چھوٹے ستارے چنگاریوں کی مانند اتار کر اسے اندھا کر دیا۔ (صواعق الحرقہ ص ۱۹۴)

21... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین کرنیوالے کی حیرت انگیز موت

حضرت علامہ مفسر و مورخ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ کسی نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ و علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پانچوں صحابی بیٹھے ہیں۔ اتنے میں ایک آدمی آ گیا جس کا نام راشد الکندی تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دیکھ کر کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آدمی ہمیں

برا بھلا کہتا رہتا ہے۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سختی سے ڈانٹا وہ کہنے لگا یا حضرت! میں انہیں تو کچھ نہیں کہتا بلکہ میں تو معاویہ رضی اللہ عنہ کم وبیش کہا کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بربادی ہو تیرے لیے کیا یہ میرے صحابی نہیں ہیں؟ آپ نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لوہے کا ڈنڈا اٹھا کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دیا اور فرمایا کہ اسے پیچھے کی طرف سے مار۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے مارا۔ میری نیند سے آنکھ کھل گئی جب صبح ہوئی تو میں نے سنا کہ وہ آدمی رات کو کسی اچانک موت سے مر گیا۔ (البدایہ والنہایہ ص ۱۳۹ ج ۸)

محبت صحابہ رضی اللہ عنہم کا وجوب

محدث ومفتی مدینہ علامہ محمد خضر اپنی کتاب کوثر المانی الداری شرح صحیح بخاری ص ۱۲ ج ا میں حدیث نقل کرتے ہیں۔

''حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے میری امت! تم پر ابوبکر رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کی محبت فرض کی گئی ہے جو ان صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت سے انکار کرے گا اس کی نماز اور زکوٰۃ اور روزہ اور حج قبول نہ کیا جائے گا''۔

اس حدیث کو علامہ طبرانی نے ریاض النضرہ میں بھی نقل کیا ہے۔ اے مسلمانو! اس حدیث کو پڑھ کر غور کرو کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی محبت کے بغیر جب فرضی عبادتیں مقبول نہیں ہوتیں تو ان کا ایمان کیسے مقبول ہوگا۔ اسی کتاب میں ایک دوسری حدیث لکھی ہے۔ جس سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی محبت کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی محبت میری امت پر واجب ہے۔ (کوثر المعانی ص ۱۲ ج ۱)

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ ان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہم پر کتنا حق ہے اور ہمارے مسلمان اتنے غافل ہیں کہ ان کے نام تک نہیں جانتے۔ اور نہ ان کے حالات پڑھتے ہیں جب یہ حال ہے تو ان سے محبت کیسے ہوگی؟

عبرت آموز حکایات

حضرت مولانا امیر علی ملیح آبادی حاشیہ اشعتہ اللمعات پر تحریر فرماتے ہیں:

''تقریباً دس سال کی بات ہے کہ عظیم آباد میں ایک سنی اور ایک شیعہ میں گہری دوستی تھی۔ سنی نے حج کا ارادہ کیا اور شیعہ دوست سے ملنے گیا۔ اس نے ایک درخواست کی اور کہا کہ تم سے کہنے کی ہمت نہیں پڑ رہی۔ سنی کے اصرار پر پوشیدہ رکھنے کا وعدہ لے کر کہا کہ میری جانب سے دربار رسالت میں عرض کرنا کہ یا حضرت فلاں شخص عرض کرتا ہے کہ میری دلی تمنا ہے کہ زیارت کے لیے حاضر ہوں۔ مگر ایک وجہ سے حاضر نہیں ہو سکتا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو دشمن (معاذ اللہ) آپ کے پہلو میں مدفون ہیں۔ سنی کو ذرا تامل ہوا تو اس نے کہا کہ اس میں تمہارا کیا حرج ہے۔ یہ پیغام تو میری جانب سے ہے۔ بہر حال اس کو راضی کیا۔ حج کے بعد جب روضہ اقدس کی زیارت سے فارغ ہو چکا تو دوست کا پیغام یاد آیا۔ مگر موقعہ نہ ملا۔ آخر قافلہ کی روانگی کا وقت قریب آیا تو ایک رات بڑی ہمت کر کے لرزتے

ہوئے معذرت کے ساتھ دوست کا پیغام عرض کیا۔ وہ پیغام جس کو زبان پر لانا کیا اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ دل پر ایسا خوف ولرزہ طاری ہوا کہ بے ہوش ہو گیا۔

اسی حالت میں دیکھتا ہے کہ جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ تشریف فرما ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی داہنی جانب سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ حمائل بگردن کھڑے ہیں۔ اور بائیں طرف سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ شمشیر بکف استادہ (کھڑے) ہیں اور دور (پرے) ایک جانب وہی شیعہ دوست موجود ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنی کو بلا کر فرمایا کہ اسی شخص نے تم سے وہ پیغام کہلایا تھا۔ اس نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! یہ وہی شخص ہے حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اشارہ فرمایا انہوں نے حکم پاتے ہی اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ سر لڑھک کر ایک پرنالہ میں پہنچ گیا۔ ہوش آیا تو اس کی عجیب حالت تھی۔ کسی طرح قیام گاہ پر پہنچا۔ اور تاریخ یاد کر لی۔ وطن پہنچنے کے بعد اس واقعہ کا تذکرہ مولانا خدا بخش مرحوم سے کیا اور اطمینان ہونے پر دوست کے مکان پر ملنے گیا۔ اس کو دیکھتے ہی بیوی بچے روتے ہوئے آئے اور واقعہ بیان کیا کہ تمہارے دوست کا عجیب حال ہوا۔ ایک دن بیت الخلا میں گئے ہوئے تھے۔ کوئی دشمن موری کے راستے اندر پہنچ کر ان کو قتل کر گیا اور سر حوض میں اور بدن قدمچہ میں ڈال گیا۔ صبح لوگوں کو اطلاع ہوئی۔ مگر آج تک قاتل کا سراغ نہ ملا۔ دونوں واقعات کی تاریخوں کے موازنہ سے ایک ہی تاریخ معلوم ہوتی ہے۔ (اشعۃ اللمعات ج ۴ ص ۲۲۵)

عظیم مجاہد

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے پوتے اور حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند اور حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید باصفا شہید فی سبیل اللہ حضرت مولانا محمد اسماعیل شہید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ جنہوں نے دین کی خدمت اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے ہزاروں صعوبتیں جھیلیں۔ پورے ہندوستان کا دورہ فرما کر مجاہدین کی جماعت تیار کی اور سرحد بالاکوٹ میں سکھوں سے جہاد کرتے ہوئے اپنے بہت سے رفقاء کے ساتھ جام شہادت نوش فرمایا۔ زندگی بھر توحید وسنت کی اشاعت میں تن من دھن سب کچھ قربان کر دیا۔

ایک شہید کے سر نے آیات قرآنی تلاوت کی

ضد اور ہٹ دھرمی ایک عادت ہے جو زیادہ تر بچوں عورتوں اور جابر بادشاہوں میں پائی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے راج ہٹ تریا ہٹ اور بال ہٹ ایک مشہور مقولہ ہی کیا ہے۔ دنیا نے ہزار ہا مرتبہ راج ہٹ کا تماشہ دیکھا ہے۔

اکثر ظالم وجابر حاکموں نے اپنے وقت میں حکومت کے بل بوتے پر ظلم واستبداد کے نشہ میں قہرمانی طاقتوں کے ذریعہ دنیا والوں سے اپنی بے جا ہٹ منوانے کی کوشش کی ہے۔ کمزور لوگوں نے قید وبند کی مصیبتوں سے بچنے کی خاطر ان کی بات مانی ہے۔ مگر بہت سے اللہ کے نیک بندے ایسے گذرے ہیں کہ جنہوں نے غلط اور ناحق بات کے سامنے گردن جھکانے سے صاف انکار کر دیا ہے۔ اور ان کی طرف سے ہونے والی تمام سختیوں کا مردانہ وار اور عزم وحوصلہ

کے ساتھ مقابلہ کیا ہے۔اور گھبرائے نہیں۔کوڑے لگائے گئے۔قید وتنہائی میں رکھے گئے۔بھاری بھاری زنجیروں میں جکڑے گئے۔مگر کلمہ حق کی سربلندی سے کبھی غافل نہ رہے۔اور جان گسل حالات میں بھی حق بات کہتے رہے۔اور دنیا کی کسی طاقت کی پرواہ نہ کی اور سب کچھ ہنسی خوشی برداشت کیا۔

اسی راج ہٹ کے واقعات کو بہت ہی اختصار کے ساتھ لکھا جارہا ہے۔بغداد کے عباسی خلفاء میں ہارون رشید کے بعد اس کا بیٹا مامون رشید ۱۹۸ھ میں سریر آرائے خلافت ہوا۔آدمی بہت ذہین تھا۔بہادر تھا اور ذی علم تھا۔فقہ وغیرہ علوم اسلامیہ میں مہارت تامہ حاصل کیا۔اور یونانی فلسفہ کا مطالعہ کیا۔مگر گمراہ عالموں کے نرغے میں پھنس کر بہت سے غلط عقائد کا بھی قائل ہوگیا۔جو بالکل اہل سنت والجماعت کے عقائد کے خلاف تھے۔اور ان غلط عقائد کی دھن میں لگ گیا اس کے دست راست گمراہ کن معتزلی عالم بشیر بن غیاث اعریسی تھے۔(متوفی ۲۱۸) انہی کی صحبت میں اس نے بہت سی باتیں سیکھیں۔چونکہ وہ خود یونانی فلسفہ سے متاثر تھا۔گمراہ علماء کی صحبت نے کریلا نیم چڑھا بنادیا۔

ایک عجیب وغریب چشمہ

نیشاپور میں پہاڑ کے قریب قریہ دبیر میں پانی کا ایک چشمہ ہے جس کی صفت عجیب وغریب ہے کہ زبردست گرمی میں اس کا پانی ٹھنڈا ہوکر برف ہوجاتا ہے۔اور سخت سردی میں اس کے برعکس گرم ہوجاتا ہے۔

سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ کے عجائبات بھی بےشمار ہیں۔اور ایسے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔(روضات الجنات ج ۱ ص ۲۷۶)

حضرت بایزید بسطامی رحمہ اللہ کا دلچسپ جواب

کسی نے حضرت بایزید بسطامی کو خواب میں دیکھا دریافت کیا کہ حضرت بتایئے کیا حال رہا؟ کہا کہ سوال ہوا اے بڈھے کیا لایا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جب درویش سلطان کے دربار میں جاتا ہے تو اس سے یہ سوال نہیں کرتے کہ کیا لائے ہو۔بلکہ کہا جاتا ہے کہ کیا لوگے!(روضات الجنات ج ۱ ص ۳۰۴)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر بہتان کی سزا قتل اور اس پر بہترین استدلال

عبداللہ ہمدانی فرماتے ہیں کہ ایک دن حسن بن یزید کے متعلق لکھا۔جو طبرستان میں دعوت حق کا کام کررہے تھے۔اور کمبل اوڑھتے اور پہنتے تھے۔اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں سرگرم رہتے تھے۔اور ہر سال بیس ہزار دینار بغداد میں بھیجتے تھے۔جو اولاد اصحاب رضوان اللہ علیہم میں تقسیم کردیئے جاتے تھے۔ایک شخص انہیں حسن بن یزید کے پاس آیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں گندے اور قبیح الفاظ استعمال کئے۔

حضرت حسن نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ اس کی گردن اڑادو۔یہ سن کر کچھ علوی حضرات نے آگے بڑھکر کہا کہ جناب یہ تو ہماری جماعت کا آدمی ہے۔حضرت حسن نے فرمایا کہ معاذ اللہ اس شخص نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

پر طعن کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:
اَلْخَبِیْثَاتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ. اگر پناہ بخدا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا خبیث تھیں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خبیث ہونا لازم آتا ہے۔ معاذ اللہ ...کیونکہ زبان خداوندی ہے کہ خبیث عورتیں خبیث مردوں کیلئے ہیں۔ حالانکہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم اکرم الخلق واطیب الخلق ہیں اوران کی زوجہ مطہرہ بھی طیبہ وطاہرہ ہیں۔ عیب سے پاک ہیں۔ پھر دوبارہ غلام کو حکم دیا کہ اس کافر کی گردن اڑادو۔ چنانچہ اس کی گردن اڑادی گئی۔ (الزواجر لابن حجر مکی)

سات سال تک نیند سے بیدار نہ ہوا

صاحب قاموس علامہ نورالدین فیروز آبادی مادہ عبد کے تحت اپنی مایہ ناز لغت میں تحریر فرماتے ہیں:
ایک حدیث معضل میں ہے کہ جنت میں سب سے پہلے داخل ہونے والا ایک حبشی غلام ہوگا۔
کسی قریہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک نبی بھیجا۔ پوری قوم نے انکار کیا۔ اور ایک شخص بھی اس قریہ کا ایمان نہ لایا۔ صرف عبود نامی ایک حبشی غلام ایمان لایا۔ قریہ والوں نے ایمان لانے کے بجائے اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے نبی کو ایک گڑھے میں ڈال کر ایک بھاری چٹان سے ڈھک دیا۔ حبشی مرد مومن کا کام یہ تھا کہ وہ روزانہ جنگل سے لکڑیاں لاتا۔ اور اسے بیچ کر کھانا مہیا کرتا اور اس گڑھے کے پاس آتا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ پتھر اپنے ہاتھ سے اٹھاتا اور پیغمبر علیہ السلام کو کھانا پانی دے کر پتھر ڈھک دیتا۔
ایک روز لکڑیاں لاکر آرام کرنے کی غرض سے بائیں پہلو لیٹ گیا۔ اسے ایسی نیند طاری ہوئی کہ سات برس تک سوتا رہا۔ جب بیدار ہوا تو ایسا معلوم ہوا کہ صرف تھوڑی دیر سویا ہے۔ بیدار ہوتے ہی اپنی لکڑیوں کا گٹھا اٹھایا اور قریہ میں جا کر اسے بیچا۔ اور حسب دستور پیغمبر اسلام کے پاس پہنچا تو ان کو وہاں نہ پایا معلوم ہوا کہ قریہ والوں نے ان کو پہچانا اور اس گڑھے میں سے نکال کر مقام عزت تک پہنچایا۔ پیغمبر صاحب اس اجنبی کے متعلق لوگوں سے پوچھتے تھے لوگوں نے بتایا کہ اس کا پتہ نہیں ہے۔ (قاموس ج ا ص ۳۱۱)

طویس المغنی

ان کا نام عیسیٰ ابن عبداللہ تھا۔ طویس لقب پہلے طاؤس تھا۔ جب مخنث ہو گئے اور مخنثین کی جماعت میں شامل ہو گئے۔ اور گانے بجانے لگے۔ تو ان کی پارٹی نے ان کا لقب طاؤس سے طویس کر دیا۔ تذکرہ نگاروں نے ان کی ہیئت کذائی کا بھی ذکر کیا ہے۔ کہ وہ عجیب الخلقت آدمی تھے۔ اور آنکھوں میں بھینگا پن تھا۔ فن غنا میں اپنے وقت کے مشاہیر تھے۔
منحوسی اور بدبختی میں ضرب المثل تھے۔ لوگ کسی کی نحوست کا ذکر کرتے تھے۔ تو کہتے اشئم عن طویس. یعنی طویس سے زیادہ منحوس اور عجیب اتفاق ہے کہ ان کی پیدائش اس دن ہوئی جس

دن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی۔ ان کو دودھ اس دن چھڑایا گیا۔ جس دن سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ اور سیدنا حضرت عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دن ان کا نکاح ہوا۔ اور پہلا بچہ جس دن پیدا ہوا۔ اس دن حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی یا حضرت حسن ابن علی رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ بہر حال طویلس کے متعلق کوئی اہم بات اس دن ہوئی جس دن کسی بڑے آدمی کی وفات ہوئی یا شہادت۔ ان وجوہات کے باعث ان کی نحوست زبان پر چڑھ کر ضرب المثل ہوگئی۔ ابوالفرج اصفہانی نے کتاب الاغانی میں ان کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ ۸۲ سال کی عمر میں ۹۲ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

نوٹ: یہ تمام عبرتناک واقعات رسالہ ''مسخ الاشکال'' از دینی دسترخوان سے ماخوذ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اِس مبارک کتاب کی ترتیب و تالیف سے آج مورخہ ۲۲ جمادی الاوّل ۱۴۴۰ھ بمطابق 29 جنوری 2019ء بروز منگل فراغت ہوئی۔

اللہ تعالیٰ اہل بیت علیہم الرضوان کے مبارک حالات و واقعات سے کچھ حصہ ہمیں بھی اپنی عنایت سے عطا فرما دیں تو یہ محض اُس کا فضل و کرم ہے۔

اللہ تعالیٰ اس جدید کتاب کی ترتیب و اشاعت کو راقم الحروف، رُفقاء کار اور جملہ قارئین کیلئے دین و دُنیا کی سعادت اور خیر و برکت کا ذریعہ بنائے اور ہمیں تاحیات اہل بیت علیہم الرضوان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے کہ یہ دین و دُنیا کی عظیم سعادت ہے۔

والسلام

محمد اسحٰق غفرلہ

(مرتب کتاب ہذا)

تم بحمد اللہ

اولیاء اللہ کی خدمات واقعات اور نصیحت آموز حکایات
تقریباً 200 اولیائے کرام، مشائخ عظام اور مشاہیر کا مستند تذکرہ

قدیم و جدید اولیائے ملتان

مع گرد و نواح

تاثرات: سرتاجِ اولیا حضرت مولانا حافظ محمد ناصر الدین خاکوانی مدظلہم

رشحاتِ قلم

شہیدِ اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ

شیخ الاسلام فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

و دیگر اہل اللہ کے قلم سے

مرتب

محمد اسحٰق ملتانی
(مدیر ماہنامہ "محاسن اسلام" ملتان)

ملتان کے گرد و نواح کے علاقہ جات

بہاولپور... شجاع آباد... تونسہ شریف... خانیوال... ڈیرہ غازی خان... علی پور... مسکین پور... اُچ شریف
وہاڑی... کبیر والا... مظفر گڑھ... احمد پور شرقیہ... کہروڑ پکا... جلال پور... گوجرہ... مخدوم پور وغیرہ

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان 0322-6180738

کتاب "اہلِ بیتؓ" پر ایک نظر

- حضرات اہل بیت علیہم الرضوان کے فضائل ومناقب

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم... فقہاء ومحدثین رحمہم اللہ کی اہل بیت سے محبت وعقیدت

- اُمہاتُ المؤمنین رضی اللہ عنہن کی سیرت اور مثالی واقعات۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمہاتُ المومنین بالخصوص حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے محبت اور لطف وکرم کے واقعات۔

اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کو قرآنی خطاب

- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو سُسر سیدنا حضرت صدیق اکبر وعمر فاروق رضی اللہ عنہما اور دو داماد سیدنا عثمان اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کی سیرت و واقعات۔ حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی باہمی محبت والفت کے حسین واقعات جو "رُحَمَآءُ بَیۡنَهُمۡ" کا مصداق ہیں۔
- عم مکرم سیدنا عباس وحمزہ رضی اللہ عنہما
- کاتب وحی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیر ومناقب اور کارنامے۔
- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد مبارک اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مثالی واقعات۔
- سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے فرزند سیدنا حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے فضائل ومناقب۔
- اہل بیت کے مناقب ومشاجرات صحابہ کے متعلق حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے دو اہم مکتوب گرامی جو اکابر کے مسلک اعتدال کے ترجمان ہیں۔
- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے نواسوں سے محبت وشفقت کے حیرت انگیز واقعات
- سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا پُردرد مکمل ومفصل مستند واقعہ
- میدان کربلا میں شہید ہونے والے اہل بیت ودیگر حضرات کے اسماء گرامی۔
- سیدنا حسن وحسین رضی اللہ عنہما کی اولاد مبارک سے آئمہ صاحبزادگان کا مبارک تذکرہ۔
- اہل بیت کی محبت وخدمت پر انعام اور گستاخی کرنے پر عبرتناک واقعات۔